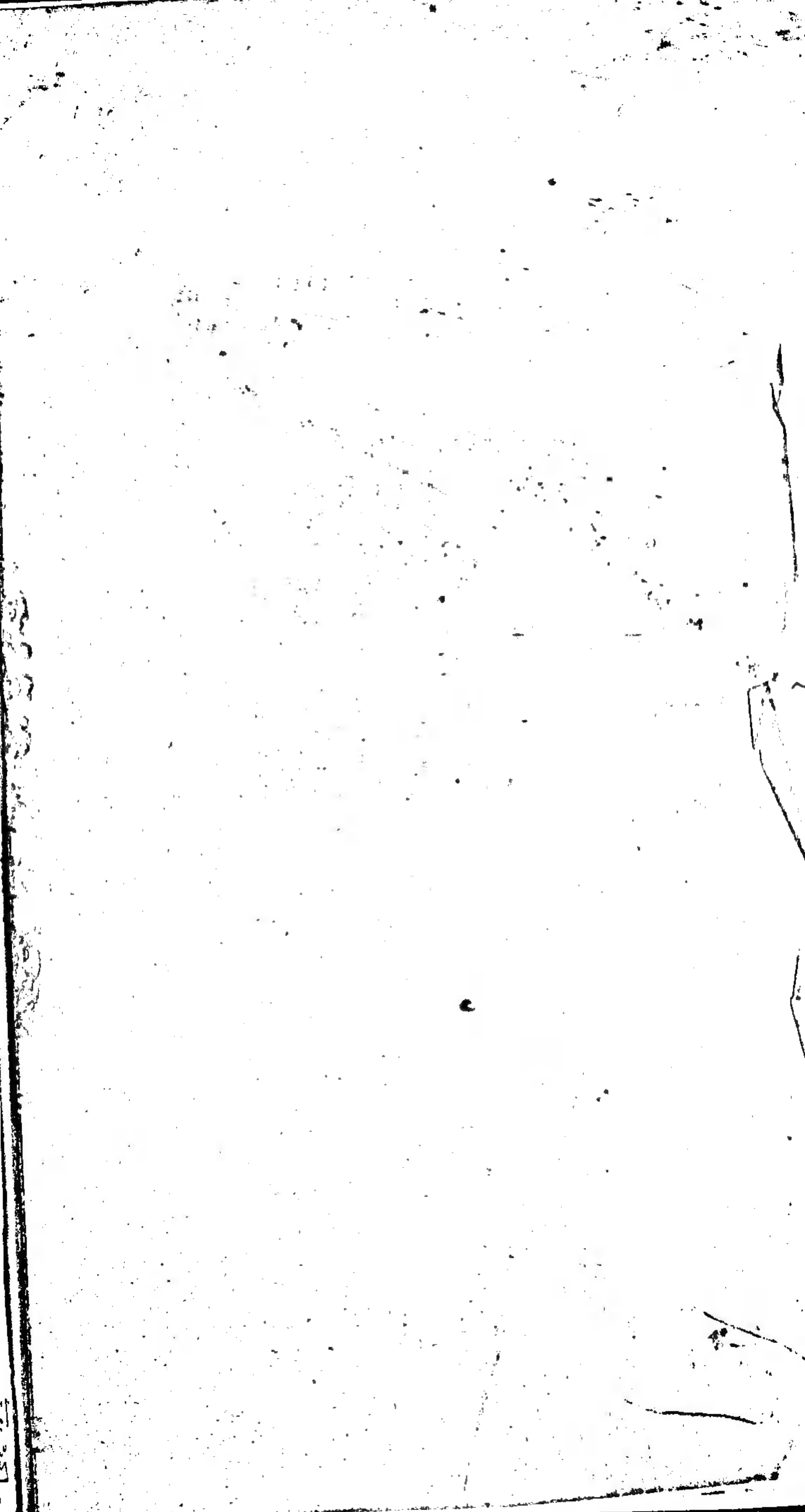


محمد
رسول الله



باسمہ تعالیٰ

محمد رسول اللہ ﷺ

www.marfat.com

تالیف :

آر، وی، سی باڈے

ترجمہ :

سید محمد امین زیدی

مکتبہ اعلیٰ اسلامیہ

✓
محمد رسول اللہ ﷺ

۲۹۷۶۹۹۲۱

۲۸۲ یا ۲۵
۲۲۴۱۵

تالیف: آردی، سی باڈے
ترجمہ: سید محمد امین زیدی
ناشر: محمد جمیل البتی
طابع: الطاف حسین
اہتمام: محمود عامر
توزین: غلام سرور راہی
سرورق: بشیر آرٹسٹ
کتابت: غنیمت علی

۳۵/۰۰

۱۹۷۸ء

مکتبہ عالیہ: ایک روڈ (انارکلی) لاہور

مطبوعہ: منظور پریس لاہور

DATA ENTERED

نذر

ما طالب خدائیم، بردین مصطفائیم
بر درگاہش گدائیم، سلطانِ مائیم
در باغ و بوستانم دیگر جو معینے
با غم پس است قرآن، زبانِ مائیم

نواذ عین الدین چشتی رحمتی

”گر قبول افستد زبِ عز و شرف“

محمد امین زیدی
(مترجم)

فہرست نقشہ جات

نقشہ نمبر	موضوع	صفحہ	باب
۱	شجرہ طیبہ مکہ کی تنگ وادی	۵۱	اختتام باب دوم پہلا باب
۲	سلطنتِ لہئے فارس و باز لطینہ (روم)	۶۳	" "
۳	قریش کی تجارتی شاہراہیں	۷۹	دوسرا باب
۴	مولہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و دیگر مقامات	۱۳۲	پانچواں باب
۵	ہجرت کا راستہ	۲۲۵	آٹھواں باب
۶	قدیم سلطنتیں	۲۳۷	نواں باب
۷	قبل از اسلام عرب کے مذاہب	۲۳۸	" "
۸	قبل از اسلام عرب کے خود مختار قبائلی	۲۵۱	" "
۹	مدینہ سے بدر تک	۲۷۳	دسواں باب
۱۰	جنگ بدر	۲۷۴	" "
۱۱	بنی اسرائیل کی ہجرت اور یہودیوں کی جلاوطنیاں	۲۸۸	گیارہواں باب
۱۲	جنگ اُحد	۳۱۰	بارہواں باب
۱۳	جنگ خندق	۳۳۰	تیرہواں باب
۱۴	واقعات ۶۲۳ تا ۶۳۲ء	۴۷۱	بیسواں باب

والدہ کا انتقال۔ دادا اور چچا ابوطالب کی سرپرستی۔ تجارتی کاروائی میں آپ کی دلچسپی۔ چچا کے ساتھ پہلا سفر شام اور نئی معلومات بصرہ کے عیسائی راہب، بحیرہ سے ملاقات۔ منکر کے لواحق کو کاظمین عیسائی سب تلخ قس بن سہارے کے موافق اذیتاں

تیسرا باب: ۹۰ جوابی

(۵۸۶ تا ۵۹۷ء)

سولہ سال کی عمر میں بڑے چچا الزمیر کے ساتھ ایک جنگ میں شرکت۔ مزید کاروانی سفر۔ تجارتی نمائندگی اور علمی زندگی کا تجربہ۔ حضرت محمد کا لایا اور عادات و خصائل اور خوش اخلاقی۔ آپ کی دیانت۔ راستبازی اور تجارتی تجربے کی شہرت۔ محبہ اسود و بارہ نصیب کرنے میں آپ کا کردار حضرت خدیجہؓ کا تجارتی ادارہ اور اس کا طریقہ کار۔ حضرت خدیجہؓ کی ملازمت اور ادارے کا اہم ہونا۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی۔

چوتھا باب: ۱۰۹

(۵۹۹ تا ۶۱۱ء)

متبادل زندگی کے چند پرستش سال۔ پھر تدریج تجارت میں دلچسپی کا کم ہونا۔ بہت بہت پرستی و اطاعت کی مضحکہ خیزی، کعبہ کا تقدس، تخلیق ارض و سماوات۔ خالق کائنات اور لائق عبادت و احد خدا کی تلاش جیسے مسائل پر غور و فکر کا آغاز۔ خیالات میں گم رہنا اور آہستہ آہستہ تجارت اور دوسرے دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی۔ جہل حرام جیسی الگ تھلک جہلوں پر جا کر روزے رکھنا۔ خاموشی و عبادت اور مرلے قبے کرنا۔ رویائے صادقہ۔ دین ابراہیمی کے صحیح دین ہونے کا یقین لیکن اصلاح کی ضرورت۔ چالیس سال کی عمر میں شفاء میں جبریلی امینؑ کی آمد اور آپؐ کے نبی منتخب ہونے کا اعلان۔ آپؐ کا خوض ہونا۔ حضرت خدیجہؓ اور درندہ بن نوفل کا آپؐ کے نبی مبعوث ہونے کی تصدیق

کرنا اور ہمت بندھانا۔ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہؓ کی دینی خدمات۔
پانچواں باب:

اذیتیں

۱۳۲

(۶۱۲ تا ۶۱۹ء)

نئے دین کے خلاف قریش کا پردہ پگینڈا۔ نزول وحی اور قرآن پر مختلف اعتراضات۔ شروع کے چند ایمان لانے والے۔ مسلمانوں پر بیجا سختیاں اور مظالم۔ آپ کے چچا ابی لہب اور اس کی بیوی اُمّ جہیل کی دشمنی۔ آپ کی حضراتی رقیہ رضی کی طلاق اور حضرت عثمان رضی سے شادی۔ اسلام کی علانیہ تبلیغ کا حکم فاران کی پہاڑی پر پہلا تبلیغی خطبہ۔ بنی ہاشم اور اپنے عزیز واقارب کے سامنے اسلام پیش کرنا۔ دوستوں اور پُرانے ساتھیوں کی مخالفت اور استہزاء۔ معجزوں کا مطالبہ اور آپ کا جواب عمر بن العاص کی ہجو یہ شاعری۔ ابو جہل اور دیگر لوگوں کے تمسخر اور ایذا رسانیوں میں اضافہ۔ حضرت حمزہؓ کا اس کو سزا دینا اور ایمان لے آنا۔ حضرت عمر رضی کا قبول اسلام اور دین اسلام کی تقویت۔ اسلام دشمنی میں مزید اضافہ اور مسلمانوں کی حبشہ کو ہجرت۔ قریش کا غیض و غضب۔ مسلمانوں کا شعب ابی طالب میں پناہ لینا۔ قریش کا محاصرہ اور تین سال تک اقتصادی اور سماجی مقاطعہ۔ مسلمانوں کی رہائی۔ حضرت خدیجہؓ اور آپ کے چچا ابو طالبؓ کا انتقال اور آپ کے مصائب میں اضافہ۔

چھٹا باب: اسلامی عقائد و تعلیمات

۱۴۲

اسلام کے معنی۔ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ اسلام کے چیدہ چیدہ اصول اور تعلیمات۔ اہل کتاب ہوتے ہوئے یہود اور عیسائیوں سے مجبوتہ کیوں نہ ہو سکا۔ عیسائیوں کے مختلف فرقے اور متضاد عقیدے۔ مسلمان اور مفتوحہ علاقے۔ اسلام میں حضرت عیسیٰؑ کا مرتبہ اور احترام۔ یہودیت اور عیسائیت کی اچھی تعلیمات دین اسلام میں۔ تعدد از دواج اور اسلام۔ اسلام میں خدا اور بندے کا رشتہ۔

اسلام اور رہبانیت - دین اسلام اور علی زندگی - جنت اور دوزخ - ارکان ایمان
اور دین کے فرائض - حضرت محمد اور اسلام

ساتواں باب :

سیرِ بیفت افلاک یا معراج (۶۲۰) ۱۹۳

حضرت محمد کا حضرت سودا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح - ایذا رسانیوں میں
شدت - طائف کا تبلیغی دورہ - مطعم بن عدی کا آپ کو پناہ دینا - اسی قیام
کے دوران آپ کا آسمانی سفر اور سیرِ بیفت افلاک - معراج کے متعلق غیر
مسلموں کے شکوک اور استہزاء - انجیل مقدس میں عالیجاہ نبی کا آتشیں رمتھ میں
آسمانوں پر جانا، حضرت عیسیٰ کا دنیا میں دوبارہ آنا اور اسی قسم کے بہت سے
ما فوق الفطرت آسمانی مناظر کا تذکرہ اور اقتباسات -

آٹھواں باب :

ہجرت ۲۱۳

(۶۲۰ تا ۶۲۲)

مکہ میں نبوت کے دس سال - اسلام دشمنی میں اضافہ - مدینہ کے وفد سے
طلاقات - اہل مدینہ کی یقین دہانی - بیعت عقبہ - مسلمانوں کی چھوٹے چھوٹے
گروہوں میں مدینہ کو ہجرت کا آغاز - حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدینہ کو روانگی - ابوسفیان
کی گورنری - حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ اور آپ کی باخبری - آپ کے
مکان کا محاصرہ اور قریش کی ناکامی - حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین روز تک
غار ثور میں پناہ لینا - مدینہ کو روانگی - ہلال کا نشان اور اسلام - راستے کی
صعوبتیں - سراقہ ابن مالک کا تعاقب - ساتویں روز قبا پہنچنا اور آپ کا
استقبال - پہلی علانیہ نماز اور خطبہ ۲ جولائی ۶۲۲ء کو شہر مدینہ میں ایک
فاتح اور حکمران کی طرح داخلہ - خالص مذہب کی بنیاد پر دنیا کی پہلی
حکومت کا معرض وجود میں آنا - عہدِ فاروقی میں اسی دن سے تقویم ہجری کا آغاز

نواں باب :

مدینہ (۶۲۲ عیسوی) ۲۳۶

ابو الیث نب انصاری۔ مدینہ میں پہلا قیام۔ مسجد نبویؐ کی جگہ کا انتخاب اور
اسکی تعمیر مسجد کی سادگی۔ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ میں برادرانہ تعاون
یا سلسلہ موافقات۔ اپنے اور اہل خانہ کی رہائش کے لئے کچے حجرہوں کی تعمیر
مدینہ میں حکومت، اور دولت کے باوجود درویشانہ رہن سہن۔ آپؐ کا کھانا اور
لباس۔ گھوڑے سائڈ نیاں اور دوسرے جانور رکھنے کا شوق۔ مسلمانوں کو
سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین۔ اذان کی ابتداء۔ بلال حبشی اسلام کے پہلے
مؤذن مسلمانوں کے لئے اخلاق اور معاشرتی آداب اور شہرہ اور مدنی
زندگی کے قواعد وضع کرنا۔ عرب جیسی قوم کا اطاعت گزار اور متحد بنانا
حضرت محمدؐ کا ایک ناقابل یقین اور عظیم معجزہ۔ حضرت عائشہؓ کی شخصیت۔
مغربی سوانح نگاروں کی نکتہ چینی اور اسکا جواب۔ حضرت فاطمہؓ الزہراءؓ
اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی شادی۔

دسواں باب:

پہلی لڑائی

۲۶۰

(عندۃ بدر - ۶۲۴ء)

جہاد کا حکم۔ غیر مسلموں کے اعتراضات۔ صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کی تباہ کاریاں۔
اس کے برعکس سلطان صلاح الدین ایوبی اور دوسرے مسلمان فاتحین کا محکموں
سے سلوک۔ ماہ رجب میں عبداللہ بن جحشؓ کا ایک قریشی کارواں پر حملہ
اور قدیم روایت کی خلاف ورزی۔ جنوری ۶۲۴ء میں ابوسفیان کے تجارتی
قافلے کی واپسی اور اہل مکہ سے مدد مانگنا۔ ابو جہل کا ایک ہزار کا لشکر لیکر بدر پہنچنا۔
کارواں کا نچ نکلنا۔ اکابر قریش کا واپسی کا مشورہ اور ابو جہل کا جنگ پر اصرار۔
جہاد کا نظریہ اور اس کے دور رس نتائج۔ بدر کا معرکہ اور قریش کی شکست۔
قریش کے قیدی اور فدیہ پردہ لائی۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق فرمانِ الہی۔
فتح بدر کی اہمیت۔

گیارہواں باب:

پہریں

(۶۲۴ء عیسوی)

۲۸۷

جنگ بدر اور تاریخ اسلام۔ حضرت رقیہؓ کا انتقال۔ بدر کی خبر سن کر ابی لہب کی اچانک موت۔ اُس کے لڑکے عقبہ کا شیر کے باغیوں مارا جانا۔ مسلمانوں کی غیر متوقع فتح پر یہودیوں کی جھنجھلاہٹ۔ اسلام دشمنی میں اضافہ اور شرارتیں۔ یہودیوں کی جلا وطنیوں کی مختصر تاریخ اور یثرب میں اُنکی آمد۔ مدینہ کے عرب قبائل بنو اوس و خزرج سے اقتدار کی جنگ۔ عبداللہ بن ابی کو مدینہ کا متفقہ سردار بنالینے کی تجویز۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آجانے سے عبداللہ بن ابی کی امارت مدینہ سے محرومی اور اُس کا ردِ عمل۔ آنحضرتؐ کی صلح جوئی اور یہودیوں سے تحریری معاہدہ۔ قبلہ کی تبدیلی اور یہودیوں کا اشتعال۔ اسماء بنت مروان اور ابوالفک کی آپؐ کی شان میں ہجو گوئی اور ان کا قتل۔ یہودیوں کے قبیلہ بنو قنیقاع کی بدعہدی اور اُن کا مدینہ سے اخراج۔ کعب بن اشرف ایک اور یہودی شاعر کا مکہ جا کر قریش کو اشتعال دلانا اور اُس کا قتل۔ بدر کی شکست پر ابوسفیان کا غم و غصہ اور مدینہ کے نواح پر حملے۔ جو ابی طور پر مسلمانوں کا قریش کے تجارتی قافلہ کی ناکہ بندی کرنا اور ایک بڑے قافلے کو لوٹ لینا۔ حضرت حفصہؓ سے نکاح۔ آپؐ کی دوسری صاحبزادی اُمّ کلثوم کی حضرت عثمانؓ سے شادی۔

بارہواں باب :

دوسری لڑائی (غزوۃ اُحد - ۶۲۵ء) ۳۰۴

بدر کے ایک سال بعد ابوسفیان کا تین ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ مدینہ اور دوسری قریشی عورتوں کی جنگ میں شمولیت۔ دشمن کو مدینہ سے باہر روکنے کا فیصلہ۔ اسلامی لشکر کی تعداد۔ جبل اُحد کے دامن میں دونوں لشکروں کی صف بندی۔ جنگ کا آغاز اور قریش کے لشکر کی پسپائی۔ سخت احکام کے باوجود مسلمان تیر اندازوں کا اپنی جگہ چھوڑ دینا خالد بن ولید کا عقب سے اچانک حملہ اور قریش لشکر کا لوٹ آنا۔ اسلامی لشکر میں افراتفری اور شدید جانی نقصان۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت۔ حضرت حمزہؓ کا زخمی ہو جانا اور آپؐ کے قتل کی افواہ سے

مسلمانوں میں بددلی اور سراسیمگی۔ مسلمانوں کا دوبارہ جمع ہونا اور پہاڑی پر کوچ
جما کر دفاع جاری رکھنا۔ قریشی لشکر کی ہمت کو واپسی۔ دوسرے روز حضرت محمدؐ کا
مدینہ واپس آنا۔ ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب اور اسے مکہ کی طرف فرار پر
مجبور کر دینا۔ مدینہ واپس آنے پر مسلمانوں کو ان کی نافرمانی پر تنبیہ اور اطاعت
رسول اور سختی ایمان کی تلقین۔

تیسرے ہواں باب :

مدینہ کا محاصرہ

۳۲۴

(غزوہ خندق - ۶۲۷ء)

قریش کی ایک اور جنگ کی تیاری۔ خیبر کے یہود۔ بنو غطفان اور دوسرے عرب
قبائل کا قریش کا ساتھ دینا۔ ابوسفیان کا دس ہزار کے لشکر سے مدینہ پر
حملہ۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد۔ اسلحہ اور سامان کی کمی۔ مدینہ کے دفاع
کے لئے غیر محفوظ اطراف میں خندق کھودنا۔ عقب میں یہودی قبیلہ بنو قریظہ اور
عبداللہ بن ابی کی موجودگی اور بددیاری اور غداری کا خطرہ۔ بنو غطفان کو قریش
سے علیحدہ کرنے کی تجویز۔ قریش کے حملے اور انکی ناکامی۔ عمرو بن عبدود اور
حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا معرکہ۔ ابوسفیان کی ریشہ دوانیاں اور بنو قریظہ کی
بددیاری۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ناکام سیاح جوتی۔ ابوسفیان کا بڑا حملہ۔ قریش اور
بنو قریظہ میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک اور بے اعتمادی۔ بنو قریظہ کا
باقا عمرہ جنگ میں شرکت سے گریز۔ قریشی لشکر میں بے اطمینانی اور ابوسفیان کی
باپڑی۔ موسم کی خرابی بارش اور طوفان۔ طوفان کی شدت اور بددلی کے سبب
قریش اور ان کے حمایتی قبائل کا کیمپ اٹھا کر مدینہ سے فرار۔ بنو قریظہ کو
غدری کی سرادینے کا فیصلہ۔ ان کے قلعہ کا محاصرہ۔ یہودیوں کا ہتھیار ڈالنا۔
اور سعد بن معاذ کو ثالث مقرر کرنا۔ یہودیوں کا قتل۔ حضرت محمدؐ پر ظالم
ہونے کا الزام اور توہرات سے اس کا جواب۔

چودھواں باب :

حضرت عائشہؓ کا ہمار

۳۴۶

(۶۲۷ عیسوی)

عرب عورتوں کے متعلق اہل مغرب کا غلط قیاس حضرت عائشہؓ پر بہتان تراشی۔
 عبداللہ بن ابی کا کردار۔ حضرت عائشہؓ کی بریت اور عورتوں پر غلط الزام لگانے
 والوں کی سزا کے متعلق آیت کا نزول۔ عورتوں پر بہتان تراشی، شادی اور
 طلاق کے متعلق وضع قوانین۔ شادی اچھے معاشرے کی اساس۔ اسلام سے پہلے
 عرب میں عورت کی حیثیت۔ مغرب کے مقابلہ میں اسلام میں عورت کا
 مقام اور حقوق۔ عورت سے اچھے سلوک کی ہدایات۔ اہل کتاب عورتوں سے
 شادی کی اجازت۔ بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنے پر پابندی۔ حضرت محمدؐ
 کے کھانے اور لباس کی سادگی۔ سرمہ، عطر اور خضاب کا استعمال۔ کھانے کا
 طریقہ اور دعا۔ دودھ سے رغبت۔ آپؐ کا اصطلیل۔ سواری کا شوق۔ آپؐ
 کے مکانات، غلام اور کاتب یا سیکرٹری۔

پندرہواں باب:

۳۶۰

قرآن

قرآن کے متعلق مغرب والوں کی لاعلمی۔ قرآن کے لغوی معنی۔ سورتوں یا ابواب
 کی تعداد۔ سورتوں کا عنوان اور نفس مضمون۔ اکثر آیات و احکامات کا آغاز
 لفظ "قل" سے ہونا کلام الہی ہونے کی دلیل۔ پہلے پہل قرآنی آیات بھڑکے
 کے شانے کی ہڈیوں، سید، لکڑی یا پتھر کی تختیوں، کھالوں، کھجور کی
 شاخوں اور کپڑے کی پٹیوں پر محفوظ کی گئیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں زید بن ثابت
 کا قرآن کو جمع کر کے کتابی صورت دینا اور اس کا مستند نسخہ قرار دیا جانا۔
 حضرت حفصہؓ کی تحویل۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اس نسخہ کی مزید نقلیں
 تیار کر کے مختلف گورنروں کو بھیجنا۔ قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو آج تک بلا
 تحریف و ترمیم جڑوں کی ٹوں موجود ہے۔ دنیا میں قرآن کے تمام نسخے حضرت حفصہؓ
 واسطے قرآن ہی کی نقلیں ہیں۔ سورتوں کی ترتیب۔ اسلام کے شروع دور کی سورتوں

پرشاعرانہ رنگ کا غلبہ۔ حضرت محمدؐ کے اختیار کے ساتھ ساتھ سورتوں کے لب لہجہ میں بتدریج تبدیلی۔ شاعرانہ صفات کے باوجود قرآن مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور مدنی ضوابط کا ایک مجموعہ اور عبادت اور دنیاؤں اور وقت و مکہ کے منہی واقعات اور قصص کی ایک جامع کتاب ہے۔ ترجمے قرآن کو اس کے الفاظ کی عظمت و سحر اور غنائیت سے محروم کر دیتے ہیں۔ قرآن کا الہامی ہونا۔ قرآن پہلی مرتبہ انبیائے سلف کے واقعات کو تاریخ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ قرآن اور حضرت عیسیٰؑ۔ قرآنی سورتوں سے چند نمونے۔

سولہواں باب ۱

صلح حدیبیہ

۳۸۰

(۶۲۸ عیسوی)

جانوروں سے اچھے برتاؤ کے لئے ہدایات اور قواعد وضع کرنا۔ ۶۲۷ء میں قریش کے متعدد چھوٹے حملے۔ ستمبر ۶۲۷ء میں قریش کے ایک بڑے قافلے کو لوٹنا۔ قیدیوں میں آپ کے داماد ابوالعاص کا شامل ہونا۔ ان کی رہائی اور قبول اسلام۔ رومن شہنشاہ ہرقل کے دربار میں پہلی سفارت۔ صلح جہکے اختتام کے قریب عمرے کے لئے پندرہ سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے روانگی۔ حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ۔ حضرت عثمانؓ کی صلح جوئی کی کوشش۔ اُن کے قتل کی افواہ اور بیعت رضوان۔ قریشی سفیروں سے مذاکرہ۔ فریقین میں معاہدہ اور صلح کی شرائط۔ معاہدے کی شرائط سے مسلمانوں میں مایوسی۔ حضرت ام سلمہؓ کا کردار۔ سورۃ فتح کا نزول۔ ابولعبیر کا قریش کے کاروانوں کا راستہ مسدود کر دینا۔ قریش کا وفد اور نو مسلموں کی مدینہ سے جبراً واپسی کی شرط کی تینخ۔ معاہدہ حدیبیہ حضرت محمدؐ کا عظیم سیاسی کارنامہ۔

سترہواں باب ۲

سفارتیں۔ غزوہ خیبر

۳۸۱

سفیروں کا انتخاب۔ آپ کی مہر۔ شہنشاہ ہرقل۔ شہنشاہ خسرو۔ قبیلہ بنو حنیظہ۔

کے سردار۔ گورنر مصر اور شاہ حبش کے ہاں سفارتیں بھیجنا اور اسلام کی دعوت دینا۔ شہنشاہ خسرو کی بے ادبی اور نادبی کا رد واتی کی دھمکی۔ شاہ حبش کے ہاں سفیروں کی مدارات اور مسلم مہاجرین سے اچھا سلوک۔ حبش میں مقیم حضرت اُمّ حبیبہؓ کا رسول اللہ سے نکاح اور شاہ حبش کی وکالت۔ مصر کے گورنر کا آپ کو تحائف بھیجنا اور قبلی کینزین خدمت میں پیش کرنا۔ حضرت زینبؓ کی آپ کی کینزی میں۔ آپ کی دوسری ازواج کی خفگی اور آپ کی ناراضگی حضرت خدیجہؓ کے متعلق آپ کے تاثرات۔ حضرت محمدؐ کی ذہنی صلاحیتیں۔ فوج کی جدید تشکیل۔ نئے ہتھیار اور تربیت۔ خیبر کا محل وقوع اور یہودیوں کا خطرہ۔ خیبر کی مہم۔ مسلم خواتین کی پہلی بارجنگ میں شرکت۔ یہودیوں کا زبردست مقابلہ فتح میں تاخیر۔ قلعہ قاموص پر حضرت علیؓ کا فیصلہ کن حملہ۔ یہودی سردار مرحب سے مقابلہ۔ مسلمانوں کی فتح۔ حضرت صفیہؓ آپ کی زوجیت میں۔ ایک یہودی عورت زینب کا آپ کو زہر دینا۔ مدینہ کو فتح مند واپسی۔ مسلم مہاجرین اور حضرت اُمّ حبیبہؓ کی حبشہ سے آمد۔

اٹھارہواں باب :

ایفائے معاہدہ (عموقضا) اور جنگ مرتہ ۴۲۲

معاہدہ حریبیہ کے مطابق فروری ۶۲۹ء میں حضرتؐ کا ارادہ عمرہ۔ دو ہزار سے زائد مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے روانگی۔ سربراہ آوردہ قریش کا مکہ سے باہر چلا جانا۔ عوام کا کعبہ کے گرد پہاڑیوں پر ڈیرے جمالینا۔ مسلمانوں کا بیت اللہ میں داخلہ اور مناسک کی ادائیگی۔ حضرت بلالؓ کا کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینا اور کعبہ کے بتوں کا ان کے پاؤں تلے ہونا۔ بتوں کے غضب سے محفوظ رہنے، اذان کے سحر اور اسلامی شعار سے اہل مکہ کا تاثر ہونا۔ عمرے کے بعد مدینہ کو واپسی۔ حضرت میمونہؓ سے شادی۔ خالد بن ولیدؓ عمرو بن العاصؓ اور کعبہ کے متولی عثمان بن طلحہؓ کا مدینہ جا کر قبول اسلام۔ ایک

اسلامی سفیر کا فلسطین میں قتل۔ زید بن حارثہ کی سرکردگی میں تین ہزار کے لشکر کی روانگی۔ خالد بن ولید کا پہلی بار اسلامی لشکر میں شریک ہونا۔ موتہ (فلسطین) کے مقام پر دو لاکھ رومن فوج سے مقابلہ۔ اسلامی لشکر کا زبردست جانی نقصان سالار ابن لشکر زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبد اللہ بن رواحہ کی شہادت۔ خالد بن ولید کی سالاری اور اسلامی لشکر کو بچا کر نکال لانا۔ حضرت خالد کو سیف اللہ کا خطاب۔ عمرو بن العاص کی سالاری میں شام کی طرف ایک مہم کی روانگی۔ مسلمانوں کی کامیابی۔ اس مہم میں حضرات عمرؓ، ابو بکرؓ اور ابو عبیدہؓ جیسے صحابہ کبار کا عمرو بن عاص کی ماتحتی میں لڑنا اور اسلامی ڈسپلن کی مثال قائم کرنا۔

انیسواں باب :

ابوسفیان کی دستبرداری

۴۴۳

(فتح مکہ۔ جنوری ۶۳۰ء رمضان ۸ ہجری)

مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر قریش کے حلیف بنی بکر کا حملہ۔ قریش کی شمولیت اور معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی۔ مکہ والوں کو غلطی کا احساس۔ ابوسفیان کا صلح جوئی کے لئے مدینہ جانا اور ناکامی۔ دس ہزار اسلامی لشکر کی روانگی۔ غیر معروف راستوں سے سفر اور لشکر کی نقل و حرکت کی رازداری۔ لشکر کا اچانک مکہ پہنچنا اور شہر کا محاصرہ۔ ابوسفیان کا رات کے وقت مکہ سے نکلنا۔ حضرت عباسؓ سے ملاقات نمود کو حضرت محمدؐ کے سپرد کر دینا اور ایمان لے آنا۔ اسلامی فوجوں کا مکہ میں داخلہ۔ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکر مہربن ابوہل کی خالد بن ولید کے سواروں سے جھڑپ اور فرار۔ حضرت محمدؐ کا بیت اللہ میں تشریف لے جانا۔ کعبہ کے تمام بتوں کو توڑ دینا۔ کعبہ کی گنجیاں عثمان بن طلحہ اور زمزم کی تولیت حضرت عباسؓ کو لوٹانا۔ اہل مکہ کے لئے عام معافی کا اعلان اور ان کا قبول اسلام۔ ہندہ کا معافی مانگنا اور مسلمان ہو جانا۔ عکر مہربن ابوہل کی واپسی اور قبول اسلام۔ مکہ کے گرد و نواح کے بتوں کا خاتمہ۔ شہر مکہ پر منورسی توجہ اور اہل مدینہ کا شکوہ اور حضرت محمدؐ کی یقین دہانی۔ کعبہ کے بتوں سے پاک ہو جانا۔

پر حضرت محمدؐ کی شکر گزاری اور اطمینان ۔

بیسواں باب :

فوج کی تشکیل

۴۶۴

(غزوات حنین، طائف اور تبوک ۶۳-۶۳۱ء)

فتح مکہ کا ردِ عمل ۔ وادی طائف کے قبائل کا اجتماع اور جنگی تیاری اسلامی لشکر کی روانگی حنین کی تنگ گھاٹی میں خالد بن ولید کے ہراول سواروں کا پھنس جانا ۔ دشمن کا دونوں جانب سے اچانک حملہ ۔ بڑے سواروں کی بوکھلاہٹ اور فرار ۔ دیکھا دیکھی ساری سپاہ کا بھاگ اٹھنا ۔ حضرت محمدؐ کا میدان میں ڈٹ جانا اور بھاگتی فوج کو مجتمع کر کے باری ہوتی لڑائی جیتنا ۔ مکمل فتح اور غنیمت کی فراوانی ۔ آپؐ کی دایہ علیہ سعید اور آن کی لڑکی کا قیدیوں میں شامل ہونا ۔ طائف کا محاصرہ ۔ حنین کی غنیمت کی تقسیم اور اہل مدینہ کا اعتراض ۔ حضرت محمدؐ کا جواب ۔ مدینہ کو واپسی ۔ شام کی سرحد پر رومن فوجوں کے اجتماع کی خبریں ۔ جہاد کا اعلان اور مقابلہ کی تیاری ۔ منافقین کا پروپیگنڈہ ۔ کچھ مسلمانوں کا جہاد میں شامل نہ ہونا ۔ چالیس ہزار فوج اور بار برداری کے ساتھ بچھلتے ہوئے صحرا کو طے کر کے تبوک پہنچنا ۔ کافی دیر قیام کے باوجود رومن فوج کا سامنے نہ آنا ۔ اس دوران میں گرد و نواح کے قبائل اور سرداروں کا اطاعت اختیار کرنا ۔ مقابلہ کرنا اور شمالی سرحدوں کو محفوظ بنانا ۔ مدینہ کو فتح و ظفر کے ساتھ واپسی ۔ ہم میں شامل نہ ہونے والوں کا اخلاقی اور سماجی بائیکاٹ ۔ عبداللہ بن ابی کی وفات ۔ طائف کے وفد کی آمد اور اطاعت ۔ ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کا طائف جا کر وٹاں کے بڑے ٹیپ "الآت" کو توڑنا ۔ حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا ۔ سورۃ برأت کا نزول اور آئندہ سے حرم میں غیر مسلموں کے داخلے پر پابندی ۔

ایکسواں باب :

حجۃ الوداع

۴۹۰

(۶۳۲ عیسوی)

اسلام میں عیسائیوں سے سلوک۔ مصر، اومان، یمن، حضرموت اور شمال اور جنوب کی خود مختار ریاستوں سے وفود کی آمد۔ مشرق بعید میں اشاعت اسلام میں حضرموت کے لوگوں کی خدمات۔ حضرت محمدؐ کا نبی آخر الزمان اور اسلام کا آخری دین ہونا۔ مسلمانوں کا کذاب اور نبوت کا دعویٰ۔ اُس کا پیغام اور آپؐ کا جواب۔ مارچ ۶۳۲ء میں حج کے لئے چالیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ روانگی مناسک حج کا تعین اور ان کی ادائیگی۔ آپؐ کا آخری حج و بصیرت افروز خطبہ اور معاشرتی اصلاحات۔ دین اسلام کے تکمیل کے متعلق آیت کا نزول مکہ میں مختصر قیام۔ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی قبروں پر حاضری۔ مدینہ کو واپسی۔

بائیسواں باب :

وفات

۵۱۰

(جون ۶۳۲ء)

مسلمانوں کا نظریہ حیات اور موت سے بے خوفی۔ شام کے خلاف ہم بھینچنے کی تیاری اور اسامہ بن زید کی سالاری۔ اسلامی افواج میں سالاری کا معیار۔ آپؐ کی علالت اور اُس کے اسباب۔ حجت البقیع میں اہل قبور کے لئے دعا۔ بخار میں تیزی اور آپؐ کا حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منتقل ہونا۔ اسامہ کے لشکر کو روک لینے کی خبر سن کر خفگی کا اظہار اور مسجد میں اگر خطبہ دینا۔ زید بن حارثہ اسامہ بن زید۔ ابی بکر صدیقؓ اور انصار مدینہ کی تعریف، اُن سے حسن سلوک کی ہدایات اور اپنی عنقریب وفات کی طرف اشارہ۔ بیماری میں شدت۔ حضرت ابی بکرؓ کو نماز پڑھانے کی ہدایت۔ طبیعت کی بحالی

پس ایک مرتبہ پھر مسجد میں جا کر وعظ و نصیحت کرنا اور بتانا کہ موت سے کسی کو
مفر نہیں اور یہ کہ آپ کی وفات سے ان کے ایمان اور اسلام میں کوئی
فرق نہیں آنا چاہیے۔ اتحاد، محبت، اخوت اور نیک اعمال کی تلقین۔
آپ کی وفات، حضرت عمرؓ اور دوسرے بہت سے لوگوں کا یقین
نہ کرنا۔ حضرت ابی بکرؓ کا اگر آپ کی وفات کی تصدیق کرنا۔ رنج و غم کا منظر
حضرت محمدؐ کی جانشینی کا سوال۔ اہل مدینہ کا اجتماع۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ
کا متفقہ طور پر خلیفہ منتخب ہو جانا۔ آپ کی تدفین مسجد نبوی میں بیعت
اور بحیثیت خلیفہ تقریر۔

کتابیات: ۵۳۳



تعارف

مسٹر باڈے کی کتاب THE MESSENGER پہلے ۱۹۶۴ء میں میری نظر سے گزری اس وقت صرف چند ابواب ہی دیکھ سکا کیونکہ ایک کرم فرما سے عاریتاً دو تین روز کے لئے لی تھی۔ اس کے بعد مصروفیات کے سبب اس طرف توجہ نہ دے سکا۔ ۱۹۷۳ء میں لاہور کے مختلف ناشران اور کتب فروشوں سے دریافت کیا کہ یہ کتاب کہیں دستیاب ہو تو خرید سکوں لیکن اس میں مایوسی ہوئی چنانچہ لائبریری سے لے کر پڑھی۔ اب کی دفعہ اطمینان سے مطالعہ کیا تو مصنف کے اسلام کے متعلق تاثرات، اس کے انوکھے انداز بیان اور دلنشین پیرائے نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ اس کا ترجمہ کرنا ضروری سمجھا تا کہ دوسرے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں اور خصوصاً ہمارے وہ نوجوان جو مغربی تعلیم حاصل کر کے رسول کریم کی عظمت سے لاعلم اور اسلام جیسے عملی نظام حیات سے دور اور بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ میری یہ ناچیز کوشش پیش خدمت ہے۔

لاہور کے کتب خانوں میں مصنف کی صرف دو کتابیں دستیاب ہوئیں۔ ایک تو یہی جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے اور جو ۱۹۵۴ء میں لاہور کے ایک ادارے اورینٹالیا ORIENTALIA کے اشرف ڈار صاحب نے طبع کرائی۔ اور دوسری "اندرون الجیریا" FROM WITHIN ALGERIA ہے۔ ان دونوں کتابوں میں نہ تو خود مصنف نے اپنے متعلق کچھ لکھا ہے اور نہ ہی ناشران نے مصنف کا کچھ احوال دیا ہے۔ چنانچہ مصنف کے حالات کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے میں برٹش کونسل کے کتب خانے گیا۔ معلوم ہوا کہ چونکہ مصنف انگریز نہیں ہے۔ اس لئے اس کی کوئی تصنیف وہاں موجود نہیں۔ مصنف کی اکثر تصانیف امریکہ سے شائع ہوئی ہیں۔ اس خیال

سے امریکن سنٹر کے کتب خانے کا بھی چکر لگایا لیکن انہوں نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ چونکہ مصنف امریکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کی کوئی کتاب ان کے ہاں نہیں۔ البتہ دوسری مرتبہ برٹش کونسل والوں کی امداد و عنایت سے لندن کے ٹائمز کی مطبوعات میں سے ایک کتاب تذکرہ مصنفین میں جس کا نام THE AUTHORS AND WRITERS WHO'S WHO. مطبوعہ ۱۹۶۳ء ہے، چند سطور مصنف کے حال اور تصنیفات کے متعلق مل گئیں۔

مصنف نے اپنی کتابوں میں اپنا نام آر۔ وی۔ سی۔ باڈلے لکھا ہے۔ پورا نام رونالڈ ویکٹر کورٹنی باڈلے ہے۔ مصنف کے متعلق صرف اتنے ہی حالات معلوم ہو سکے کہ وہ ۱۸۹۲ء میں پیرس میں پیدا ہوا۔ انگلستان میں ایٹن (ETON) کے پبلک سکول میں تعلیم پائی اور رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ سے فوجی کمیشن حاصل کیا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے کچھ وقت ہندوستان میں گزارا اور یہاں ہی کشمیر میں ایک شکاری مہم کے دوران اسلام سے روشناس ہوا جس کا ذکر اس نے اس کتاب کے پیش لفظ میں کیا ہے۔ جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں برطانوی فوج میں خدمات انجام دیں اور لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک پہنچا۔ فوج سے کب ریٹائر ہوا اس کا کچھ علم نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اور حالات بتاتے ہیں کہ مصنف جنگجوئی اور فوجی خدمات کی نسبت کتب بینی اور سیاحت کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ سفید اقوام جس میں انگریز بھی شامل ہیں، کے ہاتھوں پس ماندہ اقوام کے استحصال کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جس کی جھلکیاں اس کی دوسری کتب کے علاوہ اس کتاب کے صفحات میں بھی جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ چنانچہ بقول خود جنگ عظیم کے بعد کے زمانے کی بے کار اور بے نتیجہ الجھنوں سے اکتا کر عرب چلا گیا اور وہاں پر صحرائیوں کے درمیان سات سال تک انہی کی طرح خمیوں میں رہا۔ انہی کی طرح کالباس پہنا اور ان کا دوست بن کر ان ہی کی طرح کی جفاکشانہ زندگی گزاری۔ اس طویل قیام کے دوران اسے وہاں کے صحرائیوں اور قصباتی عربوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہاں رہ کر اس نے رسول اکرمؐ کے حالات زندگی، وہاں کا ماحول اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور اس دوران میں اپنے ذہن میں واد اکھٹا کرتا رہا۔

مصنف کے سیاحی کے شغف اور مطالعے اور مشاہدے کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی کتاب "اندرون الجیریا" ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں اس کی تصنیف کردہ ہیں۔

1. ADMIRAL TOGO
2. INDISCREET TRAVELS EAST.
3. A JAPANESE OMELET.
4. A DRAMA OF THE PACIFIC.
5. INDISCRETIONS OF A YOUNG MAN.
6. THE LILAC TREE.
7. OPAL FIRE.
8. YASMINA.
9. GERTRUDE BELL.
10. FLIGHT INTO PORTUGAL.
11. WIND IN THE SAHARA.
12. THE WARRIOR SAINT.
13. IN SEARCH OF SERENITY.
14. THE GAY DESERTERS.

پیش نظر کتاب THE MESSENGER پہلے پبل ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن پاکستان سے ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اصل ایڈیشن پاکستان میں نایاب ہے۔ اس تصنیف و تالیف کے شغل کے علاوہ مصنف عرصہ تک امریکہ کے مشہور رسائل "CORONET" "SPHERE" اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے اداروں سے بھی بحیثیت قلمی معاون منسلک رہا۔

مصنف نے اس کتاب میں رسول کریمؐ کو ایک روحانی پیشوا اور ایک مافوق الفطرت آدمی کی بجائے ایک زیرک، مخلص، انسانیت کا ہمدرد اور خدا و صلاحیتیں رکھنے والے

عملی انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آپ نے نبی ہونے کے باوجود لوگوں کو قائل کرنے کے لئے معجزے نہیں دکھائے۔ آپ کا سب سے بڑا معجزہ تو یہ تھا کہ آپ بغیر کسی معجزے کے اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔ آپ سب سے پہلے اور آخری نبی تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں لاتعداد خداؤں کو پوجنے والی قوم اور بت پرست عرب کو ایک واحد خدا کا پرستار بنا دیا۔ یہ شرف اور کامیابی کسی اور نبی یا پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ مصنف نے اس کتاب میں اسلامی اصولوں کو سراہا ہے اور عیسائیوں اور یہودیوں کے اعتراضات کا انہی کی الہامی کتابوں سے جواب دیا ہے۔ غالباً یہ ہی سبب ہے کہ انگلستان اور امریکہ والوں نے اس کتاب کو پسند نہیں کیا اور مذکورہ بالا تذکرہ مصنفین میں مسٹر باڈلے کی تصنیفات میں پیش نظر کتاب THE MESSENGER کا نام نہیں ملتا۔

مصنف نے نبی اکرم صلعم کی ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر جانچا ہے اور آپ کے ہر اقدام کو عقل و دانش پر مبنی قرار دیا۔ عیسائی نوجوانوں کو مطمئن کرنے کے لئے رسول اکرم کے بعض اقدامات پر خود ہی اعتراضات کئے ہیں اور خود ہی عقلی دلائل یا انجیل و توریت کے حوالوں سے ان کو صحیح ثابت کیا ہے۔ بعض باتیں اتنے مدلل طریقے پر اور ایسے دلنشین پیرائے میں سمجھائی ہیں کہ شاید بعض مسلمان عالم بھی اتنی اچھی طرح بیان نہ کر سکے ہوں۔ مصنف خود کہتا ہے کہ اس نے یہ کتاب علمائے مشرق یا طلبائے علوم دین سے زیادہ یورپ کے ان لوگوں کے لئے لکھی ہے جو آنحضرت کے متعلق متعصب عیسائی پادریوں اور دیگر مغربی سیرت نگاروں کی لکھی ہوئی سوانح عمریاں پر ٹھہر کر آپ کی شخصیت کے متعلق غلط خیالات ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد آنحضرت کے متعلق ایسے غلط خیالات کا ازالہ ہے۔ کتنا قابل قدر اور نیک خیال ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کا شرف ایک عیسائی فرد کو حاصل ہوا۔

مصنف ایک برطانوی فوجی افسر ہونے اور ہر قسم کی آسائشیں ہٹا ہونے کے باوجود بہت سادہ اور ملنسار طبیعت کا مالک ہے۔ عرب میں بھی اور البحر یا میں بھی وہ اپنے یورپین ساتھیوں سے کٹ کر زیادہ وقت صحرائیں لوگوں اور قبائلی سرداروں کے ساتھ

گزارتا ہے۔ بعض اوقات مذہب کے متعلق ان کی تلخ باتیں بھی سنتا ہے لیکن ان میں اپنا اعتماد پیدا کر کے اور ان کا دوست بن کر رہتا ہے ان کے ساتھ ایک ہی پیالے میں ان کے دستور کے مطابق کھاتا ہے۔ انہی کا سا لباس پہنتا ہے اور ان کے ساتھ ہی تپتے ہوئے صحراؤں اور چاندنی راتوں میں اونٹوں پر سفر کرتا ہے۔ طبیعت میں سیری اور استغنا ہے۔ کسی سے خون کھائے بغیر سچی بات کہتا ہے خواہ وہ مسلمانوں سے متعلق ہو یا عیسائیوں سے، انگریزوں کے متعلق ہو یا دوسری یورپین اقوام کے بارے میں۔ وہ اپنی کتاب "اندر دن البحر یا" کے پیش لفظ میں لکھتا ہے:

"کسی وقت میرے ذہن میں دنیاوی عز و جاہ اور لمبے چوڑے خطابات کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ یہ عزت و سر بلندی یورپ کے دارالخلافوں اور حکمرانوں کے تقرب یا میدان جنگ میں ہی حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اب مجھے پتہ چلا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ دنیاوی عزت اور خطابات تو محنت سے کمائی ہوئی دولت سے خریدے جاسکتے ہیں اور میدان جنگ کے میر و بھی کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کی نظروں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں اور کوئی ان کی طرف توجہ نہیں دیتا۔"

اس کتاب کے مطالعہ کے سلسلہ میں قارئین سے چند گزارشات کروں گا:

۱۔ کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے مصنف کا لکھا ہوا پیش لفظ اور مقدمہ ضرور پڑھا جائے۔ اس سے کتاب لکھنے کا مقصد اور اس کے محاسن معلوم ہو جائیں گے۔

۲۔ خیال رہے کہ مصنف ایک عیسائی ہے اور لاکھ وہ مسلمانوں اور عربوں میں عرصے تک رہا ہو پھر بھی بعض اوقات ایک آدھ بات نادانستہ طور پر اس کے قلم سے ایسی نکل جاتی ہے جو ہمارے اعتقادات کے خلاف ہوتی ہے لیکن اہل مغرب کے لئے وہ صرف محاورے یا روزمرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں اسے کچھ نہ کچھ رعایت دینی ہوگی۔

۳۔ مصنف یورپین اور عیسائی ہے اور اس کے مخاطب بھی یورپ کے لوگ ہیں۔ اس کا مغربی ادب اور عیسائیت کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے۔ اس لئے اس کتاب میں اکثر حوالے مغربی ادب یا انجیل و توریت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ مصنف نے جگہ جگہ قرآنی آیات کا انگریزی ترجمہ دیا ہے اور بعض اوقات ایک ہی جگہ موضوع کے مطابق کئی کئی سورتوں کے ٹکڑے یا آیات جمع کر دی ہیں۔ یہ بتائے بغیر کہ یہ قرآن کی کون کون سی سورتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں نے کوشش کر کے اکثر جگہ اصل قرآنی آیات تلاش کر کے لکھ دی ہیں تاکہ مطلب زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آ سکے۔

۵۔ اسی طرح مصنف نے کتاب میں کوئی حواشی نہیں دیئے ہیں۔ قارئین کی سہولت کے لئے میں نے مختلف کتابوں، تواریخ، ناولوں اور انسائیکلو پیڈیا وغیرہ سے تلاش کر کے حواشی کا اضافہ کر دیا ہے۔

۶۔ بعض جگہ مصنف سے تاریخی اور واقعاتی غلطیاں ہوئی ہیں یا ان میں اختلافات پائے جاتے ہیں چنانچہ کئی تواریخ ماخذ اور معتبر سیرتوں کو سامنے رکھ کر صحیح واقعات حواشی میں بتا دیئے گئے ہیں یا رواستوں کا اختلاف واضح کر دیا گیا ہے۔

۷۔ مصنف نے اس کتاب میں عیسائیوں کو مسلمانوں کے قریب لانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ عیسائیوں کا مسلمانوں اور عیسائیوں سے اختلاف صرف غلط فہمی اور لاعلمی کے سبب ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں جگہ جگہ قرآن اور مسلمانوں کی نظر میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا عز و وقار بیان کر کے عیسائیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اسلام کا بغیر جانبداری سے مطالعہ کریں۔

۸۔ "حیاء محمد" مؤلفہ ڈاکٹر محمد حسین بیگل کے تمام حوالے مولانا محمد وارث کامل کے ترجمے "سیرۃ الرسول" سے دیئے گئے ہیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلہ میں مصنف کے تاثرات سے جو سرور کائنات اور اسلام کے متعلق اس کتاب میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ چند اقتباسات پیش کئے جائیں تاکہ قارئین کو اس کتاب اور مصنف کے خیالات کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے۔

۱۔ مصنف اپنے صحرائے قیام کے بارے میں لکھتا ہے "میں وہاں قرآن کو عرب کے عظمت کی لہجہ میں سنتا تھا اور مسلمان نہ ہونے کے باوجود اس مذہب کے سحر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا جو عاجز بندے اور اس کے خالق کو آسمان سے لاکھڑا کرتا ہے" (پیش لفظ)

۱۲۔ بہت بعد میں جب میں نے حضرت محمدؐ کی سیرت پر کتابیں پڑھیں تو بڑی مایوسی ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم اپنے ایک دوست کی زندگی کے حالات پڑھ رہے ہیں جو ایسے لوگوں نے لکھے ہیں جنہوں نے ان کو کبھی قریب سے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ مسلمان مصنفین بھی قریبی اور ذاتی تاثر پیدا کرنے میں ناکام دکھائی دیتے ہیں۔ ”ان سوانح عمریوں میں حضرت محمدؐ عام طور پر خالی دیوار کی ایک تصویر نظر آتے ہیں جو خالی اور بے جان ہو۔“ (مقدمہ)

۱۳۔ ”جہاں ہمیں حضرت موسیٰؑ کنفیو شن اور مہاتما بدھ کے زمانے کی تاریخ نہیں ملتی اور حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے صرف کچھ حالات معلوم ہیں وہاں حضرت محمدؐ کی ساری زندگی واضح اور صاف ہے۔ یہاں ابہام اور پراسراریت کی بجائے ہمیں صحیح تاریخ ملتی ہے۔“ (مقدمہ)

۱۴۔ ”چنانچہ میں نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں حضرت محمدؐ کو اس طرح پیش کروں جیسے آپ واقعی تھے۔ یعنی ایک سادگی پسند انسان، عظیم شخصیت کے مالک، اپنے لوگوں کا بھلا چاہنے والے، روحانی فیضان رکھتے ہوئے بھی آپ جو کچھ کرتے تھے منطقی سوچ کے ساتھ کرتے تھے۔ آپ کے عادات و خصائل درویشی کی حد تک سادہ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ آپ دنیا کے انسان بھی تھے۔ آپ کے بچے بھی تھے۔ آپ گھوڑوں کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ بڑے خوش مذاق تھے۔ آپ کو اپنے دینی رہنما اور قائد ہونے کا احساس ضرور تھا لیکن آپ میں دکھاوانہ تھا۔ آپ نے کبھی دربارداری کا رکھ رکھاؤ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور کبھی کسی کو یہ تاثر نہ دیا کہ آپ کوئی مافوق البشر انسان یا روحانی صفات کے حامل تھے۔“ (مقدمہ مصنف)

۱۵۔ ”جب میں پہلے پہل عربوں میں جا کر رہا تو سب سے زیادہ محکم تاثر جو میں نے ان سے لیا وہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقت موجودگی تھا۔ وہ کوئی کام بھی انشاء اللہ الحمد للہ یا اللہ وکیل کہنے بغیر نہیں کرتے۔ وہ اُسے صحرا میں بھی ہر وقت اپنے قریب موجود سمجھتے ہیں۔“ (چھٹا باب)

۱۶۔ ”عیسائیوں سے آپ کی مصالحت اس لئے نہ ہو سکی کہ انہوں نے اپنے سیدھے سادے مذہب کو غیر ضروری اور ناقابل فہم باتوں میں الجھالیا تھا۔ مثلاً تثلیث تجسیم وغیرہ وغیرہ۔“

ان کے ہاں برگزیدہ ہستیوں اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی شبیہوں کی تعظیم کعبہ اور اس کے تین سو ساٹھ خداؤں کی پرستش سے کم نہ تھی۔ یہ باتیں توحید کے اصول کے سراسر منافی تھیں۔ (چھٹا باب)

۷۔ اسلام میں کوئی پادریٹ یا ملائیت نہیں۔ مسلمانوں میں علمائے دین، مبلغ اور مسجدوں کے امام ضرور ہیں لیکن خدا اور بندے کے درمیان کوئی کڑی نہیں۔۔۔ ایک مسلمان اپنے رب سے ایسی ہی مودبانہ یگانگت اور جانے پہچانے انداز میں ہمکلام ہوتا ہے جیسے ایک بیٹا اپنے باپ سے۔۔۔ مسلمانوں میں جمعہ کا دن عیسائیوں کے اتوار کے دن کی طرح فیشن کے مظاہرے یا آپس میں مل بیٹھنے یا گپ شپ کرنے کا ذریعہ نہیں اور پچھلے چھ دن کی روحانی کمی پوری کرنے کے لئے ہفتہ میں صرف ایک دن گرجاؤں میں جمع ہو جانے والی بات نہیں۔ (چھٹا باب)

۸۔ اسلام ہی وہ واحد نظام زندگی ہے جہاں اشتراکیت یا مساوات اپنے صحیح معنوں میں رائج ہے۔ اسلام میں امیروں کی دولت میں غریبوں کا بطور حق حصہ ہوتا ہے۔

(چھٹا باب)

۹۔ کسی موقع پر بھی مسلمان سفید فام اقوام کی طرح صرف ان ہی علاقوں کے پسماندہ لوگوں کی امداد کے لئے نہیں گئے جہاں ان کی سخاوت بیش بہا دولت کمانے کا ذریعہ بنے۔ اسلامی فوجوں نے کبھی مفتوح قوموں کو غلام نہیں بنایا۔ البتہ انہیں اسلام کی پیش کش ضرور کی اور جو مسلمان ہو گئے وہ ان کے برابر کے بھائی بن گئے۔

(چھٹا باب)

۱۰۔ معجزے حضرت عیسیٰؑ سے دو ہزار سال قبل اور دو ہزار سال بعد بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ حضرت محمدؐ کے غار حرا کے واقعات پر ہنستے اور مذاق اڑاتے ہیں انہیں لازم ہے کہ وہ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر اور حضرت عیسیٰؑ کا گیلیلی کی پہاڑیوں پر پیش آمدہ واقعات پر بھی مذاق اڑائیں۔

(پانچواں باب)

۱۱۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ غیر تعلیم یافتہ عرب اور قریش کے خنجروں سے بچ نکلنے والے ابو بکرؓ

عمر اور علی گئی اتنی تھوڑی سی مدت میں مشرق کی ایک وقت کی عظیم الشان اور طاقتور سلطنتوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے بن جائیں گے۔ شام، کلدانیہ، مصر، میڈیا اور ایران کے ممالک ان غیر معروف جلاوطنوں کو خراج ادا کریں گے اور ان مملکتوں کے حکمران، ان کے سپہ سالار اور مذہبی رہنما ربقول ان کے، ان غیر شائستہ، مفلوک الحال اور بے خانماں لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے درپر حاضری دیں گے جو آج اپنے مدنی میزبانوں کی چٹائیوں پر بڑی شکرگزاری کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ (نواں باب)

۱۱۲۔ حضرت محمدؐ کے عہد کے مسلمانوں کی آئندہ نسلیں جن ممالک میں بھی گئیں عربی تہذیب و تمدن کی مشعل روشن کر کے وہاں کے لوگوں کو اس وقت نشاۃ ثانیہ عطا کی جبکہ یورپ ابھی زمانہ وسطیٰ کی تاریکیوں کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا اور دمشق، فیض (مراکش)، سیول، غرناطہ اور قرطبہ (سپین) میں فن تعمیر کے شاہکار بالواسطہ نتائج ہیں۔ اس روایت کے جس کا آغاز حضرت محمدؐ نے ۶۲۳ء میں مدینہ میں مسجد تعمیر کر کے کیا تھا۔ (دسواں باب)

۱۱۳۔ جنگ بدر کی حیثیت آج کے سپاہی کی نظر میں اور اس وقت کے کسی ایرانی، یونانی یا رومن سپاہی کی نظر میں بھی ایک بڑی جھڑپ سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر ساتویں صدی عیسوی میں اخبارات بھی ہوتے تب بھی حضرت محمدؐ کی یہ فتح کوئی شہ سرخی نہ بناتی لیکن بایں ہمہ اس چھوٹی سی فتح کے اثرات تاریخ اسلام اور ساری دنیا پر اتنے ہی اہم تھے جتنے شہنشاہ قسطنطین کے ہاتھوں میلویا کے پل پریکٹیس MAXENTIUS کی تباہی یا چالون کے مقام پر سفاک مہنوں کے بادشاہ اٹلیا ATTLIA کی شکست، (دیکھا ہوا ہے) ۱۱۴۔ حالانکہ جنگ احد سے واپسی پر آپؐ زخمی تھے جسم میں اکڑاؤ تھا بہت تھکے ہوئے تھے عمر بھی چھپن سال ہو چکی تھی لیکن آپؐ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گئے اور قریش کے تعاقب میں اس طرح روانہ ہوئے گویا کسی ہارے ہوئے دشمن کے تعاقب میں جا رہے ہوں..... یہ ایک بے مثال جنگی چال تھی اور شاندار نفسیاتی قدم جو ایک تباہ شدہ فوج کا حوصلہ بحال کرنے کے لئے کسی بڑے سے بڑے جنرل کے ذہن میں بھی شاید ہی کبھی آیا ہو۔ (دہا ہواں باب)

۱۵۔ "قرآن ایک معرکہ آرا صحیفہ ہے۔ یہ حضرت محمدؐ کو منعکس کرتا ہے بلکہ درحقیقت یہ ہی محمدؐ ہے۔۔۔۔۔ اصل اہم بات یہ ہے کہ قرآن ہی صرف ایسی کتاب ہے جس کی عبارت بارہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی بغیر کسی اضافے اور تحریف کے جوں کی توں موجود ہے۔ نہ تو یہودی مذہب میں اور نہ ہی عیسائیت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو اس کی ذرا سی بھی ملتی جلتی مثال پیش کر سکے۔"

۱۶۔ "شروع زمانے کی سورتوں پر خصوصیت سے شاعرانہ انداز غالب ہے۔ آیات میں اثر آفرینی ہے اور قدرتی مناظر کا ذکر زیادہ ہے۔۔۔۔۔ پھر حبیب حضرت محمدؐ کے اختیار و اقتدار کا آغاز ہوتا ہے تو سورتیں خبردار کرنے کا لہجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ عبارت زیادہ سادہ مبنی برحقیقت اور احکام الہی کے ابلاغ سے متعلق ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسے مبلغ کی زبان معلوم ہوتی ہے جس کا مشن لوگوں کو تبدیل مذہب پر آمادہ کرنا ہو۔ اور جوں جوں اسلام ترقی کرتا ہے۔ سورتوں کی ہیئت بدلتی جاتی ہے۔ مکہ کا مبلغ بتدریج ایک قانون ساز جنگی قائد اور مطلق العنان حکمران بن جاتا ہے اور لوگوں سے اطاعت کا خواہاں ہوتا ہے سورتوں میں سے شاعرانہ تخیل بڑی حد تک کم ہو کر پس منظر میں چلا جاتا ہے۔" گوٹے کا کہنا ہے۔

"جب ہم قرآن کو پڑھتے ہیں تو پہلی مرتبہ تو یہ مایوس کر دیتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، ہجرت میں ڈال دیتا ہے اور آخر میں تعریف کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔" (پندرہواں باب)

۱۷۔ "اگرچہ یہ کوئی بڑا نقصان نہ بھی ہو تب بھی ترجمے سے قرآن کے حسن و خوبی میں بڑی کمی آ جاتی ہے۔ اپنے اسلوب بیان اور مضمون کے علاوہ قرآن کی خوبی بڑی حد تک اس کے حسن الفاظ میں مضمر ہے۔ قرآن بھی عربی سے کسی اور زبان میں ترجمہ ہو جانے کے سبب اپنی تریل اور لحن کا وجدانی زیر و بم کھو بیٹھتا ہے جس شخص نے کسی عرب کو اپنے اثر اور لحن میں قرآن پڑھتے نہیں سنایا کسی مسجد کے مینار سے اذان کی سحر انگیز آواز نہیں سنی وہ یہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ قرآن کے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ترجمے اصل

میں کس چیز سے محروم ہیں“ رپندر ہواں باب،

۱۸۔ ان شاعرانہ و غنائی صفات کے باوجود قرآن مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور مدنی ضوابط کا ایک مجموعہ اور اجتماعی عبادات اور دعاؤں اور قدیم مذہبی واقعات و قصص کی کتاب ہے اور یہ سب کچھ ایک ہی کتاب میں ہیں۔ اس قرآن میں معرفت الہی کی وہ روح بھی موجود ہے جس نے سیدھے سادے کلمہ بانوں تاجروں اور عرب کے خانہ بدوش لوگوں کی کایا پلٹ کر کے ان کو جنگجوؤں، سلطنتیں قائم کرنے والوں، بغداد، قرطبہ اور دہلی جیسے شہروں کی تعمیر کرنے والوں، عالموں اور حکمرانوں اور ریاضی دانوں میں تبدیل کر دیا“ رپندر ہواں باب، جہاں تک اس کتاب کے نام کا تعلق ہے مصنف کا کہنا ہے کہ گو بہت سی جگہ آپ کو نبی کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے لیکن آنحضور کا مسلمہ لقب ”رسول اللہ“ ہے پھر چونکہ یہ لقب اس کتاب کے انگریزی نام THE MESSENGER کا بھی صحیح ترجمہ ہے۔ اس لئے اس ترجمہ کا نام ”رسول اللہ“ ہی رکھا گیا ہے۔

آخر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کا شکریہ ادا کر دوں جنہوں نے اس سلسلہ میں میری امداد کی ہے، خصوصاً طور پر پروفیسر سید جلیل حسین صاحب نقوی۔ صدر شعبہ فارسی، ایم۔ اے۔ او کالج لاہور جنہوں نے متعدد کتابیں فراہم کیں، قیمتی مشورے دیئے اور اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر ترجمے اور حواشی کی نظر ثانی کی اگر نقوی صاحب کی امداد اور مشورے شامل حال نہ ہوتے تو شاید اس کتاب کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ بعد ازاں میرے مشفق دوست ریاض النبی خاں صاحب، اسسٹنٹ سیکرٹری بورڈ آف ریونیو پنجاب، میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس ترجمہ کو پہلی بار میرے ساتھ پڑھا اور قیمتی مشورے دیئے۔

سب سے آخر میں میں پروفیسر سید وقار عظیم صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے بے حد عظیم الفرصتی کے باوجود اس ترجمے کو زبان و بیان کے اعتبار سے دیکھا۔

محمد امین زیدی

لاہور، یکم فروری ۱۹۷۵ء

مترجم

پیش لفظ

(مصنف)

حضرت محمدؐ کا مشن کیا تھا پہلے پہل اس کی جھلک میں نے کشمیر کے بلند و بالا پہاڑوں میں دیکھی۔ یہ پہلی جنگ عظیم سے پہلے کا ذکر ہے جب ایک سفید قام کا مقامی لوگوں سے ملنا جلنا کسر شان سمجھا جاتا تھا۔ بایں ہمہ مجھے اپنے شکاری کا یہ رویہ بڑا دلچسپ معلوم ہوا کہ وہ نماز کے وقت سب کام چھوڑ کر مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا۔ وہ تھوڑی سی انگریزی بھی جانتا تھا۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد میں نے اس سے پوچھنا شروع کیا کہ وہ اتنی فرض شناسی سے کس خدا کی پرستش کرتا ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ تو اسی مذہب کا خدا تھا جس میں مجھے بتسمہ دیا گیا تھا یعنی عیسائیت کا اور مزید حیرانی اس وقت ہوئی جب میں نے اس مضبوط اور جفاکش شکاری کو بڑے جانے پہچانے انداز میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور جان بتسمیٰ (یوحنا) کے نام لیتے سنا اور یہ بھی کہ یہ سب اس کے مذہب کے پیغمبر بھی تھے۔ اس وقت میں صرف اتنا ہی معلوم کر سکا۔ پھر کچھ تو اپنے مغربی ساتھیوں کے عام متعصبانہ رویہ کے سبب جو وہ اس ملک کے باشندوں کی ہر انجانی بات اور خصوصاً ان کے مذہبی عقائد کے خلاف رکھتے تھے جس پر ہم حکومت کرتے تھے اور کچھ جنگ عظیم اول کے پھڑ جانے کے باعث میری توجہ اس موضوع سے ہٹ گئی جس کا میں شاید مطالعہ کرتا۔

کافی عرصہ تک میں اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکا۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ مجھے دس سال تک اسلام یا مسلمانوں کے متعلق کچھ سوچنے کا خیال نہ آیا۔ پھر جنگ کے بعد کے زمانہ کی بیکار اور بے نتیجہ الجھنوں سے اکتا کر میں صحرائے عرب کے ریگستانوں میں عربوں کے درمیان رہنے کے لئے چلا گیا

اور سات سال تک ان کے ساتھ رہا۔

وہاں پراونٹ کے بالوں کا بنا خیمہ میرا مسکن، خانہ بدوش میرے دوست اور تاحہ نظر پھیلی ویرانی میرا ملک تھا۔ میرے کشمیری شکاری نے جس چیز کی جھلک دکھائی تھی۔ اب میرے سامنے بڑی تفصیل سے پھیلی ہوئی تھی۔ میں وہاں پر قرآن کو عرب کے پر عظمت علمی کچھ میں سنتا تھا۔ مسلمان نہ ہونے کے باوجود میں اس مذہب کے سحر کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا جو عاجز بندے اور اس کے خالق کو صحرائیں آنے سامنے لاکھڑا کرتا ہے۔ وہاں پر میں نے حضرت محمدؐ کی شخصیت کے متعلق سنا جنہوں نے چند آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کے حریف قبائل کو متحد کر کے انہیں دنیا کی ایک عظیم ترین سلطنت کی اساس اور بنیاد کے طور پر استعمال کیا۔ میں نے ان کے متعلق سنا کہ وہ ایک پر تپاک اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ جنہوں نے دنیا دار بت پرستوں کو سچا موجدِ مردوں کے دوبارہ اٹھائے جانے اور آخرت کی زندگی پر ایمان رکھنے والا بنادیا۔ وہاں میں نے ایسی قوم دیکھی جس کے ننانوے فی صد افراد اپنے مذہب پر بڑے خلوص سے عمل پیرا تھے۔ اس لئے کہ وہ اس پر ایمان رکھتے تھے۔

ماہ و سال گزرنے کے ساتھ ساتھ حضرت محمدؐ کے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہوتا گیا۔

اس کے لئے میں نے کوئی بالا راہ مطالعہ نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے یاد نہیں کہ صحرا کے قیام کی ساری مدت میں میں نے قرآن کے سوا اللہ کے رسولی کے متعلق چھپا ہوا ایک لفظ بھی کہیں پڑھا ہو۔ میں نے اپنی معلومات زیادہ تر پڑاؤ کی آگ کے کنارے کاروانوں کے ساتھ طویل سفر میں یاراتوں کو چہرتے جانوروں کے گلوں کی دیکھ بھال کے دوران آپس کی بات چیت سے حاصل کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحرا کے قیام کے بہت دیر بعد کہیں جا کر میں نے حضرت محمدؐ کے متعلق پڑھنا شروع کیا اور جب میں نے ایسا کیا تو مجھے بے حد مایوسی ہوئی۔

ان کتابوں میں حضرت محمدؐ کی تعلیمات اور نظریات کی سادگی جس کی صحرائیں لوگوں میں بڑی تقدیس ہے۔ روایت، دینی اختلافات اور سیاست کے سمندر میں غرق ہو گئی معلوم

لے مکہ کی عربی زبان اور لہجہ سارے عرب ہی میں نہیں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں مستند ترین مانے جاتے ہیں۔

ہوتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم اپنے ایک دوست کی زندگی کے حالات پڑھ رہے ہیں جو ایسے لوگوں نے لکھے ہیں جنہوں نے اس کو کبھی قریب سے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ مسلمان مصنفین بھی وہ قریبی اور ذاتی تاثر پیدا کرنے میں کامیاب نہ کھائی دیتے تھے۔ البتہ ان کتابوں میں چند مشنریات بھی تھیں۔ حضرت محمدؐ کی بعض سوانح عمریاں واقعی ادب کے نشہ پارے ہیں لیکن اکثریت ایسی نہیں۔ جو لوگ کتابیات میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے میں نے ان کتابوں کی فہرست بھی شامل کر دی ہے جو میں نے اس سلسلہ میں پڑھیں لیکن جہاں ان کتابوں نے ان باتوں کی تصدیق کی یا ان کو مربوط کر دیا جو میں نے خانہ بدوش عربوں سے سنی تھیں وہاں حضرت محمدؐ کی اس سوانح عمری کے متعلق میرے بنیادی تاثرات وہی ہیں جو میں نے کشمیر کی بر فانی چوٹیوں اور صحرا کی سنہری دیرانیوں میں حاصل کئے تھے۔

ہو سکتا ہے اس کتاب کے نام کے متعلق بھی بعض لوگ کچھ وضاحت چاہیں۔ بہت سے لوگ حضرت محمدؐ کو نبی کہتے ہیں اور اگرچہ یہ عربی لفظ نبی بہت جگہ استعمال ہوا ہے (گو اس کے معنی مکمل طور پر مترادف یونانی لفظ کے عین مطابق نہیں، لیکن صحیح نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ کا مسلمہ لقب رسول اللہؐ یا پیغمبر خداؐ ہے۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کی کسی مسجد کے میناروں سے کسی مؤذن کی آواز سنی ہے تو انہیں یاد آجائے گا کہ اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے۔

۱ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ"

چنانچہ اسی مناسبت سے میں نے اپنی کتاب کا نام THE MESSENGER (رسول اللہؐ) (سیرت حضرت محمدؐ) رکھا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ عربی بول چال کا لفظی اور سادہ ترجمہ کر دوں۔ اس کی شعریت و غنایت میرا موضوع نہیں ہے۔ قرآنی آیات — مارے ڈیوک پیکتھال MARMA DUKE PICKTHALL اور جے۔ ایم۔ راڈویل J. M. RODWELL کے انگریزی تراجم سے لی گئی ہیں۔

۲ مصنف نے یہ مترادف لفظ یونانی زبان میں لکھا ہے۔

۳ اذان کے صحیح فقرے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" اور "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ" ہیں۔

جو لوگ حضرت محمدؐ کے متعلق تاریخ کو روایات سے علیحدہ کرتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ تمام عظیم ہستیوں کے واقعات زندگی میں روایت کو ہمیشہ کافی دخل رہا ہے۔ روایت کا نہ اقرار کیا جاسکتا ہے اور نہ انکار، درحقیقت بعض اوقات یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ صحیح بات کیونکر صحیح ہے اور روایت کیسے روایت ہے۔ علاوہ ازیں تمام مذاہب میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جو صرف روایات ہی نہیں بلکہ محض کہانیاں ہیں۔ علمائے دین ان کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کے سبب ان کو دین سے خارج نہیں کرتے۔ چنانچہ جہاں اصولی طور پر میں نے حقائق بیان کئے ہیں وہاں ایسے واقعات کے متعلق جہاں مجھے ان کے تاریخی ہونے کا یقین نہیں ہے۔ میں نے "کہا جاتا ہے" کے الفاظ کا اضافہ کر کے واقعہ بیان کر دیا ہے۔

ایسٹ ہینے

(EAST HANNEY)

برک شار

اکتوبر ۱۹۵۴ء

آر۔ وی۔ سی۔ باڈلی

(R.V.C. BODLEY)

مقدمہ

(مصنف)

یہ کتاب علمائے مشرق اور علم دین کے طلباء سے زیادہ ان لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ جو حضرت محمدؐ اور اسلام کے متعلق کچھ جانا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس موضوع پر جو چاہا لکھ دیا ہے یا حضرت محمدؐ کی زندگی یا تعلیمات کے کسی جزو یا حصے کو نظر انداز کر دیا گیا ہے بلکہ اس کے برعکس جو مواد اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے وہ شاید جزئیات کے لحاظ سے حضرت محمدؐ کی بہت سی سوانح عمریوں سے کہیں زیادہ گرانقدر ہو۔ اسی طرح اس بات کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے کہ ایسے شخصیت کی زندگی کے حالات جن سے سوانح نگار ذاتی طور پر واقف نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ صحیح اور حقائق پر مبنی ہوں اور اسی طرح ایک کٹر اور جو شیلے مسلمان کی جانبداری یا ایک متعصب عیسائی کی غلط بیانیوں سے بھی اجتناب کیا گیا ہے۔ غیر مستند روایتوں یا قصوں اور اختلافی باتوں کو بھی ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بغیر کسی معقول وجہ کے دوسرے بڑے مذاہب کے بانیوں کے مقابلے میں حضرت محمدؐ کے متعلق لوگوں میں زیادہ غلط فہمیاں رواج پا گئی ہیں۔

جہاں ہمیں حضرت موسیٰؑ، کنفوشسؑ اور مہاتما بڈھؑ کے زمانے کی معاصرانہ تاریخ نہیں ملتی اور حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے ایک حصے کے بھی صرف کچھ حالات معلوم ہیں۔ کیونکہ ان کی شروع

۱۔ کنفوشس۔ چین کے ایک بڑے مفکر اور اسی نام کے مذہب کے بانی (۵۵۱ تا ۴۷۹ ق۔ م)

۲۔ مہاتما بڈھ۔ سدھارتھ یا گوتم نام۔ چھٹی صدی قبل مسیح کی ایک ہندو ریاست کے شہزادے اور بدھ مت کے بانی۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ۔ آپ نے صرف ۳۳ سال عمر پائی۔ آپ کی پیدائش اور عمر کے آخر تین سال کے علاوہ آپ کی زندگی کے بقیہ حصہ کے مستند سوانح نہیں ملتے۔

کی تین سالہ زندگی کا جس نے آپ کو آخری تین سالوں میں ہونے والے عروج کے لئے تیار کیا، کچھ حال معلوم نہیں، وہاں حضرت محمدؐ کی ساری زندگی بالکل صاف اور واضح ہے۔

یہاں حضرت محمدؐ کے متعلق، ابہام اور پراسراریت کی بجائے ہمیں صحیح تاریخ ملتی ہے۔ ہم حضرت محمدؐ کے متعلق بھی اتنا ہی کچھ جانتے ہیں جتنا کہ ان اشخاص کے بارے میں جو ہمارے زمانہ سے بہت قریبی دور میں گزرے ہیں۔ آپؐ کی ظاہری زندگی، آپؐ کی جوانی، آپؐ کے عزیز رشتے دار، آپؐ کے عادات و خصائل نہ تو داستانیں ہیں اور نہ ہی کہی سنی باتیں اور نہ ہی نبی مبعوث ہو جانے کے بعد آپؐ کی روحانی زندگی کسی گناہ اور الجھے ہوئے ذہن کے مبلغ کے دھندلے اور مبہم خیالات کی حامل تھی بلکہ اس زمانے میں ہمیں ان سے ایسا صحیفہ ملا ہے جو اپنی اصل اور اپنے تحفظ میں بے مثال ہے اور جس کے مستند ہونے میں آج تک کوئی شخص بھی کوئی معقول قسم کا شک پیدا نہیں کر سکا۔

یہ صحیفہ جسے قرآن کہتے ہیں، آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ حضرت محمدؐ کی نگرانی میں لکھا گیا تھا۔ گو اس وقت آیات وقت اور موقع کے مطابق بھیڑ کی کھال کے ٹکڑوں، کھجور کے پتوں، ہڈیوں اور چمڑکے بوسیدہ ٹکڑوں پر لکھی گئی تھیں لیکن اصل سورتیں اور آیات محفوظ کر لی گئی تھیں۔ اور قرآن کا یہ تحفظ پرانے اور نئے عہد ناموں کی طرح ان کے مصنف (حضرت عیسیٰؑ) کی وفات کے صدیوں اور قرون بعد نہیں ہوا بلکہ حضرت محمدؐ کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکرؓ نے ہی قرآن کے بکھرے ہوئے مسودوں کو جمع کرایا، دوبارہ لکھوایا اور انہیں مجلد کرایا اور یہ مستند نسخہ حضرت محمدؐ کی ایک بیوہ حضرت حفصہؓ کے پاس حفاظت سے رکھوا دیا گیا۔

حضرت محمدؐ کی وفات کے چودہ سال بعد ۶۴۰ء میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث اور رسول اللہؐ کے ایک برگزیدہ صحابی اور ہم عصر نے قرآن کے دیگر تمام نسخوں کو جو سرگرم اور جو شیعہ مسلمانوں نے اپنے حافظے سے مرتب کر لئے تھے ضائع کر دیا۔ صرف حضرت حفصہؓ والا نسخہ باقی رہنے دیا گیا اور بعد کے تمام نسخے اس ہی سے نقل کئے گئے۔ اس کے بعد سے اب تک نہ اس میں کوئی اضافہ ہوا ہے اور نہ کمی۔

۱۳۰ حضرت حفصہؓ - حضرت عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی اور رسول کریمؐ کی ایک زوجہ مطہرہؓ

یہ قرآن نہ تو روایات کا مجموعہ ہے اور نہ ہی ان باتوں کا تذکرہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوں بلکہ یہ تو صرف بہ حرفت ان وحیوں کا اصل متن ہے جنہیں آپ اپنی زندگی میں نزول کے ساتھ ساتھ دونوں اور مہینوں لکھاتے رہے۔ اس میں حضرت محمد کے ذہن کامل کا صحیح پر تو نظر آتا ہے۔ گو کہیں کہیں اس کی آیات سخت اور خود تر دیدی ہیں لیکن اکثر و بیشتر دلولہ انگیز، اثر آفریں اور غنائیہ ہوتی ہیں اور مجموعی طور پر یہ عظیم نظریات بڑی بلند فکری کے حامل ہوتے ہیں۔

لیکن اگر یہ قرآن نہ بھی آتا تب بھی حضرت محمد کے زمانے کے حالات جاننے کے لئے ہمارے پاس ایسے اور ذرائع موجود ہیں جو عرب لوگوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ان لاکھوں سالوں میں جو ہمارے زمانے سے بہت پہلے گزر چکے ہیں نسل انسانی جسمانی یا عملی طور پر بالکل نہیں بدلی اور ذہنی طور پر بھی شاید ہی کوئی تبدیلی ہوئی ہے اس طرح ان قدیم زمانوں کے لوگوں کے جذبات، خوشیاں اور رنج اور سیاسی اور گھریلو مسائل قریب قریب بالکل ہمارے جیسے ہی ہوں گے۔

مغربی ممالک کے لوگوں کا خیال ہے کہ تہذیب ایک ایسا بڑھتا ہوا سیلاب ہے جو اس دنیا کے وجود میں آنے کے وقت سے ہی آہستہ آہستہ پھیلتا رہا ہے۔ یہ نظریہ غالباً صحیح نہیں ہے اس کے برعکس یہ ایک ایسا جوار بھٹاتا ہے جو بڑھتا اور پھیلتا رہتا ہے لیکن ایک خاص سطح پر پہنچ کر اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ اگر قدیم بابل یا یونان کا کوئی باشندہ دوبارہ جی اٹھے تو موجودہ زمانے کے ساتھ چلنا مشکل ہو جائے گا۔ صدیوں کے خیال اور رواج کے فرق کی اس خلیج کو جو ان زمانوں اور اس زمانے میں حائل ہے پاٹنا نہیں جاسکتا۔ یہ بات اکثر ازمنہ اور ادوار پر صادق آتی ہے۔ ان ادوار پر بھی جو یونان اور بابل کے زمانوں سے قریب کے ہیں اور جن میں صرف چند صدیوں کا فرق ہے لیکن ان میں ایک زمانہ ایسا بھی ہے جو اس اصول سے مستثنیٰ ہے۔ اس تیرہ سو سال کے عرصہ میں جو حضرت محمد کے اور ہمارے درمیان گزرا ہے ان لوگوں کے اختلاف میں بہت ہی کم تبدیلی

لے ذہن کامل مصنف کا اشارہ رسول اللہ کی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن جیسا کہ قرآن سے صاف ظاہر ہے یہ تو سارا کا سارا کلام ربانی ہے جو وحی کے ذریعہ آپ پر نازل ہوا اور جس کا اعتراف مصنف نے اس سے پہلے فقرے میں خود کیا ہے۔
 لے یہ مصنف کا ذاتی خیال ہے۔

آئی ہے جنہوں نے پہلے پہل مذہب اسلام کو اختیار کیا اور اس کو نجات کا واحد ذریعہ جانا بہ نسبت اس عرصے کے جو جنرل واشنگٹن اور جنرل آئزن ہاور کے درمیان گزرا ہے۔

ایک ساتویں صدی کا مسلمان اگر اب بھی جی اٹھے اور عرب کے اس خطے میں واپس پہنچ جائے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے تو اسے کوئی حیران کن تبدیلی محسوس نہ ہوگی۔ خانہ بدوش عرب اور ان کے سیاہ خیمے، اونٹوں پر سوار مسافر اور بحیرہ قلزم کی طرف سے صحرا عبور کرنے والے حاجی اب بھی ویسے ہی ہیں جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ ان لوگوں کے لباس اور ان کے خدو خال بھی وہی ہیں۔ وہ دیکھے گا کہ آج کے ایک عرب اور تیرہ سو یا تین ہزار سال پہلے کے عرب کے چہرے مہرے اور جسمانی ساخت پر اس تمام عرصے میں اس قسم کا کوئی ارتقائی عمل نہیں ہوا۔ جس نے اینگلو سیکسن ANGLO-SAXON اور لاطینی نسل کے لوگوں کو بدل کر رکھ دیا۔ طرز لباس میں بھی مشکل سے ہی کوئی تبدیلی ہوئی ہے بلکہ ساتویں صدی کا مسلمان مکہ کے ارد گرد جانور چرانے والے قبیلوں کو بھی پہچان لے گا جن کے نام بھی وہی ہوں گے جو حضرت محمدؐ کے زمانے میں ہوتے تھے۔ اور قبیلے کے لوگوں میں وہ ایسے اشخاص کو بھی دیکھے گا جو خود اس کے وقت کے لوگوں کی بلا واسطہ اولاد ہیں۔ اگر ایک ٹک کھڑکھڑاتا اور گرد اڑاتا پاس سے چلا جائے یا کوئی ہوائی جہاز گرد گڑا ہٹ پیدا کرتا ہو اس پر سے گزر جائے تو یہ دوبارہ زندہ ہونے والا عرب بڑی آسانی سے ان انوکھی باتوں کو کسی جن سے منسوب کر دے گا۔

گو رسول خدا کے زمانے کے لوگوں کی لکھی ہوئی کوئی کتابیں نہیں ملتی لیکن کئی کتابیں ان لوگوں کی لکھی ہوئی موجود ہیں آپ کے متعلق جن کی معلومات اولین اور تقریباً ذاتی ہیں ان میں سے بعض آج بھی دستیاب ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے جو آج کل موجود اور زندہ لوگوں کی سوانح عمریاں

لے جنرل جارج واشنگٹن۔ اٹھارہویں صدی میں جنگ آزادی کا امریکی سپہ سالار اور بعد میں ریاستہائے متحدہ

امریکہ کا پہلا صدر (۱۷۸۹ء تا ۱۷۹۷ء عیسوی) +

لے جنرل آئزن ہاور۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کا امریکی جنرل، اتحادیوں کا سپہ سالار اعلیٰ

SUPREME COMMANDER اور بعد میں امریکی کا صدر (۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۰ء عیسوی) رہا۔

پڑھنے کے عادی ہیں یہ کتابیں کچھ زیادہ دقیق نہیں معلوم ہوں گی۔ یہ دستور البتہ نیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک بھی سوانح عمریاں وفات کے بعد ہی لکھی جاتی تھیں۔

حضرت محمدؐ کے بہت سے عزیز اور رشتہ دار آپؐ کے بعد زندہ رہے اور انہوں نے اپنی یادداشتیں سینہ بہ سینہ اپنی اولاد کو منتقل کر دیں۔ آپؐ کے خلفاء نے آپؐ کی سیاسی، فوجی اور مہماتی روایات کو بغیر کوئی وقفہ دیئے قائم رکھا۔ وہ تمام عرب جنہوں نے ہسپانیہ فتح کیا اور فرانس کے نصف حصہ تک بڑھتے چلے گئے تھے، ایسے لوگوں کو جانتے تھے جنہوں نے رسول اللہؐ کو خطبہ دیتے سنا تھا۔

وہ خانہ بدوش لوگ جن کے ساتھ میں نے صحرا میں قیام کیا تھا حضرت محمدؐ کو کوئی دور پار کا آدمی یا مافوق البشر ہستی نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق خیال ہے۔ ان کے نزدیک وہ ایک ایسی خیالی مخلوق نہ تھے جسے وہ نہ چھو سکتے ہوں یا ان سے مختلف لباس پہنتے ہوں یا کسی ایسی سرزمین اور ایسے لوگوں میں رہتے ہوں جنہیں وہ نہ دیکھ سکتے ہوں ان کے ذہنوں میں ایسی کوئی کیفیت بھی نہ تھی جس کے باعث بالٹی مور کی ایک بوڑھی خاتون نے حضرت عیسیٰؑ کے سولی پر چڑھائے جانے کے واقعہ کے متعلق یہ کہہ دیا تھا۔

”یہ تو اب بڑی پرانی بات ہو چکی ہے۔ خیال ہے ایسا نہیں ہوا ہو گا۔“

میرے عرب میزبان تو اپنے بانی دین کے متعلق اس طرح باتیں کرتے تھے گویا وہ انہیں ذاتی طور پر جانتے ہوں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپؐ بھی بکریاں چراتے تھے۔ انہی کی طرح کا لباس پہنتے تھے۔ ان کے جیسے ہی اذنوں پر سواری کرتے تھے۔ اور ان کا کھانا پینا بھی بالکل انہی کا سا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ وہ خود کرتے ہیں آپؐ بھی وہی کرتے تھے۔ ان خانہ بدوشوں کی نظر میں حضرت محمدؐ اب بھی ایسے ہی ایک زندہ اور چلتا پھرتا پیکر تھے۔ جیسے خود ان میں کا کوئی فرد۔

چنانچہ میرے لئے اس تیرہ سو سال پہلے کا منظر بیان کرنا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے۔

جتنا جامعہ آکسفورڈ کے ایک معلم کے لئے ملکہ ایلزبتھ کے عہد کے کسی شخص کی زندگی کے واقعات بتانا۔ اور یہ اس سے بھی زیادہ آسان ہے جتنا ایک امریکی مورخ کے لئے جنگ آزادی امریکہ سے قبل کے حالات لکھنا۔ اور میرے لئے یہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ حضرت محمدؐ کے اکثر سوانح نگار خیال کرتے ہیں ان سوانح نگاروں کی بیشتر تعداد اندازہ بیان، علم و فضل اور سوانح نگاری کی تکنیک میں مجھ سے بہت بڑا اور جبر رکھتی ہے لیکن مجھ میں ایک خوبی ایسی ہے جو ان میں سے کسی میں نہیں۔ کیونکہ خواہ وہ مغربی ممالک کے لوگ ہوں یا مشرق کے ان میں سے کسی نے بھی ایسی زندگی نہیں گزار دی۔ جو حضرت محمدؐ اور ان کے ساتویں صدی کے پیروکاروں جیسی ہو لیکن مجھے بیسویں صدی کے پہلے نصف میں ایسا کرنے کا موقع ملا ہے۔

حضرت محمدؐ پر قلم اٹھانے والوں میں سے خواہ وہ ایشیائی ہوں یا یورپی یا امریکی، کوئی بھی صحرائے عرب کے ان آب و گیاہ خطوں میں نہیں گیا جہاں اللہ کے رسولؐ نے دین اسلام کی بنیاد ڈالی۔ مغربی ممالک کے لوگوں نے یہ تجربہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ خود کو عربوں کی اس طرز زندگی میں نہیں ڈھال سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک وہ اس سرزمین پر کئی سال تک خانہ بدوشی کی زندگی نہ گزاریں، وہ اپنے اس تکلیف دہ تجربے کا کوئی مفید مقصد حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ مشرقی لوگوں کے لئے ایسا کرنا شاید اور مشکل ہوتا۔ مشرق کے وہ لوگ جو تصنیف و تالیف کو اپنا مشغلہ بناتے ہیں عام طور پر شہری زندگی کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ نخلستانوں یا شہروں میں رہتے ہیں۔ وہ صحرائی زندگی کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور خانہ بدوشوں سے ان کا ملنا جلنا نہیں ہوتا۔ وہ غالباً صحرا میں اونٹ کے بالوں سے بنے خیموں میں مہینوں گزارنے کو اتنا ہی مشکل سمجھتے ہوں جتنا بکر و بکری کو تیر کر پار کرنا۔

چنانچہ ان تمام سوانح عمریوں میں ایک خاص کمی نظر آتی ہے۔ وہ نامکمل ہیں کیونکہ ان میں آپؐ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا جائزہ نہیں لیا گیا۔ ان سوانح عمریوں میں حضرت محمدؐ عام

لہ آکسفورڈ۔ برطانیہ کی ایک مشہور یونیورسٹی اور جامعہ

۲ ملکہ ایلزبتھ۔ انگلستان کی ملکہ ایلزبتھ ELIZABETH اول (۱۵۵۸ تا ۱۶۰۳ عیسوی)

طور پر خالی دیوار کی ایک تصویر نظر آتے ہیں جس کا صرف ایک ہی رخ دکھائی دیتا ہے وہ روحانی ہو یا مادی یا خیالی جو کچھ بھی ہے وہ خالی اور بے جان سی نظر آتی ہے پس منظر ہوتا ہی نہیں۔ تصویر محض ایک سیاہ خاکہ یا پرچھائیں معلوم ہوتی ہے جو ایک میلے بھورے رنگ کے کارڈ بورڈ پر چپکا دی گئی ہو۔ بایں ہمہ حضرت محمدؐ کی تصویر سپاٹ نہ تھی اس کے بہت سے رخ اور پہلو تھے اور اس کا پس منظر اور ماحول بے کیف اور بے رنگ ہرگز نہ تھا۔

ایک مصنف جس کی لکھی ہوئی حضرت محمدؐ کی سوانح عمری میں نے پڑھ لی تو نیوا انگلینڈ سے باہر جانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا تھا جہاں وہ انجیل کا درس دیتا تھا۔ ایشیا اور افریقہ کا تو کیا ذکر جو اس کے لئے جنت اور دوزخ سے بھی دور تھے۔ اس کے باوجود اس نے رسول اللہؐ کی زندگی پر تین سو صفحات کا ایک بڑا مفصل جائزہ لکھ ڈالا۔ اس مصنف نے اپنے جدید طرز بیان الہامی کتابوں کا نہایت اچھا عالم ہونے اور عربی کی بھی شدید رکھنے کے باوجود اس بات سے حیران کن حد تک لاعلمی کا اظہار کیا ہے کہ حضرت محمدؐ کا طریق زندگی کیا تھا اور آپؐ کس دین کی تبلیغ کرتے تھے۔

اپنی ساری کتاب میں اس نے اپنے موضوع یعنی حضرت محمدؐ کو رنغوز باللہ، جھوٹے نبی کے علاوہ کسی اور طرح سے خطاب نہیں کیا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ رنغوز باللہ (اس جھوٹے نبی) کے فوری جانشینوں نے کس طرح دنیا کا اتنا بڑا حصہ فتح کر لیا جو رقبے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ سے تین گنا بڑا تھا۔ وہ نبی نوع انسان کو ایک ایسی تہذیب دے گئے جو آج بھی زندہ ہے۔

جارج سیل SALE جس نے اٹھارھویں صدی عیسوی میں قرآن کا ایک بہت اچھا ترجمہ کیا اور جس سے آپؐ کے متعلق صحیح معلومات رکھنے کی توقع کی جاسکتی تھی، مذکورہ بالا کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے:-

”مورخین ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ مشہور شہر جو ادب اور تجارت میں دوسروں سے ممتاز تھے ہو مگر کی جائے پیدائش ہونے کے متعلق ایک

لے نیوا انگلینڈ۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست۔
 گھے ہومر HOMER سات سو قبل مسیح کا مشہور یونانی رزمیہ گو شاعر ODYSSEY-ILYAD
 اس کی دو مشہور تصنیفات ہیں۔

دوسرے سے جھگڑتے تھے..... ایسا دعویٰ ضرور قابل تعریف تھا کیونکہ اس سے بے مثال قابلیت کے لئے اس زمانے کے لوگوں کی قدردانی کا اظہار ہوتا تھا لیکن جب ہم حضرت محمدؐ کے کردار کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو تصویر دیکھ کر سخت ذہنی صدمہ ہوتا ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ ان کی جائے پیدائش کو کیوں نہ ذہنوں سے فراموش کر دیا گیا۔ ایسے ظالم شخص کے پیدا ہونے پر ہر ملک کی نگاہیں شرم سے جھک جاتی چاہیں لیکن عربوں کے دلوں میں (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) اس بڑے فریبی کی ہمیشہ سے اتنی عزت و تکریم رہی ہے کہ انہوں نے اس جگہ کو بھی جہاں اس نے پہلا سانس لیا۔ مشتبہ یا مشکوک نہیں رہنے دیا۔

اور اسی طرح کی اور باتیں ہیں۔ اس پر یہی تبصرہ ہو سکتا ہے کہ نبیوانگلینڈ کے پادری کی لکھی ہوئی حضرت محمدؐ کی اس سوانح عمری سے کچھ اقتباس پیش کیا جائے۔

”ایک ایسا ظالم اور فریبی“ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) کسی طرح سے ایک ایسے مذہب کی تخلیق کر سکتا تھا جس کے پیروکاروں کی تعداد آج تیس کروڑ ہے اور دنیا کے دوسرے مذاہب کی طرح رُو بہ تنزل ہونے کی بجائے ہمیشہ سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے اور دین میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ایک اور بات جو (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) جھوٹے نبی پر لعنت ملامت کرنے والے لوگ نظر انداز کر جاتے ہیں یہ ہے کہ شروع شروع میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں اختلاف رائے نہ ہونے کے برابر تھا۔ دین کی تبلیغ کے آغاز میں اگر حضرت محمدؐ کو کوئی عیسائی بھی کہہ دیتا تو شاید آپؐ برا نہ مناتے، مصائب کے دور میں آپؐ کی درخواست پر نجاشی (شاہ حبش) نے جو اس وقت ایک عیسائی سلطنت کا حکمران تھا، مسلمانوں کو پناہ دی۔ درحقیقت جیسا کہ اس کتاب میں آگے چل کر معلوم ہو گا یہ صرف ایک اتفاقی امر تھا کہ اسلام موریٹیوں اور کورنقیوں جیسا ایک گمنام عیسائی فرقہ نہیں بنا۔ عیسائیوں سے بگاڑ آپؐ کی عمر کے اواخر سے پہلے شروع نہیں ہوا اور اس اختلاف نے شدت اس وقت اختیار کی جب عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کا آغاز کیا۔ اس وقت کے بعد سے یہ غلط فہمیاں بڑھتی ہی گئیں۔ یہاں تک کہ حضرت محمدؐ کا نام ایک

طرح سے خدا کی شان میں گستاخی اور کفر کا مترادف بن گیا۔ ٹشکپیئر کے ہم عصروں کے نزدیک ہر جھوٹا مذہب محمدیت یا میمٹری NAMMETRY تھا اور خصوصیت سے ایسا مذہب جس میں بت پرستی ہوتی ہو۔ ماضی قریب میں لفظ محامت MAUMET بتوں کا منظر سمجھا جاتا تھا۔ "محامری" اور بعد کا مری MUMERY اسی مادے سے مشتق ہیں۔

ان ادوار میں بعض مشہور روایات عجیب و غریب تھیں مثال کے طور پر بارھویں صدی کی ایک نظم میں حضرت محمدؐ کو ایک ایسا امیر دکھایا گیا ہے جو عیسائیت کے مذہبی ادارے سے منسلک ہو گئے تھے۔ بعد ازاں انہیں کارڈینل بنادیا گیا لیکن پوپ منتخب نہ ہونے کے سبب انتقامی طور پر انہوں نے اپنے ایک الگ مذہب کی بنیاد ڈالی۔

یہ عقیدہ کہ حضرت محمدؐ کا تابوت آسمان اور زمین کے درمیان میں معلق ہے کچھ عرصہ پہلے تک بھی مانا جاتا تھا اور بعض مورخ تو بڑی ڈھٹائی سے یہ کہتے ہیں کہ آپؐ مکہ میں دفن ہوئے بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کی موت شراب کی زیادتی کے سبب ہوئی اور یہ کہ آپؐ کے جسم کو سورا کھا گئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ نے سورا کا گوشت بخش اور حرام قرار دے دیا تھا اور اپنے مقلدین کو شراب چھونے تک سے منع کیا تھا اور آپؐ کا جسد مبارک مدینہ میں اب بھی اسی جگہ ہے جہاں آپؐ کو تیرہ سو سال قبل دفن کیا گیا تھا۔

حضرت محمدؐ اور پہاڑ کی کہادت کا ساتویں صدی کے عرب سے کوئی تعلق نہیں۔ غالباً سب سے پہلے اس کا ذکر بیکن (BACON) نے اپنے مضمون OF BOLDNESS میں ۱۵۹۷ء میں کیا۔

اور بعض ادقات ہیں جان سیلڈن جیسے مصنفین بھی ملتے ہیں جس نے عرب کے اس

MARONITES - CORINTHIANS عیسائیوں کے دو غیر معروف فرقے۔

۱۵ SHAKESPEARE (۱۵۶۴ء تا ۱۶۱۶ء) انگریزی زبان کا مشہور شاعر اور مشہور ڈراما نویس
۲۰ غالباً یہ مورخین مغربی ہی ہوں گے۔

۲۱ فرانسیس بیکن (۱۵۷۱ء تا ۱۶۲۹ء) ایک مشہور انگریز فلسفی اور مدبر

مذہب کے متعلق تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا کی۔ سترھویں صدی کے اس عالم کا کہنا ہے۔
 ”وہ بتوں اور شبیہوں کو محبت اور ان کی پرستش کو محترمی یعنی محمدؐ اور محمدیت
 کہتے ہیں۔ کتنے تنفر پھیلانے والے نام ہیں حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ ترکوں
 (مسلمانوں) کے مذہب میں بت پرستی منع ہے۔“

لیکن ایسے مبنی بر حقیقت بیان شاذ و نادر ہی ملتے ہیں ورنہ عام یقین یہ ہی تھا کہ حضرت
 عیسیٰ کی وفات کے بعد وجود میں آنے والے تمام مذاہب خود ساختہ اور جھوٹے تھے۔
 ایسے سوانح نگار بھی ہیں جو غلو کی حد تک پہنچ گئے ہیں اور حضرت محمدؐ کو الوہیت کا درجہ دیتے
 ہیں۔ حضرت محمدؐ کی آخری وقت کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی۔
 ”یا اللہ میری قبر کبھی مرکز پرستش نہ بنے۔“

آپؐ کو یقینی طور پر تکلیف ہوتی اگر آپؐ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ آپؐ کے بعد مصنفین آپؐ کے
 نام پر آپؐ کے گرد توہمات کا ہالہ بنادیں گے۔
 اب آپؐ نے دیکھ لیا ہو گا کہ حضرت محمدؐ کے سوانح نگاروں میں کیا نقائص ہیں۔ وہ یا تو آپؐ
 کو عقیدت کی حد تک مانتے ہیں یا بالکل نہیں مانتے۔ دونوں میں جذبات کی شدت ہے کم یا زیادہ
 بہت کم ایسے ہیں جنہوں نے آپؐ کے سوانح حیات غیر جانبداری سے لکھے ہیں لیکن عملی طور پر کسی
 نے بھی دہاں کی سرزمین اور آب و ہوا اور عادات و رسوم کا جائزہ نہیں لیا جو کسی شخص کے طریق
 زندگی اور اس کی بود و باش پر بڑا اثر ڈالتے ہیں۔

چنانچہ میں نے یہ کوشش کی کہ اس کتاب میں حضرت محمدؐ کو اس طرح پیش کروں جیسے وہ
 واقعی تھے۔ ایک ایسے ہی عرب جن کی طرح کے بہت سے عربوں کو میں نے صحرائیں دیکھا تھا۔
 ایک سادگی پسند انسان لیکن عظیم شخصیت کے مالک۔ اپنے لوگوں کا دل سے بھلا چاہنے والے
 ایک ایسے انسان جو روحانی فیضان رکھتے ہوئے بھی جو کچھ کرتے تھے منطقی طور پر سوچ کر کرتے
 تھے اور مردوں اور عورتوں کی کمزوریوں سے درگزر کرنے والے تھے اور جو کسی طرح بھی خدایا
 دیوتا نہیں تھے۔

”محمدی“ یا ”محمدیت“ کی اصطلاحیں حضرت محمدؐ یا آپؐ کے پیروکاروں نے کبھی استعمال

نہیں کہیں۔ اپنے آقا کی بیحد عزت و تکریم کے باوجود مسلمانوں نے ایسے ناموں کو ہمیشہ رد کیا۔ حضرت محمدؐ کے لائے ہوئے دین کے اختیار کرنے والے کے لئے صرف لفظ 'مسلم' ہی واحد اور صحیح ترین اصطلاح ہے جس کے معنی اللہ کی رضا کے لئے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا ہیں۔

حضرت محمدؐ کے عادات و خصائل درویشی کی حد تک سادہ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ آپؐ دنیا کے انسان بھی تھے اور وہ بھی کوئی بہت پرانی دنیا کے نہیں۔ بلکہ اگر آپؐ اس زمانے میں بھی موجود ہوتے تو آپؐ کسی مجلس میں بھی کوئی اجنبیت محسوس نہ کرتے خواہ وہ مغربی لوگوں کی ہوتی یا مشرق والوں کی۔ آپؐ بھی اسی طرح محبت کرتے تھے جیسے ہم کرتے ہیں، آپؐ کے بچے بھی تھے، آپؐ گھوڑوں کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے، آپؐ اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے تھے اور اپنے کپڑوں کی بھی خود ہی مرمت کر لیتے تھے۔ آپؐ بڑے خوش مذاق بھی تھے، آپؐ کو اپنے رہنا اور لیٹر ہونے کا ضرور احساس تھا لیکن آپؐ میں دکھاوانہ تھا اور نہ کبھی آپؐ نے اپنے ہاں دربار داری کا رکھ رکھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آپؐ نے کبھی کسی کو یہ تاثر نہ دیا کہ آپؐ کوئی مافوق البشر انسان یا بھائی صفات کے حامل تھے۔

میں اب اپنے پہلے بیان کی طرف لوٹتا ہوں۔ ازمنہ تاریخ کی صدیوں میں بنی نوع انسان میں شاید ہی کوئی تبدیلی آئی ہو۔ انہوں نے زندگی کی الجھنوں میں اضافہ ضرور کر لیا ہے لیکن اپنے خدو خال اور اپنی قدیم جبلت اور فطرت کو ذرا نہیں بدلا اس لئے صرف اس وجہ سے کہ یہ کتاب اللہ کے رسول اور بانی اسلام کے متعلق ہے اس کو عام پڑھنے والے کی دلچسپی سے خارج نہیں سمجھنا چاہئے۔ حضرت محمدؐ کی سوانح عمری بھی ایسی ہی ہے۔ جیسے تاریخ یا ناول کی کسی اور مشہور شخصیت کی۔ اس میں بھی ڈرامہ، آویزش، مخالفتیں اور حیرت انگیز واقعات اور ہم جوتی جیسے وہ تمام عناصر موجود ہیں جو ایک اچھی داستان کے لوازم ہیں۔

چنانچہ اس کتاب کے قاری کو اپنے ذہن سے اسلام، مسلمان، ساتویں صدی اور عرب کو بھلا دینا چاہئے اور صرف یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ایک ایسے شخص کے حالات پڑھ رہا ہے جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے میدان میں آیا اور اپنے راستے میں ہر ممکن قسم کی رکاوٹوں کے باوجود اپنے نیک مقصد میں کامیاب ہوا۔ حضرت محمدؐ اور کسی اور شخص کی حیرت انگیز

کامیابی کی کہانی میں صرف ایک ہی فرق ہے۔ یعنی اس کا ماحول اور پس منظر، اور یہ ہی آپ کی کامیابیوں میں سنسنی اور دلکشی کا اضافہ کرتا ہے۔

آپ کی سوانح عمری میں کوئی بات حیرت انگیز طور پر نئی نہیں، اگر کچھ نئی باتوں کا اضافہ کیا ہے تو وہ یہ دکھانے کے لئے کہ کس طرح واقعات اور حالات نے آپ سے بعض ایسی باتیں کرائیں جن کا مغربی لوگوں کو علم نہیں۔ میرے لئے ان باتوں کے جاننے کا سبب میرا عربوں کے ساتھ عرصہ تک رہنا اور ان سے دوستی ہے۔

مکہ

(چھٹی صدی عیسوی)

صحرائے عرب کی ویرانیوں میں گھرا ہوا اسلام کا مقدس شہر مکہ، مین اور شام کے درمیان ایسی سرزمین میں واقع ہے جسے تند ہواؤں اور بارش کی شدید کمی نے ناکارہ بنا دیا ہے۔ ایک وحشت ناک وادی تے جس کے دونوں طرف نوکیلے اور بے آب و گیاد پہاڑوں کے سلسلے چلے گئے ہیں، اس کے محل وقوع کو اتنا الگ تفہلگ اور نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کہ جب تک ایک زائر اچانک اس کی گلیوں کے اندر ہی نہ جھانکنے لگے اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ مکہ پہنچ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس مقدس شہر کے رازوں کو ناپاک دنیا سے محفوظ رکھنے میں مسلم عقیدے کا بڑا ساتھ دیا ہے۔

پتھر ملی سیاہ اور تقریباً ایک عیسیٰ ادنچائی کی بہت سی پہاڑیوں سے گھری ہوئی یہ ایک غیر دلکش اور بڑی ناموافق جگہ ہے۔ ہر طرف میلوں ان خشک پہاڑیوں کا سلسلہ ختم

۱۔ ملاحظہ ہو منسلک نقشہ

۲۔ مسلم عقیدے اور دستور کے مطابق غیر مسلموں کا مکہ میں داخلہ بند ہے۔ اور یہ پابندی رسول کریم کے زمانے سے ہی لگی ہوئی ہے۔ حیاۃ محمدؐ کے مصنف ڈاکٹر محمد حسین بیگل کے بیان کے مطابق اسلام سے پہلے بھی اہل کتاب کو مکہ میں داخلے کی عام اجازت نہ تھی۔ سوائے ان محنت مزدوری کرنے والوں کے جو اپنے دین کے متعلق وہاں کوئی بات نہ کریں۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ میں یہودی اور عیسوی نہ ہونے کے برابر تھے۔

ہوتا نظر نہیں آتا اور نہ ہی چمکدار اور خیر و کن صحرا کا خاتمہ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی آگ برسانے والی تمارت چین لینے دیتی ہے۔ جلتے آسمان کے نیچے چھوٹی کنکریوں اور چھتاتی پتھروں سے سلگتے کوٹلوں کی طرح دھواں اٹھتا معلوم ہوتا ہے۔

ایسا نظر آتا ہے کہ کہیں کہیں کانٹے دار ببول کے سوا ہر قسم کی جاندار شے اس دیرانے میں جل کر ختم ہو گئی ہے۔ مکمل دیرانی ہے۔ نہ ٹھٹھنے والی ہوا کی سائیں سائیں کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دیتی۔ سطح زمین کی یکسانیت کی اکٹاہٹ توڑنے والی صرف ایک ہی شے ہے اور وہ ہیں غصے میں پھرے جنوں کی طرح زمین سے اٹھتے اور بل کھاتے بگولے۔ یہاں سراب بھی نہیں کہ مسافروں کا کھجور دل کے درختوں اور سرسبز باغات کے نظر فریب نظاروں سے ہی دل بہلائی اللہ کے نبی کے اس مقدس شہر میں کوئی شے پیدا نہیں ہوتی۔ دن کی جھلستی اور چلچلاتی دھوپ سے امن صرف رات کو ہی مل سکتا ہے۔

شہر کا اپنا رنگ بھی وہی ہے جو ارد گرد کے علاقے کا۔ ہر طرز اور ہر سائز کے پتھر سے بنے ہوئے مکانات ٹھسا ٹھس بھرے اور مکھیوں کے چھتے کے خانوں کی طرح آپس میں جڑے دادی کے غودی بازوؤں پر ادھر پر ہی ادھر چلے جاتے ہیں۔ یہاں دہاں آبادی سے علیحدہ کوئی عمارت کسی پیٹری کی چوٹی پر ہوا کی رگڑ میں کھا کر جھکتی ہوئی کسی چٹان پر کھڑی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اسے بستی سے نکال پھینکا گیا ہے اور وہ پھر اسی گڑبڑ آبادی میں دوبارہ گھس جانے کے انتظار میں ہے۔

شہر کے عین درمیان میں مسجد الحرام یا بیت اللہ ہے۔ اس میں ستونوں والا ایک بڑا صحن ہے۔ صحن میں بہت سے متبرک قبے اور یاد گاریں ہیں۔ بیت اللہ کے معنی ہیں

لے ملاحظہ ہو نقشہ ۱۷

۱۸ قبے۔ مصنف کے عرب میں قیام کے دوران (یعنی جنگ عظیم اول کے بعد) یہ قبے موجود تھے لیکن سعودیوں کے اقتدار کے فوراً بعد (غالباً ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۸ء کے درمیان) ان کے عقائد اور صحن کو وسیع کرنے کی ضرورت کے تحت بہت سے قبے گرا دیئے گئے۔ اب نہیں ہیں۔ مقام ابراہیم اور چاہ زمزم جیسی یاد گاریں البتہ موجود ہیں۔

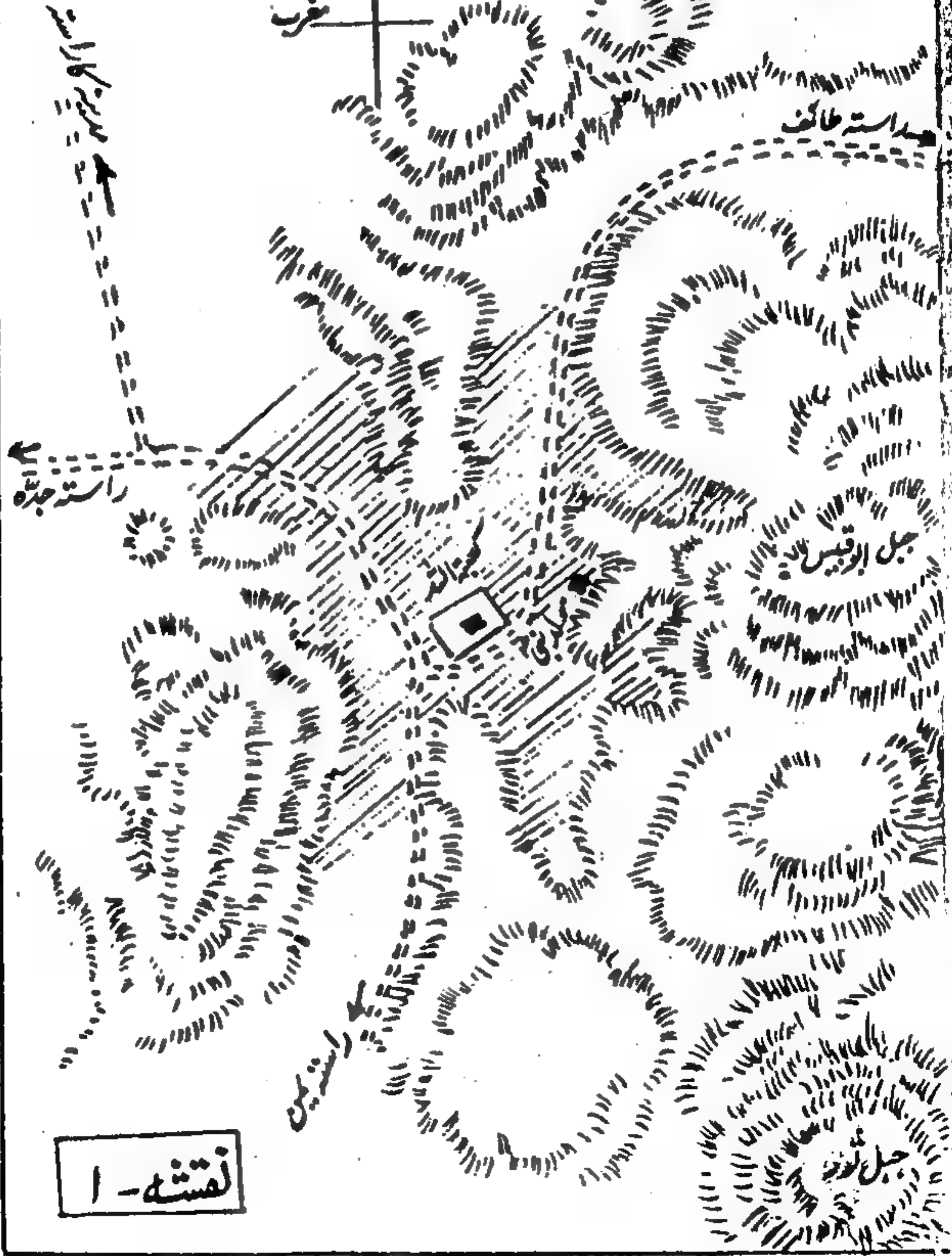
THE GREAT ARAB CONQUESTS

By J. B. GLUBB

مکہ کی تنگ وادی

اغلی آبادی آنحضرت کے عہد میں

شمال ۳/۴ میل ۱/۴ ۹



اللہ کا گھر، جو عربوں کی روایات کے مطابق روٹے زمین کے مرکز میں اور عرش الہی کے عین نیچے واقع ہے۔ خانہ کعبہ صحن کے تقریباً بالکل درمیان میں ایک نشیب میں ہے۔ یہ ایک بغیر دریچے کی مکعب نما، سپاٹ چھت والی خاکستر پتھر سے تعمیر شدہ چالیس فٹ اونچی عمارت ہے۔ چائے دانی کے غلاف کی طرح اس پر ایک بہت بڑا خواب کا غلاف پڑا رہتا ہے جس پر طلائ کلابتوں سے قرآنی آیات کڑھی ہوتی ہیں۔ یہ غلاف جسے کیسہ کہتے ہیں ہر سال بدلا جاتا ہے۔ کعبہ اسلام کا نقطہ ماسکہ یا قبلہ ہے اور دنیا بھر کے مسلمان روزانہ پانچ وقت اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ تاریخ کے آغاز سے ہی کعبہ کی پرستش ہوتی رہی ہے لیکن اس کی ابتدا بھلائی جا چکی ہے اور بے سرو پا کہانیوں کی دھند میں کھو گئی ہے۔ اس کو بیت اللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ غالباً یہ عمارت اپنی پہلی بھدی شکل میں کسی پیغمبر نے فرشتوں کے نزول کی یادگار کے طور پر تعمیر کی ہوگی۔ حضرت یعقوب اپنے ستون کو بھیل BETHYL یا بیت الہ کہتے تھے۔

عرب کی روایات بتاتی ہیں کہ پہلا کعبہ حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا۔ طوفان نوح میں تباہ ہو گیا اور بعد ازاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے ایک اور کعبہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد یہ

کعبہ اللہ - لمبائی شمالاً جنوباً ۲۷ فٹ ۷ انچ، عرضاً ۲۱ فٹ ۷ انچ، چوڑائی شرقاً غرباً ۲۳ فٹ ۷ انچ اور اونچائی ۲۷ فٹ ۷ انچ (تقریباً ۱۰ فٹ) اس کی چھت دوہری ہے اور درمیان میں لکڑی کے تین ستون ہیں۔ کعبہ کا دروازہ پانچ فٹ اونچائی پر ہے اور مشرق کی جانب ہے۔ حجر اسود بھی جنوب مشرقی کونے میں واقع ہے۔

نقطہ ماسکہ - چاروں طرف کی شعاعوں کے ملنے کا نقطہ یا مرکز (جارج میل)

بھیل یا بیت ال - حضرت یعقوبؑ بیڑ بیس سے عماران کی طرف چلے۔ راستہ میں رات کو ٹھہرے۔ خواب میں اللہ تعالیٰ

کا جلوہ نظر آیا۔ کہا میں تیرے باپ اسحقؑ اور ابراہیمؑ کا خدا ہوں۔ میں یہ زمین تیری نسل کو دوں گا اور تو مشرق و

مغرب و شمال و جنوب میں بھیل جائے گا۔ حضرت یعقوبؑ جاگے تو جو پتھر سر ہانے لگایا تھا اسے کھڑا کیا۔ اس کو

خداوند کا نشان بنا کر اس کا نام بھیل (ال بیل یا بیت اللہ) رکھا۔ یہ کنعان کی سرزمین میں تھا۔

(عہد نامہ عتیق - پیدائش -)

بیت پرستوں کے قبضہ میں چلا گیا جنہوں نے اس کی نقلیں (مختلف مقامات) پر تعمیر کیں یہاں تک کہ حضرت محمد تشریف لے آئے اور اس کو قدیم کی طرح دوبارہ خدائے واحد کی عبادت کے لئے وقف کر دیا۔

کعبہ کی بیرونی دیوار کے ایک تیز کنارے والے گوشے میں حجر اسود نصب ہے حجر اسود حقیقت کئی ٹکڑوں کا مجموعہ ہے۔ صحیح طور پر بارہ جنہیں سیاہ سیمنٹ سے آپس میں جوڑ کر باندی کے ایک حلقہ میں کسا ہوا ہے۔ یہ سارا ایک بیضوی شکل کا ہے اور تقریباً سات انچ اس قطر ہے۔ یہ پتھر یا ٹکڑے کس چیز کے بنے ہوئے ہیں آج تک کوئی اس کی تحقیق نہیں کر سکا۔ ایک باوثوق روایت کے مطابق یہ پتھر بہشت سے لایا گیا تھا۔ اور حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کو اس وقت دیا تھا جب کہ وہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اس وقت یہ برف کی طرح سفید تھا لیکن اس کا موجودہ رنگ (سیاہ) ان کرڈوں گنہگاروں کے رستے رہنے کا نتیجہ ہے جو ہر سال مکے میں حج کے لئے آتے ہیں۔ لیکن اس بات سے اس کی ساخت مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ایسا کرنے میں بڑی دقت یہ ہے کہ لوگوں کی بہت بڑی اکثریت جو مکہ آتی ہے اس سیاہ پتھر کو عقیدتاً تقدس کا نشان سمجھتی ہے۔ اور وہ لوگ اس کی ارضیاتی تاریخ سے متعلق کوئی توجہ نہیں دیتے جن سیاحوں نے اس پتھر کو تجسس اور تقدس دونوں نظروں سے دیکھا ہے ان کے خیالات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ مکہ کے مشرق واقع ابوقیس کی پہاڑیوں کی چٹان کا ٹکڑا ہے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس کی اصل آتش فشانی ہے۔

مختلف اداروں میں اس موضوع کے سبب پیدا شدہ مختلف الخیالی اور بحث مباحثے کے وجود مذکورہ بالا باتوں میں سے ایک بھی کسی اہمیت کی حامل نہیں۔ خواہ یہ کسی نئے بنا ہو یہ حقیقت ہے کہ یہ پتھر ایک طویل عرصے سے وہاں موجود ہے میکسمس ٹائریس MAXIMUS TYRIUS دوسری صدی عیسوی میں لکھتے ہوئے بتاتا ہے کہ عرب لوگ ایک ایسے خدا کی پستش کرتے ہیں جس کا مظهر انہوں نے ایک مستطیل عمارت کی شکل میں بنایا ہوا ہے جس میں ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے۔

آج حجر اسود کی تعظیم روایت کی خاطر بھی اتنی ہی کی جاتی ہے جتنی دوسری باتوں کے سبب حضرت محمدؐ کی تعلیمات اختیار کر لینے سے پہلے عرب جنوں کی حد تک بت پرست تھے۔ کعبہ کا اندرونی حصہ خاکستری رنگ کے پتھر سے بھدے طریقے پر تراشے ہوئے بہر قسم کے بتوں سے پٹا پڑا تھا اور ان میں وہ پتیلے بھی تھے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ حضرت مریمؑ اور حضرت اسمعیلؑ کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کعبہ کی بغیر دریچے کی اس مقدس عمارت میں تین سو ساٹھ پتھر کے بھدے بت بے ترتیبی سے ہجوم کئے ہوئے تھے۔

خانہ کعبہ کے گرد سات نسبتاً چھوٹی عمارتیں بھی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم چاہ زمزم ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر حضرت ہاجرہ نے حضرت سارہ کے اکسانے پر حضرت ابراہیمؑ کے نعیموں سے نکال دیئے جانے کے بعد مرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کچھ دیر صحرا میں مارے مارے پھرتے کے بعد وہ مکہ کی اس پتھر ملی دادی میں آنکلی تھیں۔ ان کا زاد راہ ختم ہو گیا تھا اور پانی کی چھاگل بھی خالی تھی۔ وہ پریشانی اور اضطراب میں پانی کی تلاش میں ادھر سے ادھر دوڑتی پھریں اور پھر پیاس سے نیم جان ہو کر وہ جھلسی ہوئی زمین پر گر پڑیں اور اپنے بچے حضرت اسمعیلؑ کو ایک کانٹے دار پھول کی جھاڑی کے نیچے سر کا دیا۔ پھر سر کو چادر سے ڈھانپ کر زور سے چیخ ماری کہ میں اپنے بچے کو اپنے سامنے مرنے نہیں دیکھ سکتی۔

لیکن اس سے پہلے کہ بظاہر ناگزیر بات ہو جائے ایک فرشتہ ظاہر ہوا اور حضرت ہاجرہ کو بتایا کہ پانی کا ایک چشمہ ان سے چند قدم کے فاصلے پر ہی ہے۔ حضرت ہاجرہ اب چل بھی نہیں سکتی تھیں لیکن وہ سرک سرک کر پانی تک پہنچیں جس نے ان کی اور حضرت اسمعیلؑ کی جانیں بچا لیں۔

۱۔ اب یہ عمارتیں موجود نہیں ہیں۔ البتہ چاہ زمزم اور مقام ابراہیمؑ اپنی بدلی ہوئی شکل میں باقی ہیں۔
۲۔ حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی بیویاں تھیں۔ حضرت ہاجرہ سے حضرت اسمعیلؑ پیدا ہوئے اور حضرت سارہ سے حضرت اسحقؑ علیہ السلام۔

۳۔ یہ واقعہ انجیل سے لیا گیا ہے۔ (باب ۲۱ پیدائش۔ پرانا عہد نامہ)

یہ زمزم وہی چشمہ ہے اور جب حضرت ہاجرہ نے اس کو دیکھا تو اس سے پانی کے ابلنے کی آواز کے سبب اس کو زمزم کہا اور اگر ہم کتاب پیدائش (انجیل) پرانا عہد نامہ کی اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو غالباً زمزم دنیا کے قدیم ترین موجود کنوڈں میں سے ایک کنواں ہے عربوں کو اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب یہ اظہر من الشمس ہے کہ مکہ یہاں موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ زمزم یہاں نہ ہو۔

حضرت ابراہیم صحرانشین تھے اور حیموں میں رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص تنہا بغیر اونٹ کے صحرا میں نکل کھڑا ہو اور پانی نہ ملے تو اس کے زندہ بچنے کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں پانی کے چشمے اور کنویں تو اس وقت بھی اسی طرح موجود تھے۔ جیسے آج ہیں لیکن اگر کوئی شخص چرواہا نہیں ہے یا سطح زمین سے ناواقف ہے تو وہ ان کے قریب ہونے کے باوجود ان کو نہ پا سکے گا اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ پریشان اور تھکا ماندہ ہو۔ یہ کہانی بھی پرانے عہد نامے کی اور بہت سی کہانیوں کی طرح کی ایک کہانی ہے۔ غالباً پانی کے اس کنویں کے سبب ہی مکہ آباد ہوا۔ ایسی اجاردار ویران سرزمین میں جہاں بھی کنواں ہو قافلے اور چرواہے خود بخود کھینچے آتے ہیں۔ کچھ دیر بعد قافلے اس جگہ رات گزارنے کے لئے کھڑنے لگے ہوں گے اور آہستہ آہستہ یہ جگہ تجارتی مرکز بن گئی۔

اگر ہم اس روایت کو صحیح مان لیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرب کی تاریخ نے اسی وقت سے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔ حضرت ہاجرہ کی ڈرامائی جلا وطنی کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت یعقوب کا ایسوع کو محروم الارث کر دینے کا واقعہ بھی کم ڈرامائی نہیں ہے۔ ان

لے ایسوع۔ حضرت یعقوب کے بڑے بھائی تھے۔ انیس ادم (سرخ) بھی کہتے ہیں کہ ان کا رنگ سرخ تھا اور جسم پر بڑے بال تھے۔ حضرت اسحق بوڑھے اور نابینا ہو گئے تو اپنی گدی (نبوت) ایسوع کو دینی چاہی لیکن ان کی بیوی ربقہ نے اپنے بیٹے یعقوب کو ایسوع کے بھیس میں پیش کر کے دعا لے لی اور حضرت یعقوب جان نشین ہو گئے اور ایسوع محروم ہو کر خادم بن گئے لیکن دونوں بھائیوں میں عرصہ تک اختلاف رہا اور حضرت یعقوب بیس سال تک اپنے ماموں کے ہاں رہے۔ (باب ۲۷ - پیدائش - پرانا عہد نامہ)

دو المیوں کے بالواسطہ نتیجہ کے طور پر ایسوع نے مقالہ سے شادی کرنی جو حضرت اسمعیل کی بیٹی تھیں۔ اس شادی سے بنی اودوم بنو۔ عمالقہ اور بنو اسمعیل قبائل وجود میں آئے جو عرب کے لوگوں کے آباء و اجداد تھے۔

چاہ زمزم سے قریب ہی ایک اور عمارت میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے مقبرے ہیں۔ ایک اور قبۃ میں ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم کعبہ کی از سر نو تعمیر کی نگرانی کرتے تھے۔

مکہ کا حال بیان کرنے میں صیغہ حال اس لئے استعمال ہوا ہے کہ جہاں ساتویں صدی عیسوی کے شہر کے کچھ حصے تاحال موجود ہیں وہاں حضرت محمد کے زمانے سے اب تک اس کی شکل و صورت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔

مکانات اب بھی مقامی طور پر دستیاب ہونے والے خاکستری پتھر کے بنتے ہیں، اور مشرق کے دوسرے شہروں کی نسبت زیادہ اونچے ہوتے ہیں۔ ان کی چھتیں سیاٹ ہوتی ہیں اور باہر کی طرف بڑے پردہ دار چھجے اور کھڑے ہوتے ہیں۔ گلیاں پیچ در پیچ اور تنگ ہوتی ہیں۔ بعض چڑھتی اور بل کھاتی ان پہاڑیوں پر پہنچ جاتی ہیں جو مکہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔

اس مقالہ۔ ان کو بشامہ اور مہلت بھی کہا گیا ہے۔ حضرت اسمعیل کی بیٹی تھیں اور حضرت ایسوع کی بیوی جب ایسوع حضرت اسی کی جانشینی سے محروم ہو گئے اور حضرت یعقوب کے واپس آجانے پر بالکل ناامید ہو گئے تو اپنے اہل و عیال و سامان اور جانوروں کے ساتھ وہاں سے چلے آئے اور کوہ شعیب میں رہائش اختیار کر لی۔ (باب ۳۶۔ پیدائش۔ پرانا عہد نامہ) لے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیل کے مقابر کا آج کل کوئی نشان موجود نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے مصنف کے عرب میں قیام کے دوران تک موجود ہوں یعنی جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) کے فوراً بعد، کیونکہ سعودی حکومت نے اپنے دور کے آغاز میں بہت سے مقابر اور قبۃ گرا دیئے تھے فلپ مٹی کی کتاب HISTORY OF THE ARABS میں ایک تصویر میں یہ عمارتیں اور مقابر نظر آتے ہیں۔ یہ تصویر ۱۹۱۳ء کی ہے۔ اسے اس پتھر اور اس جگہ کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ اب اس پر بھی قبۃ نہیں لیکن اپنی مختصر اور جدید شکل میں قائم اور موجود ہے۔

وہ اب بھی پہلے کی طرح سنان نہیں ہوتیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان بازاروں اور گلیوں میں ہر وقت ہی کسی نہ کسی کام، کسی دوست سے ملنے کی غرض سے یا سفر سے واپس ہوتے ہوئے چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ اب بھی اونٹ اسی شان بے نیازی سے کھروری کنکریوں اور سنگریزوں پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور بوجھ سے لدے گدھوں اور بچروں کو ادھر ادھر دھکیلتے جاتے ہیں۔ گپ شپ اور قہقہوں کے ساتھ خاک بھی ہر وقت اڑتی رہتی ہے اگرچہ بہت سی پراتی عمارتیں ان شدید بارشوں کے سبب تباہ ہو گئی ہیں جو مکہ کی تنگ وادی کے نشیبی حصوں کو طوفانی نالوں میں تبدیل کر دیتی ہیں لیکن ان کی جگہ ویسی ہی نئی عمارتوں نے لے لی ہے۔ البتہ جو عمارتیں طوفانوں کی زد سے بچی رہی ہیں وہ ابھی تک کھروری ہیں۔ حضرت محمدؐ کی جائے پیدائش اور وہ مکان جہاں آپ شادی کے بعد رہائش پذیر رہے آج بھی زائرین کو اصل مکانات کے طور پر دکھائے جاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ تقدس محض خیالی ہو کیونکہ اس خشک آب و ہوا میں عمارتیں دھند اور بارش کے علاقوں کی بہ نسبت بہت زیادہ عرصہ تک شکست و بخت سے بچی رہتی ہیں۔ چنانچہ قبل از اسلام یا حضرت محمدؐ کے زمانے کا کوئی بت پرست اگر آج بھی مکہ آجائے تو یقیناً اسے یہاں گلیوں میں ان نشانات کو تلاش کرنے میں ذرا بھی دقت نہ ہوگی جو وہ ہزار دو ہزار سال پہلے یہاں چھوڑ گیا تھا۔

نہ ہی اسے یہاں کی طرز بود و باش میں کوئی فرق محسوس ہوگا۔ دکانیں، اقامت خانے اور مطعم (طعام خانے) بالکل ویسے ہی ہیں جیسے آج سے تیرہ سو سال یا اس سے بھی پہلے تھے۔ چھٹی صدی عیسوی تک مکہ ایک اہم شہر بن چکا تھا۔ وہاں کی عربی زبان

اسٹے غالباً مصنف کے قیام کے دوران اصل عمارتیں موجود ہوں گی۔ رسول کریمؐ کی جائے پیدائش کی عمارت کو اب بھی معمولی سی کہتے ہیں لیکن اصل عمارت کی بجائے اب وہاں پر ایک نئی عمارت میں دینی کتب خانہ بنا دیا گیا ہے۔

ایک بڑا مال ہے جہاں زائرین تھوڑی دیر بیٹھ کر آپ پر درود بھیجتے ہیں اور باہر چلے آتے ہیں۔ اسی طرح قریب کی دوسری آبادیوں میں حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت امام حسینؓ اور دیگر اصحاب کبار کے مکانات کی جگہ دینی مدرسے یا مساجد تعمیر کر دیئے گئے ہیں۔ ان تبدیلیوں کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔

شائستہ ترین شمار ہوتی تھی اور وہاں کے لوگ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مہذب خیال کرتے تھے۔ تاجر اور حاجی وہاں پر سارے عرب سے آتے تھے۔ اب بھی بالکل یہی حال ہے۔ مکہ کی بولی اب بھی مستند زبان شمار ہوتی ہے اور جہاں عرب کے دوسرے شہر فیشن کے مرکز بن گئے ہیں۔ عرب کے دور افتادہ علاقوں اور عرب سے باہر کے قافلے اور حجاج ابھی تک مکہ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اس وقت کی طرح اب بھی مکہ کے لوگ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان سے کرایہ اور محصولات شہر میں لوگوں کی تعداد کی بنیاد پر وصول کرتے ہیں۔ زر مبادلہ کی شرح پریسٹہ اجناس کی اجارہ داری اور فصلوں پر جو اب بھی اسی طرح کھیلا جاتا ہے جیسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

حضرت محمدؐ مکہ کے ان ہی بت پرست، روپیہ کے لالچی امیر طبقہ کے لوگوں اور اس پرمہول ویرانے میں رہنے والے شہریوں کے درمیان پیدا ہوئے۔ آپؐ خانہ بدوش نہ تھے اور آپؐ کا روحانی مطمح نظر بھی بدوؤں سے قطعی مختلف تھا۔ لیکن یہ بدوی قبائل ہی تھے جو سب سے زیادہ سرگرم اور راسخ الاعتقاد مسلمان بنے۔ اور یہ صحرائ نشین ہی تھے جنہوں نے اسلام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ وہ لوگ جو کبھی عربوں کے درمیان نہیں رہے شاید اس میں کوئی خاص بات محسوس نہ کریں لیکن حقیقت میں یہ حضرت محمدؐ کا ایک ایسا کارنامہ تھا جو قریب قریب ایک معجزہ ہے۔

تمام عربوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے بمقیم اور خانہ بدوش یعنی نخلستانی یا شہر کے لوگ اور خانہ بدوش یا بدو۔

شہر کے لوگ ہمیشہ سے عالم، تاجر یا حاکم ہوتے آئے ہیں یہی لوگ ہیں جنہوں نے تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ہمیشہ عرب کی سیاسی قسمتوں کی قیادت کی ہے۔

لے مکان دارد آدمیوں کے کمرے میں چھ اور آٹھ حاجیوں کو رکھتے ہیں اور ہر شخص سے برابر کا کرایہ وصول کرتے ہیں۔ ایک بستر کے بچھانے کی جگہ بھی مشکل سے حصہ میں آتی ہے۔ لے شہ اور جواب سرکاری طور پر سخت منع ہے۔

ادھر صحرائشین لوگ ہی وہ جنگجو، جہاں گرد اور پیشرو تھے جو اپنی عربی تہذیب کو پھیلانے کی خواہش سے زیادہ ہم جونی کے شوق میں اسلام کو دنیا کے آخری سرے تک لے گئے خانہ بدوش اور شہری لوگ ایک دوسرے سے ممکن حد تک مختلف ہوتے ہیں لیکن وہ ماں اور باپ کی طرح مل کر ایک واحد وجود بھی رکھتے ہیں۔

لیکن نخلہ یا شہر کے لوگوں کے رہن سہن کا طریقہ صحرا والوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ نخلستان یا نخلہ صحرا کی ویرانی کے درمیان مدینہ کی طرح کاکھجوروں اور پھولوں کا ایک باغ بھی ہو سکتا ہے اور کسی کنویں کے گرد بسا ہوا ایک قصبہ بھی، جیسے مکہ۔ کسی قسم کا نخلہ کیوں نہ ہو لیکن وہاں کی اور کسی اور جگہ کی بود و باش میں کوئی مماثلت نہیں۔ ایسے قصبوں کی مثال ایک جزیرے کی سی ہوتی ہے جہاں کے لوگوں کے ہر نوع کے خیالات صرف اسی جزیرے تک محدود ہوتے ہیں۔ ایک نخلے کے رہنے والے امریکہ کے کسی دیہاتی قصبے کے لوگوں کی نسبت زیادہ مقام گرفتہ ہوتے ہیں۔ وہ صحرائشینوں سے کسی بات میں نہیں ملتے جلتے۔

ایک خانہ بدوش جنگجو کے لئے صحرا کی وسعتیں اور اس کے ساتھ اس کے خطرات اور سہولتوں سے محرومی لازمی امر ہیں۔ یہ باتیں اس کی تمام اچھی صلاحیتوں، دیانت داری اور خوش طبعی کو اجاگر کر دیتی ہیں۔ اس کی صحرا نوردی اس کو اتنی فرصت ہی نہیں دیتی کہ وہ ایک سیدھے سادے انسان کے علاوہ کچھ اور بھی بن سکے۔ اگر وہ اپنا گھوڑا یا اونٹ کھو بیٹھے، اور نتیجہ کے طور پر اسے بے کار ہو کر بیٹھ جانا پڑے تو اس کو حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور وہ جلد ہی نظروں سے گر جاتا ہے۔ ایک خانہ بدوش شہری سے نفرت نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس سے لڑتا ہے۔ لیکن وہ اس کو اپنے سے کمتر سمجھتا ہے اور اس جیسا نہیں ہونا چاہتا۔ یہ ہی وجہ تھی جس کے باعث خانہ بدوش قبائل پر حضرت محمدؐ کا تفوق اور اثر اس قدر حیرت انگیز تھا۔

۱۔ نخلہ نخلستان کا مروج منصف ہے اور صحرا میں کھجوروں یا دیگر پھلوں کے باغات۔ اس کی ملحقہ آبادی اور اسی طرح کسی چشمے یا کنویں کے گرد آبادی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اس کی مثالیں ہیں۔

حالانکہ تمام عربوں میں تقریباً ایک ہی طرح کے اصولوں کی حکومت رائج تھی، وہ ایک ہی بنیادی زبان بولتے تھے اور ایک قسم کی بین العرب وطن پرستی کا جذبہ رکھتے تھے لیکن وہ خود مختار قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک قبیلے کے اپنے مخصوص رسم و رواج اور اپنی بولی تھی اور اپنے مخصوص طرز کے خیموں کی انفرادیت تک کی حفاظت کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آج بھی یہی دستور ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہیں ہے۔

ان حالات میں ایک صحرائی قبیلہ کا ان قبائل کا حاکم بن جانا اور اس حد تک کہ وہ اس کے نصب العین کے لئے متحد ہو جائیں اور جان تک دے دیں بڑی حیران کن بات تھی اور پھر یہ کہ یہ شخص ایک شہری ہو جن کو وہ پسند نہیں کرتے اس سے بھی زیادہ عجیب تھا، حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کے ظہور تک صحرائی قبائل لوگ اپنی آزادی کی اتنی کڑی نگہداشت کرتے تھے کہ وہ ہر اس شخص کو جو ان پر حکمرانی کا ارادہ رکھتا ہو، نکال باہر کرتے تھے۔

سارے عرب عام طور پر اور صحرائی قبائل خاص طور پر فطری اور روایتی طور پر مساوات کے قائل ہیں۔ قبیلہ کا سردار اور ایک چرواہا برابری کی سطح پر ملتے ہیں۔ قبائلی اتحاد میں ہر ایک کیلئے برابر کے مواقع ہیں۔ کسی کو دوسرے پر کوئی برتری نہیں جب تک کہ وہ کسی خاص صلاحیت کا حامل نہ ہو۔ عرب کے صحرائی دنیا میں ایسی جگہ ہیں جہاں جمہوریت پر صحیح طور پر عمل ہوتا ہے لیکن عرب جہاں ان اصولوں کے اپنے حلقوں میں پابند ہیں وہاں وہ ہمیشہ سے اپنے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ عالی نسب اور شریف سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے پہلی نسل خیال کرتے ہیں۔

عرب کی روایت کے مطابق حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ جنت سے نکالے جانے پر سالوں تک زمین پر علیحدہ علیحدہ سرگرداں پھرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جبل عرفات پر ملایا جو آج کے مکہ کے قریب ہے۔ حضرت آدمؑ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ کعبہ کی تعمیر

لے ملاحظہ ہو نقشہ صفحہ

یہ جنگ عظیم اول کے بعد کی بات ہے۔ اس سے پہلے تمام عرب پر ترکوں کی حکومت تھی۔

تھی۔ چنانچہ عرب کی قدیم آبادی اپنا سلسلہ نسب حضرت آدم کے قریب ترین اخلاف حضرت
نوح اور خاص طور پر ان کے بیٹے سام سے ملاتی ہے۔ یہ سام کے پڑپوتے تھے۔ جنہوں نے موجودہ
مکہ کے مقام پر مین اور حجاز کی مسطنتوں کی بنیاد رکھی اور حضرت ابراہیمؑ، جن کے بیٹے حضرت اسمعیلؑ
تھے۔ سام کی نسل میں کئی پشت دور ان کے پڑپوتے تھے۔

بہر حال یہ عرب کی روایت ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کا ذکر عہد نامہ عتیق میں بھی ملتا ہے۔

”اور خدا نے (حضرت ابراہیمؑ سے) کہا — اسمعیلؑ کے حق میں

تیری بات سن لی ہے۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اسے برومند

کروں گا۔ اس کی نسل بہت بڑھے گی اور اس سے بارہ سردار پیدا

ہوں گے اور میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔“

(باب ۱۰۔ پیدائش۔ پرانا عہد نامہ)

اور فرشتے نے حضرت ہاجرہ کو صحرائیں بھی اس کی تصدیق کر دی تھی جب وہ پیاس سے
جاں بلب تھیں۔

”اٹھ، اور بچے کو اٹھا اور اس کو اپنے ہاتھ میں سنبھال کیونکہ

میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔“ (باب ۲۱۔ پیدائش۔ پرانا عہد نامہ)

حضرت اسمعیلؑ کے ان بارہ فرزندوں کا ذکر کتاب پیدائش (پرانا عہد نامہ) میں بھی ہے کہ
وہ اس علاقے میں آباد تھے جو شام جاتے ہوئے حویلہ سے شوزنگ تھا جس کی نشاندہی حجاز میں
مکہ کے قریب ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اس ویران علاقہ کو جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمعیلؑ
آباد تھے فاران بتایا گیا ہے۔ اور ان کے اس احوال سے بھی کہ ان میں سے کچھ قبیلوں میں آباد
تھے اور کچھ خمیوں میں، پتہ چلتا ہے کہ وہ عرب تھے۔

اور جن خمیوں کا حضرت داؤد زبور PSALMS میں ماتم کرتے ہیں وہ حضرت
اسماعیلؑ کے دوسرے بیٹے قیدار کے تھے جن سے بہت سے عرب اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں۔
جزئیہ اسی موضوع پر لکھتے ہوئے ذکر کرتا ہے ”اور وہ خوش حال قوم وہاں بے نگرہی

جزیریہ (یرمیاہ) پرانے عہد نامے کی ایک جزوی کتاب OF LAMENTATIONS کا مشہور مصنف

سے رہتی ہے نہ ان کے گھروں میں دروازے ہیں اور نہ ان کو بند کرنے کے لئے مسلا نہیں نہ لکھے، اور وہ اکیلے رہتے ہیں۔“

اگر ہم عہد نامہ عتیق OLD TESTAMENT پر یقین رکھتے ہیں اور جن قدیم مقامات کا اس میں ذکر ہے وہ عرب کے شہر اور کنوئیں باور کئے جاسکتے ہیں تو پھر جو کچھ عرب ہمیں بتاتے ہیں بھی یقیناً صحیح ہے۔

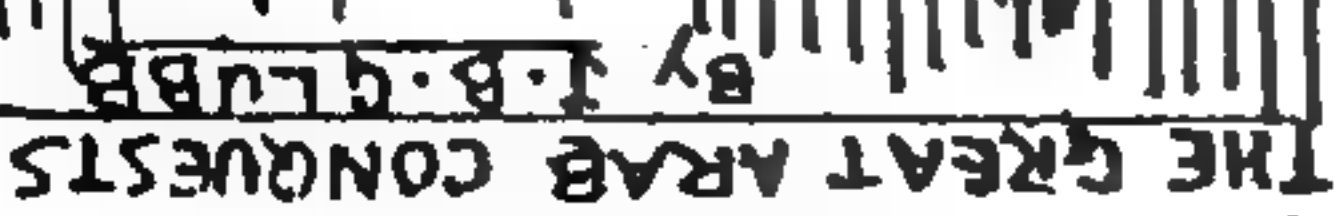
حقیقت میں حضرت آدم کے قصے سے قطع نظر عرب کی تاریخ ہمیں انجیل میں مذکور پیغمبروں کے زمانوں سے بھی بہت آگے لے جاتی ہے۔ ان لوگوں کے قبل از اسلام مذہبی عقائد ہی اکیلے اس بات کو ثابت کر دیتے ہیں جہاں عیسائیت اور یہودیت کے خال خال نشان ملتے تھے۔ اور بے شمار بتوں کی پرستش ہوتی تھی وہاں وہ لوگ لنگ کی پوجا بھی کرتے تھے اور اس کے علاوہ وہ سورج اور چاند اور ستاروں کی بھی تعظیم کرتے تھے۔ ہیرودوٹس دراصل کعبہ کا ذکر نہیں کرتا لیکن اس نے "لات یا زیادہ صحیح" ال لات کے متعلق ضرور لکھا ہے کہ وہ ایک دیوی ہے اور عرب کے ان بتوں میں سے ایک ہے جو بغیر دریکے کی مقدس عمارت کعبہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اتنی قدیم روایات کا حامل ہونے کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کے اواخر کی اس زوال پذیر دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی اور امر واقعہ یہ ہے کہ کسی کو بھی کوئی بڑی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایک نزع کا دور تھا کیونکہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی بڑی سلطنتیں تباہ ہو چکی تھیں یا ان کی شاہانہ عظمت و سطوت کا چراغ ٹٹمار ہا تھا۔

لیکن ابھی تک یونان کی خطابت، ایران کی شان و شوکت اور روم کی عظمت دنیا کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی اور تا حال کوئی ان کی جگہ لینے والا نہ تھا۔ یہاں تک کہ کوئی مذہب بھی ایسا نہیں تھا۔

یہودی ساری دنیا میں بکھر کر رہ گئے تھے اور ان کی کوئی مرکزی قیادت نہ تھی۔ وہ حالات

لے ہیرودوٹس HERODOTS ۴۸۵ تا ۴۲۵ ق.م، مشہور یونانی مورخ ہے جسے CICEORO

تاریخ کا باور آدم کہتا ہے۔ وہ بابائے علم انسانی بھی تھا۔



کے مطابق یا تو برداشت کئے جا رہے تھے یا اذیتیں جھیل رہے تھے۔ ان کا کوئی ملک نہ تھا جسے وہ اپنا کہہ سکیں اور ان کا مستقبل اتنا ہی غیر یقینی تھا جتنا آج ہے۔

پوپ گرگوری اعظم کے اثر سے آزاد عیسائی اپنے کسی وقت کے بیدھے سادے مذہب میں قسم قسم کی بیچ در بیچ تاویلات کر رہے تھے اور ایسا کرتے ہوئے ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

البتہ ایران کی شہنشاہیت میں ابھی کچھ دم باقی تھا اور شہنشاہ خسرو ثانی واقعی اپنی سلطنت کو وسعت دے رہا تھا۔ رومن سلطنت کی پروا نہ کرتے ہوئے اس نے کیا دوشیہ CAPPA DOCIA مصر اور شام پر قبضہ کر لیا۔ (ملاحظہ ہو نقشہ ۲) اور بیت المقدس کو تاراج کر کے وہاں سے مقدس صلیب اٹھالایا تھا۔ ۶۲۰ء تک جبکہ حضرت محمدؐ ایک سربراہ اور وہ شخصیت کی حیثیت سے ابھرنے والے تھے اس نے شہنشاہ دارائے اذل کی عظیم سلطنت کو ایک مرتبہ پھر سے بحال کر دیا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشرق وسطیٰ کی شان و شوکت قائم رکھنے کے لئے یہ ایک نیا دور ثابت ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ باز نطینی رومنوں میں ابھی کچھ کس بل باقی تھا چنانچہ جب خسرو کی افواج قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پہنچیں تو انہوں نے اپنی پوری قوت لگا کر اسے پسپا کر دیا۔

بدنام تھیوڈورا کا خاوند شہنشاہ جسٹینین^۱ JUSTINIAN ۵۶۵ء میں حضرت محمدؐ کی پیدائش سے کچھ پہلے مر چکا تھا۔ اس کے بعد ۶۱۰ء تک کسی غیر اہم حکمران کے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ اور اس کے بعد ہرقل^۲ HERACLIUS تخت نشین ہوا۔ ہرقل نے اپنے

۱۔ اس کتاب کے لکھنے کے وقت تک یہودیوں کا نہ کوئی اپنا ملک تھا اور نہ سلطنت۔ اسرائیل کا ملک بعد میں ۱۹۴۸ء میں معرض وجود میں آیا۔

۲۔ گرگوری اعظم روم کا لاٹ پادری یا پوپ (۵۹۰ء تا ۶۰۴ء) اس وقت کے تمام عالم عیسائیت پر اس کا بڑا اثر تھا۔ یہ بہت مشہور پوپ گزرا ہے۔

۳۔ قسطنطنیہ کے باز نطینی رومن شہنشاہ۔

نبردوں سے مختلف مزاج پایا تھا چنانچہ اس نے ایرانیوں کے خلاف قدم اٹھانے میں دیر نہ لگائی۔
 آخر کار انہیں ۶۶۲ء میں شکست دی۔ خسرو نے جتنا علاقہ چھینا تھا اس میں سے بہت سا واپس
 لیا اور مقدس صلیب کو بھی واپس بیت المقدس بھیج دیا۔ لیکن یہ کامیابی دیر پا نہ تھی چند ہی
 سال بعد اے مسلمانوں کی یلغار کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جنگ مختصر رہی لیکن شدید تھی۔ صحرائے عرب
 مجاہدوں نے اللہ اکبر کا جھنڈی نعرہ لگا کر رومنوں کے عقابی پرچم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا کر
 یوں تلے روند ڈالا۔

دور مشرق میں واقعات کی رفتار کوئی اہم نشانات نہیں چھوڑ رہی تھی۔ ہندوستان بہت
 چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں اور راجواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ جو آپس میں ہی سیاسی اور
 ملی طاقت آزمائی کر رہے تھے۔

چینی معمول کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے۔ سوئی خاندان
 اور چنل گیا اور اس کی جگہ تانگ خاندان نے لے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔
 جاپان میں پہلی مرتبہ ایک ملکہ تخت پر بیٹھی لیکن بدھ مت جڑ پکڑ رہا تھا اور جاپانی خیالات
 عقائد پر اثر انداز ہو رہا تھا۔

یورپ کے ممالک آہستہ آہستہ جرمن فرانسیسی سلطنت کا حصہ بنتے چلے جا رہے تھے۔
 میں فرانس۔ شمالی اٹلی اور دریائے رائن کے مشرق میں موجود روس و پولینڈ کی سرحدوں
 کے ممالک شامل تھے۔ شاہ کلودس CLOVIS مرچکا تھا اور میرودنگی خاندان کے آخری
 شاہ داغبرت DAGOBERT کی تاجپوشی عنقریب ہونے والی تھی۔
 اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹی ریاستیں تھیں۔

۱۔ نقشہ ملاحظہ ہو (نقشہ ۲۰)

۲۔ شاہ کلودس (۴۵۱ء تا ۴۵۱ء) فرانسیسی سلطنت کے میرودنگی MEROVINGIAN خاندان

کا بانی۔ اس نے گاتھوں کو شکست دے کر اسپین میں دھکیل دیا اور پیرس کو اپنا
 دارالخلافہ بنایا۔

اسپین پر ویسی گاتھ VISIGOTHS لوگوں کا تسلط تھا جنہیں حال ہی میں فرانس کے ان علاقوں سے نکال دیا گیا تھا جہاں کبھی وہ شمال میں دریائے لوار LOIRE تک کے علاقوں پر قابض تھے۔ وہ یہودیوں کو مسلسل اذیتیں دے رہے تھے جن کو نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے حملے کے لئے ہوا ایک صدی سے بھی کم میں ہونے والا تھا، راد سموار کرنے میں بڑا کام کرنا تھا۔ جزائر برطانیہ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ رومنوں کو واپس گئے ڈیڑھ سو سال گزر چکے تھے اور ان کی جگہ ناروگ NORDIC شمال مغربی یورپ لوگوں نے لے لی تھی۔ انگلستان خود سات علیحدہ علیحدہ بادشاہتوں میں تقسیم تھا۔ اور اسکاٹ لینڈ میں جنگجو پکٹ PICTS رہتے تھے لیکن سینٹ کولمبا ST-COLUMBA کی عالمی آمد کے سبب ان کے بادشاہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور اس طرح وہاں کے لوگوں کو مذہب دنیا سے میل ملاقات کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ دروازے کے دروازے DRUIDS سماں اپنی قدیم رسومات کے پابند تھے اور آئر لینڈ والوں کی اکثریت اسی طرح رہتی تھی جیسے وہ آج رہتے ہیں۔ البتہ وہاں کے باقی ماندہ لوگ عیسائیوں کی ایک ذہین خانقاہی جماعت کے مقتدر تھے اور یورپ میں کیلٹک عقیدے کے مراکز قائم کرنے کے لئے وہاں پر اپنے مبلغ بھیجتے تھے۔

شمالی افریقہ کی تاریخ باز نطینی رومنوں سے وابستہ تھی۔ بالی سیریس BALISARIUS نے وینڈلوں کو نکال دیا تھا اور بحر روم کے جنوبی کناروں پر ایک خاموش بے چینی مسلط تھی۔ یہ خاموشی عساکر اسلامی کی آمد کے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

اگرچہ یورپ والوں نے ابھی تک امریکہ کے براعظموں پر قدم نہیں رکھا تھا لیکن وہاں جو لوگ آباد تھے۔ ان کی اپنی ایک تہذیب تھی۔ حضرت محمدؐ کے ظہور کے وقت وہاں

لے گاتھ - قدیم جرمن نژاد قوم جن کی سلطنتیں اٹلی، جنوبی فرانس اور اسپین میں تھیں۔ اسپین میں آٹھویں صدی تک حکمران رہے۔

تھے بالی سیریس BALISARIUS شہنشاہ جیٹین کا مشہور جنرل GENERAL (۵۱۵ تا ۵۶۵ء)

اس نے گوٹھ اور وندلوں کو شکست دی اور ایرانیوں کو بھی ہرا دیا۔

ک قوم مایا MAYA فن تعمیر۔ نجوم اور ریاضی میں بڑی ترقی یافتہ تھی۔ امریکہ کے انتہائی
 ال میں براعظم ایشیا کی آبائے بیرنگٹ کے دوسری طرف ہجرت کا سلسلہ جاری تھا۔ نئے
 نے والے پہلے سے آباد شدہ لوگوں سے لڑکر ان کو اور مشرق کی طرف دھکیل رہے تھے وہاں
 بے اصلی باشندوں میں لنگ کی پوجا، جنسی بے راہ روی اور جنسی ظلم و ستم کی رسومات ان
 لوں کی طرح شد و مد سے جاری تھیں، جن کی زندگی چند روزہ رہ گئی ہو۔

بحر جنوبی کے جزیروں کے رہنے والے لوگ اپنے مونگے کے جزیروں میں قناعت کی زندگی
 کر رہے تھے بالکل ان لوگوں کی طرح جن کو ابھی تک سفید قام قوموں نے نہیں بگاڑا ہے۔
 درحقیقت جہاں تک انسانی ذہنیت کا تعلق ہے اس وقت کی اور آج کی دنیا میں بہت کم
 ہے سلطنتوں کی تباہ کاری اور بادشاہت کی ہوس چھٹی صدی عیسوی میں بھی لوگوں کو اسی
 دود سے ایک دوسرے کو مار ڈالنے پر اکساتی تھی جس طرح بیسویں صدی کے وسط میں کبھی ایک
 کانہ تمدن کے نام پر اور کبھی دوسری طوکانہ تہذیب کے نام پر قتل عام، گردن زنی اور
 ظالم کی شکل و صورت حضرت محمدؐ اور ہر قتل کے زمانے میں بھی ایسی ہی تھی۔ جیسے آج
 افسوس وازدہم اور شاہ جارج ششم کے دور میں۔ نسل انسانی نے اپنے کام و دہن کے ان
 مولات کے علاوہ نہ تو کچھلے دو ہزار سال میں کوئی سبق سیکھا اور نہ ہی آئندہ پندرہ سو سال میں
 سے کچھ زیادہ سیکھنے کی توقع ہے۔

بائیں ہمہ یہ دور جنگوں اور مذہبی جھگڑوں کے ہنگاموں کے درمیان ایک قسم کا وقفہ تھا اور
 ایک ایسے خیال کے بیج بونے کا، جو ایک دل پذیر اور مثالی عقیدے کی طرف رہنمائی کرے، ایک نہایت
 سازگار لیکن ساتھ ہی ساتھ نازک موقعہ تھا لیکن یہ تجربہ کوئی ایسا شخص ہی کر سکتا تھا جو ایک مؤثر
 شخصیت، ہمت اور مکمل خود اعتمادی کا حامل ہو۔ ایسے لوگوں کو جو ہمیشہ سے جتنے بند ہیں، انفرادی
 آزادی اور مذاہب الہیہ سے بیزاری میں پلے بڑھے ہوں صرف وہ ہی جیت لینے میں کامیاب ہو سکتا
 تھا جو ان سے محبت اور اپنائیت سے پیش آتا ہو اور ساتھ ساتھ بے پناہ استقلال اور عزم کا مالک ہو۔
 اسے کتاب میں ہم اسی شخصیت کا حال بیان کر رہے ہیں۔

۱ MAYA وسطی امریکہ اور جنوبی میکسیکو کی ایک قوم جو یورپ کے طالع آزادیوں سے پہلے وہاں آباد تھی اور ایک بڑی ترقی یافتہ
 تہذیب کی مالک تھی۔ لے ہرنے بیرنگٹ، الاسکا اور شمال مشرقی سائیریا (روس) کے درمیان ایک تلک آبائے

دوسرا باب

حضرت محمد کا پیرکن

۵۷۰ عیسوی

چند ناقابل یقین روایتوں سے قطع نظر حضرت محمد کی ولادت کے متعلق کوئی ابہام یا شک شبہ نہیں۔ آپ دنیا میں اسی طرح آئے اور پیدا ہوئے جیسے دوسرے عام انسان۔ آپ کے والدین خوشحال تھے اور قریش نامی ایک مشہور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کی اکثریت تجارت پیشہ تھی۔ چنانچہ ان ہی کی طرح حضرت محمد اور ان کے آباؤ اجداد بھی تجارت کرتے تھے۔ حضرت محمد کے والد کا نام عبد اللہ تھا۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکہ کے حسین ترین، بیحد مقبول اور نہایت قابل احترام جوان تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب ان کی نسبت آمنہ بنت وہب سے ہوئی تو مکہ کی بہت سی حسین دوشیزاؤں کے دل ٹوٹ گئے۔

حضرت عبد اللہ کے گیارہ بھائی اور کئی بہنیں تھیں۔ ان میں چار بھائیوں کو دنیا کے اس عظیم انقلاب میں جو حضرت عبد اللہ کی اس شادی سے ہونے والے بچے کے سبب ظہور میں آنے والا تھا، نہایت اہم کردار ادا کرنا تھا۔ ان چار کے اسمائے گرامی ابو طالب، ابو لہب،

یہ دونوں حضرت عبداللہ کے ہم سن (اور العباسؓ اور جعفرؓ تھے یہ دونوں کافی چھوٹے تھے) ن کے والد عبدالمطلب مکہ کی ایک ممتاز اور نامور شخصیت تھے اور ان کے والد کا نام ہاشم تھا۔ حضرت محمدؐ کے شجرہ نسب کے متعلق یہ چند نشت بتا دینا ہی کافی ہیں۔ حضرت ہاشم کا ذکر کرنے کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے مکہ میں ان کا مرتبہ اور اس کا اثر جو ان کے پڑپوتے پر پڑا۔ حضرت ہاشم دولت اور مرتبہ دونوں کے مالک تھے۔ وہ ایک معزز تاجر بھی تھے، اور نکتے میں رفاہ کے شعبہ کے سربراہ بھی۔ دوسرے عربوں کی طرح حضرت ہاشم بھی ایک با عمل انسان تھے۔ وہ اس بات کو خوب جانتے تھے کہ مکہ کس قدر غیر آباد اور ویران مقام تھا اور شدید گرمی اور سخت ناگوار آب و ہوا کے باعث کتنی غیر دلکش جگہ تھی۔ اگر یہ مقام مقدس روایات کا حامل نہ ہوتا تو وہ خود اور دوسرے تمام لوگ کبھی کے اس جگہ کو چھوڑ کر چلے گئے ہوتے اور اس جگہ کو ریت میں دبے ہوئے صدیاں بیت گئی ہوتیں۔ بہر حال چونکہ یہاں کا قیام ناگزیر تھا اس لئے اس جگہ کو بہتر سے بہتر بنانا ضروری تھا۔

گو حج بذات خود ایک معقول ذریعہ آمدنی تھا حضرت ہاشم نے چند دوسرے ذرائع سے بھی شہر کی آمدنی میں اضافہ کیا۔ یہ حضرت ہاشم ہی تھے جنہوں نے اس مقصد کے لئے مکہ سے ہر سال دو بہت بڑے تجارتی قافلے بھیجنے شروع کئے۔ ایک سردیوں میں یمن اور جنوبی علاقوں کی طرف اور دوسرا گرمیوں میں شام اور دوسرے شمالی ممالک کی جانب۔ یہ بھی ہاشم ہی تھے جنہوں نے نسبتاً چھوٹے قافلوں کو مکہ معظمہ میں پڑاؤ ڈالنے اور کچھ دیر ٹھہرنے کی ترغیب دی۔ اس کا سہرا بھی انہی کے سر ہے کہ انہوں نے تجارتی راستوں کو محفوظ بنانے کے لئے باز نطینی رومنوں اور شامی عربوں کے امیروں سے صلح کے عہد نامے کئے اور ساتھ ہی ساتھ ایران اور حبشہ کے ساتھ تجارتی معاہدے بھی کئے۔ یہ بھی وہ ہی تھے جنہوں نے حاجیوں کی حفاظت کا

لے اس باب کے آخر میں آنحضور کا شجرہ نسب ملاحظہ ہو۔

لے رفاہ ایک ٹیکس تھا جو مکہ کے لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا اور منیٰ میں نادار حاجیوں کو کھانا کھلانے اور ان کی دوسری ضروریات پر خرچ کیا جاتا تھا یہ عہد قریش میں بہت معزز اور با عزت سمجھا جاتا تھا۔

انتظام کیا تاکہ راستوں میں انہیں لوٹ نہ لیا جائے اور یہ کہ جو کچھ وہ اس سلسلہ میں خرچ کر اس کا معاوضہ انہیں جان و مال کی حفاظت میں مل جائے۔ اس جچی تلی دورانہی نے مکہ کی ترقی میں بڑا کام کیا اور یہ منصوبے قریشی سرداروں کے لئے بھی بڑے فائدہ مند ثابت ہوئے یہ علیحدہ بات ہے کہ ان اقدامات نے خود بزرگ سین حضرت ہاشم کی دولت میں بھی بے پناہ اضافہ کر دیا۔

چنانچہ ریت، گرمی اور دوسرے شہروں سے دوری کے باوجود مکہ کوئی جامد یا دقیانوسی شہر نہ تھا۔ یہاں رونق تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت اور گہما گہمی تھی اور قدم قدم پر تقابل تھا۔ بے حد دولت مندی اور بھوکوں مرنے تک افلاس، عیش و عشرت اور زہد و متقاضی کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ بڑے بڑے ساہوکار تاجروں نے جو مختلف قسم کے تیل، ریشمی کپڑے، عطریات، قیمتی جواہرات یا بردہ فروشی کا کاروبار کرتے تھے مکہ میں آئندہ زمانے کے دینس کی طرح، ایک امیر طبقہ پیدا کر دیا تھا۔ تجارت اور اس سے حاصل کی ہوئی دولت کو عیاشانہ طریقے پر خرچ کرنے کے علاوہ انہیں اور کسی بات سے کوئی غرض نہ تھی۔ اور یہ روپیہ کمانا بھی کوئی بے کیف و فتری معمول نہیں تھا۔ جو اتمام اہل مکہ کی فطرت میں داخل تھا۔ وہ اس تجارتی سامان کی فروخت یا دوبارہ فروخت پر جوا بھی ان کے ذہن ہی میں ہوتا تھا یا جوا بھی مالک کے حوالے نہیں کیا گیا، سٹہ لگاتے تھے۔ منڈی میں چیزوں کی قیمتوں کے گھٹنے بڑھنے، یا مین اور شام سے آنے والے قافلوں کے سامان یا ایسی فصلوں کے بھاؤ تاؤ میں جوا بھی کھلیا نوں میں ہی پڑی ہوتیں، ان لوگوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ بڑے بڑے تجارتی ادارے راتوں رات دولت مند یا دیوالیے ہو جاتے تھے اور اس سے تجارتی گہما گہمی میں اضافہ ہوتا تھا۔

مکہ کے روز و شب میں عورتوں کو بھی بڑا دخل تھا۔ ان میں سے بہت سی ان تجارتی قیاس آرائیوں اور سٹے میں عملی طور پر حصہ لیتی تھیں لیکن ان میں سے اکثریت تاجروں سے ان کے منافع کو خرچ کر لینے پر ہی اکتفا کرتی تھیں۔ البتہ ایسا کرنے میں عرب عورتوں

لے اہل کا مشہور شہر جو قدیم زمانے میں تجارت و دولت مندی اور شہرت میں بام عروج پر تھا۔

سے ان لوگوں کا انداز محبت بڑا نیا ملا ہوا تھا۔ اور ان کے محبت کے جذبات کا اتار چڑھاؤ منڈی میں نفع نقصان کے مطابق رہتا تھا۔

چھوٹے دکاندار بھی اپنے امیر ہم پیشہ تاجروں کی تقلید کرتے تھے اور آپس ہی میں سٹے لگاتے تھے اور سادہ لوح بدوؤں کو فریب سے لوٹتے تھے۔ بدو لوگ تجارت پیشہ افراد سے نفرت کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قریش تو شارک (خونخوار بڑی مچھلی) کا مترادف ہیں۔ اس کی کچھ حقیقت بھی تھی کیونکہ قریش کا مادہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی ہیں بڑی مچھلی۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اپنی بھیڑیں، اونٹ اور اون فروخت کرنے کے لئے ان ہی سے واسطہ پڑتا تھا۔ غریب لوگ مستقبل میں بہتری کی امید پر اپنی بساط کے مطابق زندگی گزار رہے تھے۔ اور ان کا ذہن ایک ایسے دین یا مذہب کو قبول کرنے کے لئے بڑا سازگار تھا جو انہیں آئندہ کی زندگی میں کچھ بہتری کی امید دلائے۔ کبھے کے خداؤں نے انہیں کبھی کوئی ایسی پیش کش نہیں کی تھی۔ ان کے نزدیک یہ تو امیروں کے زر خرید خدا تھے اور خاص طور پر قریش کے۔ ایک امیر طبقے اور ایک خوشحال قبیلے کا فرد ہونے کے علاوہ حضرت ہاشم کے ذمے مذہبی رسومات کی بجا آوری بھی تھی۔ وہ کعبہ اور اس کے ساتھ دوسرے مقدس مقامات کے متولیوں میں سے ایک تھے۔ یہ ان کا خاندانی فریضہ تھا جو صدیوں سے چلا آرہا تھا۔ بیت المقدس کے لوگوں کی طرح یہ مقدس اور نفع بخش فائدہ صرف ہاشمیوں کو ہی مل سکتا تھا۔ آج بھی مکہ اور مدینہ کے قاضی القضاۃ جن کا رسول کریم کے خاندان سے ہونا لازمی ہے شہزادگان بنی ہاشم

لے قریش۔ اکثر لغات میں اس کے معنی نام قبیلہ معروف ہی دیئے ہیں۔ غیاث اور منتخب اللغات میں اسے قریش کا تصغیر بھی بتایا ہے جو ایک بہت قوی الجتہ دریائی جانور ہے جس سے باقی سب جانور قوتے ہیں۔ مصنف نے غالباً انہی معنوں کے پیش نظر اس کے معنی شارک مچھلی بتایا ہے۔

PHILIP HITTEE نے تاریخ عرب میں منتخب اللغات کے قریش بالفتح مادے کو سامنے رکھا ہے اور قریش کے معنی تاجر بتائے ہیں کیونکہ لغات میں قریش کے معنی "کسب کردن" لکھے ہیں۔

۱۔ لوی : بیت المقدس کے علاقے کا ایک قبیلہ یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

کہلاتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ہاشم حضرت محمدؐ کے خاندانی حالات کے سلسلے میں پس منظر کے طور پر اہم ہیں اور اہم تھے۔ وہ اگر ہوتے تو غالباً اپنے پڑپوتے کے مشن کو پسند نہ کرتے۔ وہ یقینی طور پر اس خیال کو ہی بے عزتی تصور کرتے کہ ان کا ایک خلف عرب کی ہر چیز کو بدل کر رکھ دے گا۔ اور اگر وہ یہ جان سکتے کہ ان کے بعد کعبہ کی بے حرمتی ہوگی اور وہ بت جن کے وہ پاسبان اور متولی تھے توڑ ڈالے جائیں گے تو وہ اسے اپنی تحقیر سمجھتے اور وہ بلا شک و شبہ حضرت محمدؐ کے ایذا دہندوں میں سے ایک ہوتے لیکن وہ ایسی کوئی بات ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گئے اور ان کی دولت اور ان کا منصب ان کے چھوٹے بھائی المطلب کو مل گئے۔

المطلب نے بھی حضرت محمدؐ کی زندگی پر کوئی براہ راست اثر نہیں چھوڑا۔ وہ اپنے بھائی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دس سال بعد وفات پا گئے۔ ان کے جانشین ان کے بھتیجے عبد المطلب ہوئے جو حضرت ہاشم کے ایک صاحبزادے اور حضرت محمدؐ کے دادا تھے۔ ان کے نام کا سابقہ لفظ 'عبد' ہی کیا ان کا سارا نام ہی ایک غلط فہمی کا مرکب تھا۔ وہ اپنے والد حضرت ہاشم کی وفات کے وقت اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ میں تھے۔ وہ سن بلوغ تک وہاں ہی رہے۔ یہاں تک کہ ان کے چچا المطلب ان کو اپنے ساتھ لے آئے۔ یہاں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ المطلب کے غلام ہیں اور عبد ان کے نام کا سابقہ بن گیا۔ بعد میں غلطی کازالہ ہونے پر بھی یہ سابقہ اور ان کے چچا کا نام مل کر ان کا نام بنا رہا۔ ان کا اصل نام شیبہ تھا۔

حضرت عبد المطلب ایک اچھے عرب کی تمام صفات کے حامل تھے اور اپنے والد اور چچا کی طرح وہ بھی تاجر تھے لیکن وہ ساتھ ہی ساتھ ایک جنگجو بھی تھے۔ حضرت محمدؐ کی پیدائش سے کچھ ہی عرصہ پہلے اہل حبش نے عرب پر چڑھائی کر دی۔ ان کے ساتھ ہاتھی اور ہر قسم کا جدید ترین اسلحہ اور

لے یہ مصنف کا اپنا خیال ہے۔

لے عبد المطلب، حضرت ہاشم نے ایک شادی شرب (مدینہ) میں عمرو بن لہب کی بیٹی سلمہ سے بھی کی تھی۔ حضرت عبد المطلب ان کے بطن سے تھے اور آپ سن بلوغ کو پہنچنے تک مدینہ میں اپنی والدہ کے ساتھ ہی رہے۔ آپ کے چچا بعد میں آپ کو مکہ لے آئے اور اپنا جانشین بنایا۔ جناب سلمہ ایک بڑی تاجر خاتون تھیں اور مدینہ میں بڑی معزز شمار ہوتی تھیں۔ حیاۃ محمد (محمد حسین بیگل) سے یہی وہ واقعہ ہے جس کا سوتہ فیل میں ذکر ہے۔

جنگی سامان تھا جو عربوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے ایک لشکر سے حملہ آوردں کا مقابلہ کیا اور دشمن کو ملک سے باہر نکال دیا۔

لیکن حضرت عبدالمطلب کی شہرت کی بڑی وجہ زمزم کی دوبارہ دریافت ہے جو ہر وقت کی اڑتی ہوئی ریت کی تہوں کے نیچے دب کر بے نشان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے متولی کی حیثیت سے ان کا فرض حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرنا بھی تھا۔ مکہ کے باہر کے چشموں سے اتنا پانی دستیاب کرنا ایک مرحلہ تھا۔ عبدالمطلب اتنا جانتے تھے کہ کعبے اور زمزم کا محل وقوع قریب قریب ایک ہی ہونا چاہئے اور اگر مکہ شہر کے آباد ہونے کے متعلق روایات صحیح ہیں تو کعبہ اور زمزم دونوں کو بالکل اسی جگہ ہونا چاہئے چنانچہ انہوں نے کھدائی شروع کرادی اور آخر کار ایک رزچاہ زمزم کو تلاش کر لیا گیا۔ اس کھدائی کے دوران انہیں دو طلائی غزال چند تلواریں اور زریں بھی ملیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ نوادرات بنی جرہم کے آخری بادشاہوں کے تھے جو تیسری صدی عیسوی کے آخر تک مکہ کے حکمران تھے۔

کچھ بحث و تحیص اور بڑے دیوتاہیل جو سرخ سنگ یشب کی ایک مٹھوس چٹان سے تراشا گیا تھا، کے سامنے دعاؤں اور شگون لینے کے بعد یہ نوادرات تو کعبہ میں بطور نذر چڑھا دیئے گئے اور چاہ زمزم حضرت عبدالمطلب کو دے دیا گیا۔ یہ ہی وہ چاہتے تھے۔ اس سہل الحصول اور تاریخی روایات کے حامل ذریعہ آب رسانی کے سربراہ ہونے نے ان کی تمام مشکلات ہی حل نہیں کر دیں بلکہ ان کا وقار بھی بلند کر دیا اور اس بات کی یہ پانی کچھ کمڑا اور کھاری تھا۔ انہوں نے پروا نہیں کی بلکہ ان کا خیال تھا کہ جب اسی پانی نے حضرت ماجرہ اور حضرت اسمعیلؑ کی جانیں بچائیں تو شاید یہ حاجیوں کے لئے بھی بہت مفید

۱۔ بنی جرہم۔ ایک قدیم قبیلہ تھا جو حضرت اسمعیلؑ کے وقت یا اس کے کچھ دیر بعد سے ہی مکہ کے قریبی علاقے میں آباد تھا۔ پھر یہ طاقتور ہو گئے اور مکہ پر حکومت کرنے لگے اور عیساکر بیان کیا گیا ہے تیسری صدی عیسوی کے آخر تک مکہ کے حکمران تھے۔

۲۔ مصنف نے لکھا ہے کہ آپ زمزم میں EPSOMSALT (ماہم نکیات) کی آمیزش ہے۔

ثابت ہوگا۔

حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطلب کے چیتے بیٹے تھے۔ وہ اپنے والد کی دولت اور عزت و جاہ کے وارث ہوتے لیکن وہ حضرت آمنہ سے شادی ہونے کے تھوڑے دن بعد ہی مدینہ میں انتقال کر گئے جہاں وہ تجارت کے سلسلہ میں گئے تھے اور وہ اپنے ہونے والے فرزند کو نہ دیکھ سکے جو ان کے انتقال کے چند ماہ بعد اگست ۵۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ کچھ وجوہات کی بنا پر غالباً اس سبب سے بھی کہ ابھی آپ کے دادا حیات تھے، حضرت محمد والد کے ورثہ میں وہ کچھ نہ پاسکے جس کی توقع کی جاسکتی تھی بحقیقت میں جو کچھ حضرت عبداللہ نے ورثہ میں چھوڑا وہ ایک چھوٹا سا مکان، پانچ اونٹ، چند بکریاں، ٹھیس اور ایک حبشی کیر جس کا نام برکہ تھا۔ یہ اثاثہ کسی کو زندگی میں قدم رکھنے کے لئے بالکل ناکافی تھا اور ایک ہاشمی وارث کے لئے تو مایوس کن تھا۔

بہر حال حضرت عبداللہ اس جگہ چلے گئے تھے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام لوگوں کو رکھا ہے جو اس وقت تک اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ اب حضرت آمنہ اور حضرت محمد کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ خاندان کی کفالت میں آجائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہی منشا ہے ایزدی تھا۔ حضرت آمنہ کے بچہ پیدا ہونے کے سات روز بعد حضرت عبدالمطلب نے اس کی خوشی میں ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ قریش میں سے تمام رشتہ دار اور مکہ کے تمام معززین مدعو کئے گئے۔ اگر وہ بصیرت

لے تاریخ پیدائش۔ سر جان گلب نے اپنی کتاب عربوں کی عظیم فتوحات میں صحیح تاریخ ۲۶ اگست ۵۷۰ء ردی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین مہیکل نے "حیاء محمد" میں ۲۰ اگست ۵۷۰ء بتائی ہے۔ بعض کے نزدیک آپ اپریل ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ عام الفیل کے حساب سے کثرت رائے ۲ ربیع الاول اور دو شنبہ (پیر) کے متعلق ہے سیرۃ النبی میں مولانا شبلی نے ۹ ربیع الاول، روز دو شنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء پر اجتہاد کیا ہے ان اختلافات کے باوجود ایک بات پر سب متفق ہیں کہ عام الفیل کے حساب سے ربیع الاول کا ہینہ، دو شنبہ کا دن اور تاریخ ۸ تا ۱۲ ربیع الاول تھی (منترجم) لے ان کی کینت ام امین تھی اور یہ اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔

رکھتے ہوتے اور اس کے مستقبل کے متعلق کچھ جان سکتے تو شاید ان میں سے بہت سے خوشی سے اسی وقت اس بچے کا گلا گھونٹ دیتے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی صاحب بصیرت نہ تھا اور جب یہ سرخ چہرے والا بچہ کھانے کے بعد نقل اور شیرینی کے ساتھ مہمانوں میں لایا گیا تو سب اسے دیکھ دیکھ کر مسکرائے اور خوشی کا اظہار کیا۔ بچے کا پیدائشی نام فحطان تھا لیکن پوتے سے نوازے جانے پر کعبہ کے خداؤں کا شکر ادا کرنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اس کا محمدؐ کے نام سے تعارف کرایا۔ سارے مہمان حیران رہ گئے۔ عرب اس نام سے ناواقف تو نہیں تھے لیکن شاذ ہی رکھا جاتا تھا۔ ان میں سے آخر ایک نے خاندانی نام رکھنے کی رسم ترک کرنے کا سبب دریافت کر ہی لیا۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ نے جس کو زمین پر پیدا کیا ہے اسے آسمان پر محمود کرے اور عزت دے۔ یہ بظاہر مبہم سا جملہ غالباً لفظ محمدؐ کے معنی کی وضاحت کرتا تھا جس کے لغوی معنی ہیں محمود یا تعریف کیا گیا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بوڑھے عبدالمطلب صاحب بصیرت تھے اور مستقبل میں دیکھ سکتے تھے۔ بہر حال وجہ کچھ ہی ہو بچے کا نام "محمدؐ" قرار پا گیا۔ ایک ایسا نام جو اب تک مختلف صورتوں میں ان لاکھوں اور کروڑوں بچوں کا رکھا جا چکا ہے جو اس دین میں پیدا ہوئے۔ جو حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کے اس عظیم فرزند کو قائم کرنا اور تمام دنیا میں پھیلانا تھا۔

بہر حال اس وقت کسی کے ذہن میں کوئی ایسا خیال نہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کے لئے اپنی پسند کا ایک تصوراتی نام منتخب کیا تھا۔ ان کی اپنی شخصیت اتنی اہم تھی کہ جو چاہتے کر سکتے تھے۔ ادھر حضرت محمدؐ ایک ایسے بچے تھے جو اس دنیا میں کسی شے کو اپنا نہیں کہہ سکتے تھے۔ سوائے ایک ماں، چند ادب، چند بکریوں اور ایک وفادار جشتی لونڈی کے، اور ان کی والدہ بھی ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ شوہر کی وفات نے

لے حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا: میری خواہش ہے کہ یہ بچہ خدا و مخلوق کے نزدیک آسمان پر بھی

محمود ہو اور زمین پر بھی (حیات محمدؐ)

حضرت آمنہ کو بے حد مغموم اور رنجیدہ کر دیا تھا اور اس سبب سے ان کا دودھ بھی ترش اور خشک ہو گیا تھا۔ ادھر مکہ کی حضرت رساں آب و ہوا بھی بچہ کی صحت پر برا اثر ڈال رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت محمدؐ سوائے اپنے بلند اور ارفع نام کے کبھی کسی اور بات پر فخر نہ کر سکیں گے اور اس کی بھی توقع کم ہی تھی۔ اگر بچے کی خوراک کا جلد کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تو باپ کے بعد اس کا مرجانا بھی یقینی تھا۔ چنانچہ چند روز تک آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہؓ نے دودھ پلایا لیکن یہ ایک عارضی بندوبست تھا۔

شہر میں شدید گرمی کے باعث اہل مکہ کا یہ دستور تھا کہ خوشحال گھرانے کے بچوں کو دودھ پلوانے کے لئے وہ انہیں بدوی قبیلوں میں بھیج دیتے تھے۔ ایسی بدوی عورتیں جو ہمیشہ کھلی فضا میں رہنے کے سبب تندرست تو انا ہوتی تھیں۔ سال میں دو مرتبہ مکہ شہر میں آتی تھیں اور امیر بادوں کو اپنی خدمات پیش کرتی تھیں لیکن حضرت آمنہ امیر نہ تھیں۔ ادھر صحرا کی یہ عورتیں کسی کو مفت دودھ نہ پلاتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی بلند پایہ خاندان کے بچے کی دایہ گیری کی عزت حاصل کرنے کے لئے بھی وہ ایسا نہیں کرتی تھیں۔ حضرت آمنہ مایوس ہو گئیں۔ لیکن آخر کار انہیں سعدیہ قبیلہ کی ایک عورت جس کا نام حلیمہؓ تھا مل گئیں اور وہ حضرت محمدؐ کی پرورش کے لئے رضامند ہو گئیں۔ چنانچہ وہ لوگ ایک صبح اس بچہ کو جسے ایک دن تمام عرب کا حکمران بننا تھا، لے کر بنو سعد کی چراگاہوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اس طرح حضرت محمدؐ بچپن ہی سے ایک صحرا نور دین گئے۔

آپ پانچ سال تک بدوؤں کے سیاہ خیموں میں رہتے رہے۔ بنو سعد عرب کا ایک قدیم ترین قبیلہ تھا۔ وہ لوگ کافی طاقت ور تھے اور ان کی چراگاہیں بھی بڑی وسیع تھیں۔ صحرا کے ان ہی بادیہ نشینوں کے درمیان آپ نے بولنا سیکھا اور چلنے کے لئے پہلے قدم اٹھائے، کسی کو کیا معلوم تھا کہ کسی وقت یہ ہی لوگ پہلے آپ سے جنگ آزما ہوں گے۔ پھر اطاعت اختیار کریں گے اور آخر کار آپ کے نام کو دنیا کے ان حصوں میں لے جائیں گے جن کا نام بھی

لے ثویبہ۔ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی آپ کے ہم عمر ہی تھے۔ چنانچہ ثویبہؓ نے حضرت حمزہؓ کو بھی کچھ عرصے دودھ پلایا۔ اس طرح وہ آپ کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔

ان میں سے کسی نے اس وقت نہیں سنا تھا۔

حضرت محمدؐ کی ذہنی نشوونما غیر معمولی نہیں تھی اور آپؐ اپنی عمر سے زیادہ کی بات نہیں کرتے تھے لیکن آپؐ کا دماغ اور جسم دونوں مستعد اور چاق و چوبند تھے۔ آپؐ اپنے ہمعصرین سے زیادہ جلدی چلنا سیکھے اور بولنا بھی نسبتاً آسانی سے سیکھ لیا۔ آپؐ کا ذہن چمکدہ ہوں کے عام بچوں سے زیادہ صاف اور واضح تھا۔ اور یہ معمول کے خلاف نہ تھا کیونکہ بہتر سے بہتر بدی لوگ بھی شہریوں جتنے تیز فہم نہیں ہوتے۔ جو نہی آپؐ کچھ بڑے ہو گئے آپؐ نے گدھے پر سواری شروع کر دی اور ایک چھوٹی کمان سے تیر چلانا بھی سیکھ لیا جو آپؐ کے رضاعی والدین نے آپؐ کو بنا دئے تھے۔

حضرت محمدؐ نے یہ تمام وقت صحرا کی کھلی فضا میں گزارا۔ خانہ بدوشوں کے ساتھ جو ہمیشہ نئی چراگاہوں کی تلاش میں گھومتے پھرتے ہیں آپؐ کا خیمہ شاید ہی کسی جگہ چند روز سے زیادہ رہتا ہو۔ آپؐ کی خوراک سادہ اور وہی ہوتی جو صحرا میں میسر آ سکتی تھی۔ یعنی اونٹنی کا دودھ چاول، کھجوریں اور کبھی کبھی بکری یا بھرن کا گوشت۔ کبھی کبھار صحرائی پرندے بھی مل جاتے تھے۔ آپؐ صبح ہوتے ہی اٹھ بیٹھتے اور رات کو جلدی ہی سو جاتے تھے۔ بدوؤں کی طرح آپؐ نے بھی آفتاب کی تعظیم، بارش کے لئے شکرانہ ادا کرنا اور آندھیوں اور بگولوں اور جھلستی سموم میں چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ لینا سیکھ لیا تھا۔ آپؐ کو صحرائی نشینوں کی قدیم اور پرانی کہانیاں بھی یاد ہو گئی تھیں اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کے اصول سے بھی واقف ہو گئے تھے۔ آپؐ نے وہاں پر جھگڑوں اور قضیوں کے فوری فیصلے بھی دیکھے اور قبیلہ میں سے کسی کو نکال دینا بھی جو سزائے موت کے مترادف ہوتا تھا اور چمکدہ ہوں اور شتر بانوں کے ساتھ ان کے ریوڑوں اور گلوں کی نگہبانی بھی کی۔

جتنا عرصہ حضرت محمدؐ نے خانہ بدوشوں کی جفاکشانہ زندگی کے مکتب میں گزارا اس نے آپؐ کے مزاج اور طبیعت پر گہرا اثر چھوڑا۔ صحرا کا نقش انٹ تھا کسی وقت کا صحرا نور و خواہ آئندہ زندگی میں کتنا ہی مقیم اور پابند کیوں نہ ہو جائے وہ کھلی فضا کی آزادی سیاہ خیموں کے گھراور موسم کی اچانک تبدیلیوں سے مقابلے کو ہرگز نہیں بھول سکتا۔

حضرت محمدؐ کی آئندہ زندگی میں اس بدوی فطرت کا مظاہرہ بار بار ہوا۔

گو سعدیہ قبیلے کے بدو علانیہ طور پر یہ کہتے تھے کہ جب سے حضرت محمدؐ ان کے مہمان بن کر آئے ان کے دن پھر گئے ہیں لیکن دانی حلیمہ نے یہ مناسب خیال کیا کہ اب بچے کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دینا چاہئے۔ چنانچہ جب آپؐ چھ سال کے ہو گئے تو وہ آپؐ کو لے کر مکہ گئیں اور حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت آمنہ بچے کو پاکر بہت خوش ہوئیں اور اس کی صحت مند اٹھان کو دیکھ کر اظہار مسرت کیا۔ پھر انہوں نے طے کیا کہ بچے کو یثرب (مدینہ) لے جا کر اپنے عزیزوں سے مل آیا جائے تاکہ وہ بھی بچے کو دیکھ لیں۔ یثرب (مدینہ) مکہ سے تقریباً دو سو میل ایک نخلستانی قبضہ تھا۔ یہاں ہی ان کے شوہر کا سات سال پہلے انتقال ہوا تھا۔ لیکن انہیں کیا علم تھا کہ ایک دن ہی شہر ان کے بیٹے کے نام پر مدینۃ النبی یعنی نبی کا شہر کہلائے گا۔ پرفریب صحرائیں یہ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ راستے میں باری باری کبھی سخت جھے ہوئے ریت کی تنگ گھاٹیاں عبور کرنا ہوتیں اور کبھی پتھریلے دیران اور لق دق میدان سے گزرنا ہوتا تھا۔ بہر حال حضرت آمنہ اور برکہؑ نے اپنے لئے ایک اونٹ اور زادِ راہ کا انتظام کیا اور ٹہنیوں کا گتھا ہوا ایک کجادہ مع ایک ساٹبان لیا۔ جس میں وہ بچے کے ساتھ دھوپ سے محفوظ ہو کر بیٹھ سکیں۔ یہ انتظام کر کے وہ ہفتہ دار مکہ سے شمال کی طرف جانے والے قافلوں میں سے ایک قافلے کے ساتھ ہو گئیں۔

یثرب میں اتنا ہی آرام اور آسائش تھی جتنی صحرا اور مکہ میں تکلیف، چٹیل میدانوں نوکیلی پہاڑیوں اور جھلستی دھوپ میں خاکستری رنگ کے پتے ہوئے مکانوں کی بجائے

لے آپ پورے پانچ سال تک قبیلہ بنو سعد میں رہے۔ (حیات محمدؐ)

لے یثرب۔ مدینہ منورہ کا قدیم نام۔ رسول کریمؐ کے وہاں پر تشریف لے جانے کے بعد سے مدینۃ النبی یا مدینہ منورہ کہلاتا ہے۔

لے برکہ۔ آپ کے والدین کی کنیز جن کی کنیت ام امینہ تھی۔ بعد میں آپ نے ان کا نکاح اپنے سابق غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے کر دیا۔ آہ مکہ ان کے بطن سے تھے۔

یہاں نسبتاً ٹھنڈک اور سرسبزی تھی۔ لہذا ہاتے کھیتوں اور کھجوروں کے باغات سے ڈھکے ہوئے وسیع میدان کے درمیانی نشیب میں یہ سفید اور دلکش شہر آباد تھا۔ یہاں پر کوئی تکلیف دینے والی بات نہ تھی۔ نہ ہر وقت دن کی جلتی ہوئی دھوپ کے رحم و کرم پر رہنے کا ڈر اور نہ ہی پیاسا مرنے کا خوف۔ اس سرزمین میں درخت اور جھاڑیاں سرسبز و شاداب تھیں اور ہر جگہ سایہ میسر تھا اور کھیتوں کو سیراب کرنے والی نالیوں میں بہنے والا پانی قنقل کی صدا پیدا کرتا تھا ان تین مسافروں (حضرت آمنہ، حضرت محمدؐ اور برکہ) کے لئے یثرب پہنچنا جنت میں پہنچنے کے مترادف تھا۔

آب و ہوا کی اس تبدیلی نے حضرت آمنہؓ پر اچھا اثر کیا۔ انہوں نے اپنے بچہ کو تمام عزیزوں کو دکھایا اور آپ کو اس مکان میں بھی لے گئیں جہاں آپ کے والد حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوا تھا۔ تقریباً ایک ماہ تک حضرت محمدؐ نے ٹھنڈی ہوا کا لطف اٹھایا، اپنے رشتے کے بھائیوں کے ساتھ کھیلے اور صحرا کے بچوں کی عادت کے خلاف تیرنا بھی سیکھ لیا۔ اگر آپ کا خاندان ابتداء سے ہی مکی نہ ہوتا تو شاید حضرت آمنہ مدینے میں ہی رہ جاتیں اور اس طرح عرب کی تاریخ بدل جاتی۔ لیکن مکہ آبائی شہر تھا اور واپسی ناگزیر تھی چنانچہ ایک مرتبہ پھر وہ سب اونٹ کی پشت پر بچکولے کھاتے ہوئے کجاوے میں بیٹھے اور مکہ روانہ ہو گئے۔ سفر میں آندھیوں اور چھلسا دینے والی ہواؤں کے سبب دیر لگ گئی، حضرت آمنہ جن کی صحت پہلے ہی کچھ زیادہ اچھی نہ تھی، سفر کی ان تکلیف کو برداشت نہ کر سکیں چنانچہ ایک رات وہ راستے کے کنارے انتقال کر گئیں۔ برکہ (ام امین) ان کی میت کو نزدیک کے ایک گاؤں میں لے گئیں۔ جسے ابوا کہتے تھے اور وہاں انہیں دفن کر دیا گیا۔ پھر وہ حضرت محمدؐ کو ساتھ لے کر روتی دھوتی مکہ روانہ ہو گئیں اور وہاں پہنچ کر آپ کو آپ کے دادا کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب اب بہت بوڑھے ہو چکے تھے لیکن وہ اپنے پوتے کو دیکھ کر خوش

۱۔ اسی باب میں نقشہ ۳ ملاحظہ ہو۔

۲۔ حضرت عبدالمطلب۔ عام الفیل یا مکہ پر ابرہہ کی چڑھائی کے وقت آپ کی عمر ستر سال کی بتائی جاتی ہے۔

اور وفات کے وقت اسی سال کے تھے۔ ”سیرت الرسول“ ترجمہ حیاۃ محمدؐ

ہوئے۔ دو سال تک یہ قابل احترام بزرگ اور یہ نوخیز لڑکے مل کر گھر کو سنبھالتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اب وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں گے تو اپنے صاحبزادے ابوطالب کو بلایا اور حضرت محمدؐ کو ان کی سپردگی میں دے دیا۔ کچھ دیر بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت محمدؐ کو ایک مرتبہ پھر اپنا گھر تبدیل کرنا پڑا۔ آپؐ کی زندگی بہت ہی شدید قسم کے تضاد اور تبدیلیوں کا تسلسل بنتی جا رہی تھی، صحرا کے سیاہ خیمے، ماں کا معمولی سا گھر، یثرب کے باغات اور دادا کا ہر طرح کی آسائشوں والا مکان، یہ سب تبدیلیاں یکے بعد دیگرے بڑی تیزی سے آئیں۔ اور اب چچا کی کفالت میں آنے پر حضرت محمدؐ نے اپنے آپ کو ایک طرح کے تجارتی ادارے میں پایا جس کے ساتھ کعبہ کے مقدس فرائض کی بجا آوری بھی شامل تھی۔

حضرت عبدالمطلب نے کعبہ کے مقدس فرائض اپنے دو لڑکوں میں تقسیم کر دیے تھے سقایہ یا چاہ زمزم کی سربراہی اور اس کے کھاری پانی کی حاجیوں میں تقسیم حضرت عباسؓ کو دی اور رقادہ وغریب حاجیوں کو کھانا وغیرہ بہم پہنچانے کا ٹیکس اکی دھولی اور اس کا انتظام حضرت ابوطالب کے سپرد کیا۔ شہر والے ایسے حاجیوں کو خدا کا مہمان سمجھ کر تواضع کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔

صحرا میں حضرت محمدؐ ایسے ماحول میں رہے تھے جہاں مظاہر قدرت کی پرستش ہوتی تھی۔ ستارے، سورج، چاند اور صحرائی طوفانوں کی تعظیم کی جاتی تھی حضرت آمنہ کے ساتھ جتنا وقت گزارا اس میں غالباً آپؐ نے کبھی مذہب کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ لیکن دادا کے گھر پر رہ کر آپؐ نے جو رسومات دیکھیں وہ آپؐ کی سمجھ سے بالاتر تھیں بلکہ کچھ خوف پیدا کرنے والی تھیں۔ لیکن اب حضرت ابوطالب کے ساتھ رہ کر آپؐ کو عقائد اور مذہبی سیاست کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپؐ تمام رسومات کو گہری نگاہ سے دیکھتے تھے اور لوگوں کی توہماتی کہانیوں کو سنتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے ان تمام باتوں کا صحرائیوں کے زیادہ سیدھے سادے خیالات اور عقائد سے مقابلہ کیا ہو لیکن ان باتوں میں کبھی آپؐ نے گہری دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ اب آپؐ دس سال سے کچھ ہی اوپر تھے اور اب آپؐ کے پاس کعبہ کے بتوں کا چاند سورج سے مقابلہ کرنے

کی بجائے سوچنے اور سمجھنے کے لئے اور بھی معاملات تھے۔ آپ اس وقت بھی بچوں کے ساتھ اسی طرح کھلتے تھے جس طرح سے دوسرے بچے ہمیشہ کھلتے آئے ہیں۔ غالباً آپ نے ان بچوں کو وہ باتیں بتائی ہوں گی جو آپ نے صحرا میں رہ کر سیکھی تھیں اور اسی طرح آپ نے بہت سی وہ باتیں معلوم کی ہوں گی جو شہر کے بچے ہی جان سکتے تھے۔

لیکن آپ کو قرار نہ تھا۔ مکہ کے ایک بچے کی حیثیت سے آپ نے کافی دنیا دیکھ لی تھی اور یہاں گلیوں اور اونچی اونچی عمارتوں کے درمیان اپنے آپ کو گھرا ہوا محسوس کرتے تھے۔ مکہ کے گرد کی پہاڑیوں نے آپ کی نظر سے صحرائے عرب کے وسیع پھیلاؤ کو چھپایا ہوا تھا۔ باہر کی دنیا سے آپ کے رابطہ کا ذریعہ صرف کارواں تھے۔ جب بھی قافلے مکہ میں آتے حضرت محمدؐ ان کے استقبال کے لئے وہاں موجود ہوتے۔ آپ ان لوگوں کے پتے ہوئے چہروں کو حیرت سے دیکھتے جو اتنے طویل صحرائی سفر کے خطرات کا مقابلہ کرتے تھے اور جب کوئی قافلہ روانہ ہونے کے لئے تیار ہوتا تب بھی آپ وہاں موجود ہوتے اور ان عربوں کے اس بے نیازانہ انداز پر رشک کرتے کہ وہ کس طرح بے خوف و خطر ایک انجانی دنیا کے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی آپ ان تاجروں اور شتربانوں سے بات چیت بھی کرتے اور ان سے چمکتے ہوئے صحرا کے دوسری طرف کی دنیا کے متعلق کافی معلومات حاصل کرتے کہ وہاں کے شب و روز کیسے ہیں۔ جوں جوں آپ کی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا تو آپ کا باہر جانے اور ان چیزوں کو کچشم خود دیکھنے کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ آپ چاہتے تھے کہ خواہ آپ شتربان، تاجر یا سامان فروخت کرنے والے گمشدے ہی کیوں نہ بن جائیں لیکن کسی طرح باہر چلے جائیں اور ایک دن آپ کی یہ تمنا پوری ہو گئی۔

حضرت ابوطالب کی مکہ کے مقدس مقامات کے ایک متولی ہونے کے علاوہ اور بھی مصروفیات تھیں۔ وہ ایک جدید ترین کپڑے کی ایک بڑی دکان بھی چلاتے تھے اور عطریات کا بھی کاروبار تھا۔ قبل از اسلام کے عرب کپڑے کے بڑے شوقین تھے، اور بھینی بھینی خوشبودار عطریات کو بہت پسند کرتے تھے۔ اپنے لئے بھی اور اپنی عورتوں کے لئے بھی۔ اس لئے حضرت ابوطالب کی تجارت بازار اور حرم دونوں جگہ تھی لیکن ان

کاروباری مصروفیات دکان تک ہی محدود نہیں تھیں۔ فطری طور پر ایک سوداگر تھے، اور تجارتی قافلوں میں بھی بڑی گہری دلچسپی رکھتے تھے جس کا آغاز ان کے دادا حضرت ہاشم نے کیا تھا۔ اکثر اوقات وہ خود قافلہ سالار ہوتے چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت ابوطالب ایک قافلے کو لے کر روانہ ہو رہے تھے تو حضرت محمدؐ کا دل چاہا کہ وہ بھی کچھ دن کے لئے ان خاک آلود گلیوں سے نجات پائیں اور یہ دیکھیں کہ شمال اور جنوب کے مالک کیسے ہیں۔

قافلوں کا آنا اور جانا اہل مکہ کی زندگی میں کافی اہم واقعات تصور کئے جاتے تھے۔ شوہروں چاہنے والوں، بیٹوں اور بھتیجیوں کو خوش آمدید کہنے یا رخصت کرنے کے ہنگامے کے علاوہ ان میں مالی منفعت بھی ہوتی تھی۔ قریب قریب مکے کے ہر فرد کا کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ روپیہ ان ہزاروں اونٹوں، سینکڑوں افراد گھوڑوں اور گدھوں میں لگا ہوتا تھا جو کھالیں کشمش اور چاندی کی سلاخیں لے کر باہر جاتے تھے اور تیل عطریات اور مصنوعات شام اور مصر اور ایران سے اور گرم مصالحے اور سونا جنوب کی طرف سے لے کر آتے تھے، حضرت محمدؐ کا ان قافلوں میں کوئی اثاثہ نہیں لگا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی دلچسپی کسی طرح سے کم نہ تھی۔

ایک صبح آپؐ حضرت ابوطالب کے ساتھ قافلوں کے پڑاؤ کی جگہ پر معمول سے کچھ زیادہ اشتیاق لے کر گئے۔ منڈی کے چوک میں بلبلا تے اونٹوں، خاموش گدھوں اور چلیبے اور تیز طرار گھوڑوں کے سبب ایک شور سا مچا ہوا تھا۔ عرب، شامی، ایرانی، حبشی اور عبرانی مختلف زبانوں میں بولتے ہوئے ایک دوسرے سے دھکم پیل کر رہے تھے۔ ابھی صبح کا اجالا ہونے میں کچھ دیر تھی اس لئے جلتی ہوئی مشعلیں بوش و خروش کے اس منظر میں اور اضافہ کر رہی تھیں۔ حضرت ابوطالب کی آمد اس بات کا نشان تھا کہ لوگ سامان کی آخری دیکھ بھال کر کے رستے اور تنگ کس لیں اور روانگی کے لئے تیار ہو جائیں جو نبی حضرت ابوطالب اونٹ پر سوار ہونے لگے حضرت محمدؐ نے اچانک چچا کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہمرکابی کی اجازت چاہی۔ آپؐ کی التجا اتنی پر خلوص تھی کہ شفیق چچا مسکرا دیے اور حضرت محمدؐ کو اپنے اونٹ پر بٹھالیا اور قافلے کو روانگی کا اشارہ کر دیا۔ اس طرح حضرت محمدؐ بن عبد اللہ

مکہ کی پناہ گاہ سے تیسری مرتبہ باہر جا رہے تھے۔

پچھلے بعد ارغوانی صبح سارے صحرائیں پھیل گئی اور جو نہی قافلہ آہستہ آہستہ مکہ کی پیالہ مناشیب سے ابھرا جانوروں نے صبح کی ٹھنڈی ہوا میں گہرا سانس لیا اور حضرت محمد نے جب اس نئے دن کو طلوع ہوتے دیکھا جو آپ کو ایک نئی دنیا کے قریب لے جا رہا تھا تو خود بھی کھلی ہوا میں خوشی اور اطمینان کا سانس لیا۔

اس پہلے سفر نے حضرت محمد پر ایک گہرا نقش مرتسم کیا۔ صحرا کے چرواہوں کے ساتھ آپ کی صحرائوردی آپ کو کہیں زیادہ دور نہیں لے گئی تھی اور آپ ہمیشہ ایسے علاقوں میں ہی رہے جہاں کنویں اور چھوٹی جھاڑیاں ہوتی تھیں لیکن اب آپ نے خود کو ایک وسیع صحرائیں پایا۔ جہاں راستے کی ذرا سی غلطی کا نتیجہ پیاس سے مر جانا تھا۔ صحرا کی سطح بھی بالکل سمندر کی طرح وسیع اور نا پید اکنار تھی اور افق کے کنارے تک کوئی چٹان، کوئی جھاڑی یا درخت نظر نہ آتا تھا۔ ہوا اور دھوپ سے کوئی بچاؤ نہ تھا۔ یہ جہنم والی اور سبزے سے عاری پتھریلی سرزمین تھی جو ازمنہ تاریخ سے پیشتر کی آگوں سے جل کر سیا ہو گئی تھی اور ہمیشہ اڑتی اور رگڑتی ریت سے ہر کنکری ٹوٹ ٹوٹ کر چھوٹی اور چپنی ہو گئی تھی۔ شتر بانوں کا کہنا تھا کہ یہ جنوں اور مافوق الفطرت مخلوق کا مسکن ہے اور صرف وہ ہی ان ابدی خاموش میدانوں میں رہ سکتے ہیں۔

سفر سست اور تھکا دینے والا تھا۔ اونٹوں کی روایتی چال کو تیز تر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ شام کے وقت ایک جیسے اکتا دینے والے نظارے کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ رات جہاں سے چلے تھے وہاں ہی ہیں۔ اس لئے اس وقت بڑا اطمینان محسوس ہوا جب ایک شام چکا چونہ پیدا کرنے والی ویرانی پیچھے رہ گئی اور جلد ہی کارواں اس علاقہ میں داخل ہو گیا جسے اب شرق اردن کہتے ہیں اور ایک جگہ پر جسے بصری کہتے تھے پہلا طویل مقام کیا گیا۔

لے بصری۔ آج بھی اردن کے شمال میں شام کی جنوبی سرحد پر واقع ہے اور بصرہ سے بالکل مختلف جگہ ہے جو عراق میں کویت کی سرحد کے نزدیک ہے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ ۳)

بصری ایک تجارتی منڈی تھی جہاں یونانی تاجر عربوں سے سامان کے بدلے سامان کا تبادلہ کرتے تھے۔ صحرا کی کچی کھالوں، طائف کے نخلستانوں کی کشمش اور بنی سلیم کی کانوں کی چاندی کے صن۔ کمخواب اور ریشمی کپڑا، گرم مصالحے، عطریات اور جواہرات دے جاتے تھے۔ یہاں پر ہر مکہ مصروفیت اور تہقے تھے۔ گرمی اور پیاس کے تکلیف دہ سفر کے بعد یہاں پہنچنا ایسا تھا جیسے کوئی ڈراؤنے خواب سے جاگا ہو۔ حضرت محمد دوسروں کی نسبت زیادہ خوشی محسوس رہے تھے۔ ہر چیز بالکل نئی اور غیر متوقع تھی۔ آپ مختلف قسم کے لوگوں سے بھی ملے۔ بے لوگ جن کی طرح کے لوگوں سے اس سے پہلے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور ایسے بھی جن کے خیالات ان لوگوں سے بالکل مختلف اور نئے تھے جن سے آپ کو اب تک واسطہ پڑا تھا۔

بصری کی منڈی کے نزدیک ہی فسطوری مسیحیوں کی ایک خانقاہ تھی وہ لوگ حضرت مطالب کو جانتے تھے اور انہوں نے ان کی اور ان کے بھتیجے کی تواضع اور آؤ بھگت کی۔ ایک باب نے جس کا نام بحیرہ تھا۔ حضرت محمدؐ میں خاص دلچسپی لی۔ آپ کے متحسّس ذہن، علم حاصل کرنے کے شوق اور آپ کے واضح خیالات نے اسے بڑا متاثر کیا۔ بحیرہ نے آپ کو عیسائیت

لے ہر وہیم میور۔ ڈریپر۔ مارگو یوس کہتے تھے کہ بحیرہ نے آپ کو عیسائیت کے اسرار و حقائق سکھائے اور اسلام کے عمدہ اصول ان ہی نکتوں کے شروع و حواشی ہیں لیکن یہ سب غلط ہیں۔ روایت یہ ہے کہ بحیرہ قافلہ کو دیکھ کر خانقاہ کے باہر آیا اور حضرت ابو طالب کو بتایا کہ میں اس بچے میں وہ تمام نشانیاں دیکھتا ہوں جو آنے والے نبی میں ہوں گی تم اسے شام نہ لے جاؤ اگر یہودیوں نے دیکھ لیا تو آپ کے لئے خطرہ ہو سکتا ہے۔ بحیرہ نے یہ بھی کہا کہ جب تم گھاٹی سے اتر رہے تھے تو اس نے دیکھا کہ راستے کے درخت اور پتھر جب سجدے کے لئے جھک گئے تھے۔ (سیرۃ النبی) کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ رامہب نے آپ میں وہ تمام نشانیاں دیکھیں جو عیسائیوں کتابوں میں لکھی تھیں اور اہل قافلہ کو نصیحت کی کہ وہ آپ کو شام نہ لے جائیں۔ مبادا یہودی علامات نبوت دیکھ کر آپ کو گزند پہنچائیں۔ البتہ آپ نے وہاں پر مسیحی پیشواؤں کے وعظ سنے۔ کتب سماویہ، مجوسیت اور مسیحیت کے بارے میں بھی بہت کچھ سنا۔ سفر کے دوران مناظر قدرت دیکھے۔ مدین اور دادی القری اور دیار ثمود سے گزرے۔ رام سابقہ کی اللہ کی نافرمانی کا حشر دیکھا۔ سرسبز باغات دیکھے اور سینکڑوں نئی باتیں آپ کے علم میں آئیں اور آپ کے ذہن نے ان کو محفوظ کر لیا۔ دل میں آپ ضرور سوچتے تھے کہ ان کی تہ میں کیا حقیقت مضمر ہے (رحیۃ محمد)

کے متعلق کچھ باتیں بتائیں۔ بت پرستی کی مذمت کی بحضرت محمدؐ نے بڑی توجہ سے سنا۔ جو باتیں یہ شخص آپ کو بتا رہا تھا آپ کے لئے بالکل نئی اور انوکھی تھیں اور جو کچھ اب تک بتایا جاتا رہا تھا اس سے بالکل مختلف تھیں۔ ایک اور شخصیت جس نے اس سے پہلے اس قسم کی کچھ باتیں بتائی تھیں آپ کی حبشی دایہ برکہ تھی لیکن عیسائیت کے متعلق اس کی معلومات تحریف شدہ تھیں۔ اس لئے جو کچھ اس نے بتایا آپ اسے اچھی طرح نہیں سمجھ سکے۔ جو کچھ آپ نے اب سنا وہ بہت واضح اور صاف تھا۔ بتوں اور قدرتی مظاہر کی پرستش کا عقائد نے آپ کو اس طرح متاثر نہیں کیا تھا اور یہ خیال بڑا قوی۔ سچا اور مستقبل میں رہنمائی کرنے والا نظر آتا تھا۔

یہ بات قرین قیاس بھی نہیں کہی جاسکتی کہ اس وقت حضرت محمدؐ کسی مذہب یا اس کو اپنانے کے طریقوں کے متعلق کوئی خاص خیالات رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادھیڑ تک کسی ایسی بات کا پتہ نہیں چلتا جہاں آپؐ نے کعبہ کے بتوں کی پرستش کے متعلق کسی سنجیدہ خیال یا رائے کا اظہار کیا ہو لیکن دوسری طرف آپؐ نسطوری راہب (بحیرہ) کی بتا ہوئی باتیں بھی نہیں بھولے تھے۔ وہ سب آپؐ کے ذہن میں محفوظ تھیں اور جب وقت آیا تو آپؐ نے عیسائیت کی ان بنیادی باتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

یہ راہب بھی واحد شخص نہیں تھا جس نے اس وقت آپؐ کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا کیا ہو۔ مکہ کے نواح کے سیلوں میں عکاظ کا میلہ سب سے بڑا میلہ ہوتا تھا۔ آپس میں ایک دوسرے سے وسیع اختلافات کے باوجود یہاں پر توحید پرست یہودی اور عیسائی، بت پرست عرب اور آتش پرست ایرانی جمع ہوتے تھے۔ میلہ شروع ہوتے ہی دشمنی اور رقابت عام طور پر ختم ہو جاتی تھی۔ مذہبی رواداری کی ہر ایک سے توقع کی جاتی تھی۔ ذاتی جھگڑے ختم کر دیئے جاتے تھے۔ قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا اور اولمپک کھیلوں کی سی فضا میں ہر قسم اختلافات بھلا دیئے جاتے تھے۔ کسی حد تک تجارت بھی ہوتی تھی لیکن میلے کی سب بڑی کشش مختلف النوع تماشے ہوتے تھے۔ وہاں پر ہر قسم کی تفریح مہیا ہوتی تھی۔ گھوڑ دوڑ۔ شاعری کے مقابلے۔ شراب نوشی اور رقص و سرود سے لے کر مذہبی وعظ

نصیحت تک، مذہبی تبلیغ کرنے والوں میں تخران کا عیسائی بشپ قس ابن ساعدہ بھی ہوتا تھا۔ روزانہ اپنے بلند قامت اونٹ کی پشت سے وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا اور گھنٹوں دنیا کی بے ثباتی اور آنے والی زندگی کے انعام و اکرام کا ذکر کرتا۔ حضرت محمدؐ نے اس کی تقریروں کے صرف کچھ حصے سنے لیکن بعد کے سالوں میں آپؐ نے بھی اپنے اونٹ کی پشت سے لوگوں کو بسا اوقات خطاب کیا اور آپؐ کے خطبات میں اس عیسائی مبلغ کی بہت سی نصیحتیں شامل ہوتی تھیں۔

حضرت ابوطالب نے اس قسم کی باتیں پہلے بھی سنی تھیں لیکن وہ کبھی متاثر نہیں ہوئے۔ انہوں نے کبھی اس پر دھیان ہی نہیں دیا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور ان کا خیال تھا کہ ان کے بھتیجے بھی اُن ہی کی طرح کبھی اس پر زیادہ توجہ نہ دیں گے۔ اس خیال میں وہ کسی حد تک صحیح تھے۔ حضرت محمدؐ بھی عام لوگوں کی طرح تھے اور اگر اس میں آپؐ نے کبھی ضرورت سے زیادہ اثر لیا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپؐ کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی۔ اب پہلی مرتبہ آپؐ نے نئی دنیا کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ ایک ایسی سرزمین جہاں دھوپ تکلیف دہ نہ تھی اور بارش ایک معجزہ نہ تھا۔ جس کے لئے یہاں سب دعائیں کرتے تھے اور وہ بھی معمولی بارش سے زیادہ کا تصور نہ ہوتا تھا۔ وہاں آپؐ نے

لے اسلام کوئی نیا دین نہیں بلکہ پہلے ادیان اور دین ابراہیمی کی تکمیل ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے لئے ہوئے دین کی تمام اچھی باتیں عیسائیت میں ضم ہو گئیں اسی طرح یہودیت اور عیسائیت کے تمام اچھے اصول اسلام میں اختیار کر لئے گئے لیکن یہ سب کچھ قرآن میں موجود ہیں۔ آنحضرتؐ نے عیسائی مبلغوں یا یہودیوں سے نہیں سیکھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے خطبات میں پہلے مذاہب کی اچھی نصائح کا شامل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ان کا ماخذ قرآن ہے۔ انجیل یا توریت نہیں۔ آپؐ قس بن ساعدہ اور دوسرے مبلغین کی

تقریریں سنئے۔ ان کے دین کو بت پرستوں کے مشرب سے کہیں اچھا سمجھتے لیکن آپؐ کو ان پر بھی کامل اعتماد نہ تھا۔ آپؐ ان باتوں پر گھنٹوں غور کرتے۔ گویا آپؐ کو قدرت ایام طفولیت سے ہی اس طرح منصب رسالت کے لئے تیار کر رہی تھی۔ (حیاء محمدؐ)

سر سبز گھاس اور درخت دیکھے اور یہ بھی کہ آرام سے زندگی گزارنے والے ان لوگوں سے زیادہ تعمیری کام کرتے تھے جن کی زندگی ہمیشہ ہی قدرتی آفات کا سامنا کرتے گزرتی تھی۔ وہاں آپ نے لوگوں کو حج، روپیہ اور کعبہ کی سیاست کے علاوہ اور موضوعات پر بھی باتیں کرتے سنا۔

حضرت محمدؐ کسی اسکول یا مکتب میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن حقیقت میں آپ ان لوگوں سے زیادہ اچھی تعلیم حاصل کر رہے تھے جو اپنا وقت مکتب یا مدرسہ میں بیٹھ کر گزارتے ہیں اور آپ کو کسی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش بھی نہ تھی۔ آپ نے ہم جوئی کا ذائقہ چکھ لیا تھا۔ اور مزید کے خواہاں تھے۔ اگر کسی شخص کی یہ تمنا پوری ہوئی تو وہ حضرت محمدؐ تھے۔ مکہ کے بت خانے کے ہاشمی متولیوں کے وارث :-

GREAT ARAB CONQUESTS. — تاریخ فاتحان و ولادت
SPIRIT OF ISLAM — (۱) تا (۲) —
(۵) تا (۹) — حضرت حمزہ و آنحضرت کے ہم جنس تھے۔
نوٹ: حضرت حمزہ و آنحضرت کے ہم جنس تھے۔
(۱۱) حضرت ابوطالب کا اصل نام عبد مناف تھا۔

شجرہ طیبہ

قصی بن کلاب (۶۴۰۰)
(ولادت تقریباً ۶۴۰۰)

عبد مناف (۲)
(ولادت تقریباً ۶۴۳۰)

عبد العزی

اسد

خویلد

عبد اللہ
زبیر
مروان

حضرت خدیجہ

نوفل
المطلب

(۳) ہاشم

(ولادت تقریباً ۶۴۶۴)

(۴) ابوالمطلب

(ولادت تقریباً ۶۴۹۷)

(وفات ۶۵۷۸/۷۹)

(۸) عباس
عباسی
ولادت ۶۵۶۶ (ولادت ۶۵۲۵)
وفات ۶۷۵۲

(۹) مسروق کائنات
حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم
(ولادت ۶۵۷۰)

ابو طالب (۶)
طارش (۵)
ولادت ۶۵۴۳
وفات ۶۶۲۰

علی مرتضیٰ کریم و جعفر طیار
حلیل

حسین
حسن
حکم

عبد شمس

امیت

حرب

ابوسفیان

معلوہ

ابوالعاص

حکام

مروان

عثمان بن

بنی امیت

بنی ہاشم

حضرت محمدؐ کی جوانی

(۵۸۶ تا ۵۹۷ عیسوی)

حضرت محمدؐ نے تیزی سے لڑکپن طے کیا۔ ابھی آپؐ سولہ سال کے بھی نہیں ہوئے تھے آپؐ اتنا سفر کر چکے تھے جتنا اکثر بچے ساری عمر میں نہیں کرتے۔ آپؐ ایک جنگ میں شرکت کر چکے تھے۔ آپؐ کے سب سے بڑے چچا الزبیر قریش کے سالار تھے۔ ہوازن کے خلاف ایک طویل جنگ کے دوران وہ اپنے بھتیجے (حضرت محمدؐ) کو بے اوتار اپنے ساتھ لے جاتے تھے لیکن وہاں آپؐ کے ذمہ کوئی خاص کام نہ تھا اس لئے خود کو کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہاں آپؐ کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ دشمن کے پھینکے ہوئے تیر اکٹھا کر کے چچا کے حوالے کر دیں۔ تاہم اس جنگ میں شرکت کر کے اپنے مدرسے جانے والے لڑکوں سے کہیں زیادہ عمر والوں کا ایک اور تجربہ حاصل کر لیا تھا۔

ادھر کاروانی زندگی بھی آپؐ کو ایک صحت مند خوشی عطا کر رہی تھی۔ بیس سال کی سے پیشتر ہی آپؐ کافی سفر کر چکے تھے اور ہر میل جو آپؐ طے کرتے تھے آپؐ کے اشتیاق

اعلم اس جنگ کا نام حرب الفجار ہے جو چار سال تک جاری رہی چونکہ یہ جنگ پناہ کے مہینوں میں کی روایت کے خلاف ہوئی اس لئے حرب الفجار کہلائی۔ یہ قبیلہ ہوازن (طائف) اور قریش کے درمیان ہوئی۔ کہ ہے کہ اس میں آپؐ کے ایک سے زیادہ چچا شریک تھے اور آپؐ نے خود بھی جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا اور تیر بھی چلائے۔ بعثت سے چند سال بعد ایک دن آپؐ نے خود فرمایا: "میں اس جنگ میں اپنے چچاؤں کے دوش بدوش شریک تھا۔ میں نے تیر بھی چلائے۔" (حیۃ محمدؐ)

راضانہ کرتا تھا۔ تمام عرب کا سفر۔ یمن سے شام اور فلسطین اور شمال میں ایران کی جانب۔ آپ نے لئے ایسا ہی معمول بن گیا تھا۔ جیسے آپ کے ہمعصر حج کے لئے کعبہ جاتے تھے۔ ٹرکوں اور ٹرڈوں کے ہوتے ہوئے بھی یہ سفر آج بھی بڑے مشقت طلب ہیں۔ حضرت محمدؐ کے زمانے میں مفتول اور مہینوں میں ہوتے تھے اور ان لوگوں کو جو یہ سفر کرتے تھے شدید ترین موسم اور اکوڑوں اور قزاقوں سے مقابلے کی سکت پیدا کرتا ہوتی تھی اور اپنے قیمتی سامان سے لے کر جانوروں کو بخیر و عافیت لے کر منزل مقصود پر پہنچنا ہوتا تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں سی کا تاجر یا سوداگر ہونا بڑی مردانگی کا کام تھا۔

حضرت محمدؐ نے جلد ہی چچا کے علاوہ دوسرے تاجروں کی نمائندگی کا کام بھی سنبھال لیا۔ اس عرصہ میں وہ اپنی محنت اور دیانت کے لئے مشہور ہو گئے۔ اور ابھی آپ پچیس سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ مغربی عرب کے ایک نہایت سرگرم اور ہوشیار تجارتی نمائندے بن گئے تھے۔

البتہ جہاں آپ دوسرے تجارت پیشہ لوگوں سے مختلف تھے وہ یہ بات تھی کہ آپ سوتی، ریشمی کپڑے، شکر اور چاول کی خرید و فروخت کے علاوہ اور باتوں میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ جب دن کا کام ختم ہو جاتا تو آپ منڈی کے چوک میں یا کسی دوست کے مکان میں بیٹھ جاتے اور باتیں سنتے۔ وہاں گویئے، داستان گو، اور شاعر ہوتے۔ بعض فلسفی لوگ آپس میں بحث مباحثہ کرتے اور مذہبی لوگ اپنے اپنے دین کی تبلیغ کے لئے وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

سفر کے بعد سفر ہوتے رہے اور حضرت محمدؐ ایشیائے ان علاقوں کے مذاہب، روایات اور تاریخ کا علم حاصل کرتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے دنیاوی فراست بھی حاصل کی جو ایسے لوگوں کا معمول اور خاصہ ہوتا ہے جو ہر وقت سفر میں رہتے ہیں خواہ وہ سفرا و نوٹوں پر ہو یا بیل گاڑی میں یا موجودہ زمانے کی شور لیٹ کاروں میں جو شخص بھی آپ کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتا ہے آپ کی عقل سلیم مشعل کی طرح نمایاں ہو کر سامنے آ جاتی ہے حضرت محمدؐ

ہمیشہ اپنے سے آگے آنے والے زمانہ کی شخصیت ہونے کا تاثر دیتے ہیں کئی مواقع ایسے آتے ہیں جہاں آپ کے فتوے اور فیصلے اور روزانہ کے مسائل کا حل اپنے جدید ہونے پر حیران کر دیتا ہے۔ زندگی کے متعلق آپ کا تمام تر نظریہ اس زمانے اور ان لوگوں سے بہت آگے نظر آتا ہے جن میں آپ رہتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کے بیرونی مقامات اور وہاں کے لوگوں سے تعلقات نے آپ کو غور و فکر کا موقعہ دیا۔ دوسرے انبیاء کے برعکس آپ کے خیالات صرف مذہب اور روحانیت تک ہی محدود نہ تھے۔ آپ نے دنیا اور اس کے مسائل کو ان کے اصلی رنگ میں دیکھا تھا۔ چنانچہ جب آپ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے لگے تو آپ نے مذہب کی تعمیر میں واقفیت اور عملی زندگی کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے اپنے لوگوں کو اپنے پیشرو ایوبیحلیسؑ حضرات کی طرح نجات کے انجانے راستوں پر ڈال دینے کی غلطیوں سے احتراز کیا۔ حضرت محمدؐ کے راستے اور طریق کار وہی تھے جو ایک سفری گماشتے کے ہوتے تھے۔ اور ان کے جانے پہچانے تھے۔ آپ نے اپنی امت کو انہی راستوں پر ڈالا۔ لیکن کارواں کے ساتھ اللہ کو بھی شامل کر دیا اور جنت کو اس کارواں کی آخری بڑی منڈی قرار دیا۔

لیکن جہاں حضرت محمدؐ کا ذہن اور جسم بتدریج پختہ ہو گئے وہاں آپ کچھ زیادہ سرمایہ جمع نہ کر سکے۔ غالباً آپ کو تنخواہ ملتی تھی اور کچھ کمیشن بن جاتا تھا لیکن آپ کو خوشحال نہیں کہا جاسکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ روپیہ اور دولت آپ کے لئے کوئی کشش بھی نہیں رکھتے تھے اور ایسے مواقع بھی آئے جب آپ دوسروں کے ساتھ مل کر سفر کرتے کرتے اکتا جاتے اور تنہائی کے خواہاں ہوتے لیکن چونکہ گزراوقات کے کسی ذریعہ

لے ایونجیل EVANGEL انجیل لکھنے والے چار عیسائی بزرگ مٹھو MATHEW مارک MARK لوقا LUCAS اور جان (یوحنا) ان چاروں نے علیحدہ علیحدہ انجیل لکھی ہیں۔ یہ چاروں عیسائیت میں بڑے محترم بزرگ شمار ہوتے ہیں۔

کے بغیر آپ اس خواہش کی تکمیل نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی آپ عارضی طور پر جانور چرانے کے کام پر لگ جاتے تھے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد کی طرح آپ بھی صحرا میں طویل وقفوں کے لئے غائب ہو جاتے۔ ہفتوں ہو جاتے ایوڑ کو ہانکتے رہنے کے علاوہ آپ کے ذہن میں اور کوئی بات نہ آتی۔ سالوں بعد اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

”تحقیق اس دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے گلہ بانی نہ کی ہو۔“

لیکن خواہ دمشق میں عطریات یا قالینوں کی تجارت ہو یا صحرا کی خاموشیوں میں بھیرے بکریوں کی رکھوالی۔ آپ کے کردار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ کی دیانت داری، آپ کی صداقت اور نیک صفات ہمیشہ بے داغ رہیں۔ بہت پہلے سے ہی آپ کے دوست آپ کو الامین کہہ کر خطاب کرتے تھے جس کے معنی امانت دار اور لائق اعتماد ہیں۔ عورت کا جادو بھی آپ پر نہیں چل سکا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ عفت اور پاکدامنی کے متعلق آپ کے کوئی مخصوص نظریات تھے۔ بس عورتوں سے آپ کو کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن مجالس اور نجی صحبتوں میں آپ بڑے کھل مل کر شریک ہوتے۔ بڑے حاضر جواب تھے اور آپ کی خوش گفتاری نے آپ کو بڑا ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ لباس کے معاملہ میں بھی آپ ہمیشہ قاعدے اور قرینے کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

سفر کے دوران اور کیمپ میں تو آپ کو حالات سے مطابقت کرنا پڑتی تھی لیکن گھر پر آپ اپنی شکل و صورت درست رکھنے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ سر پر بڑی احتیاط سے عمامہ باندھتے اور اس پر تیلستان یا بڑا رومال ڈال لیتے تھے جو عمامہ کے ساتھ پیشانی کے کچھ حصے کو بھی ڈھانپ لیتا تھا۔ آپ کی تباہ اور عبادتوں بہت صاف ستھری ہوتی تھیں اور گو بعد میں آپ نے سبز، زرد اور سرخ رنگ کی قبائیں بھی زیب تن کیں لیکن آپ کا بنیادی لباس ہمیشہ سفید ہی رہا۔

میلے دانت والوں سے آپ کو ایک خاص قسم کی وحشت ہوتی تھی۔ آپ کے اپنے

اس وقت بھی ان حضور کے نزدیک عفت اور حیا عورت کا سب سے بڑا اور سترے۔

دانت بے حد چکدار لیکن کچھ غیر معمولی تھے۔ گو سب برابر اور ایک جیسے تھے لیکن وہ آری کے دندانوں کی طرح ایک دوسرے سے الگ تھے لیکن صرف یہ بات کہ آپ کے دانت قدرتی طور پر اچھے تھے کافی نہیں تھی بلکہ ان کو صاف ستھرا رکھنے کا آپ کو بے حد خیال تھا آپ جہاں بھی جاتے خلال اپنے ساتھ رکھتے تھے اور چند خلال تو آپ ہمیشہ اپنے بستر کے قریب ہی رکھتے تھے اور ان کو لئے بغیر کبھی سفر نہ کرتے تھے۔

آپ کے مضبوط سفید دانت آپ کے باقی اعضاء اور جسم سے مطابقت رکھتے تھے آپ کا قدمیانہ جسم سڈول اور مضبوط، شانے چوڑے اور کوپے پتلے تھے۔ آپ کی ہڈیوں پر ضرورت سے زیادہ گوشت نہ تھا بلکہ اس کے خلاف دبے پن کی طرف مائل تھے۔ آپ ایک ایسے شخص کی طرح تیز تیز چلتے تھے جو جانتا ہو کہ اسے کہا جانا ہے اور وہاں جلد جلد پہنچنا چاہتا ہو۔ آپ کا سر بڑا اور خوبصورت اور گردن صراحی دار اور پتلی تھی۔ آپ کے بال چکدار، سیاہ اور گھنگریالے تھے۔ آپ لمبے بال رکھتے تھے اور بعض اوقات تو وہ لمبا ایال کی طرح شانوں تک پہنچتے تھے۔ آپ کی پلکیں گھنی اور آنکھیں بڑی، سیاہ اور بڑی گردش کرنے والی تھیں۔ آپ کی داڑھی جو بعد میں عمر کے ساتھ بڑھتی گئی، سیاہ اور گھنگریالی تھی۔ مونچھیں کتری ہوئی ہوتی تھیں اور آپ کا خوبصورت دہن، جو ایک تازہ پکے اور ترشے ہوئے انار کی طرح سرخ تھا، صاف نظر آتا تھا۔ ناک عرب کے شرفا کی طرح تھیں اور سامی النسل ہونے کے سبب آگے سے کچھ خمکدار تھی۔ آپ کا چہرہ کتابی اور گلاب کی مانند تھا اور جلد بالکل عورتوں کی جلد کے مانند نرم اور صاف تھی۔ اور تمام عربوں کی طرح آپ کے ہاتھ پاؤں چھوٹے اور خوبصورت تھے۔

البتہ دو باتوں میں حضرت محمدؐ جسمانی طور پر دوسرے لوگوں سے مختلف تھے۔ ایک تو یہ کہ خوبصورت محراب دار بھنوں کے درمیان، جو ایک دوسری کی طرف بڑھتی نظر آتی تھیں لیکن ملتی نہ تھیں، خون کی ایک رگ بڑی نمایاں تھی اور جب کبھی آپ خفا ہوئے تو وہ سیاہ پڑ جاتی اور تیزی سے دھڑکنے لگتی۔ دوسرے یہ کہ آپ کی پشت کے درمیان شانوں سے ذرا اوپر ایک بڑا ہنس تھا جو کبوتر کے اندھے جتنا بڑا تھا۔ مسلمان اسے

ترتیب کہتے ہیں حضرت محمدؐ نے کبھی اسی کا ذکر نہیں کیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ آپؐ کو نظر نہ آتی تھی اور اگر کبھی اس کا ذکر بھی کیا تو نبوت سے اس کا کوئی تعلق نہیں بتایا۔

جب کبھی آپؐ ہنستے تو دل کھول کر ہنستے تھے۔ آپؐ خوش ہوتے تو اپنی خوشی کو نہ چھپاتے بلکہ اس کا سب سے بڑا حصہ آپؐ کی مسکراہٹ میں پوشیدہ تھا اور مسکرانے میں آپؐ کے دہن کے سارے سکرٹنے کا انداز اتنا دلفریب تھا کہ آپؐ کا سحرناک ترین دشمن بھی آپؐ سے جھگڑنے سے بے ایک دفعہ توروک جاتا تھا۔

آپؐ کا مصافحہ بھی اتنا ہی حقیقی اور پر تپاک ہوتا جتنی آپؐ کی ہنسی۔ آپؐ بڑھائے ہوئے تھ کو بڑی گرمجوشی سے پکڑتے اور چھوڑنے میں کبھی پھل نہ کرتے۔ آپؐ نے ساری زندگی میں کسی دوست سے بے وفائی نہیں کی۔ بچوں اور جانوروں سے دلی لگاؤ تھا۔ جب آپؐ چلتے چھوٹے چھوٹے لڑکے لڑکیاں ہمیشہ آپؐ کے گرد جگھٹا کر لیتے تھے۔ آپؐ نے اپنے پیروکاروں کے بے زبان جانوروں سے بدسلوکی کرنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔

لیکن اس تپاک اور گرمجوشی کے باوجود آپؐ کم گو تھے۔ یعنی آپؐ میں عربوں کی وہ اچھی صفت موجود تھی کہ صرف اس وقت بات کی جائے جب کرنے کے لئے کوئی بات موجود اور فتنہ ضروری ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھے مسلمان کی خوبی یہ ہے کہ غیر ضروری باتوں پر بحث و مباحثہ سے بچے۔

لیکن ان تمام صفات اور ایک اچھے خاندانی پس منظر کے باوجود پچیس سال کی عمر تک

اے طبری نے ابو زید سے روایت کی ہے کہ کثر نبوت بالوں کا ایک گچھا تھا جو دونوں شانوں کے درمیان تھا۔ ابو زید نے اس لہسن یا نشان کو چھو کر اور دبا کر بھی دیکھا تھا۔ ابو نصرہ سے مروی ہے کہ کثر نبوت ابھرے ہوئے نرم بال تھے۔ دونوں شانوں کے درمیان ہذا تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب کے مولف نے لکھا ہے کہ بصری سے راسب نے جہاں اور نشانیاں دیکھیں وہاں آپؐ کے شانوں کے درمیان اس نشان کو دیکھ کر بھی آپؐ کے نبی آخر الزماں ہونے کی تصدیق کی اور آپؐ کو یہودیوں سے بچائے رکھنے کے لئے کہا لیکن مصنف سے قول کے مطابق یہ آپؐ کے نبی ہونے کی کوئی بڑی نشانی نہ تھی

ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ حضرت محمدؐ کبھی بھی ایک قابل اعتماد سفری گماشتے یا کسی ایسے گئے بار سے زیادہ کچھ بن سکیں گے۔ جس پر یہ اعتماد کیا جاسکے کہ وہ مالک کے ریوڑ کے ساتھ صحرا میں غائب نہیں ہو جائے گا۔ اہل مکہ کی نظر میں آپؐ ایک خوش خلق باصلاحیت اور ایک بلند درجہ کے نوجوان تھے جن کے اخلاق اکثر لوگوں سے بہت اچھے تھے آپؐ کے ایک دوست کہنا ہے کہ آپؐ پر وہ میں رہنے والی ایک دوشیزہ سے بھی زیادہ شریلے تھے۔ کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ کبھی کوئی غیر معمولی کام آپؐ سے عمل میں آیا ہو اور غالباً یہ اس لئے کہ اب تک آپؐ کو کبھی کوئی نمایاں کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور مندرجہ ذیل واقعہ جو آپؐ کی عقل و ذرا کی ایک مثال کے طور پر اکثر پیش کیا جاتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ حضرت محمدؐ اپنے شہر والوں کے مقابلے میں زیادہ سمجھ بوجھ کے مالک تھے۔

ایک مرتبہ مکے کی پہاڑیوں پر سخت بارشوں کے سبب بے پناہ سیلاب نے کعبہ کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اس کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کے ایک بڑے حصے کی از نو تعمیر ہو گئی۔ کچھ سنجیدہ غور و فکر کے بعد چند منتخب قریش نے کدال اور پھاوڑے سنبھالے اور کام شروع کر دیا۔ ایسا کرنے میں کوئی غضب الہی ان پر نازل نہیں ہوا اور حجر اسود کو کعبہ اس کی جگہ سے نکال لینے میں کوئی آفت نہ آئی۔ لیکن جب اس کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھنے کا مرحلہ آیا تو ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ یہ عزت کسے ملنی چاہئے؟ کعبہ کے اس مقدس تہذیب نشان کو چھوئے اور اس کو اس کی جگہ پر دوبارہ رکھنے کی خصوصی سعادت کا مستحق کون ہو؟ جب اس جھگڑے کا کوئی اطمینان بخش حل تلاش نہ کر سکے تو کسی نے تجویز پیش کی کہ جو

لے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک خاتون نے کعبہ کی دیوار کے نزدیک بخورات جلائے اور کعبہ کے غلاف میں آگ لگنے کے سبب سارا کعبہ جل گیا اور دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ اس وقت کعبہ پر چھت نہ تھی۔ لیکن اجماع اس پر ہے کہ شدید سیلاب کے سبب کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تھا۔

بھی بیت اللہ کے صحن میں سب سے پہلے داخل ہو اس سے مشورہ طلب کیا جائے۔ اس پر سب متفق ہو گئے اور سب کی نگاہیں دروازے پر لگ گئیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت محمدؐ چلتے پھرتے وہاں آ نکلے۔ فوراً سب نے آپ کو خوش آمدید کہا اور معاملہ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ ایک لمحہ سوچنے کے بعد آپ نے اپنی چادر یا عبا اتاری اور زمین پر پھیلا دی۔ ”اس کو (حجر اسود) اٹھا کر میری چادر پر رکھ دو“ آپ نے تجویز پیش کی ”پھر آپ میں سے ہر ایک اس کا کونا پکڑے اور سب مل کر اسے اٹھالیں۔ اس طرح آپ سب حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے کی سعادت میں شریک ہو جائیں گے“ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور جب پتھر کو کعبہ کی دیوار تک لے آیا گیا۔ تو اس سے پہلے کہ کوئی اور جھگڑا شروع ہو جائے۔ آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی خالی جگہ میں پویست کر دیا۔

خواہ یہ حل کتنا ہی آسان کیوں نہ تھا۔ اس نے حضرت محمدؐ کو اکابر قریش کی نظروں میں بلند کر دیا۔ عرب بڑی جلدی طیش میں آ جاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حجر اسود کے اس معمولی جھگڑے پر لڑائی ہو جاتی اور پھر قتل و خونریزی تک نہایت پہنچ جاتی حضرت محمدؐ نے اس سے بچا دیا۔

بایں ہمہ ایک طرح سے آپ کی زندگی ایک گمنامی کا سا معمول بنتی جا رہی تھی اور

لے تجویز یہ تھی کہ کل صبح جو سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اس کے فیصلے کو تسلیم کر لیا جائے جس اتفاق سے دوسری صبح آنحضرت سب سے پہلے کعبہ کے صحن میں داخل ہوئے۔ اہل مکہ نے فوراً یہ معاملہ آپ کی ثالثی کے لئے پیش کر دیا۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

۷۔ جھگڑا شروع ہو کر تلواریں کھینچ گئی تھیں اور کئی دعویداروں نے دستور کے مطابق خون کے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسمیں کھالی تھیں کہ وہ کسی دوسرے کو ہاتھ نہ لگانے دیں گے۔ چار روز تک جھگڑا چلتا رہا۔ یہ دیکھ کر پانچویں روز اکابر نے ثالثی کی تجویز پیش کی اور رسول اللہؐ نے سب کو اس سعادت میں شامل کر کے یہ خون آشام جھگڑا خوش اسلوبی سے ختم کر دیا۔

(سیرۃ النبی - حصہ اول)

اس گناہ معمول سے ابھرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ لیکن جب آپ پچیس سال کے ہو گئے تو ایک ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس نے نہ صرف آپ کی ساری زندگی بدل کر رکھ دی بلکہ بالواسطہ طریقہ پر ساری دنیا پر دور رس اثرات مرتب کئے۔

اس وقت مکہ میں ایک ادھیر مڑ عمر کی خاتون حضرت خدیجہ بنت خویلد رہتی تھیں زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو وہ چالیس سال کی تھیں۔ وہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور چار پشت پہلے یک جدی ہونے کے رشتے سے حضرت محمد کی بنت عم بھی تھیں۔ ایک نسل پہلے سے تعلق رکھنے کے سبب وہ اپنے نوجوان رشتہ داروں سے واقف نہ تھیں۔ ان کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے اور دونوں نے ان کے لئے اپنے تجارتی ساہوکارہ ادارے وراثت میں چھوڑے تھے جنہیں حضرت خدیجہؓ نے ملا کر ایک ادارہ بنالیا تھا۔ دونوں اداروں کا بیرونی ادغام بڑا کامیاب رہا اور نئے انتظام کے تحت اس نے بڑی ترقی کی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے تجارتی طریقہ ہائے کار بالکل جدید تھے۔ وہ معتبر قریشی تاجروں کو روپیہ قرض دیتی تھیں۔ جس کے بدلے میں وہ اپنی پسند کے سودوں میں ان کی حصہ دار بن جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بنک میں چھوٹی رقوم جمع کرنے والے لوگوں کا روپیہ بھی تجارتی کاروانوں میں لگاتی تھیں اور جب یہ قافلے تجارتی مہم سے واپس آتے تو منافع کی تقسیم سرمایہ کاری کے مطابق کر لی جاتی۔ علاوہ انہیں حضرت خدیجہؓ اپنے ان ملازمین کو بھی جو شہری اداروں میں کام کرتے یا سفر میں ساتھ جانے والے ہوتے اپنے تجارتی منصوبوں کی سرمایہ کاری میں حصہ دار بنالیتی تھیں۔ اس طرح سے وہ لوگ ایک ہی وقت میں ان کے ملازم بھی ہوتے تھے اور ان کے سرمایہ کار اور حصہ دار بھی۔ چنانچہ ادارے کے ہر منصوبے کی کامیابی میں جس کا وہ بیڑا اٹھاتا تھا۔ ادارے کے صدر اور مہتمم سے لے کر متصدی اور عزیز شتر بانوں تک ہر ایک لئے دلچسپی اور فائدہ تھا۔

لیکن کاروباری خاتون ہونے کے باوجود حضرت خدیجہؓ کے حسن و جمال میں کوئی

لہ ان کے نام ابوالمہدی بن عامر مخزومی تھے۔ (تقسیم القرآن جلد اول) اے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حضرت خدیجہؓ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق بھی تھیں۔ چنانچہ قبل از اسلام بھی لوگ آپ کو طاہرہ کہتے تھے۔ لوگوں کا یہ خیال آپ کی عزت و عظمت کا آئینہ دار تھا۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

فرق نہیں آیا تھا۔ عربوں کے معیار کے مطابق تو وہ بوڑھی ہو چکی تھیں لیکن حقیقت میں وہ اتنی ہی جوان تھیں جتنا وہ محسوس کرتی تھیں۔ اور کسی وقت بھی اس خیال سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اب فرہی کی طرف مائل تھیں لیکن ان کی جلد تاحال تروتازہ، بال سیاہ اور چکدار اور آنکھیں بڑی اور جلدی جلدی پھپکنے والی تھیں۔ ان کے گہرے رنگ کا لباس اور قیمتی چادر ان کے مرتبے کے مطابق ہوتے تھے۔ فیروزہ جوڑے چاندی کے زیورات جو وہ ہاتھوں، کانوں اور گردن میں پہنے ہوتی تھیں ان کی خوش ذوقی کا ثبوت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ابھی تک جسمانی طور پر پرکشش ہونے کے ساتھ ساتھ بہت دولت مند بھی تھیں۔ مگر صرف ایک صحیح قسم کے مرد کی تھی۔

حالانکہ حضرت خدیجہؓ کا ذہن بھی آپ کے جسم کی طرح فعال اور مستعد تھا لیکن پھر بھی انہیں تجارت میں تجربہ رکھنے والے ایک ایسے قابل اعتماد اور مستعد شخص کی ضرورت تھی جو ان کے کاروبار کی نگہداشت کر سکے۔ انہیں خصوصیت سے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو ان کے تجارتی کاروانوں کا اہتمام و انصرام سنبھال سکے۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ بہت محتاط بھی تھیں کیونکہ وہ اپنی دولت اور بے شمار اونٹ اور خیر کسی ایسے شخص کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھیں جو انہیں لے کر شام یا مصر میں غائب ہو جائے۔ اور پھر اس کا پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک وہ اپنے ادارے کا کام خود ہی سنبھالتی رہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے خزیمہ تھے۔ جو قریب قریب حضرت محمدؐ کے ہم عمر تھے اور وہ کئی تجارتی مہموں میں حضرت محمدؐ کے ساتھ سفر میں جا چکے تھے اور دوسرے لوگوں کی طرح جن کا ان سے سابقہ پڑا تھا، وہ بھی حضرت محمدؐ کی اہلیت اور دیانت داری کے مداح تھے اور انہوں نے اپنے اس دوست کا حضرت خدیجہؓ سے بھی ذکر کیا تھا۔ اسی زمانے میں حضرت ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو مشورہ دیا کہ وہ اب اپنے تعلقات کا دائرہ بڑھائیں۔ اور کوشش کریں کہ انہیں شہر کے بڑے اداروں میں سے کسی ایک کی نمائندگی مل جائے۔ چنانچہ جب آپ کو حضرت خدیجہؓ سے

رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے ان سے ملاقات کی درخواست کی۔

آپ کی کاروباری اہلیت کے بارے میں جو اچھی رائے حضرت خدیجہؓ کے دل میں ان کے بھتیجے نے قائم کر دی تھی آپ کے خوبصورت خدوخال اور حسین مسکراہٹ نے بھی یقینی طور پر اس کو اور مستحکم کرنے میں برابر کا کام کیا اور جب آپ نے کہا کہ آپ یہ ملازمت فوری طور پر اختیار نہیں کر سکتے تو وہ آپ سے اور زیادہ متاثر ہوئیں۔ حضرت محمدؐ جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ خواہ معاملہ تجارت کا ہو یا جنگ کا یا مذہب کا۔ آپ ہمیشہ کافی سوچ بچار سے کام لیتے تھے۔ ساہوکار بیوہ خاتون کو جواب دینے سے پہلے آپ نے چچا سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوطالبؓ اپنے بھتیجے کے لئے یہی بات تو چاہتے تھے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت خدیجہؓ حضرت محمدؐ کو ان کی موجودہ آمدنی سے دگنا دینے کو تیار ہیں تو فوری طور پر یہ ملازمت قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ حضرت محمدؐ حضرت خدیجہؓ کی ملازمت میں آگئے اور ایسا کر کے گویا آپ نے تمام عرب کی بادشاہت تک لے جانے والے زینہ کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔

پہلی دفعہ حضرت خدیجہؓ نے حضرت محمدؐ کے ساتھ سفر میں اپنے بھتیجے اور اپنے ذاتی حبشی غلام میسرہ کو بھیجا۔ وہ ایک سمجھدار خاتون تھیں اور اس بات کا یقین کر لینا چاہتی تھیں کہ انہوں نے ذاتی جذبات سے مغلوب ہو کر کہیں کوئی بے عقلی کا کام تو نہیں کیا ہے لیکن انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہ پڑی۔ کیونکہ آپ نے اپنے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور اپنے نئے مالک کے لئے اتنی نفع بخش سوداگری کی کہ انہیں آپ کی تنخواہ میں اور اضافہ کرنا پڑا اور چند ماہ بعد آپ کو اپنے تمام کاروانوں کا سربراہ مقرر کر دیا۔

آئندہ دو سال تک حضرت محمدؐ حضرت خدیجہؓ کے نمائندے کی حیثیت سے ان تمام

۱۔ صاحب "حیات محمدؐ" کے بیان کے مطابق حضرت ابوطالبؓ نے حضرت خدیجہؓ کے پاس جا کر یہ معاملہ خود طے کیا اور حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ شام بھینچنے پر تیار ہو گئیں۔ اور آپ ان کی ملازمت میں آگئے۔

امات پر سفر پر جاتے رہے جہاں تک اس وقت کارواں جاتے تھے۔ یعنی دمشق، حلب، طاکہ، بیت المقدس، بیروت، پامریہ، بعلبک وغیرہ۔ یہ سب آپ کی زد پر تھے، جدی دوسری ذمہ داریوں کا اضافہ ہو گیا اور آپ کو سارے ادارے کا منتظم بنادیا گیا۔ جب آپ سر میں نہ ہوتے تو دفتر میں ادارے کے انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کرتے اور یہاں حضرت خدیجہ آجائیں اور اپنے خوش و شر و سربراہ کی تجاویز سناتیں جو ہمیشہ ان کے تجارتی رول سے ہونے والی آمدنی میں اضافہ کا باعث ہوتیں۔

ادارے کے مالی منفعت کے پہلوؤں سے قطع نظر حضرت خدیجہ اب ویسے بھی خوش ہیں اور گفتگو کے ایسے مواقع کی منتظر رہتیں۔ وہ اب کارواں کی واپسی کے دن گنتی رہتیں۔ بے چینی سے منتظر رہتیں۔ یہاں تک کہ حضرت محمد واپسی کے بعد نہادھو کر صاف ستھرا غید لباس پہنے، بالوں اور داڑھی کو سنوار کر خوشبو لگائے آتے اور ان کو رپورٹ پیش کرتے۔ سنہ آہستہ ان کی دلچسپی تجارت میں کم اور اپنے جوان سال اور حسین ہمت میں بڑھتی گئی۔ اب وہ کارواں کی آمد کی خبر سننے کا گھر یا دفتر میں بیٹھ کر انتظار نہیں کر سکتی تھیں بلکہ بنے مکان کی اونچی چھت پر چڑھ جاتیں اور خشک پہاڑیوں کی طرف دیکھ کر انتظار کرتیں۔ لہ پھر لی گھائی سے آہستہ آہستہ اترتے ہوئے اونٹوں کا پہلا نظارہ کر سکیں۔ زندگی میں

لے نقشہ نمبر ۳

لے یہاں مصنف نے ناول کی رنگین بیانی سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ حضرت خدیجہ نے اب آپ میں ایسے آثار دیکھ لئے تھے جس کے سبب انہیں آپ کے نبی ہونے کا پختہ یقین ہو گیا تھا۔ سیرہ اور دوسرے ملازم بھی اگر ان مافوق الفطرت واقعات کا ذکر کرتے جو سفر میں آپ سے ہو رہے تھے۔ اس طرح حضرت خدیجہ جنہوں نے کبھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا آپ کی عقیدت مند ہو گئیں اور آپ سے شادی کر لینے کو عین سعادت خیال کیا۔ ایک روایت کے مطابق ایک رتبہ جب قافلہ گھائی سے اتر کر مکہ میں داخل ہو رہا تھا تو آپ نے چھت پر سے دیکھا کہ ایک ابر کا مکڑا مسلسل آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا۔

پہلی مرتبہ وہ اپنے دل میں محبت کی کسک محسوس کر رہی تھیں۔

لیکن وہ اپنے ان پریشان کن احساسات سے اپنے محبوب کو کس طرح باخبر کریں؟ یہ خیال انہیں پریشان کر رہا تھا۔ ان کی عمر اب بیالیس سال ہو گئی تھی اور ان باتوں کو خوب سمجھتی تھیں۔ وہ اپنے سے پندرہ سال چھوٹے مرد کے متعلق ایسے شدید جذبات کا اظہار کس طرح کر سکتی تھی اور خصوصاً جبکہ وہ ان کا ملازم بھی ہو۔ ایک ایسا ملازم جس کے پاس ایک درہم بھی ایسا نہ تھا جو خود ان سے نہ کمایا ہو۔ کبھی خیال آتا کہ ان کے خاندان والے سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ اور ان کے بوڑھے چچا اور سرپرست عمر بن اسد اس کے متعلق کیا خیال کریں گے وہ خوب جانتی تھیں کہ وہ اور ان کے علاوہ ہر شخص ان پر ہنسے گا اور کہے گا کہ بڑھا پے میں کیا بے وقوفی کی سوچھی ہے۔ ہر شخص انہیں مشورہ دے گا کہ وہ خوش قسمت تھیں کہ دواہیر، شوہروں کو بڑے آرام سے دفن کر چکی ہیں اور یہ کہ اب تیسرا تجربہ نہ کریں اور وہ بھی ایک ایسے نوجوان کے ساتھ جو ان کا لڑکا معلوم ہوتا ہو۔ جہاں تک ان کے خاندان کا تعلق تھا۔ ان کا رد عمل وہ خوب جانتی تھیں۔ اگر ان میں سے کسی کو اس کا شبہ بھی ہو جائے کہ ان کے ذہن میں کیا ہے تو حضرت محمدؐ کو حاصل کرنے کا جو ٹھوڑا بہت سا موقع ہے۔ وہ بھی کھودیں گی اس لئے لازم تھا کہ وہ کوئی دھڑلہ جو چسپیں ایک بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ انہیں اس کا قطعی علم نہ تھا کہ حضرت محمدؐ کا ان کے متعلق کیا خیال تھا۔

حضرت محمدؐ کے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہ تھا۔ وہ ایسے کام میں لگے ہوئے تھے جو انہیں پسند تھا۔ وہ اچھا خاصہ روپیہ کمار رہے تھے اور ان کی محنت اور کامیابی کو سراہا بھی جا رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ ان کے نزدیک بس ایک اچھی مالکہ تھیں۔ وہ ان کی تعریف اور عزت کرتے تھے۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ اس وقت تک

اس کا سبب حضرت خدیجہؓ کی آپؐ سے عقیدت تھی۔ بہر حال ڈاکٹر محمد حسین بیگل بھی حیات محمدؐ میں اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ چند روز بعد خدیجہؓ کی یہ خوشنودی محبت کے سانچے میں ڈھل گئی اور آپؐ سے عقد کی خواہش نے ان کے دل میں گھر کر لیا۔

کسی عورت نے آپ کی زندگی میں کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ اور کسی لڑکی سے خود کوئی راہ و رسم بڑھانے کے لئے بیباکی اور جرأت درکار تھی جو آپ میں نہ تھی اور اپنی معزز مالکہ کے ساتھ ایسی کوئی بات کرنا آپ کے نزدیک ایسا ہی تھا جیسے آپ یہ خیال کر لیتے کہ آپ ایک دن عرب ادشاہ ہو جائیں گے (حالانکہ بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ مالکہ اور ملک عرب دونوں آپ کی پہنچ میں تھے)۔ حضرت خدیجہؓ آپ کا یہ شریلا پن بھانپ گئیں۔ اور خود ہی کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس کام کے لئے انہوں نے اپنے غلام میسرہ کی خدمات حاصل کیں۔ میسرہ بہت سے تجارتی سفر میں آپ کے ساتھ گیا تھا اور منصوبوں میں کافی فرق ہونے کے باوجود دونوں ایک دوسرے سے قریب رہے تھے اور صحرائی سفر کی صعوبتوں میں ساتھ رہنے نے ایک دوسرے کو دوست بنا دیا تھا۔ حضرت محمدؐ اپنی مستقبل کی زندگی کی طرح موت بھی ہر ایک سے بڑی آسانی سے مل لیتے تھے اور کبھی آپ کے دل میں یہ خیال بھی نہ آتا کہ وہ دوسروں سے بالاتر یا خاندانی طور پر زیادہ معزز تھے۔ اس لئے میسرہ کو آپ سے شادی کے متعلق غیر رسمی بات چیت کرنے میں کوئی رکاوٹ یا شرم نہ تھی۔

میسرہ نے پوچھا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک اٹھائیس سالہ نوجوان جو اتنا قابل اور خوش رو ہو اور اتنے اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہو کبھی شادی نہ کرے۔ آپ نے بھی اُسی صاف گوئی سے جواب دیا کہ آپ نے اس معاملہ پر کبھی توجہ ہی نہیں کی۔ وہ بے حد مصروف رہے اور یہ اچھا ہی ہوا کہ آپ نے شادی نہیں کی کیونکہ ایک ایسا آدمی جو اپنی ساری عمر سفر میں گزارے اور جس کا تنخواہ یا کمیشن پر گزارہ ہو کس طرح سے ایسا گھر بسا سکتا ہے جس کی ان کی جیسی عمر اور اعلیٰ خاندان والے سے توقع کی جاتی ہو۔ میسرہ نے اس پر جواباً مشورہ دیا کہ پھر دولت سے شادی کر لیں۔ آپ اس فقرے کو سمجھ گئے اور محفوظ ہوئے۔ پھر جواب دیا کہ

اے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں (سیرۃ ابنی۔ حصہ اول)

۲۔ دولت صاحب حیاۃ محمدؐ ڈاکٹر محمد حسین سیکل نے لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق شادی کے متعلق یہ سلسلہ

جنابی اور یہ تمام باتیں آپ سے حضرت خدیجہؓ کی بہن یا ایک سیلی نفیسہ نے کیں۔

ایک سفری گماشتہ کس طرح ایک دولت مند عورت سے مل سکتا ہے اور اگر یہ بھی ممکن ہو تو شادی کی تجویز کس طرح کی جاسکتی ہے۔

میسرہ ہنسنا اور کہا "اور اگر ایک دولت مند خاتون جو خوبصورت بھی ہو اور اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتی ہو خود آپ سے شادی کی خواہش مند ہو۔ آپ اس پر اور زیادہ مخطوط ہوئے اور پوچھا "اور وہ خواب کی مخلوق کون ہے جو میسرہ کے ذہن میں ہے۔"

اور آپ یہ سن کر حیران رہ گئے جب میسرہ نے بے ساختہ جواب دیا: "خدیجہ" اور اس سے پہلے کہ حضرت محمدؐ اس حیرانی سے سنبھلیں اس نے مزید کہا "اگر آپ اسے مجھ پر چھوڑ دیں تو میں ہر بات کا انتظام کر دوں گا" میسرہ کو آپ کو یہ یقین دلانے میں کچھ وقت لگا کہ یہ بات صحیح ہے اور اس کے بعد کچھ وقت آپ نے یہ سوچنے میں لیا کہ آیا تجویز معقول ہے یا نہیں اور جب آپ نے فیصلہ کر لیا تو آپ کی حضرت خدیجہؓ سے ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔

وہ دونوں اس سے پہلے بھی تنہائی میں ملے تھے لیکن ہمیشہ ادارے کے دفتر میں۔ لیکن آج بات چیت حضرت خدیجہؓ کے اپنے رہائشی مکان میں ہوئی۔ حضرت محمدؐ شرمیلے تھے اس لئے حضرت خدیجہؓ نے ساری باتیں خود سمجھائیں اور جب انہوں نے بات ختم کی تو آپ نے شکریہ کے ساتھ تجویز کو قبول کر لیا اب فوری شادی کے لئے ہر بات مکمل معلوم ہوتی تھی لیکن ابھی دیر لگنا تھی۔ حضرت محمدؐ کو رضا مند کر لیا تھا لیکن خاندان والے ابھی باقی تھے۔

جب ہونے والی دہن کے چچا اور سرپرست عمرو بن اسد نے اس مجوزہ رشتہ کے متعلق سنا

لے بہت سے سوانح نگاروں نے عمرو بن اسد کی بجائے حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد کا نام لیا ہے۔ حالانکہ اس واقعہ کے سلسلہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ خویلد حرب انفجاری میں اور اس شادی سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے اور ان کے چچا عمرو بن اسد ان کے سرپرست تھے۔ جب عمرو بن اسد نے اپنی بھتیجی کی رضا مندی دیکھی تو وہ اس رشتہ پر کچھ بحث نہ کی۔ بعد رضا مند ہو گئے مصنف کا بیان قیاس پر مبنی اور بالآخر آمیز معلوم ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خاندان والے اپنے کسی عزیز کی دولت کو دوسرے خاندان میں چلے جانے کی ہمیشہ مخالفت کرتے آئے ہیں ایسا ہی یہاں ہوا ہو گا۔ رطبری۔ طبقات سعد۔ حیات محمدؐ

وہ آگ بگولا ہو گئے اور انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہر بات اس رشتہ کے خلاف
 اتنی ہے یعنی آپ کی عمر آپ کا حضرت خدیجہؓ کی ملازمت میں ہونا اور سب سے زیادہ یہ کہ آپ
 کے پاس کوئی اثاثہ نہ تھا۔ ان کے خیال میں یہ شادی حضرت خدیجہؓ کی دولت کو خاندان ہی میں
 بننے دینے کی بجائے اس کو منتشر کرنے کا محض ایک ڈھکوسلا تھا۔ خاندان والوں میں پرانی
 رسم کے مطابق جھگڑے کی بنیاد یہ ہی تھی اور یہ جھگڑے اس وقت سے چلے آ رہے ہیں جب
 سے مادی قدریں اور قدر و دل کی علامتیں وجود میں آئیں۔

حضرت خدیجہؓ کو ان سب باتوں کی پہلے سے توقع تھی اور ان اعتراضات کے جواب بھی
 کے پاس موجود تھے لیکن ان کا بوڑھے چچا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت
 مذکورہ کار اپنی باقی زندگی بھی سفر میں گزار دیں گے۔

شاید اس پر حیرانی کا اظہار کیا جائے کہ آخر حضرت خدیجہؓ جو اس وقت بیالیس سال
 تھیں اور بیوہ تھیں ابھی تک اپنے چچا کی سرپرستی میں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
 رب میں ایک رسم تھی کہ بغیر خاوند کی لڑکی خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ کسی خاندانی سربراہ کی
 سرپرستی میں رہتی تھی اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کچھ برہم تو ضرور ہوئیں لیکن ناامید نہیں تھیں۔ ان میں اپنے چچا والی ضد بھی
 اور عورت کی ذہانت اور ہوشمندانی بھی۔ انہوں نے سر دست اس بات کو یونہی چھوڑ دیا
 معاملہ ٹھنڈا ہونے دیا۔ جب کسی کو اس بات کا خیال نہ رہا اور حالات پر سکون ہو گئے تو انہوں
 نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس دعوت پر انہوں نے اپنے چچا سمیت تمام قریبی رشتہ داروں
 بلایا۔ آنحضرتؐ کے دو چچا ابوطالب اور حمزہؓ اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد کو بھی دعوت دی گئی
 تہ حضرت محمدؐ اور اپنے بھتیجے خزیمہ کو جنہوں نے سب سے پہلے دونوں کا تعارف کرایا تھا
 بدعو کرنا ہی تھا۔ کھانے کا خاص طور پر انتظام کیا گیا تھا اور بڑے اہتمام سے پکایا گیا اور
 ان کے ساتھ باہر سے آئی ہوئی انگور لٹی اور دوسری شرابیں بھی افراط سے پیش کی گئیں۔

تو عرب میں اسلام سے پہلے شراب عام تھی لیکن اُس وقت بھی آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ جیسے معتقبن
 لوگوں کی مجلس میں شراب کی یہ افراط اور بدستی قطعاً بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔

جلد ہی ہر شخص ترنگ میں آگیا۔ تقریریں ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے کا جام صحت پیا جا رہا تھا اور بدست جمع کی پوری رونق موجود تھی، کھانے والوں میں صرف حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہؓ ہی ایسے تھے جو بالکل شراب نہ پیتے تھے۔

مناسب وقت پر حضرت خدیجہؓ نے خود ایک تقریر کی۔ آپ نے کہا کہ یہ حضرت محمدؐ ہی ہیں جن کی فہم و فراست کے سبب ان کی تجارت کو فروغ ہوا۔ اور یہ ہی وہ شخص ہیں جن کی ہمت اور حوصلے نے ان کی دولت میں اضافہ کیا ہے۔ انہوں نے آپؐ کی دیانت داری اور عالی نسی کی بھی تعریف کی۔ آخر کار انہوں نے کہا کہ ایک عورت کے لئے اس سے بڑی عزت اور کیا ہوگی کہ اس کی ایسے شخص سے شادی ہو جائے۔ تمام مہمانوں نے تحسین و آفریں کی شراب کامزید دور چلا۔ حضرت خدیجہؓ کے ایک چھیرے بھائی ورقہ بن نوفل جوش میں کھڑے ہو گئے اور حضرت خدیجہؓ نے ابھی ابھی جو کچھ کہا تھا اس کی تائید کی۔ تحسین و آفریں کا ایک اور شور اٹھا اور شراب کا ایک اور دور چلا۔ حضرت ابوطالب اور حمزہؓ نے حضرت خدیجہؓ اور ورقہ سے اتفاق کیا اور اس سے پہلے کہ عمرو بن اسدؓ یہ پوری طرح سمجھ سکیں کہ یہ سب کچھ کس کے متعلق کہا جا رہا ہے۔ انہوں نے بھی اپنی تقریر میں اس کی توثیق کر دی اور حضرت محمدؐ نے فوراً وہ عبا پہنا دی جو رسم کے مطابق ایک داماد اپنے خسر کو شادی کے موقعہ پر دیتا ہے اور ساتھ ہی حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچا کے بالوں میں زعفران اور عنبر کی خوشبوئیں لگا دیں۔ حضرت خدیجہؓ کے صحن میں ہر طرف مبارکباد کا شور گونج اٹھا جہاں تک رسم کا تعلق تھا حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہؓ کی شادی کی تکمیل ہو گئی تھی۔

لیکن حضرت خدیجہؓ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ گرجوش ماحول پیدا کرنے میں شراب کی بہتات کا بھی بڑا دخل تھا۔ اور اس سے بھی واقف تھیں کہ صبح کو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا چنانچہ جس وقت لوگ ایک دوسرے کی کمر تھپک رہے تھے اور دور چل رہا تھا انہوں نے وکیلوں کو بلا لیا تھا۔ چنانچہ شادی کی دستاویز بھی اسی خوشی اور دوستانہ ماحول میں لکھی گئی۔ مہر مقرر ہوا اور ہر ایک معاملہ طے ہو گیا اور مکے کے قانون کے مطابق حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہؓ شوہر اور بیوی قرار دے دیئے گئے۔ جب غیافت ختم

ہو گئی تو حضرت محمدؐ نے مہمانوں کو رخصت کیا اور خود عرب کے دستور کے مطابق بیوی کے
اں قیام کیا۔

کہا جاتا ہے کہ دوسری صبح عمرؓ ڈاٹھے تو سر میں درد تھا اور وہ بڑ بڑا رہے تھے کہ ان کی
یر ولایت خدیجہؓ نے ایک بے حیثیت آدمی سے شادی کر لی جبکہ مکہ میں انہیں ایک سے ایک
چھا شوہر مل سکتا تھا۔ لیکن حضرت محمدؐ کے چچاؤں نے انہیں ٹوک دیا اور جواب میں کہا کہ عبدالمطلب
پوتا بھی مکہ میں اور مکہ سے باہر کسی سے کم حیثیت نہ تھا۔ بہر حال اب عمروؓ کچھ خیال کرتے یا نہ
کرتے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ شادی قانون کے مطابق ہو چکی تھی اور کوئی بات اب
س اتنے فصیح نہیں کر سکتی تھی۔

شادی کی رسومات کے بعد جلد ہی ضیافت ولیمہ دی گئی۔ حضرت محمدؐ نے ایک اونٹ
بیچ کیا اور اس کا گوشت غزبان میں تقسیم کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے اور حضرت محمدؐ کے
وستوں کے لئے ہمہ وقت استقبال کے لئے گھر کے دروازے کھول دیئے۔ چنانچہ شام
سے صبح اور صبح سے شام تک رقص و سرود کی محفلیں جی رہیں۔ شرکت خدیجہؓ کے مشہور
دارے کے صدر کے مکان پر اس سے بڑا خوشی کا جشن پہلے کبھی نہیں منایا گیا اور اس
سے سب سے زیادہ خوشی اگر کسی کو ہوئی تو وہ خود فرہ اندام میرزا بن تھیں۔

۲۰- جیسا کہ اوپر کے حاشیے میں بیان ہو چکا ہے، مہمانوں کو شراب پیش کرنے کے امکان سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا
یونکہ یہ اسلام سے پہلے کا ذکر ہے اور شراب عام تھی لیکن آپؐ کے چچا عمرو بن اسد کو شراب پلا کر رضا مند کرنے کا واقعہ
ملط ہے۔ صحیح واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ کی جانب سے شادی کی خواہش کا اظہار ہوا تو آپؐ نے اپنے چچا سے ذکر
لیا تو آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت ابوطالبؓ عمرو بن اسد کے پاس گئے اس سے شادی کا پیام دیا تاریخ مقرر ہوئی
دراہنوں نے اپنی بھتیجی حضرت خدیجہؓ کی آپؐ سے شادی کر دی۔ دونوں طرف کے رشتہ دار موجود تھے اور طبقات ابن
سعد کے مطابق آپؐ کے چچاؤں میں سے ایک نے زیادہ اجماع حضرت ابوطالبؓ پر ہے، رسم نکاح ادا کی حضرت عائشہ
درابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خود عمرو بن اسد نے آنحضورؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا نکاح پڑھایا۔

یہاں تکین بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ تاریخ طبری۔ حیات محمدؐ)

میسرہ اور وفادار برکتہ دونوں ضیافت کے کاموں میں مصروف رہے۔ حلیمہ سعدیہ، آپ کی دایہ کو بھی صحرے لے آیا گیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے چالیس بھیڑیں انہیں تحفے میں دیں اور انہیں واپس پہنچایا۔ چلتے وقت حضرت حلیمہؓ نے اپنے اس اعلان کو ایک مرتبہ پھر دہرایا کہ ان کے حضرت آمنہ کے کمزور بچہ کو دودھ پلانے کے بہرہ دانہ اقدام نے قبیلہ بنو سعد کے دن پھیر دیئے۔ آخر کار خوشیوں کا ہنگامہ ختم ہوا اور حضرت محمدؐ نے ایک مرتبہ پھر اپنی توجہ اپنی زوجہ کے تجارتی ادارے کے انتظامات سنبھالنے پر مرکوز کر دی اور حضرت خدیجہؓ اپنے حین اور خوشرو شوہر کو دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سماتیں۔

یہ ایک بہت ہی مسرت بھری شادی شدہ زندگی کا آغاز تھا۔ حضرت خدیجہؓ حضرت محمدؐ کی محبت میں سرشار تھیں۔ لیکن حضرت محمدؐ کے احساسات بیوی سے زیادہ تر شفقت اور وابستگی کے تھے۔ شاید ایک طرح بیوی کے لئے آپ کی محبت اس سے زیادہ گہری تھی جتنا کہ وہ آپ کو چاہتی تھیں۔ آپ یقینی طور پر حضرت خدیجہؓ کا اتنا خیال رکھتے تھے جتنا اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت کا کیا کسی کا بھی نہیں رکھا۔ اپنی اکیس سالہ ازدواجی زندگی میں حضرت خدیجہؓ نے اپنے شوہر کی غیر منقسم توجہ اور محبت پائی۔ خصوصاً ایک ایسے ملک میں جہاں کئی کئی شادیوں کا رواج عام اور جائز تھا۔ حضرت محمدؐ کی بعد کی شادیوں کا سبب کچھ ہی کیوں نہ ہو حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون تھیں جو آپ کے دل میں بسیں اور ذہنی طور پر آخری بھی وہی تھیں۔

لے ان کی کنیت آمنہ تھی اور وہ اسی نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں۔

بعثت

(نبوت)

۵۹۹ تا ۶۱۱ ع

حضرت خدیجہؓ سے شادی کرنے کے بعد آپؐ کی طرز زندگی میں جلد کوئی تبدیلی نہ آئی۔ آپؐ بدستور ادارے کے سربراہ رہے اور کاروانوں کے ساتھ سفر پر جانا بھی جاری رہا بلکہ آپؐ کے طویل ترین سفر جو آپؐ نے ایشیائے کوچک کے میلوں اور منڈیوں تک کئے وہ شادی کے بعد ہی ہوئے لیکن اس کے باوجود حضرت خدیجہؓ کے قدیم ادارے نے تجارت میں کوئی مزید ترقی نہ کی بلکہ درحقیقت ادارہ رُوبہ تنزل ہو گیا۔ گو نقصانات زیادہ نہ تھے اور حضرت خدیجہؓ اب بھی مکہ کے دولت مند تاجروں میں سے ایک تھیں لیکن ان کے تجارت کے طریقے اپنا اثر کھو چکے تھے یا دوسرے لفظوں میں حضرت محمدؐ کا جوش اور ولولہ سرد پڑ گیا تھا۔ آپؐ کو اب اس کام میں دلچسپی نہ رہی جسے آپؐ اب تک صرف اس لئے کرتے رہے کہ آپؐ اس کے لئے مجبور تھے۔

روزمری کمانے کی فکر سے آزاد ہونے پر اب حضرت محمدؐ کو ان تمام باتوں کے سوچنے کا وقت ملنے لگا جو آپؐ کے ذہن میں جمع ہوتی رہی تھیں۔ بعض اوقات جبکہ آپؐ کو قاعدے کے مطابق سودوں کے معاہدوں پر دستخط کرنے یا کاروان ترتیب دے کر روانہ کرنے میں مصروف ہونا چاہئے تھا، آپؐ کی بیوی آپؐ کو کسی سوچ میں کھویا ہوا پاتیں۔ یہ ایسے شخص کا ذکر نہیں جو اچانک دولت مل جانے سے اپنے فرائض سے غافل ہو گیا ہو۔ حضرت محمدؐ ہرگز سست یا کاہل وجود نہ تھے۔ بچپن سے وفات تک سستی یا کاہلی کبھی آپؐ کی کمزوری نہ تھی

اس کے برعکس آپ کی مثال ایک ایسے فہم و ذکی انسان کی مثال ہے جسے ہمیشہ اپنے فطری رجحان کے خلاف باتوں پر توجہ مبذول کرنے پر مجبور کیا جاتا رہا ہو اور وہ غیر متوقع طور پر آزادی پالے۔ حضرت خدیجہؓ نے ایک ہوشیار اور زیرک خاتون ہونے کے سبب شوہر کے ذہن میں اٹھتے ہوئے طوفان کو کچھ کچھ بھانپ لیا تھا اور سمجھ دار ہونے کی وجہ سے کبھی آپ سے جھگڑا نہ کیا اور آپ کو اپنی مرضی پر چلنے دیا۔ چنانچہ اس طرح حضرت خدیجہؓ ایک مرتبہ پھر دین اسلام کی بنیاد رکھنے میں امداد کر رہی تھیں اور ان کے ابن عم ورقہ بن نوفل، جنہوں نے شادی کے موقع پر ان کی تائید کی تھی، اس معاملہ میں ان کے بڑے سرگرم معاون تھے۔

ورقہ کچھ عجیب پر اسرار سے آدمی تھے۔ گو بظاہر اس میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا لیکن وہ حضرت خدیجہؓ کے خاندان کے واحد فرد تھے جنہوں نے حضرت محمدؐ سے شادی کے معاملہ میں ان کی طرفداری کی اور جب حضرت محمدؐ کے ذہن میں ایک روحانی تحریک نے جنم لیتا شروع کیا تو وہ ان کی تائید کرنے میں بھی پہلے شخص تھے۔ ان کا اپنا کیا خیال یا عقیدہ تھا اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ وہ ملحد پیدا ہوئے۔ پھر وہ یہودی بن گئے، اور بعد ازاں انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ عہد نامہ ہائے عتیق و جدید کا پہلا عربی ترجمہ انہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کی تورات و تالمود اور عیسائیوں کی انجیل کے متعلق حضرت محمدؐ کو زیادہ تر معلومات ان ہی سے ملیں۔ یہ ورقہ سے تبادلہ خیال کرنے اور ان باتوں کا نتیجہ تھا جو آپؐ نے سفر کے دوران حاصل کی تھیں کہ آپؐ دفتر میں کام کرتے کرتے کسی گہری سوچ میں ڈوب جاتے یا سفر میں اونٹ کی پشت پر پاؤں پھیلا کر کسی خیال میں مستغرق ہو جاتے۔

اس وقت تک آپؐ نے کعبہ کی رسومات کے متعلق کبھی کوئی سنجیدہ قسم کا اعتراض

OLD AND NEW TESTAMENTS

نہ عہد نامہ ہائے عتیق و جدید

یعنی توریت۔ زبور و انجیل۔ مصنف کا یہ خیال کہ توریت و انجیل کی معلومات آپؐ کو ورقہ سے ملیں

صحیح نہیں ہے۔

س کیا تھا۔ آپؐ اور آپؐ کی زوجہ روایتی بت پرستوں میں پیدا ہوئے تھے جو اللہ تعالیٰ، آلات اور سرے دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کرتے تھے اور یہ کہ وہ پتھر کے تراشنے بت تھے فی الوقت آپؐ لئے کسی خاص پریشانی کا موجب نہ تھے۔

آپؐ کے دادا چاہتے تھے کہ آپؐ بتوں کی طرف متوجہ ہوں اور یہ ایک کافی اچھا مشورہ معلوم بنا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ نے کبھی اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا۔ بھڑپس آنے کے ایام کے علاوہ آپؐ کو اس کا زیادہ موقعہ ہی نہیں ملا تھا لیکن اب جبکہ آپؐ کے پاس باتوں کو ذہن میں دہرانے کا کافی وقت تھا جن کے متعلق ورقہؓ نے آپؐ کو بہت کچھ بتایا

۱۔ مصنف نے آپؐ کے لئے CONVENTIONAL IDOLATOR روایتی بت پرست کے الفاظ استعمال کئے ہیں مقصد صرف یہ ہے کہ چونکہ آپؐ روایتی بت پرست خاندان اور لوگوں میں پیدا ہوئے تھے اس لئے بت سے پہلے بتوں کو زبان سے برا نہیں کہتے تھے ایک جگہ خود کہا ہے کہ دادا کی خواہش کے باوجود آپؐ بتوں میں فی دلچسپی نہ لیتے تھے۔ اسی باب میں کچھ آگے چل کر کہتا ہے کہ آپؐ پر بتوں کی لغویت روز روشن کی طرح ہاں ہو گئی اور یہ کہ آپؐ کے روحانی خیالات اور بت پرستی میں مطابقت ناممکن تھی ورنہ بصورت دیگر ان اظہار استعمال صریحاً غلط ہے کیونکہ قرآن اور دیگر آسمانی کتب شاہد ہیں کہ کسی نبی نے بعثت سے پہلے بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا بت شکنی کا واقعہ مشہور ہے۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ بھی کچھ ٹاٹا اور کچھ اپنے ابن عم ورقہؓ کے مواعظ کے سبب بتوں میں کوئی اعتقاد نہیں رکھتی تھیں اور نہ ہی شراب پیتے لگاتے تھیں۔

۲۔ اس باب میں خصوصیت سے اور اس کتاب میں مختلف جگہ مصنف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ بت پرستی کے خلاف اور ایت کے متعلق آپؐ کی معلومات بصری کے راسخ بکیر، نجران کے شہب قس بن ساعدہ کے تبلیغی خطبوں اور ورقہ بن ابی صحتوں کی مرمون منت تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعثت سے پہلے آپؐ ان سے کچھ متاثر ہوئے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ریت اور عیسائیت اور توریت و انجیل کی تعلیمات کا صحیح علم آپؐ کو بعثت کے بعد قرآن کریم کے اور اللہ تعالیٰ کے احکام رعبہ ہوا۔ اس معاملہ میں آپؐ کسی کے مرمون منت نہ تھے بلکہ ان ادیان کے متعلق بعض صحیح باتیں جو آپؐ کو بتائی گئیں رعبہ ہوا اور یہودیوں کو بھی معلوم نہ تھیں۔

تھا، جو کچھ بصری کے زاہب نے بہت سالوں پہلے کہا تھا، جو کچھ نجران کے بشپ نے مذہبی خطبوں میں کہا تھا اور جو کچھ آپ نے ایشیائے کوچک رشام ترکی وغیرہ میں سنا تھا تو کعبہ اور اس کے متعلقات میں آپ ایک قسم کی کمی محسوس کرنے لگے۔

سورج غروب ہونے کے بعد صحرا کا یہ مقدس مقام رکعبہ مرغیوں کے ڈربے کا سامنہ پیش کرتا تھا۔ خانہ کعبہ کے اندر مدہم سی روشنی میں تین سو ساٹھ پتھر کے بھڑے بت اور محبت بھرے ہوئے تھے۔ وہ عرب کے مختلف اطراف سے لائے گئے تھے۔ کچھ شام اور مصر سے آئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے جو قدیم عربی نسل کی نشانی سے زیادہ کچھ نہ تھے یہاں آکر کافرانہ پرستش کا حصہ بن گئے تھے۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے مجسمے بھی وہاں تھے جن کے سرو ہاتھوں میں الوہیت کے تیر دیئے ہوئے تھے جو جادو کا نشان علامت سمجھے جاتے تھے۔ اس سارے معاملے کی لغویت آپ پر روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی تھی ان مضحکہ خیز اور پتھر کے بھڑے اور بے شکل و صورت بتوں جن میں کچھ تولنگ کے نشا سے زیادہ نہ تھے اور بعض صرف بے شکل و شباهت پتھر ہی تھے، کی پرستش اور معرفت ان خیالات میں جو آپ کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے کوئی مطابق پیدا کرنا ناممکن تھا۔ لیکن تاحال اس کا کوئی حل آپ کے پاس نہ تھا۔ آپ معاملے پر جتنا زیادہ غور کرتے خود کو اتنی ہی الجھا ہوا پاتے۔

کچھ عرصے بعد جو سالوں پر پھیلا ہوا تھا۔ منفی نتائج چھٹ گئے اور ان کی جگہ دوسری تعمیری اور اصلاح مذہب کے خیالات نے لے لی۔ پہلے پہلے کچھ مبہم اور بعد میں بڑے واضح طریق پر حضرت محمدؐ ان باتوں پر استدلال کرتے رہے اور اس استدلال نے آپ کے ذہن کچھ ایسی شکل اختیار کر لی۔

حضرت آدمؑ کو یقینی طور پر ایسی بنیادی باتیں ضرور بتائی گئی ہوں گی جو تمام مذاہب کی بنیاد اور اصل ہوں گی۔ یہ لازمی طور پر سادہ اور تصنع سے پاک ہوں گی اور وہ سب ایک واحد خدا کے متعلق ہوں گی۔ کیا وہ خدا اب بھی موجود ہے؟ اگر وہ وہی خدا ہے جس نے کائنات تخلیق کی تو اسے ضرور موجود ہونا چاہئے کیونکہ کائنات خدا کی موجودگی کی بہت

دلیل ہے۔ چنانچہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ موجود ہے تو پھر اس کی پرستش ہونی چاہئے اور اس مقدس ترین ذات کو ہی ہر چیز کا منبع اور اصل تصور کرنا چاہئے۔ اب بھی اور آئندہ بھی۔ اور خاص کر مکہ میں اس ذات پاک کے تلاش کرنے میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ خدا اللہ ہی تو ہے۔ کعبہ کا خدائے وہ خدا جو عرب کے تمام مبہم اور غیر یقینی خداؤں سے جن کی عرب لوگ پرستش کرتے ہیں، زیادہ عزت والا اور عظیم ہے۔

ایسا فیصلہ کر کے حضرت محمدؐ عام ڈگر سے ہٹ کر کوئی اختلافی بات نہیں کر رہے تھے کیونکہ آپؐ کسی ایسے خدایا دیوتا کو اختیار نہیں کر رہے تھے جو صرف آپؐ کے نظریات کا ہی منظر ہو۔ پھر اللہ فونیقیوں کے دیوتا بعل یا یونانیوں کے دیوتا زئیس ZIUS کا نام بھی نہیں تھا۔ یہ تو 'ال' اور 'الہ' کا مرکب تھا۔ جس کے معنی خدایا معبود ہیں جس طرح 'اللات' 'ال'۔ 'اللات' کا محض اور خدا کی تائید کا منظر ہے۔ اللہ تعالیٰ کہ یہ بھی اس کا ایک نام ہے، کا مطلب عظیم ترین خدا ہے۔ یہ صورتحال تقریباً ایتھنز ATHENS والوں کی سی تھی کہ وہاں سینٹ پالؑ نے ان لوگوں کو بہت سی قربان گاہوں کے ساتھ ایک قربان گاہ کو ان دیکھے خدا کے لئے بھی وقف کرتے دیکھا۔

یہ خیالات حضرت محمدؐ کے ذہن میں آہستہ آہستہ ایک الجھے ہوئے ریاضی کے سوال کے عداد کی طرح جمع ہوتے جا رہے تھے لیکن کوئی واضح حل نظر نہیں آتا تھا۔ آپؐ کوئی عالم نہیں تھے اور ایک سفری گماشتے کا ذہن اپنے اس راستے کو ایک دم نہیں بدل سکتا تھا جس

لے بعل BALL فونیقی قوم کے رگ بعل رافاب، کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ سورج دیوتا کے استھان یا شہر کو بعلبک کہا گیا۔ جو تاحال لبنان میں موجود ہے۔ اس شہر کا قدیم نام ہیلی پولس HELEPOLIS تھے زئیس ZIUS یونانی علم الاضام کا سب سے بڑا دیوتا۔ کہتے ہیں کہ اس کی آسمانوں اور اجرام فلکی پر حکومت تھی۔

آٹھ ایتھنز ATHENS یونان کا ایک قدیم اور تاریخی شہر جو اب بھی یونان کا دارالحکومت ہے۔

سینٹ پال ST. PAUL عیسائیوں کے ایک بڑے سینٹ یا مذہبی رہنما۔

پردہ بیس سال سے چلا آ رہا تھا۔ علاوہ ازیں آپ کسی نئے مذہب کا اعلان بھی نہیں کر سکتے تھے جب تک کہ اس پر کامل یقین نہ ہو جائے۔ آپ ابھی تک ایک روحانی فیضان رکھنے والے مبلغ بھی نہیں بنے تھے۔ زیادہ سے زیادہ آپ ایک ایسے سابق تاجر تھے جو اپنے پیشے کے نکات کو خوب سمجھتے تھے لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ ایک نہایت پاکیزہ خیالات رکھنے والے انسان تھے۔

ان خیالات کو عام نہ کرنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ یوں تو حضرت محمدؐ کے بہت سے دوست تھے لیکن قابل اعتبار چند ہی تھے۔ آپ کی بیوی کے علاوہ ان کی تعداد تین سے زیادہ نہ تھی اور یقینوں بھی عمر اور سابقہ زندگی کے لحاظ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اور اگر حضرت محمدؐ درمیان میں نہ ہوتے تو وہ شاید کبھی بھی ایک دوسرے سے نہ مل سکتے۔

ان میں سب سے کم عمر حضرت علیؓ تھے۔ وہ حضرت ابوطالب کے صاحبزادے ہوئے کے سبب آپ کے چچیرے بھائی بھی تھے۔ اپنے چچا پر سے خاندان کا بوجھ کم کرنے کے لئے آپ نے ان کی کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اس وقت وہ ایک خوش مزاج، قوی الجثہ چودہ سالہ لڑکے تھے جو بچپن سے ہی اپنے عم زاد بھائی اور کفیل (حضرت محمدؐ) کو ایک عظیم شخصیت سمجھ کر ان کی عزت کرتے تھے۔

حضرت محمدؐ کے سب سے زیادہ قریبی اور واحد ہم عمر دوست عبداللہ بن عثمانؓ تھے۔ البتہ ان کو اس نام سے کوئی نہیں جانتا۔ لوگ انہیں عام طور پر 'الصدیق' (صادق) کہتے یا پھر زیادہ تر ابو بکرؓ کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے ابو بکرؓ (جو ان شتر کے باپ) کی کنیت کب اختیار کی لیکن تاریخ میں وہ اسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور میں یہ ہی استعمال کروں گا۔

حضرت ابو بکرؓ ایک امیر تاجر تھے اور بڑے غریب ماحول سے ترقی کر کے یہ درجہ اور دولت حاصل کی تھی۔ وہ بہت ہوشیار اور سمجھ دار تھے۔ ان کا قد چھوٹا، جسم چھریا اور سر بڑا

۱۔ بعض نے اس وقت آپ کی عمر دس گیارہ سال لکھی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

عقاب کا ساتھ تھا۔ سرخی بال چہرے پر چھدری ڈاڑھی تھی۔ حالانکہ آپ اپنی دولت سے مکہ کی عیاشانہ زندگی میں حصہ لے سکتے تھے۔ حالانکہ آپ شروع سے آخر تک حضرت محمدؐ کے دست راست رہے اور اسلام کے پہلے خلیفہ بھی بنے لیکن آپ کے سوچنے کا انداز اور رہن سہن کے طریقے درویشانہ تھے۔

حضرت محمدؐ کے تیسرے گہرے دوست زیدؓ ایک عیسائی نو مسلم تھے جنہیں حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے شام کے ایک محلے میں پکڑ لائے تھے۔ حضرت محمدؐ نے اس نوجوان میں دلچسپی لی تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں ذاتی غلام کی حیثیت سے آپ کو دے دیا۔ زیدؓ اس وقت بیس سال کے تھے چھوٹا قد سیاہ رنگ اور کچھ بد صورت، لیکن ہوشیار اور مالک کے وفادار۔ ایک روز جب ان کے کنبے والے انہیں تلاش کرتے ہوئے زرقندیہ لے کر انہیں غلامی سے چھڑانے کے لئے مکہ آئے تو حضرت زیدؓ نے ان سے علانیہ کہہ دیا کہ وہ یہاں ہی خوش ہیں اور گھر واپس جانے سے انکار کر دیا۔ محبت اور وفاداری کے اس اظہار نے حضرت محمدؐ کو بہت متاثر کیا۔ آپ ان سب کو لے کر کعبہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے زیدؓ کے والد کی موجودگی میں حجر اسود پر ہاتھ رکھا اور اعلان کیا جو صاحبان بھی یہاں موجود ہیں گواہ رہیں کہ زید میرا بیٹا ہے۔ اور میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا — اس طرح آپ نے زیدؓ کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اسے غلامی سے آزاد کر دیا لیکن ان کو ایک اور طرح سے منسلک کر لیا یعنی اپنی بوڑھی دایہ بکہ (ام المین) سے نکاح کر دیا۔ وہ اس نوجوان سے بیس سال بڑھی تھیں لیکن اس کے باوجود حضرت زیدؓ کا ایک بچہ ان سے ہوا جس کا نام اسماءؓ رکھا گیا اور جو بعد میں عساکر اسلام میں ایک مشہور جنرل بنے۔

لیکن اس کے باوجود کہ یہ عینوں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے آپ نے ان میں سے

اے زید بن حارثہ۔ بعض روایتوں کے مطابق ان کو ورقہ بن نوفل نے خرید کر حضرت خدیجہؓ کو پیش کیا تھا۔
 تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب اسلام صاحب حیاۃ محمدؐ ڈاکٹر محمد حسین بیگل (رقمطراز ہیں کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر خریدا۔ آپ نے حضرت زیدؓ کو آزاد کر کے متبنیٰ بنایا۔

کسی کو ابھی تک اپنا راز دار نہیں بنایا تھا اور شادی کے بارہ سال بعد تک حضرت خدیجہ کے علاوہ کسی اور کو ان روحانی تبدیلیوں کا علم نہیں ہوا جو آپ میں پیدا ہو رہی تھیں۔

ادھر حضرت خدیجہؓ جو ادھیڑ عمر کو پہنچ چکی تھیں، تا حال بہت خوش تھیں، ان کی جانب حضرت محمدؐ کی ملاطفت کچھ اور بڑھ گئی تھی اور آپ کو ان کا اب بھی اتنا ہی خیال تھا جتنا شادی کے وقت تھا۔ آپ نے حرم میں ان کی موجودگی کے دوران کسی وقت بھی ان کی کوئی رقیب لانے کے ہتک آمیز خیال کا اظہار تک نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ صحیح طور پر تو نہیں جانتی تھیں کہ ان کے شوہر کے ذہن میں کس قسم کے خیالات موجزن ہیں لیکن وہ نہ تو ان سے کوئی سوالات پوچھتی تھیں اور نہ ہی اس بات سے مشوش تھیں۔ وہ تجارت کی نگرانی کے علاوہ بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں۔ تمام توقعات کے برعکس ان نسبتاً عمر رسیدہ خاتون سے حضرت محمدؐ کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

سب سے بڑے لڑکے حضرت قاسم تھے۔ کچھ مشرقی مصنفین حضرت محمدؐ کو اب تک ابوالقاسم (قاسم کے والد) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن حضرت قاسم صغیر سنی میں ہی انتقال کر گئے اور ان کی وفات نے حضرت محمدؐ کو اپنے ذاتی حالات (یعنی بیٹے سے محرومی وغیرہ) بت پرستی کے عقائد میں آپ کی پرورش ہوئی تھی، اور ان کے متعلق اپنے شکوک و شبہات (یعنی بتوں کی لغویت اور ہر معاملے میں ان کی بے بسی) پر اور زیادہ غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ دوسرا لڑکا شیر خواہ گی میں ہی فوت ہو گیا۔ ساری لڑکیاں البتہ جوان ہوئیں لیکن تین آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئیں اور آپ کی صرف ایک صاحبزادی آپ کی وفات کے بعد

لے صاحبزادوں کے نام حضرت قاسم اور عبداللہ طیب و طاہر حضرت عبداللہ کے لقب تھے، اور صاحبزادیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور حضرت فاطمہ الزہرا تھیں۔

۲؎ آنحضرت صلعم کو بیٹوں کی وفات پر افسوس ہوا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ قاسم اور عبداللہ کی بیماری کے زمانے میں حضرت خدیجہؓ نے زمانہ اسلام سے پہلے بتوں کے نام جو قربانیاں دیں اور ندیں چڑھائیں وہ بچوں کو نہ بچا سکیں اس سے آپ کا یہ خیال کہ مارنے جلانے والا کوئی اور ہی ہے اور بت پتھر کے ٹکرے ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں اور راسخ ہو گیا۔ خیال بت پرستی کے مسلک کے خلاف تھا۔ (حیاء محمد)

صرف چھ ماہ تک، زندہ رہیں۔ اور یہ فاطمہؓ تھیں جو آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؑ کی بیوی بنیں۔ اور آج مسلمان ان کی اسلام کے ایک فرقے اور ایک وقت کے حکمران خاندان یعنی فاطمیوں کی جدہ یا مورث اعلیٰ کی حیثیت سے عزت کرتے ہیں۔ مزید براں انہیں موروثی امامیہ کی جدہ یا اُمّ الائمہ بھی کہتے ہیں۔

اگر حضرت محمدؐ کے لڑکے زندہ رہتے تو ہو سکتا ہے آپؐ کے خیالات بالکل مختلف ہوتے لیکن آپؐ کے کوئی چھوٹے لڑکے نہ تھے کہ ان کی تربیت کی فکر ہوتی چنانچہ مکے میں مذہبی اصلاح کی تحریک چلانے پر مسلسل غور و خوض کرتے رہے۔ بار بار آپؐ اپنے ذہن میں ان باتوں کو دہراتے جو کارروائی زندگی میں سنی تھیں۔ اور یہ خیالات اب آپؐ کو ایک اور نتیجے پر لے آئے۔

اور وہ یہ کہ حضرت آدمؑ کے قدیم اور اصل دین کو لوگوں نے خراب کر دیا تھا۔ اس خرابی

لے فاطمی خاندان جس نے مصر پر حکومت کی اور متعدد خلفاء ہوئے۔

لے مصنف نے یہاں پر موروثی خلفاء کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہاں اس کا مفہوم آئمہ طاہرین ہیں۔ یعنی حضرت امام حسن۔ حضرت امام حسین۔ امام علیؑ دین العابدین، امام محمد باقر۔ امام محمد جعفر۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام علی رضاؑ و امام محمد تقی۔ امام حسن عسکری اور امام منتظرؑ محمد مدی علیہم السلام۔

کلمہ یہودی اور عیسائی پہلے ہی بت پرستی کے خلاف تھے۔ ان کے علاوہ قریش میں سے ورقہ بن نوفل (عیسائی ہونے سے پہلے) زید بن عمرو، عثمان بن حویرث اور عبید اللہ بن جحش نے بت پرستی کے خلاف تحریک شروع کی۔

ان کا کہنا تھا کہ یہ پتھر کیا ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں اور نہ نفع و منفعت پر قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تحریکیں کامیاب نہ ہوئیں۔ ورقہ بن نوفل عیسائی ہو گئے۔ ظہور اسلام کے بعد عبید اللہ بن جحش مسلمان ہو گئے۔ زید بن عمرو عراق و شام چلا گیا اور اپنے آبائی مذہب سے متنفر ہی رہا۔ عثمان بن حویرث قسطنطنیہ جا کر عیسائی ہو گیا۔

(حیاء محمدؐ)

کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں یکے بعد دیگرے متعدد پیغمبر اور رسول بھیجے۔ حضرت نوحؑ ان میں سے ایک تھے۔ اسی طرح سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰؑ بھی پیغمبر تھے۔ ان میں سے حضرت ابراہیمؑ نے آپؐ کو خاص طور پر متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے دوسرے پیغمبروں کے برعکس وہ کسی خاص اعتقادی تعلیم کے لئے نہیں آئے تھے۔ حضرت محمدؐ کے نزدیک (قرآن کے الفاظ میں) نہ وہ یہودی تھے اور نہ عیسائی۔ بلکہ وہ یقینی طور پر حنیف اور ایک خدا کے پرستار تھے۔

ان نظریات نے آپؐ کی مزید غور کرنے میں رہنمائی کی۔ کیا حضرت عیسیٰؑ کو گزرے ہوئے چھ سو سال سے زیادہ نہیں ہو چکے تھے اور کیا یہ مناسب وقت نہیں تھا کہ مخلوق کی اصلاح کے لئے ایک اور پیغمبر آئے؟ کعبہ میں بے ترتیبی سے رکھے ہوئے تین سو ساڑھے تین یقیناً اس بات کی ضرورت محسوس کراتے تھے۔

اور جیسے ہی یہ خیال آپؐ کے ذہن میں سمایا تجارت میں آپؐ کی تمام دلچسپیاں کم ہوتی چلی گئیں اور جلد ہی بالکل ختم ہو گئیں۔ تنہائی اور گوشہ نشینی آپؐ کا مشغلہ بن گیا۔ کاروانی زندگی میں بھی کبھی کبھی آپؐ کو اس کی شدید خواہش پیدا ہوتی تھی جو آپؐ نے کچھ عرصہ بھیڑیں چرا کر پوری کر لی تھی لیکن اب چونکہ آپؐ مکہ کے بہت اہم شہریوں میں سے تھے آپؐ کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اب آپؐ نے صرف یہ ہی نہیں کیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا کم دیا اور اپنے کاروانی سفر کے ساتھیوں میں بھی شاذ ہی نظر آتے تھے بلکہ اب آپؐ نے گھر سے غائب رہنا شروع کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اس میں کوئی

لے یوحنا — انجیل میں انہیں جان بپتسمی JOHN BAPTIST اور

عربی میں یوحنا کہتے ہیں۔ قرآن میں ان کا نام حضرت یحییٰؑ آیا ہے۔ آپؐ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم عمر اور ہم زمانہ نبی تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اور ظہور کی خبر لوگوں میں آپؐ نے ہی پھیلانی بعد میں حکومت نے گرفتار کر کے آپؐ کو قتل کر دیا۔

فل نہ دیا۔ انہوں نے حتی الامکان آپ کی مدد کی لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتی تھیں حضرت
مذکر کے دل میں جو لاوا کھول رہا تھا اس کے لئے آپ کو انسانی دنیا سے قطعی علیحدگی اور خلوت
کی ضرورت تھی۔

جو جگہ آپ نے اپنی گوشہ نشینی کے لئے تلاش کی وہ جبل حرا کی چوٹی تھی جو مکہ سے چند
میل کے فاصلے پر ہے۔ حرا کی چوٹی پر ایک بہت بڑی چٹان تھی جس کو ریت کی رگڑ اور
ہوا کے جھکڑوں نے درمیان سے پھاڑ کر ایک بڑا شگاف ڈال دیا تھا۔ یہ پہاڑی چٹان
صحرائے عرب کے سورج کی خیرہ کن روشنی میں الگ تھلگ کھڑی تھی۔ نہ یہاں سرسبزی تھی
ور نہ پانی۔ اس کے ایک بازو میں ایک چھوٹا سا اندھیرا غار تھا۔ یہاں پر حضرت محمدؐ دن
در بعض اوقات کئی کئی دن اور راتیں خاموش عبادت، غور و فکر اور مراقبے میں گزارتے تھے

لے ابھی آپ حضرت خدیجہ کی ملازمت میں ہی تھے کہ حضرت خدیجہ کو آپ کے کسی وقت میں نبی ہو جانے کا یقین ہو گیا
تھا ایک مرتبہ مین سے قافلے کی واپسی پر آپ نے دیکھا کہ حضورؐ کے سر پر کوئی چیز سایہ کئے ہوئے ہے۔ ادھر پیرو
نے ایک مرتبہ شام کے سفر سے واپسی پر بتایا تھا کہ نسطور اراہب نے آپ کے نبی آخر الزماں ہونے کی پیش گوئی کی ہے۔
ادھر ورقہ بن نوفل کو بھی مکمل یقین تھا کہ آپ نبی ہوں گے اور اسی لئے سب سے پہلی وحی کی ورقہ نے ہی تصدیق
کی تھی۔ ان حالات میں حضرت خدیجہ شادی کے بعد بعثت سے پہلے آپ کو غور و فکر میں ڈوبے رہنے۔ غار حرا میں
جا کر مراقبے کرنے اور عبادت کرنے سے قطعی منع نہ کرتی تھیں اور بچوں کے علاوہ تجارت کا کام بھی خود سنبھالتی تھیں۔
ورقہ حضرت خدیجہ کو مسلسل یقین دلاتے رہتے تھے کہ آنحضورؐ ضرور نبی ہوں گے۔

لے ملاحظہ ہو نقشہ باب اول۔

تھے آنحضورؐ ان دنوں میں روزے رکھتے اور عبادت کیا کرتے تھے مسلسل غور و فکر کے بعد آپ کو عالم رویا میں
حقائق کا انکشاف ہونے لگا کہ کوئی حقیقت مطلق ساری کائنات پر حاوی ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔
عوام بت پرستی اور گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں یہودیوں اور عیسائیوں کی تعلیمات میں بھی حقیقت کی جانب سیلان کے باوجود
پرستی کا رنگ جھلکتا ہے۔ ضرور اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے جہاں سزا و جزا ہوگی۔ ضرور کوئی ایسی عظیم حقیقت ہے
جو اس ساری کائنات کی خالق ہے اور وہ اللہ کی ذات ہی ہو سکتی ہے۔ سب سے بلند۔ سب سے مادی (حیاة محمدؐ)

ایک ان ایام میں بہت کم کھاتے اور بہت کم سوتے تھے۔ نتیجاً ایک اعصابی تناؤ رہنے لگا اور یہ باتیں آپ کی چند سال پہلے کی تجارتی فارغ البالی کی زندگی سے بالکل مختلف تھیں۔

ان روزوں اور شب بیداریوں نے قدرتی طور پر ایک ایسے شخص کی صحت پر برا اثر ڈالا جو پیٹ بھر کر کھانے، ورزش کرنے اور کھلی ہوا میں رہنے کا عادی تھا۔ کم خوابی کے علاوہ آپ کو عجیب و غریب خواب نظر آنے لگے جو جاگنے پر آپ کو من و عن یاد رہتے اور آپ گھبرا کر حضرت خدیجہؓ کو سنا تے اور کبھی کبھی تو آپ بے ہوش ہو جاتے اور دیر تک فرش پر بے دم ہو کر پڑے رہتے اور کبھی کبھی آپ پر شدید اعصابی دورے پڑتے۔

انہی دوروں کے سبب بعض لوگوں نے یہ کہانی گھڑی کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔ تا حال یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ کافی لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ پر مرگی کے دورے پڑتے تھے لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جو بڑے وثوق اور دعوے سے کہتے ہیں کہ ان دوروں کا سبب وہ وجدانی کیفیت تھی جو آپ پر یہ جان کر طاری ہوتی تھی کہ ضرور کوئی ایسی طاقت ہے جو کعبہ کے خداؤں کے مقابلے میں لامحدود، برتر اور بہتر ہے۔ یوگ کے متعلق جو کچھ ہیں آج معلوم ہے اور جس کیفیت کو ہندوستانی یوگی اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں اس کے پیش نظر یہ نظریہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت محمدؐ کے متعلق صحیح حالات جو اس زمانے کے راویوں اور حضرت خدیجہؓ کے بیان کردہ ہیں یہ ہیں۔ پہلی وحی نازل ہونے سے کچھ پہلے یعنی جب آپ انا لیس یا چالیس سال کے تھے اور بعد میں ساری عمر وحی آنے پر آپ پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا اور بعد ازاں بے ہوش ہو جاتے اس کیفیت میں آپ کو بے حد پسینہ آتا خواہ موسم کتنا ہی سرد کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات آپ کافی دیر تک زور سے آنکھیں بند کئے لیٹے اور کراہتے رہتے تھے۔

حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ آپ پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اس کا آپ کو

۱۔ یہ مغربی مصنفین ہی ہو سکتے ہیں۔

۲۔ یوگ۔ مصنف نے علم معرفت و تصوف سے ناواقفیت کی بنا پر یوگ کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ

رسول کریمؐ کی وحی کے نزول کی کیفیت کو یوگیوں کے دم سادھ لینے وغیرہ کی مثال سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔

شدت سے احساس تھا لیکن حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کی بعض دوسری ازدواج کے علاوہ صرف
بند لوگوں نے ہی آپؐ کو اس حالت میں دیکھا۔ اس کے علاوہ یہ واضح رہے کہ حقیقی دیر کیفیت
طاری رہتی آپؐ کبھی کوئی اہم بات زبان سے نہ کہتے۔ اور وحی ختم ہو جانے کے بعد نازل شدہ
نرانی آیات کا ایک ایک لفظ واضح اور صاف طور پر لکھا دیتے۔ ہر ڈاکٹر اور طبیب اس
بات کی تصدیق کرے گا کہ مرگی کا کوئی مریض ہوش میں آتے ہی واضح خیالات کے اظہار
ورہوشمندی کی باتیں نہیں کرتا اور نہ ہی ایسے مریض جسمانی طور پر اتنے صحت مند ہوتے ہیں
جتنا حضرت محمدؐ اپنی وفات کے ایک ہفتہ پیشتر تک تھے۔

بہر حال خواہ یہ مرگی تھی یا لیریا یا وجدانی کیفیت اس کی کوئی اہمیت نہیں، خواہ
اس پر کتنا کچھ نہ کہا گیا ہو۔ مرگی کے سبب کبھی کوئی پیغمبر یا حکمران نہیں بنا اور نہ ہی مرگی
نے کسی کو بلند مرتبے اور اقتدار پر پہنچایا خصوصیت سے اس زمانے میں ایسی حالت والے
کو آسیب زدہ یا پاگل کہتے لیکن اس زمانے میں بھی اگر کسی شخص کو واضح طور پر ہوشیار اور ہوشمند
کہا جاسکتا تھا تو وہ حضرت محمدؐ تھے۔

سب سے پہلی وحی الہی ﷺ میں نازل ہوئی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور حضرت محمدؐ روزے
رکھنے، عبادت کرنے اور مراقبے کے لئے کوہ حرا پر گئے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور
القدر (برکتوں والی) رات شروع ہو گئی تھی۔ قرآن کی رو سے شب قدر ہزار راتوں سے

لے ابو جعفرؑ سے مروی ہے کہ آنحضورؐ کو، رمضان المبارک دو شنبے کو غار حرا میں نبوت ملی آپؐ اس وقت چالیس سال کے تھے
طبقات ابن سعد جلد اول، طبری نے ہشام بن محمدؑ سے بھی یہی روایت کی ہے۔

لے کہ حرا جیل حرا کو تقدس کے سبب جبل نور کہا جاتا ہے۔ آنحضورؐ بعثت سے پہلے بھی ہر سال ایک ماہ غار حرا میں بسر کرتے
تھے۔ قریش اسی طرح عزت گزین ہو کر عبادت کرتے تھے آپؐ غار حرا میں جا کر روزے رکھتے، بیاضت کرتے اور جو سائیں
وہاں آتے انہیں کھانا کھلاتے تھے۔ (تاریخ طبری، جلد اول، حصہ سوم)

۳۔ القدر۔ یہ تیسویں پارے کی سورۃ قدر کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ سلام
ہی حتی مطلع الفجر ۵ اس سورۃ کا مفہوم اور بتا دیا گیا ہے۔

بہتر ہے جس میں صبح ہونے تک ساری رات سلامتی اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں عربوں کا مقلد ہے کہ اس رات فرشتے دنیا میں اترتے ہیں اور جبریل امین آسمانوں سے اللہ تعالیٰ کے فرامین لاتے ہیں۔

حضرت محمدؐ غار کے چٹانی فرش پر چادر اوڑھے لیٹے تھے اور کچھ غنودگی میں تھے۔ اچانک ایک عجیب، واضح لیکن ایسی آواز نے، کہ اس سے پیشتر کبھی نہیں سنی تھی، آپؐ کو جگا دیا۔ آواز دو مرتبہ آئی اور ہر دفعہ زیادہ تاکید سے حضرت محمدؐ نے جنوں کے واسطے کے سبب اس طرف سے کان بند کرنے کی کوشش کی لیکن آواز میں تو اتر رہا اور کچھ زیادہ بلند ہوئی۔ اس کا اثر اتنا پریشان کن تھا کہ آپؐ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو ایک سر تاپا نور فرشتے کو انسان کی شکل میں اپنے سامنے کھڑا پایا۔ وہی آواز ایک مرتبہ پھر ابھری۔ اس نے کہا۔

”اِقْرَأْ“ (پڑھو)

”میں نہیں پڑھ سکتا“ حضرت محمدؐ نے جواب دیا۔

”اِقْرَأْ“ (پڑھو) فرشتے نے اصرار کیا۔

”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ (پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے

پیدا کیا۔)

”خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ“ جس نے انسان کو لہو کی ایک پھٹکی سے پیدا کیا۔

”اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ“ (پڑھو۔ بلند ترین خدا کے نام کے ساتھ۔)

”الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ“ جس نے انسان کو قلم کا استعمال سکھایا۔

”عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ“ اور سکھایا انسان کو جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔

(سورة العلق)

حضرت محمدؐ نے جن میں عجیب طبع پر حملہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان الفاظ کو دہرایا یہاں تک

۱۰ معتبر کتابوں سے روایت ہے کہ آپؐ کے یہ کہنے پر فرشتے نے آپؐ سے معاف کیا اور آپؐ سے بے غلگیر ہوا۔ بعد ازاں

آپؐ میں حوصلہ پیدا ہو گیا اور آسانی سے الفاظ کو دہرایا اور یاد کر لیا۔ (طبری)

زبانی یاد ہو گئے۔ اور آپ نے یہ سبق ختم کر لیا تو فرشتے نے کہا۔

”اے محمدؐ۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں اس کا فرشتہ

جبرئیل ہوں۔ یہ کہ کر فرشتہ غائب ہو گیا۔

حضرت محمدؐ کے اس جواب نے کہ آپ نہیں پڑھ سکتے تھے ایک اور بحث کا آغاز کر دیا

بانی اسلام کے مخالف اور موافق دونوں قسم کے لوگوں نے ہی اس پر بڑی بحث کی ہے۔

کہ کہنا ہے کہ آپ بے پڑھے تھے لیکن بعض کا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ دونوں نظریات

غلط یا صحیح ثابت کرنے کے لئے کوئی مستند شہادت موجود نہیں ہے۔

اس زمانے میں پڑھنا لکھنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ جب آپ کے چچیرے بھائی علیؓ

لکھنا جانتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے اپنے بیٹے کو تو تعلیم دلائی اور

نے بھتیجے کو، جو ان کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے تھے، بے پڑھا رکھا؟ حضرت ہاشم

عبدالمطلب جیسے امیر تاجروں کے گھرانے کے ایک فرد کی تعلیم کے متعلق کیوں اتنی غفلت

تی گئی؟ اس کی ایک ہی ممکن وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت محمدؐ کو بچپن سے ہی تجارت میں

لے جانے کے سبب باقاعدہ تعلیم کا وقت نہ ملا۔

قرآن کے بعض انگریزی ترجموں میں حضرت جبرئیل کے حکم READ (پڑھو) کی بجائے

RECITE (پڑھو۔ دہراؤ) یا CRY (بلند آواز سے پڑھو) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں عربی

لفظ ”قراء“ جو قرآن کا مادہ ہے، کے معنی زبانی دہرانا یا خطاب کرنا بھی ہو سکتے ہیں، لیکن

بی دالے جھگڑے کی طرح اس بات کی بھی کوئی اہمیت نہیں کہ حضرت محمدؐ ناخواندہ تھے یا نہیں۔

بات آپ کے کردار یا آپ کی عظمت کو کسی طرح سے بھی متاثر نہیں کرتی۔ قرآن خواہ کسی صورت

سے نازل ہوا یہ اپنی جگہ ایک شاہکار ہے اور یہ کہ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، یا حضرت زیدؓ

نے حضرت محمدؐ سے سن کر اس کو لکھایا نقل کیا کوئی فرق نہیں پیدا کرتا۔

جو نہی حضرت محمدؐ اس روحانی مظاہرے کی کیفیت (وحی) سے ہوش میں آئے آپ

و حضرت خدیجہؓ کا خیال آیا۔ اپنے ہوش مجتمع کر کے غار کے فرش سے اٹھے اور پہاڑی

سے اتر کر صحرا کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ جب آپ جھاڑیوں میں الجھتے اور ٹھوکریں

کھاتے مکہ کی تنگ گلیوں میں داخل ہوئے توافق پر صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا کپکپاتے پریشان اور بڑکھڑاتے آپ حضرت خدیجہؓ کے کمرہ میں پہنچے۔ ان کو جگایا، جو کچھ دیکھا تھا کہہ سنایا۔ ایک لمحے تو آپ ان کی طرف ٹکٹکی باز دھے دیکھتے رہے اور اس پہلے کہ وہ حضرت خدیجہؓ، اس حیرانی سے اپنے آپ کو پوری طرح سنبھالیں اور کچھ کہہ آپ نے اچانک ایک درد بھری چیخ ماری۔ وہ سمجھ گئی کہ ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔

حضرت محمدؐ کا منوں اور قسمت کا حال بتانے والوں سے ہمیشہ نفرت کرتے تھے آپ کے نزدیک مافوق الفطرت باتوں کی آڑ لے کر فائدہ اٹھانا ایک چال بازی تھی اور آپ بہت برا سمجھتے تھے۔ لیکن اس وقت آپ خود راہی ہی ایک بات سے دوچار تھے، یہ معمول بنے نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ اب جبکہ آپ حضرت خدیجہؓ کے کمرے میں والی پینچ چکے تھے جہاں سوزج کی شعائیں روشندانوں میں سے اندر آرہی تھیں آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ آپ نے دیکھا کہیں خواب تو نہ تھا یا پھر اس سے بھی بڑا یہ کہ آپ پر کس آسیب کا اثر تو نہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ کو اپنے شوہر سے بہت محبت تھی اور شادی کے بارہ سال بعد اس میں کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔ اب جبکہ آپ ان کے سامنے سوالیہ نگاہیں، بغیر کنگھا کئے ڈاڑھی بال اور غار کی گرد اپنے کپڑوں پر لٹے کھڑے تھے تو انہوں نے اپنے دل میں آپ کے لئے ایک بچے کا سا گہرا پیار محسوس کیا۔ آپ ان کے شوہر تھے اور اس وقت بہت تکلیف اور پریشانی میں تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپ کی محبت امنڈ آئی۔ آپ نے حضرت محمدؐ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی تسلی دی اور سنجیدگی سے کہا۔

”اللہ ہی میرا حافظ و ناصر ہے۔ اے ابوالقاسم“ وہ اپنے گزرے ہوئے صاحبزادے قاسمؓ کے واسطے سے آپ کو ابوالقاسم کی کنیت سے خطاب کرتی تھیں ”پیارے شوہر! آپ کو بشارت ہو۔ اور آپ سلامت رہیں۔ میں

خدا کو جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ آپ اس کی
 ق میں اس کے نبی اور پیغمبر ہوں گے۔“ اور پھر انہوں نے کہا —

”کیا آپ ہمیشہ صلہ رحمی کرنے والے، پڑوسیوں پر مہربان، غریبوں کی امداد کرنے والے
 کی تواضع کرنے والے، وعدہ کے پابند اور حق کے طرفدار نہیں رہے ہیں؟“

ان جو صلہ افزا باتوں سے حضرت محمدؐ کی پریشانی کچھ کم ہوئی۔ آپؐ مسکرائے۔ حضرت
 نے آپؐ کو بازوؤں میں لے لیا اور کچھ دیر آپؐ کو دباٹے رکھا۔ پھر مشورہ دیا کہ آپؐ کچھ
 ام کریں۔ یہ کہہ کر وہ دوڑی ہوئی درقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔
 درقہ اب بوڑھے ناتواں اور نابینا ہو گئے تھے۔ وہ اپنی چٹائی سے مشکل سے ہی اٹھتے تھے

حضرت خدیجہؓ کے بیان کردہ واقعات سن کر وہ اٹھ بیٹھے اور بلا کسی تامل کے انہوں نے
 بات خدیجہؓ کو یقین دلایا کہ جو کچھ حضرت محمدؐ نے بتایا ہے وہ یقینی طور پر سچ ہوگا کیونکہ ان
 کو ہر اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور اپنے
 کا پیغام سننے کے لئے حضرت محمدؐ کے پاس تیزی سے واپس آئیں۔ آپؐ کے لئے اس
 زیادہ اور کیا خوشی کی بات ہو سکتی تھی۔ کیونکہ آپؐ کو درقہ پر بڑا یقین تھا۔ اور آپؐ نے ہمیشہ
 اس کیا کہ وہ ایک ایسے شخص ہیں جو بڑی مستند بات کہتے ہیں۔

حضرت محمدؐ ایک مرتبہ پھر سو گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو چادر اڑھادی اور چٹائی لے
 کر بیٹھ کر دیکھنے لگیں۔ جلدی ہی ایک مرتبہ پھر آپؐ کانپنے اور کراہنے لگے اور پسینے کے
 لے آپؐ کی پریشانی پر نمودار ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ پر اور کپڑے ڈال دیئے۔ کچھ دیر
 کراہتے اور بڑبڑاتے رہے۔ پھر آپؐ تن کر اٹھ بیٹھے۔ اور اپنے سامنے کی طرف ٹکٹکی
 لئے دیکھتے رہے۔ جیسے آپؐ کسی کی بات سن رہے ہوں۔ کچھ دیر بعد آپؐ نے یہ الفاظ اس
 ح ادا کئے جیسے سبق دہرا رہے ہوں۔ (بسم اللہ الرحمن الرحیم)

لے چٹائی۔ عرب میں چارپائی کا دستور نہیں۔ ہر شخص چٹائی یا گدایا تالین بچھا کر سوتا ہے۔ اللہ کے نبی بھی سب
 طرح چٹائی پر ہی آرام کرتے تھے۔

يَا أَيُّهَا الْمَدْبُرُ ۖ قُمْ فَانْزِرْهُ ۖ
 وَرَبِّكَ فَكْبِرْ ۖ وَثِيَابُكَ فَطَهِّرْ ۖ
 وَالرِّيحُ زَافِرٌ ۖ
 اور نجاست کو چھوڑ دے۔
 (سورۃ مدثر)

پھر حضرت محمدؐ کی آواز کم ہوتی چلی گئی لیکن آپؐ مسلسل اسی طرف دیکھتے رہے۔ جیسے وحی کی توقع ہو لیکن جب اور کچھ نہ ہوا تو آپؐ بیوی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "خدیجہؓ اور سونے کا وقت گزر گیا۔ جبرئیلؑ نے مجھے یہ حکم پہنچایا ہے کہ لوگوں کو اللہ کا خوف دلاؤں اور انہیں اس کی عبادت کی طرف بلاؤں۔"

یہ کہہ کر آپؐ کھڑے ہو گئے اور ورقہ سے بات کرنے کے لئے تیزی سے روانہ ہوئے۔ بوڑھے ورقہ ان کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔ حضرت محمدؐ سے حال سننے کے بعد حضرت خدیجہؓ کے ہاتھ بھیجے ہوئے پیغام کی تصدیق کر دی اور مزید کہا۔

"میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی مخلوق کے لئے پیغمبر جن لیا ہے اور عظیم ناموس جو اللہ کا معتبر فرشتہ ہے آپؐ کے پاس آیا تھا۔ یہ لوگ آپؐ کو جھٹلائیں گے، طرح طرح کی تکلیفیں دیں گے۔ یہاں سے نکال دیں گے اور آپؐ کے خلاف لڑیں گے۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا اور آپؐ کے لئے لڑ سکتا۔"

پھر ورقہ نے آپؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ حضرت محمدؐ نے اپنے اس عزیز کا شکریہ ادا کیا اور فکر میں ڈوبے ہوئے گھر کی طرف چل دیئے۔ ورقہ کے بے ساختہ جوش اور ولولے نے آپؐ کا

۱۔ سورۃ مدثر۔ پارہ ۲۹۔ چوتھویں سورۃ۔ یہ شروع کی پانچ آیتیں ہیں۔

۲۔ سیرۃ الرسول رسولنا دارث کامل (صفحہ ۵، ۴، ۳)۔

۳۔ آپؐ کی یہ ملاقات کچھ دن بعد بیت اللہ میں ہوئی اور یہ باتیں انہوں نے آپؐ سے وہاں کہیں (طبری) کہہ ناموس۔ اللہ کا عظیم اور معتبر فرشتہ حضرت جبرئیلؑ۔

سیرۃ الرسول (صفحہ ۵، ۴، ۳)۔

صلہ بڑھا دیا۔ اور غار میں جو کچھ پیش آیا تھا اب وہ اتنا ہی صحیح اور واقعی معلوم ہونے لگا جیسا دیکھنے وقت نظر آتا تھا۔

ورقہ کی یہ یقین دہانی آپ کے لئے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ آپ ایک سچے اور مخلص مان تھے اور اس بات کا یقین کر لیا جاتے تھے کہ جن احکام الہی اور اس کے پیغامات کا آپ لان کرتے ہیں وہ آپ کے اپنے تخیل کی پیداوار تو نہیں۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ جو بات کہیں اللہ کی جانب سے ہی کہیں۔ درحقیقت آپ اتنے محتاط تھے کہ آپ چاہتے تھے کہ جو لانات بھی کریں اس میں کسی انسانی دخل یا اثر کا شائبہ تک نہ ہو۔ اسی لئے اکثر و بیشتر باور احکام کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے حکم "قل" (کہہ دو اے محمد) سے شروع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن میں سے کہیں سے لی ہوئی ایک آیت اس طرح شروع ہوتی ہے۔ "کہہ دو موت کا فرشتہ جس کو تمہارے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ تمہاری جان نکال لے گا اور تمہیں مردہ بنا دے گا۔ پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔"

اسی طرح قرآن کی ایک کے سوا تمام سورتیں اس طرح شروع ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیرانی کی بات یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے اس قدر بلا تامل اس بات کی تصدیق اس طرح کر دی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں تھی کہ وہ پہلے تین مذہب مل چکے تھے اور اب چوتھا اختیار کر لینا ان کے نزدیک ایک اچھا خیال تھا۔ یا ان کو کوئی روحانی فیضان حاصل تھا یا ان کو حضرت محمد کو آئندہ ملنے والی عظمت کا احساس ہو گیا تھا؟ جو کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ابتدا میں اس نئے دین کو آگے بڑھانے میں ورقہ کا بڑا ہاتھ تھا۔

بہر حال سکون اور حوصلہ ملنے کے باوجود حضرت محمد نہیں جانتے تھے کہ انہیں آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔ ایک مایوسی کا سا احساس آپ پر طاری ہونا شروع ہو گیا۔ اور کچھ روز بعد تو آپ پریشان رہنے لگے اور ذہن میں ایسے خیالات جگہ لینے لگے کہ اگر یہ سب کچھ

قدرت کا ایک کھیل یا مذاق ہوا تو کیا بنے گا؟ اور اگر مزید دجی نہ آئیں تو کیا ہوگا؟ آپ شدت سے جبرئیل امین کے منتظر تھے کہ مزید نشانی لائیں لیکن وقت گزرتا گیا اور کوئی فرشتہ نہ آیا۔ آپ پریشان ہو کر رہ گئے اور پھر غوت نے آپ کو گھیر لیا۔ آخر کار قطعی مایوسی کی حالت میں آپ غار حرا واپس گئے جیل حرا بالکل ویسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسا ہمیشہ تھا۔ یعنی صحرا کے سورج کی روشنی میں چکا چوند کرتا جھلملاتا اور خشک۔ حضرت محمدؐ اس نتیجے پر پہنچے کہ انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی بے وقوف بنا لیا ہے۔ اور آپ نے خود ہی کچھ کیا ہے جس کا مذاق اڑاتے تھے۔ آپ نے یہ باتیں پھیلا کر خود کے کاہن ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اپنی بیوی کو بلا وجہ اپنے نبی ہونے کا یقین دلادیا ہے کہ آپ اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ آپ شرم سے پانی پانی ہو گئے اور تیزی سے دھوپ میں چمکتی عمودی چٹان پر پہنچے تاکہ خود کو نیچے گرا دیں اس شرم سے بچنے کے لئے اب آپ کے پاس یہ ایک ہی بات رہ گئی تھی لیکن جو نبی آپ نے کنارے سے آگے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا جو آپ کو موت کی دادی میں لے جاتا آپ نے جبرئیلؑ کو دیکھا جنہوں نے ہاتھ اٹھا کر آپ کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اور اسی صاف اور جانے پہچانے لہجے میں بلند آواز سے کہا۔

”میں جبرئیل ہوں اور آپ محمدؐ۔ اللہ کے رسول“

اے واقعہ یہ تھا کہ آغاز دجی کے بعد کچھ روز تک سلسلہ دجی منقطع رہا۔ اس نئے آپ پریشان اور مایوس ہو گئے اور مایوسی کے سبب آپ نے کئی مرتبہ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا ناپا ہا پھر آپ نے غار حرا میں جا کر خشوع و خضوع سے بارگاہ ایزدی میں دعا کی: ”یا اللہ تو نے پہلے ہی مجھے کیوں اس اعزاز و اکرام سے نوازا تھا۔ اب اس بیزاری اور بے توجہی کا کیا سبب ہے“ حیاۃ محمدؐ (سیرۃ الرسول)۔ صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱

اے کاہن۔ قیافے یاد گیر طریقوں سے آئندہ کا حال بتانے والا۔ دھوکے اور فریب سے کمانے والا زمانہ جاہلیت میں اس کا عام رواج تھا۔ رسول کریمؐ ایسے کاہنوں کو بہت برا سمجھتے تھے۔ البتہ عیسائی کاہن بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انجیل میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت زکریاؑ کو بھی کاہن کہا ہے۔

یہ کہہ کر فرشتہ غائب ہو گیا اور حضرت محمدؐ چٹان کے کنارے کھڑے رہ گئے۔ آپؐ نے قدم اٹھانا چاہا لیکن آپؐ کے اعضا سن ہو گئے۔ آپؐ کی گویائی ختم ہو گئی اور آپؐ کی حالت ایک بے حس و حرکت مریض جیسے کی سی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جبرئیلؑ آپؐ کو گر کھینٹ پھینٹ ہونے سے صرف اس لئے بچا گئے تھے کہ آپؐ معنوب ہو کر بھوکوں مر جائیں۔ آپؐ شاید ایسا غرور کر گزرتے لیکن حضرت خدیجہؓ کے خیال نے روک دیا۔

حضرت خدیجہؓ جانتی تھیں کہ اس وقت ان کے شوہر سخت ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں چنانچہ جب آپؐ صحران کی طرف روانہ ہوئے تو وہ سمجھ گئی تھیں کہ آپؐ کہاں گئے ہوں گے اور جب آپؐ واپس نہ آئے تو انہوں نے ایک آدمی آپؐ کی تلاش میں بھیجا۔ آپؐ اس کو سکتے کی سی حالت میں چٹان کے کنارے کھڑے ملے۔ وہ آپؐ کو گھر لے آیا۔ اس طرح حضرت خدیجہؓ ایک مرتبہ پھر انجانے طور پر اسلام کی حفاظت کر رہی تھیں۔ کیونکہ اگر حضرت محمدؐ تنہا ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ آپؐ ان پریشانیوں اور اضطراب میں اپنی جان دے دیتے۔ اگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا تو کچھ تو اس میں آپؐ کے اپنے ارادے کی مضبوطی کا دخل تھا لیکن اس کی بڑی وجہ آپؐ کی عمر رسیدہ بیوی کی شفقت اور سمجھ بوجھ تھی۔ انہوں نے اس سارے عرصہ میں کسی وقت ذرا سی بھی بے یقینی یا بے اعتباری کا اظہار نہیں کیا اور ہر وقت آپؐ کی حوصلہ افزائی کرتی رہتی تھیں اور غالباً ان کی اس وفاداری اور ایثار نے ہی ان کے متعلق قرآن میں آپؐ پر لکھا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَالضُّحٰی ۝

قسم ہے دوپہر کی چڑھتی دھوپ کی

اسے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اس خیال کے گرد و کا حامی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وحی خیال کی صورت میں آتی تھی اور آپؐ اسے الفاظ کا جامہ پہنتے تھے۔ اس نظریے کا کئی جگہ اعادہ کیا ہے جمہور کا عقیدہ یہ ہے کہ وحی الفاظ کی صورت میں نازل ہوتی تھی۔ اور آپؐ اسے من دعن لکھا دیتے تھے۔ قرآن کی بے مثال زبان خود اس کی دلیل ہے۔ خود عرب کہتے تھے کہ یہ انسان کا لکھا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

وَاَلَيْلَ اِذَا سَجَى ۝
 مَا وَدَّعْتَ رَشِيكَ وَمَا قُلَى ۝
 وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُولٰى ۝
 وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝
 اَلَمْ يَجْعَلْكَ يَتِيْمًا وَاوٰى ۝
 وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى ۝
 وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰى ۝

اور رات کی جب وہ چھا جاوے
 نہ تیرے رب تجھے چھوڑا اور نہ بیزار ہوا
 اور البتہ آخرت بہتر ہے پہلی زندگی سے
 اور آگے دے گا تیرا رب پھر تو راضی ہوگا
 کیا نہ پایا اس نے تجھ کو یتیم۔ پھر تجھ کو پیادہ دی
 اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ دی
 اور پایا تجھ کو مفلس پھر غنی (دو لہتمند) کر دیا

دسورۃ والضحیٰ - پارہ عم

یوں تو حضرت محمدؐ کی زندگی میں آئندہ اور عورتوں کو بھی آنا تھا لیکن ان میں سے کوئی
 بھی ایسی نہ تھی جس کے متعلق آپؐ کے جذبات اتنے پر خلوص اور ملو از تعریف ہوں جتنے
 حضرت خدیجہؓ کے لئے تھے۔ ان کا اپنے محبوب شوہر میں بلا تصنع اور پر خلوص اعتماد ہی اس
 دین میں اس کے ابتدائی مراحل میں یقین پیدا کرنے اور اسے سچا ثابت کرنے کا موجب بنا وہ
 دین کہ آج دنیا کی آبادی کا ہر سا توں آدمی اس کا پیروکار ہے۔ حضرت محمدؐ کے بعض سوانح نگار
 اس میں الجھے ہوئے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے اپنی زندگی روحانیت کے ایک پر جوش علمبردار کی
 حیثیت سے شروع کی یا رنعود باللہ! ایک شاطر اور نبوت کے جھوٹے دعویدار کی شکل میں
 حضرت خدیجہؓ ان کے اس سوال کا خاطر خواہ جواب دیتی نظر آتی ہیں اور وہ اس طرح
 یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت خدیجہؓ جیسی فہم و فراست رکھنے والی
 خاتون ایک ایسے شخص کو پہلے اپنا سالار کارواں، پھر اپنے تجارتی ادارے کا مہتمم اور آخر
 میں اپنا شوہر بنائیں جو نبوت کا شاطر اور جھوٹا دعویدار ہو۔ یا صرف جھوٹا دعویدار ہی ہو چاہا
 نہ ہو اور نہ ہی اس بات کا امکان غالب ہے کہ آپؐ جیسا خاندانی اور با اثر مدعی نبوت اتنے
 یقینی اور منفعت بخش سنہری موقعوں سے اتنا کم فائدہ اٹھاتا۔ اور نہ ہی ایسا ممکن معلوم
 ہوتا ہے کہ ایک ایسے کردار کا شخص رنعود باللہ جھوٹا مدعی، ایک دولت مند مالک سے
 شادی کر کے اس کے مرنے تک اس کا وفادار رہتا اور اس شادی کے منفعتی پہلوؤں کو

ہوائی الہامات کی خاطر نظر انداز کر دیتا۔

میں نے یہاں پر اس بات پر اس لئے زور دیا ہے کہ جو کچھ اس کے بعد ہوا تاریخ
دشٹی میں وہی حضرت محمدؐ کی زندگی کا اصل آغاز ہے۔ حضرت محمدؐ کے متعدد سوانح نگار
کی بعثت سے پہلے کے یہ چالیس سال صرف چند صفحوں یا ایک دو پیروں میں ختم کر دیتے
لیکن میرے خیال میں یہ چالیس سال ہی آپؐ کی شخصیت کی صحیح وضاحت کرتے ہیں۔
اسے کردار کو نکھارتے ہیں اور بانی اسلام کی زندگی کی حقیقت اور خلاصہ ہیں۔

پانچواں باب

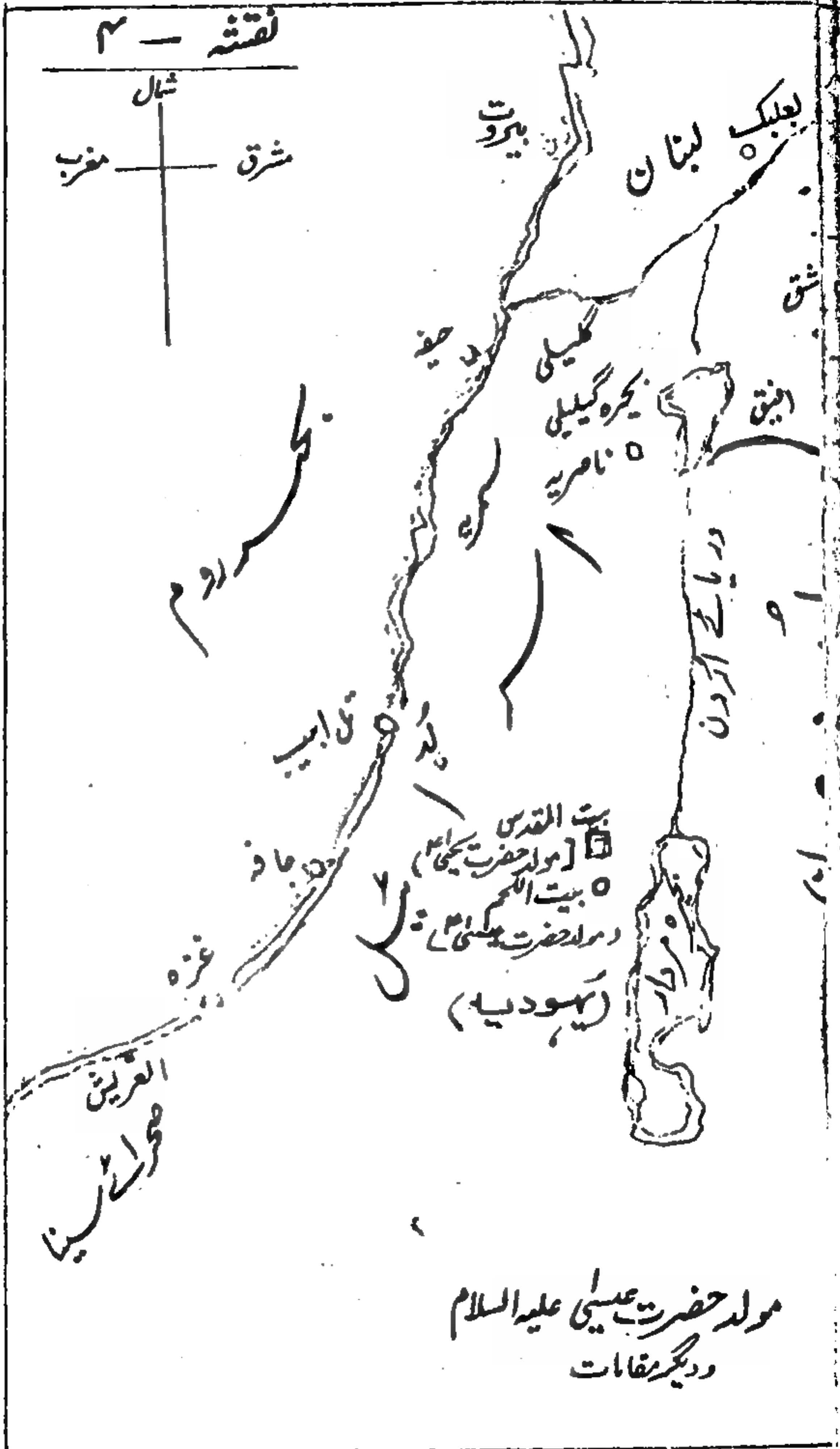
مخالفین اور اذیتیں

۶۱۲ تا ۶۱۹ عیسوی

جو مغربی مسیحیوں نے حضرت محمدؐ کو نبوت کا خیار اور جھوٹا مدعی بتاتے ہیں وہی کے رویاء اور روحانی مشاہدات کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے مسخر کے خلاف ثبوت عدم ثبوت کے طور پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ 'عہد نامہ عتیق' کے فقرہ باب میں اور 'عہد نامہ جدید' کے بہت سے ابواب میں ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جو نوعیت میں ان سے زیادہ عجیب یا مختلف نہیں جو جبل حرا پر پیش آئے اور یہ خیال کہ ان کے ایسے ادوار سے تعلق رکھتے ہیں جن کی سرحدیں روایتی یا من گھڑت قصوں کے ملتی ہیں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اگر معجزات اور روحی و الہامات پر یقین ہے تو وہ کسی خاص زمانے سے تعلق رکھتے۔ وہ حضرت عیسیٰ سے دو ہزار سال قبل اور دو ہزار سال بعد بھی رد نامہ ہو سکتے چنانچہ جو لوگ حضرت محمدؐ کا غار حرا کے واقعات پر مذاق اڑاتے ہیں انہیں لازم ہے کہ طرح حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر اور حضرت عیسیٰؑ کا گیلیلی کی پہاڑیوں پر پیش آمدہ واقعات

لے گیلیلی GALILEE حضرت عیسیٰ کے زمانے میں فلسطین کا ایک صوبہ یا ضلع۔ اب اسرائیل کا حصہ حضرت عیسیٰ نے اپنی تبلیغ یہاں سے ہی شروع کی اور یہاں ہی پہلے پہل بیماروں، مفلوجوں، کوڑھیوں اور اندھے اچھا کیا۔ یہاں پر ہی آسمان کے دروازے آپ پر کھل گئے اور آپ نے روح القدس کو کبوتر یا فاختہ کی شکل میں اترنے (انجیل متی) (ملاحظہ ہو نقشہ ۴)



پر بھی مذاق اڑائیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اسی طرح جون آف آرک کو ڈومر می (فرانس) پہاڑیوں اور برناڈوٹ سو بیرس کو پیرینیہ PYRANIES کے پہاڑوں میں ہونے والے مافوق الفطرت واقعات پر تمسخر کا نشانہ بنائیں۔ اگر تبدیلی ہیئت سینٹ کا جون JOAN سے بات کرنا اور حضرت مریم کے لورڈز میں ظاہر ہونے کے واقعات میں صداقت اور سچائی ہے تو حضرت محمدؐ اور جبریل امین کے واقعات بھی تو اسی طرح جہاں تک اسلام کی سرگزشت کا تعلق ہے اس بات میں کوئی اہمیت نہیں کہ محمدؐ کی حضرت جبریل سے ملاقات ہوئی یا نہیں ہوئی۔ یہ معاملہ بھی آپ کے مرگی کے مرض یا ان پڑھ ہونے یا نہ ہونے کی نزاعی باتوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ روایت کے جبریل ایک فرشتہ تھا جس نے حضرت محمدؐ کی رہنمائی کی۔ اور روایت ہی کے مطابق

لے جون آف آرک JOAN OF ARC (۱۴۱۲ تا ۱۴۱۲ء) مشہور ہے کہ اس فرانسیسی لڑکی کو لوئس LOUIS میں حضرت مریم کی زیارت ہوئی۔ الہامات بھی ہوتے تھے کہ فرانس کو آزاد کرانے چنانچہ اس حکام کے تحت اس نے فرانسیسی فوجوں کی قیادت کی اور انگریزوں کو شکست دے کر آریینز ARANS سے نکال دیا اور شاہ چارلس کو دوبارہ تخت نشین کر دیا۔ لیکن بعد ازاں جون انگریزوں کی قید میں آگئی جنہاں اس پر جادوگر فی کا الزام لگا کر اسے زندہ آگ میں جلا دیا۔ (پیرز انساٹیکلو پیڈیا)

۲۔ اصل نام میری برناڈی سو بیرس۔ ۱۸۴۴ء تا ۱۸۹۰ء۔ چودہ سال کی عمر میں اس فرانسیسی لڑکی کو لورڈز کے مقام پر زیارت ہوئی اور بعد میں وقفے وقفے سے ہوتی رہیں۔ فرانس اور اسپین کے درمیان پہاڑ (کوہ پیرینیہ) میں اس عیسائی ولیہ خاتون سے کئی معجزات منسوب کئے جاتے ہیں مثلاً پہاڑ میں ایک نیا چشمہ جس کے پانی سے لوگ صحت یاب ہو جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم سے اس خاتون کی بالمشافہ گفتگو ہوئی لیکن حضرت مریم اور کسی کو نظر نہیں آتی تھیں۔ (سینچری انساٹیکلو پیڈیا آف نیمر)

۳۔ جلتی جھنڈی۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ کو آگ نظر آئی قریب پہنچے تو یہ آگ ایک پیڑ سے نکلتی دکھائی دی۔ اللہ تعالیٰ کا جلوہ تھا۔ رباب۔ خروج۔ پرانا عہد نامہ) قرآن کی رو سے بھی یہ واقعہ صحیح ہے۔ یہاں ہی حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہوئی اور الواح توریت ملنے کا شرف حاصل ہوا۔

بھاڑی تھی جس نے حضرت موسیٰ کو راستہ پر ڈالا۔ اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ یہ یوحنا یا جان بپتسمی JOHN BAPTIST تھے جنہوں نے بہشت کی ایک فاختہ کی امداد سے حضرت عیسیٰ کو مبلغ بنایا۔ بہر حال اگر یہ روحانی وسائل نہ بھی ہوتے تب بھی اس بات کے باور نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان کے بغیر بھی ان تینوں حضرات (حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ) کی تبلیغی سرگرمیوں میں کوئی کمی واقع ہوتی۔

ہم جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے مذہب کی بنیاد اپنی عرب بیوی صفورہؑ سے حاصل کی ہوئی تعلیمات پر رکھی۔ اس مذہب کی بنیاد (یا ہوتی) کی پرستش پر تھی جو صحرا کا مقدس خدا تھا اور ایک خیمے میں رہتا تھا: یا ہو "خدا کے حضور جن رسومات کی ضرورت تھی وہ خصوصی طور پر عرب کے صحراؤں کے خانہ بدوش لوگوں سے متعلق تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے ان تعلیمات اور رسومات کو بنی اسرائیل کے لئے اختیار کر لیا: یا ہو "کا نام بدل کر یہودا — JAHOVA رکھ دیا اور یہی رسومات آہستہ آہستہ یہودی مذہب بن گئیں جب انہیں یقین ہو گیا کہ خداوند تعالیٰ کی روح ان میں سرایت کر گئی ہے تو غالباً ان کو یہ صحیح طور پر یاد نہیں رہا کہ مذہبی احکام ان کے ذہن میں کس طرح مرتب ہوئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے آغاز اور شروع کی باتوں کے متعلق ہم بہت ہی کم جانتے ہیں۔ قریب قریب وہ ایسی ہی ہوں گی جیسی حضرت محمدؐ کی۔ قیاس کہتا ہے کہ حضرت

لے جان بپتسم (یوحنا) حضرت عیسیٰؑ کے ہم عصر اور دست راست حضرت عیسیٰؑ کی آمد اور ان کی نبوت کی خبر انہوں نے ہی پھیلانی۔ رومن بادشاہ نے آپ کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ قرآن کریم میں انہی کو حضرت یحییٰؑ کہا گیا ہے۔

لے فاختہ حضرت عیسیٰؑ کو اردن میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ آسمان سے اترتی ہوئی ایک فاختہ یا کبوتر کی شکل میں نظر آیا۔ (باب ۳ - انجیل - متی)

لے صفورہ ZIPPORAH پرانے عہد نامے کی رو سے یہ حضرت موسیٰؑ کی عرب بیوی کا نام تھا اور آپ نے یہودی مذہب کی تعلیمات ان ہی کی امداد سے مرتب کیں۔ (باب ۲ - خروج - پرانا عہد نامہ)

لے یا ہو یا یہودا JAHOVA یا یہودا - اللہ تعالیٰ کا قدیم نام پرانا عہد نامہ

عینی بھی ایک ذہن لڑ کے ہوں گے۔ جلدی ہی انہوں نے لکھ پڑھ لیا ہوگا حضرت محمدؐ کی طرح انہیں بھی ملازمت آسانی سے مل گئی ہوگی۔ انہوں نے بھی ایسا ہی قبولیت والا ذہن اور طبع رسا پائی تھی جیسی حضرت محمدؐ کی تھی جس میں لاشعوری طور پر خیالات جاگزیں ہوتے رہتے تھے اور حضرت محمدؐ کی طرح ان کے ذہن میں بھی یہ خیالات برسوں خوابیدہ پڑے رہے ہوں گے اپنے ان خیالات کی اہمیت کا صحیح اندازہ غالباً ان حضرات میں سے کسی کو بھی نہیں ہوا جب تک کہ وہ روح میں ایک سخت ہیجان اور ارتعاش پیدا کرنے والی وحی اور الہامات کی شکل میں ظاہر نہیں ہو گئے۔ قیاس کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ دونوں ہی اپنی ان یادوں اور ان خیالات کو ان کی نئی شکل میں بالکل نہ پہچان سکے ہوں گے۔ اور انہوں نے ان باتوں کو صدق دلی سے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور حکم سمجھا۔ خیال غالب ہے ایسا ہی ہوا ہوگا۔

چنانچہ غارِ حرا کا واقعہ بھی اس سے زیادہ بحث کا موضوع نہیں بن سکتا جتنا کہ "جلیلی جھاڑی" یا اردن کے اوپر آسمانی فاختہ کی اڑان۔ حضرت محمدؐ نے بھی یہیں وہی کچھ بتایا ہے جو ان کے خیال میں وقوع پذیر ہوا۔ اور اسے ہمیں اسی طرح مان لینا چاہئے جیسے حضرت موسیٰؑ کے چالیس دن اور چالیس راتیں صحرا میں گزارنے اور رتوریت کی اپتھر کی الواح لانے کو ماننے ہیں۔ درحقیقت حضرت محمدؐ شروع شروع میں غار میں پیش آنے والے واقعہ کو کسی کو بتانے میں بڑے محتاط تھے۔ حضرت خدیجہؓ اور ورقہؓ کے علاوہ بہ استثنائید اور کسی سے ذکر تک نہ کیا اور اصل میں حضرت زیدؓ کو بھی آپؐ نے خود نہیں بتایا بلکہ ان کو اتفاقاً معلوم ہو گیا۔ گھر میں

لے یہ مصنف کا اپنا قیاس ہے۔

لے غارِ حرا۔ مکہ مکرمہ سے عرفات کی طرف جاتے ہوئے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جبلِ حرا (جبلِ نور) کی چوٹی

پر واقع ہے، ملاحظہ ہو نقشہء پہلا باب)

لے ورقہ بن نوفل۔ حضرت خدیجہؓ کے ایک ابن عم جو حق کی تلاش میں بت پرستی چھوڑ کر پہلے یہودی ہوئے اور

پھر عیسائی۔ انہوں نے سب سے پہلے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ ایک عالم اور زاہد بزرگ تھے۔

لے حضرت زیدؓ بن حارث۔ ایک عیسائی غلام اور خادم۔ ان کی محبت اور وفاداری کے سبب آنحضرتؐ نے ان کو

اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

دئے بیٹے کی حیثیت سے انہوں نے اپنے منہ بولے والدین حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن لیا تھا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت محمدؐ کے مذہبی نظریات کے اپنے دین عیسوی سے بہت ملتے جلتے ہیں تو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے رزاد کرنے والے مالک رسول اللہؐ کے پیروکار بن گئے۔

اسی طرح حضرت علیؓ ایک دن گھر میں آئے تو دیکھا کہ حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہؓ بے سنی طریقہ کی عبادت کر رہے ہیں اگرچہ وہ متعدد معبودوں کے ماننے والے ہاشمی خاندان روایات میں پلے بڑھے تھے بلاتامل اپنے ابن عم (حضرت محمدؐ) کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے۔ جلد ہی کچھ اور قریبی عزیزوں کو رازداری میں لے لیا گیا۔ اور وہ اپنے غلاموں کے ساتھ ان لے آئے۔ یہ تھے حضرت آمنہؓ کے بھتیجے سعدؓ ابن ابی وقاصؓ اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے شیر اور حضرت ابوبکرؓ کے ایک چچیرے بھائی طلحہؓ۔ اس کے بعد مستقبل میں ہونے والے خلیفہ اور اپنی والدہ کی طرف سے حضرت عبدالمطلب کے نواسے حضرت عثمانؓ ابن عفانؓ اسلام لائے۔ پھر عبدالرحمن بن عوفؓ، ابو عبیدہؓ اور ابوسلامہؓ اور چند دوسرے لوگ ایمان ہوئے۔ جنہوں نے آئندہ چل کر اسلام کی سر بلندی کے لئے کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت محمدؐ کو اس قدر محتاط کیوں ہونا پڑا اس کا سبب کعبہ کے لوگ تھے یعنی کعبہ اہل کار اور شہر مکہ کے منتظمین۔ ان لوگوں کی حاکمانہ مخالفت کے سبب حضرت محمدؐ کسی کامیابی کا موقع ملنا بڑا مشکل تھا۔ اہل کعبہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ بدوہ جو حضرت محمدؐ کے جدِ اعلیٰ حضرت ہاشم کے خاندان سے تھے اور دوسرے وہ جو ی نسل کے ایک اور بڑے سردار عبد شمس کی اولاد تھے۔ ہاشمی اس وقت صاحبِ اقتدار تھے اور عبد شمس والے ان سے یہ اختیار چھین لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اگر وہ کسی صورت سے ہاشمی خاندان کے ہی ایک فرد حضرت محمدؐ کے ذریعہ کعبہ کے متولیوں (ہاشمیوں) پر بے دینی رکعبہ کی بے حرمتی کا الزام لگا سکتے تو یہ بہت حد تک ان کے مفاد میں جاتا تھا۔ اس وقت عبد شمس گروہ کا سربراہ ابوسفیان تھا جو ایک امیر تاجر اور دولت مند شخص

تھا جس کا خاندان اور دولت کئی نسلوں سے مکے میں روایتی طور پر مشہور تھے۔ قومی پرچم کی علمبرداری کے سبب جس کے تحت اہل قریش لشکر کشی کرتے تھے، اس کی حیثیت ایک سپہ سالار جیسی تھی۔ اس کی اپنی شخصیت بھی اس کے فوجی عہدہ کے شایان شان تھی پھرے مہرے سے بھی وہ ایک سالار اور جنگجو معلوم ہوتا تھا۔ قد لمبا اور چھریا اور نقوش خوبصورت واضح اور گہرے تھے۔ ڈاڑھی چھوٹی، تراشیدہ اور سیاہ بھنور تھی اور کشادہ پیشانی کے نیچے سیاہ چمکتی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ وہ عورتوں میں بہت مقبول تھا اور اس نے مکہ کی ایک حسین اور مغلوب الغضب عورت ہند سے شادی کی تھی۔ ہند بھی حضرت خدیجہ کی طرح ایک کاروباری عورت تھی اور اپنا زیادہ وقت سٹہ لگانے اور خانہ بدوش لوگوں کو بہت زیادہ سود پر روپیہ دینے میں گزارتی تھی۔

شہر کے ہر معاملے میں ابوسفیان کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور عام طور پر کوئی مخالف اس کے سامنے نہیں بٹھرتی تھی۔ کچھ اپنی ذاتی وجوہ کی بنا پر اور کچھ خاندانی رقابت کے سبب حضرت محمدؐ سے اسے اذلی دشمنی تھی۔

حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ خطرہ کہاں ہے۔ اس لئے آپؐ بہت ہوشیاری اور سلامت روی سے کام کر رہے تھے۔ اپنے مشن کے پہلے چار سال میں آپؐ چالیس افراد سے زیادہ کو مسلمان نہ بنا سکے۔ ان میں رشتہ داروں اور گھر کے افراد کے علاوہ زیادہ تر ناکام تاجر اور دوسرے غیر مطمئن لوگ تھے۔ بنیادین اختیار کر لینے سے ان لوگوں کی زندگی کی مصیبتیں کم نہیں ہو گئی تھیں بلکہ اس کے برخلاف اسلام اب اور زیادہ قربانی دینے اور مشقتیں برداشت کرنے کا متقاضی تھا۔ لیکن یہ ایک ایسی واضح اور مبنی بر حقیقت زندگی کی امید دلاتا تھا جو ان صحرا نشینوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ شروع میں ہونے والے ان مسلمانوں کے متعلق حضرت محمدؐ نے بعد کے سالوں میں ایک مرتبہ فرمایا۔

”سوائے ابوبکرؓ کے اور کوئی ایسا نہ تھا جسے میں نے اسلام کی

دعوت دی ہو اور اس نے تامل اور پریشانی کا اظہار نہ کیا ہو۔“

حضرت ابوبکرؓ ان چند گنے چنے لوگوں میں سے ایک تھے جنہیں اپنے اوپر پورا اعتماد

ہوتا ہے۔ گوان کا اصل نام تاریخ اسلام کے طلباء کے علاوہ بہت کم لوگ جانتے ہیں، یہ صرف انہی کی ذات تھی جنہوں نے حضرت محمدؐ کی تعلیمات کو آپؐ کی وفات کے بعد بھی جاری رکھا۔ ابوبکرؓ ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے اسلامی عقائد اور تعلیمات کو لفظ بلفظ تسلیم کیا اور ہر حکم پر من و عن عمل کیا۔ ان کے متعلق ایک مرتبہ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اگر سب کے ایمان کو ملا کر اکیلے ابوبکرؓ کے ایمان کے مقابلے میں تو لا جائے تب بھی ان کا پلڑا ہی بھاری رہے گا۔

عرب کے لوگوں میں کوئی بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہتی۔ گو حضرت محمدؐ اپنی مجالس کے مقام کو ایک دوست کے مکان سے دوسرے دوست کے مکان اور بعض اوقات باہر صحرا میں تبدیل کرتے رہتے تھے پھر بھی جو کچھ ہو رہا تھا اس کا بھید کھلنا شروع ہو گیا۔ چنانچہ جلدی ہی مفسدہ پرداز لوگوں نے مسلمانوں کے جلسوں کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا اور بعض اوقات تو دھینگا مستی تک نوبت آجاتی تھی۔ نئے دین کا سب سے بڑا مخالف خود آپؐ کا چچا ابی لہب تھا۔ آپؐ کی اور حضرت خدیجہؓ کی سب سے بڑی صاحبزادی رقیہؓ کی شادی اس کے لڑکے ثعلبہ سے ہوئی تھی لیکن اس شادی سے جو کچھ بھی قرابت بڑھی ہوگی ابی لہب کی بیوی ام جلیل نے جو ابوسفیان کی بہن بھی تھیں، اسی شدت سے مخالفت کر کے دزن برابر کر دیا۔ وہ اپنے شوہر کے اس عناد کو اکسانے سے کبھی باز نہ آئی جو اسے اپنے بھتیجے حضرت محمدؐ سے تھا کیونکہ اس کے خیال میں وہ مکے کے قدیم نام کو بٹ لگا رہے تھے۔ حضرت محمدؐ کے لئے یہ خاندانی جھگڑے بڑے تکلیف دہ تھے۔ آپؐ ہمیشہ سے خاندانی اتحاد کے حامی تھے لیکن اب کسی ایسی بات سے جس پر آپؐ کا کوئی زور نہ تھا آپؐ کے اپنے لوگوں میں ایک قسم کی خانہ جنگی پرورش پا رہی تھی۔ ان تفکرات نے آپؐ کی صحت پر برا اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ آپؐ نے اپنے پرانے ساتھیوں سے ملنا جلنا کم کر دیا اور لمبے وقفے جیل حرا پر گزارے۔ غالباً آپؐ کا خیال یہ تھا کہ شاید یہ کوئی وحی ایسی آئے کہ جس سے یہ تکلیف دہ مسائل حل ہو جائیں یا ان جھگڑوں سے بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے لیکن اگر

لے حضرت ابوبکرؓ کا اصل نام عبداللہ بن عثمان تھا لیکن انہیں لوگ ابوبکرؓ کے نام سے ہی جانتے ہیں

آپکی ایسی کوئی خواہش تھی تو آپ کو مایوس ہونا پڑا جبریل ایک مرتبہ پھر آپ کے پاس تشریف لائے لیکن صرف اس حکم کی توثیق کرنے کے لئے کہ گھر سے باہر نکل کر دین کی تبلیغ کریں۔ اس حکم کے واضح اور قطعی ہونے سے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی چنانچہ آپ کے لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ مکہ واپس آئیں اور اپنی مہم شروع کر دیں۔ اس عزم اور فیصلے کی تاریخ ۶۱۲ عیسوی تھی اور حضرت محمد کی عمر بیالیس سال تھی۔

سب سے پہلا قدم آپ نے یہ اٹھایا کہ اہل کعبہ کو دعوت دی کہ وہ مکہ کے باہر پہاڑی پر آپ کی بات سنیں۔ بہت سے لوگ آئے۔ پہاڑی ڈھلوان سفید کپڑوں میں ملبوس لوگوں سے بھر گئی۔ وہ سننے کے منتظر تھے کہ دیکھیں ان کا عزیز کیا کہنا چاہتا ہے۔ لوگ زیادہ باتیں نہیں کر رہے تھے کیونکہ آفتاب گلزار اور سنہری جھٹی میں ڈوبتے ہوئے صحرا میں اپنے سائے لیے گر رہا تھا۔ حضرت محمد ذرا اونچی جگہ کھڑے فتح مندی کے نزدیک روشن کرنوں کا لباس پہنے معلوم ہوتے تھے۔ آپ نے نیچے کی طرف کھڑے مردوں اور عورتوں پر جو آپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے نظر ڈالی اور کہا۔

”اے اہل قریش۔ اگر میں یہ کہوں کہ ان پہاڑیوں کے پیچھے سے ایک لشکر آپ پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے تو کیا آپ میرا یقین کریں گے“

”ہاں“ سب نے بیک آواز جواب دیا۔ ”ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔“

حضرت محمد نے شکر یہ کے طور پر سر جھکایا۔ پھر آواز کو بلند کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔

”میں آپ لوگوں کو خبردار کرنے آیا ہوں کہ آپ نے میری بات کو نہ مانا تو آپ پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔“

سامعین پر ہر طرف نظر ڈالتے ہوئے آپ نے قبیلہ قریش کے ہر خاندان کا نام پکارا

لے یہ صفا کی پہاڑی تھی جس کی ڈھلوان پر آپ نے پہلے پہل اہل مکہ کو پیغام حق سنایا (سیرۃ النبی) (طبری)

جس جس خاندان کا نام گونجا رہا عربی میں پکارا جاتا اس کے لوگوں میں ہلچل سی ہوتی لیکن ڈرامائی طور پر آپ نے تقریر جاری رکھی۔

”میرے عزیزو مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو خبردار کر دوں کہ اس وقت بھی اور آئندہ ہمیشہ کے واسطے آپ کے لئے کوئی فائدہ کی صورت نہیں جب تک کہ آپ لوگ یہ نہ مان لیں کہ صرف واحد اور اکیلے خدا کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

اس وقت سورج تقریباً بالکل غروب ہو چکا تھا اور اس کے چمپتے ہی شام کی ہوا صحرا کی چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں سرسراہٹ لگی۔ مگر نہ اس کے علاوہ اور کوئی آواز نہ کتنی جھنرت محمدؐ کے اعلان سے بالکل عام آدمی بھی مبہوت ہو کر رہ گئے۔ پریشانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے ہوئے عربوں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید کوئی اس کا جواب دے۔ حضرت محمدؐ نے پھر بولنا شروع کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ آپ چند الفاظ سے زیادہ کچھ کہیں ابی لہب نے روک دیا۔ حضرت محمدؐ نے پھر بولنا چاہا لیکن اس دفعہ ابی لہب کی دخل اندازی بے عزتی تک پہنچ گئی اور جب حضرت محمدؐ نے پھر بھی بولنا چاہا تو آپ پر پتھر برسنا شروع کر دیئے۔ آپ کو غصہ آگیا اور چہرے کا رنگ نہ رہ پڑ گیا۔ آخر کار آپ بھی ایک انسان تھے اور ایک ایسے فرد جو دوسروں کو حکم دینے کے عادی تھے اور انکی اخلاقی نظریے کی اس بندی پر نہیں پہنچے تھے کہ دوسرا رخسار بھی پیش کر دیتے۔ آپ اپنے اس بد اخلاق۔ ہندی اور بوڑھے چچا کے ہاتھوں بہت کچھ برداشت کر چکے تھے اور اب وہ وقت آگیا تھا کہ آپ اس سے زیادہ کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ چنانچہ آپ کے مزاج کی مناسبت جواب دے گئی اور آپ نے چچا

لے یہ مصنف کے عیسائی ہونے کا اثر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دشمن اگر ایک رخسار پر پتھر مارے تو دوسرا بھی اس کے آگے کر دے تاکہ وہ خود شرمندہ ہو جائے۔ رسول کریمؐ اخلاق کی بندی میں حضرت عیسیٰؑ سے کسی صورت میں کم نہ تھے لیکن اسلام کو بچانے، اللہ کا نام بلند کرنے اور بے قصور مسلمانوں کی حفاظت کرنے کے لئے آپ کو سینہ سپر ہونا پڑا۔

اور چچی دونوں کو بددعا دی۔ آپ نے ان کو بلند آواز اور قطعیت کے ساتھ بددعا دی۔ آپ نے موثر انداز میں ان کے دوزخ میں جانے اور ہمیشہ وہاں ہی رہنے کی پیشین گوئی کی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ دوزخ میں ام جہیل کا ایک کام یہ بھی ہوگا کہ وہ ہمیشہ لکڑیاں ڈھو کر لاتی رہے گی تاکہ اس کے شوہر کو جلانے والے آگ کے شعلے بجھنے نہ پائیں۔ دوزخ کے کسی خوف و دہشت کو آپ نے تجیل کے لئے نہیں چھوڑا جو کچھ آپ نے کہا آپ یقینی طور پر وہ ہی کہنا چاہتے تھے۔ بعد میں آپ کی یہ بددعائیں قرآن کی سورۃ ۱۱۱ سورۃ تبت یذا میں شامل ہو گئیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَا ابْنِ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور وہ خود بھی تباہ ہو گیا۔

مَا اَعْنٰی عَنْهُ مَالُهُ ۝

اس کی دولت اور اس کی کمائی اس کے کچھ کام نہ آئی۔

مَا کَسَبَ ۝

اور وہ لپکتے شعلوں میں جلے گا۔

یَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝

اور اس کی بیوی کے سر پر لکڑی (ایندھن) کا گکٹھا ہوگا۔

وَأَمْرَاتِهِ ۝ حَمَّالَةَ الْخَطَبِ ۝

اور اس کی گردن میں کھجور کے ریشے کا رستہ ہوگا۔

فِی جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

عرب لوگ بڑے توہم پرست ہوتے ہیں۔ حضرت محمدؐ کی یہ بددعائیں جس قدر مخصوص

۱۔ واقعہ یہ ہے کہ جب آنحضورؐ نے قریش کے سامنے دعوت حق پیش کی تو ابی لہب آگ بگولا ہو گیا اور غضب ناک ہو کر پکارا۔

تَبَّتْ لَکَ سَائِرُ مِنَ الْیَوْمِ۔ اَلْہٰذَا جِئْنَا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ تَوَکَّلْ وَاکْتُورِ سوائی کا منہ دیکھے کیا تو نے

اس غرض سے ہم کو جمع کیا تھا؟ آنحضورؐ ابی لہب کی اس دریدہ دہنی پر خاموش رہے اور کچھ نہ کہا۔ لیکن یہ گستاخی

اللہ تعالیٰ کی جناب میں غضب کا موجب بنی اور چند روز بعد سورۃ تبت یذا نازل ہوئی۔ آنحضورؐ نے خود کوئی بددعا نہ دی

(حیات محمدؐ)

۲۔ تبت یذا ایک سو گیارھویں سورۃ ہے۔

بس اتنی ہی واضح بھی تھیں۔ ابولہب اُمّ جمیل کے ساتھ چلا گیا۔ بعد میں باقی قریش بھی چلے گئے۔
 صرف حضرت محمدؐ چند مسلمانوں کے ساتھ صحرا کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں کھڑے رہ گئے چونکہ
 وہاں تبلیغ کے لئے کوئی نہ رہا تھا اس لئے کچھ دیر بعد آپؐ بھی گھر چلے گئے۔ گھر پہنچ کر آپؐ کو
 ب اور بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ عقیقہ نے اپنی بیوی (حضرت رقیہؓ) کو چھوڑ دیا تھا۔ ■
 تی ہوئی حضرت خدیجہؓ کے پاس آگئی تھیں۔ یہ جیسا کچھ بھی ہوا حضرت رقیہؓ کے لئے بعد میں
 جا ہی ثابت ہوا۔ کیونکہ طلاق کے بعد جلدی ہی ان کی شادی حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہو
 ئی جنہیں ایک دن سلطنت عرب کا تیسرا خلیفہ ہونا تھا۔

گو اسلام کی خدمت اور تعمیر میں حضرت عثمانؓ نے ایک اہم کردار ادا کیا لیکن ان میں
 عزت محمدؐ کے دو پہلے نائبین کا سامنا کرنا جو رکن جوش اور ولولہ نہ تھا۔ وہ ایک خوش شکل آدمی
 تھے۔ طویل قد اور بھاری جتنے پر لمبی سیاہ ڈاڑھی۔ لیکن خود رائے تھے اور اپنا زیادہ وقت
 ان کے مطالعے میں صرف کرتے تھے۔ ان کا اسلام لانا بھی سیاسی طور پر بڑا اہم تھا ایک
 طرف تو وہ قریش کی ابوسفیان والی شاخ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے اور دوسری طرف
 عزت عبدالمطلب کے خاندان سے۔ اور (آنحضورؐ کی پہلی صاحبزادی کی وفات کے بعد)
 بیک کی ایک اور صاحبزادی سے شادی کر لینے کے سبب آپؐ کا حضرت محمدؐ سے دوہرا رشتہ
 بن گیا تھا۔ ان کا نام اُمّ کلثوم تھا۔ جن کو ان کی پہلی بہن کی طرح ابولہب کے دوسرے لڑکے
 نے چھوڑ دیا تھا۔

اس وقت حضرت عثمانؓ ایک اور بہادر اور دل گردے کے انسان تھے۔ جنہوں نے

لے آپؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت رقیہؓ ابی لہب کے بڑے لڑکے عقیقہ سے اور چھوٹی (حضرت اُمّ کلثومؓ)
 بڑے لڑکے عقیقہ سے بیاہی تھیں۔ اسلام دشمنی میں ابولہب اور اس کی بیوی نے دونوں کو طلاق دلوادی تھی
 ان دونوں صاحبزادیوں کی شادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوئیں۔

لے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم

لے آپؐ حضرت عبدالمطلب کے نواسے تھے۔

ایسے حالات میں اسی غیر مقبول مذہب کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ ایسا کیوں کیا یہ تو وہ بھی نہیں جانتے تھے۔ البتہ انہیں جس بات کا یقین تھا وہ یہ بھی کہ حضرت محمدؐ نے انہیں صرف اپنی باتوں سے ہی باور کرا دیا تھا کہ نجات کا راستہ یہی ہے۔

تبلیغ کے نتائج بہت مایوس کن تھے۔ لیکن احکام الہی واضح تھے اور ان کی تعمیل کے لئے آپ کو ضرور کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ ایک ہی بات جو آپ کے ذہن میں آئی وہ یہ تھی کہ ایک مجلس منعقد کریں اور ان تنگ نظر اور عمر رسیدہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی کوشش کریں۔ اس مرتبہ یہ مجلس نجی قسم کی تھی۔ آپ نے بنی ہاشم کے سربراہ اور وہ لوگوں کو اپنے مکان پر شام کے کھانے کی دعوت دی۔ مہمانوں کی گوشت اور دودھ سے تواضع کر چکنے کے بعد آپ نے ایک مختصر تقریر کی اور ذرا وضاحت سے بتایا کہ اصل بات کیا ہے۔ آپ نے اپنی تقریر کو اس یقین دہانی پر ختم کیا کہ جو لوگ اس وقت آپ کا ساتھ دیں گے ان پر اللہ تعالیٰ انعام و کرام ہوگا۔ نہ کوئی تائبید میں بولا اور نہ ہی کسی نے تعریف کی۔ یہ خامشی بڑی غیر معمولی اور پریشان کن تھی۔ تقریباً بالکل ناامید ہو کر آپ نے بلند آواز سے کہا۔

”کون ہے جو میرے اس (پیمبری کے) بار کو اٹھانے میں میرا ساتھ

دے گا۔؟ کون ہے جو میرا بھائی۔ میرا نائب اور میرا وزیر ہوگا۔؟
 کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی اور زیادہ مایوس کن ہو گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت علی
 (جو اس وقت گیارہ سال کے تھے) آگے بڑھے اور اکابر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
 کہہ رہے تھے کہ وہ آپ کا ساتھ دیں گے اور ہر وہ خدمت بجالائیں گے جو آپ چاہیں گے۔ یہ دیکھ کر حضرت
 محمدؐ نے اپنے چچیرے بھائی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور مسرت بھری آواز میں کہا:-
 ”دیکھ لیجئے۔ یہ ہے میرا بھائی۔ میرا وزیر اور میرا نائب، ہر شخص پر

۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱

لازم ہے کہ ان کی بات سننے اور تعمیل کرے۔

س فقرے سے سکوت تو ٹوٹ گیا لیکن ایک غلط انداز میں۔ سب ہنس پڑے۔

اب نے حضرت ابوطالب سے پوچھا "کیا آپ اپنے کم سن صاحبزادے کی تعریف کرانا چاہتے
ہے؟" حضرت ابوطالب نے اپنے شانوں کو جنبش دی اور بات ٹال گئے۔ وہ حضرت محمدؐ کا س
بزرگ عمل سے تو متفق نہ تھے لیکن جس بچے کو انہوں نے پرورش کیا تھا اس سے بڑی محبت تھی۔ مجلس
میں طور پر درخواست ہو گئی لیکن کوئی مقصد پورا نہ ہوا۔ یعنی جس بات کی حضرت محمدؐ کو توقع تھی
وہی نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف اس کا یقینی نتیجہ یہ نکلا کہ اب آپؐ کھل کر سامنے آ گئے تھے۔
اب ہر ایک کو پتہ چل گیا تھا کہ آپؐ کے ذہن میں کیا ہے۔ اب آپؐ کے لئے ایک ہی راستہ رہ
گیا تھا اور وہی آپؐ نے اختیار کیا۔ بغیر کسی تمہید اور معذرت کے آپؐ نے سب کے سامنے
یہی سے اعلان کر دیا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں جنہیں اس نے اپنی توحید کی اشاعت اور
ت پرستی کے خاتمے کے لئے بھیجا ہے۔ اس طرح گویا آپؐ نے قریش کے خلاف اعلان
جنگ کر دیا ایک ایسی جنگ کا کہ وہ دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے غیر مشروط طور پر
بھیار ڈالے بغیر ختم نہ ہو سکتی تھی۔

جب لڑائی ٹھن گئی تو حضرت محمدؐ کو ایک اور طرف سے بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔
وہ اس کا مقابلہ اور زیادہ مشکل تھا کیونکہ یہ مخالفت سابق دوستوں کی طرف سے تھی۔ ان
لوگوں کے نزدیک یہ ایک لغوی بات تھی کہ ایک ایسا شخص جو کچھ عرصہ پہلے ایک اچھا
منسار سفری گماشتہ، ایک خوش مزاج تاجر اور سیر و شکار کا دلدادہ تھا۔ آج یہ بتانے لگے
کہ آسمانوں میں کیا ہوتا ہے۔ کوئی اس پر سنجیدگی سے یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ ان کے خیال میں
فرشتوں سے ملاقاتیں یا یہ مان لینا کہ ان کا ایک وقت کا ساتھی اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نمائندہ
ہے جو ایک ایسے مذہب کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے جو صدیوں کی آزمائش سے گزر چکا
ہے۔ محض حماقت، عجیب اور مضحکہ خیز بات تھی۔ یہ لوگ کس طرح ہنستے تھے؟ وہ گھروں
میں بھی ہنستے تھے اور بازاروں میں بھی اور جب حضرت محمدؐ سے سامنا ہو جاتا تو اور زیادہ ہنستے
و فرعونؑ باللہ! آپؐ کو خطبی، بخومی اور جھوٹا نبی کہتے۔

صورتِ حال بالکل ایسی ہی تھی جیسے حضرت عیسیٰ کے ساتھ تھی یا جیسی اس زمانے کے ہر مصلح کو پیش آنی چاہیے روایت ہی قانون تھا۔ اگر حضرت محمدؐ موجودہ زمانے میں ہوتے تو ان کو اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کے لئے ہر قسم کے راستے مل جاتے۔ آپؐ ایک مبلغ ہو سکتے تھے یا پھر ایک دنیا دار مشنری بن سکتے تھے۔ آپؐ احکام الہی کو اپنی تخلیق بھی کر سکتے تھے۔ آجکل تو ایک خوش رو خوش مزاج سفری ایجنٹ بھی جو ریزر بلٹیڈ یا تیل پھیل بیچتا ہو اگر ساتھ ہی ساتھ کچھ مذہبی تبلیغ بھی جاری رکھے تو کوئی اسے مذہبی کٹر ہونے کا الزام نہ دے گا۔ اگر حضرت محمدؐ ایسا کر سکتے تو شاید ہی کوئی ان کا مذاق اڑاتا۔ بہت سے ان کی بات سنتے اور ہر ایک ان سے ہمدردی کرتا اور ان سے مہربانی سے پیش آتا۔ اس طرح آپؐ کسی بڑے عالم مذہب کی بنیاد تو نہیں ڈال سکتے تھے لیکن شاید کوئی آپؐ کے خود کو اللہ کا پیغمبر کہنے کا خیال نہ کرتا۔

لیکن حضرت محمدؐ کے زمانے میں اس قسم کی رواداری اور تحمل ممکن نہ تھا۔ اس کے ساتھ اور بہت سے الجھاؤ بھی تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ اہل مکہ امارت پرست تھے خاص طور پر دولت کے پجاری تھے۔ گو حضرت محمدؐ ایک بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن مکہ میں آپؐ اپنی ذاتی کوشش سے کوئی مقام پیدا نہ کر سکے اور یہ ہی ان کے مقبول نہ ہونے کا سبب تھا۔ مزید براں آپؐ نے کبھی تجارتی سفری گماشتے ہونے سے زیادہ کی خواہش بھی نہ کی۔ آپؐ ہمیشہ ایک تنخواہ دار اور کمیشن یافتہ ملازم رہے۔ پھر کوئی خاص ایک ایسے معمولی حیثیت کے انسان کو اس مقدس شہر کی صدیوں پرانی روایات کو بدل ڈالنے کے لئے کیوں منتخب کرتا؟ اگر یہ نیا پیغمبر کے چار سو بڑاوردہ لوگوں میں سے ہوتا یا وہ امیروں کی انجمن زکلب کا ممبر ہوتا یا وہ آل مطلب کے اک دولت مندوں میں سے ہوتا جو کبھے کے گرد رہتے تھے یا وہ کم از کم ایسا شخص ہی ہوتا جو صحرا کے اس رنگ رلیوں والے شہر کی رنگینوں میں حصہ لیتا تو شاید اس کے خیالات کو کوئی سنتا اور ان پر کان دھرتا لیکن آپؐ ان میں سے کچھ بھی نہ تھے بلکہ آپؐ تو اس کا الٹ تھے۔

ان رنگین محبوسوں میں شرکت نہ کرنا اور شراب نوشی اور عیاشی سے پرہیز کرنا ہی حضرت

سب سے بڑے اعتراضات تھے۔ ان لوگوں کو ڈر تھا کہ ان کے عقائد کے خلاف آپ کی مہم صرف کعبے کے مسلک کو تباہ کر دے گی، جو کتے کی خوشحالی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا بلکہ وہ اس پر مسرت عیاں شانہ زندگی سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

دوسرے یہ کہ صورت حال اس سے مختلف نہ تھی جو چھ سو سال پہلے حضرت عیسیٰ اور بے پجاریوں کے درمیان تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس نئے دین کو آگے بڑھنے کا موقع مل تو کعبہ کا دنا ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی قریش اور ان کی آمدنی کا ذریعہ بھی یہاں تجارت منقطع ہو جائے گی، کارواں جانے بند ہو جائیں گے اور حج کعبہ کا بھی نہ ہو جائے گا۔ ادھر نہ تو بت پرستی کی مقبولیت میں کوئی کمی آئی تھی اور نہ ہی اس کے ال کے کوئی آثار تھے۔ اس کے برخلاف ان لوگوں کا ابھی تک یہ خیال تھا کہ ان اناٹ و رخاؤں (دیوی اور دیوتاؤں) نے جو دونوں جنسوں کی افزائش نسل کے منظر تھے اور اس بڑے مقدس گھر کی گھٹی خاموشی میں رہائش پذیر تھے، مکہ کو خوشحال بنادیا تھا۔

انچہ ان کے نزدیک یہ محض بے وقوفی تھی کہ ایک ایسے دوسرے خدا میں عقیدت کا ہمارے ان کی اہمیت کو کم کیا جائے، جس کی طرف بلانے والا صرف ایک شخص ہو اور بھی (نعوذ باللہ) اتنا بے وقوف کہ مواقع میسر ہونے کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ رکھتا ہو۔ ان کے نزدیک دراصل یہ سارا خیال ہی مضحکہ خیز تھا اور کسی توجہ کا تاج نہ تھا۔ چنانچہ پرانے دوست پھبتیاں کہتے، زیادہ تندخوا اور اکھڑ لوگ آپ کے جلسوں کو گزے گلے گا اور سیٹیاں بجا کر درہم برہم کر دیتے۔ جبکہ اور زیادہ کینہ پرور لوگ پتھر پھینکتے۔ مسلمانوں کے سردوں پر دھول جاتے۔

کبھی کبھی کچھ زیادہ بردبار قسم کے لوگ حضرت محمدؐ سے بات چیت کرنے کے لئے جمع ہوتے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کی خامیاں گناتے۔ جب دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی کسی دلیل سے مطمئن نہ ہوتا تو مخالف لوگ کہتے کہ اگر حضرت محمدؐ اس بات کا کوئی واضح اور قطعی ثبوت پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا رسول مقرر کیا ہے تو وہ شاید ان کو مان لیں مثال کے طور پر وہ کوئی معجزہ پیش کریں۔ وہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی مثالیں دیتے کہ جہاں

بھی ضرورت ہوتی وہ معجزہ دکھاتے تھے۔ آپ حضرت عیسیٰ کی طرح مصیبت مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اس لئے انکار کر دیتے۔

آپ کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ معجزہ دکھانا آپ کا کام نہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے کہ اگر وہ آپ کی رسالت کے بارے میں کوئی بین شہادہ چاہتے ہیں تو مشرکوں کو چاہئے کہ وہ قرآن پڑھیں۔ اس میں وہ تمام احکام اور آیات ملیں گی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں اور روزانہ لکھ لی جاتی ہیں۔ قرآن خود ایک معجزہ ہے لیکن کج بحثی کرنے والے مطمئن نہ ہوتے اور کندھے اچکا کر رہ جاتے۔ وہ تو اصلی اور دائمی معجزے چاہتے تھے۔ وہ تو کسی مردے کو زندہ، کسی گونگے کو بولتا اور صحرا سے پانی کا چشمہ ابھارتا چاہتے تھے۔ جب حضرت محمدؐ مسلسل انکار کرتے رہے تو کہنے لگے کہ اچھا ہم قرآن کو ہی معجزہ مان لیں گے اگر جبریل ان کے سامنے حضرت محمدؐ پر کوئی وحی لائیں اور وہ انہیں دیکھ سکیں۔ لیکن حضرت محمدؐ کسی مافوق الفطرت بات کا مظاہرہ کرنے سے انکار کرنے پر سختی سے رہے۔ آپؐ نے اعلان کیا اور بار بار اعلان کیا کہ آپؐ ایک انسان سے زیادہ کچھ نہیں، جنہیں اللہ نے تاریخ میں مذکور دوسرے نبیوں کی طرح اپنی مخلوق کو راہ نجات دکھانے کے لئے چن لیا ہے۔ آپؐ نہیں جانتے کہ معجزہ کس طرح دکھاتے ہیں۔ آپؐ ساری عمر اس بات پر جے رہے اور کسی بھی وصف خداوندی کے حامل ہونے سے انکار کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ دوسرے انسانوں کی طرح آپؐ بھی ایک انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک ترجمان سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان باتوں سے ایک مرتبہ پھر آپؐ کے باعمل اور نخلص ہونے کی ان صفات کا اظہار ہوتا ہے جو آپؐ کو اتنی بلندی پر لے جانے والی تھیں۔ اگر آپؐ کی جگہ کوئی اور بے وقوف آدمی یا نبوت کوئی بھڑامدعی ہوتا تو اپنے مخالفین کو متاثر کرنے کے لئے غالباً کوئی نہ کوئی ایسی حرکت نہ کرتا۔ لیکن حضرت محمدؐ ایسے نہ تھے۔ آپؐ خوب جانتے تھے کہ آپؐ کیا کرنے آئے تھے۔ آپؐ اپنے مشن پر پورا یقین تھا اور اسی یقین پر آپؐ کو جینا اور مرنا تھا۔ آپؐ اس پرانے مقولے پر کاربند تھے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے آپ سے سچا ہونا چاہیئے۔

بہر حال کسی نے آپؐ کی باتوں پر دھیان نہ دیا اور گندی ہجو لکھنے اور بر ملا عملی تو ہیں۔

نے کے واقعات پیش آتے رہے بلکہ ان میں اور اضافہ ہو گیا۔ آپ کے چند سخت ترین بدگو
بدنام کرنے والے وہ لوگ تھے جو بعد میں آپ کے سب سے زیادہ جو شیلے اور سرگرم حامی
بن گئے۔

ان میں ایک عمرو بن العاص بھی تھے..... ان کی جوانی، خوش روئی اور فطانت نے ان
عالی نسب نہ ہونے کی کمی کو پورا کر دیا تھا۔ لیکن قریش کو جس بات نے ان کا گردیدہ بنا دیا تھا
ان کا ملکہ شاعری تھا۔ اور حضرت محمدؐ کے بدنام کنندگان کے لئے ان کا وجود ایک خدائی عطیہ
حضرت محمدؐ نہ تو شاعر تھے اور نہ ہی پھڑکنے اشعار کے دلدادہ۔ آپ عمرو بن عاص کی کہی
یہ جو یہ غزلوں اور گیتوں کے سبب مرجھائے مرجھائے سے رہتے تھے لیکن بایں ہمہ
دن اسی ہجو کو عسا کر اسلام کا ایک بہت ہی مشہور سپہ سالار بننا اور باز نطینیوں کے
لشکر کشی کر کے شام اور مصر فتح کرنا تھا۔ یہ عمرو ہی تھے جنہوں نے ۶۳۹ عیسوی میں
پہلے نہر سوین کھودنے کی تجویز پیش کی تھی۔ اور یہ بھی وہی تھے جنہوں نے اسکندریہ
لیا اور اپنا کیمپ اس جگہ لگایا جہاں بعد میں شہر قاہرہ آباد ہوا۔ گو اس وقت حضرت محمدؐ نے
کے متعلق "صادق ترین مسلمان اور ثابت قدم مومن" کے الفاظ کہے تھے لیکن جو کچھ انہوں
اپنے بعد کے زمانے میں کیا اس کا اسلام سے کتنا تعلق تھا آج ایک مذاق سا معلوم ہوتا
ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ بھی تھے جو صرف ہجو کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ
رسولؐ کے قتل کے خواہاں تھے۔ اذیتوں کے باوجود اکثر مسلمان اپنے مسلک پر قائم تھے۔
ہفتہ کچھ بڑے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے مخالفین کا خیال تھا کہ جب تک یہ
سلہ جاری رہے گا کعبہ کی عظمت اور ساکھ ختم ہو جانے کا خطرہ ہر وقت موجود رہے گا۔
تدہندہ لوگوں میں سے بعض اعتدال پسندوں نے حضرت ابوطالب کو آنے والے خطرات

لہ عمرو بن عاص کی دل دیت کو مصنف نے مشکوک لکھا ہے لیکن کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ان کے نام کے
تقدابن العاص کے الفاظ کا شامل ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ عاص کے بیٹے تھے اور علامہ شبلی
سیرت النبیؐ اور دوسرے مورخین نے ان کو عمرو بن العاص بن اٹل ہی لکھا ہے۔ (مترجم)

سے آگاہ کر دیا۔ حضرت ابوطالب اب بھی اپنے بھتیجے کے خیالات کو اور جو اضطراب وہ پھیلا رہے تھے پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اب بھی آپ کو بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت محمدؐ کے پاس گئے اور بہت نرمی سے سمجھایا کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ اس مہم کو ترک کر دیں۔ آپؐ نے چچا کا شکریہ ادا کیا لیکن بڑے عزم اور وثوق سے کہا کہ خواہ کوئی کچھ ہی نہ کہے جو راستہ آپؐ نے اختیار کر لیا ہے آپؐ اس سے ہرگز نہ ہٹیں گے۔ حضرت ابوطالبؓ کے اس عزم سے بہت متاثر ہوئے۔ آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور یقین دلایا کہ گودہ نئے دین کو تو اختیار نہیں کر سکتے لیکن بھروسہ رکھیں۔ کہ وہ ہر ممکن طور سے آپؐ کی حفاظت کریں گے اور کبھی مخالفین کی طرف داری نہ کریں گے۔

اس یقین دہانی نے حضرت محمدؐ کے دل میں ایک نیا اعتماد تو پیدا کر دیا لیکن اس کی اہل کعبہ کا خطرہ نہیں ٹلا۔ اب حضرت محمدؐ سے کسی قسم کا تعلق رکھنے میں جان کا خطرہ تھا۔ دھمکی سے (آپؐ کی لڑکی) حضرت رقیہ اور حضرت عثمان بھی، جن سے اب ان کی شادی تھی، خاص طور پر متاثر ہوتے تھے۔ چنانچہ ۶۱۵ء میں حضرت محمدؐ نے تقریباً ایک سو کی ایک جماعت تیار کی اور انہیں حضرت عثمانؓ کی سرکردگی میں حبشہ بھیج دیا۔ حبشہ کے نسطوری عقیدے کے عیسائی تھے اور دوسرے مذاہب سے رواداری کا برتاؤ کرتے تھے۔ اس طرح مسلمان مردوں اور عورتوں کا ایک ٹھکانہ اور مرکز قائم ہو گیا۔ جن پر حضرت محمدؐ کی کمر بستہ تھے۔ اور یہ کہ اگر بہت ہی برا وقت آئے اور ہجرت کرنا ہی پڑے تو آپؐ کو کوئی پناہ گاہ مل سکے۔

جب یہ لوگ چلے گئے اور محفوظ ہو گئے تو حضرت محمدؐ ایک مرتبہ پھر طوفان کے رتلے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت آپؐ کا شدید ترین دشمن ایک جنوبی شخص ابو جہل تھا۔

ابو جہل کا اصل نام ابوالحکم تھا لیکن اپنے غیض و غضب اور اسلام اور آنحضرتؐ کی مخالفت اور جہالت کے سبب تاریخ میں ابو جہل کے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل نام کوئی نہیں لیتا۔

یہ نام کا مفہوم بھی اسی مناسبت سے جہالت کا باپ "یا" بہت بڑا جاہل تھا۔
ابو جہل کی ماں بھی مکے کی کاروباری عورتوں میں سے ایک تھی اور عطریات کی تجارت میں
رب کماتی تھی۔ چنانچہ وہ بھی ان میں سے ایک تھی جو رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی مخالفت صرف
میں لے کرتے تھے کہ آپ مکہ کی اس عیاشانہ زندگی کو ختم کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ
سامان فراہم کرتی تھی۔

ابو جہل ایک چھوٹے قد کا قوی الجھٹہ بد صورت آدمی تھا۔ اہل مکہ کی اکثریت کے
عکس اس کے بال سرخ اور اس کی ڈاڑھی زردی مائل عبوری تھی۔ عربوں کے نزدیک وہ
کا شیطان تھا۔ ابو جہل حضرت محمدؐ کے سر سے کم کسی چیز کا خواہاں نہ تھا۔ جب وہ آپؐ کو دیکھ
لیتا تو غنڈوں کی ٹولی لے کر آپؐ کا پیچھا کرتا اور دور تک پریشان کرتا۔ ایک دن جب اس
نے معمول سے زیادہ تنگ کیا تو آپؐ ایک عزم کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹ گئے اور آواز بلند
کئے بغیر کہا۔

"اے اہل قریش۔ میں یقیناً تم سے اس کا منافع کے ساتھ حساب
چکاؤں گا۔"

یہ کہہ کر آپؐ اپنے راستے پر ہو گئے۔ کسی نے مزید آپؐ کا پیچھا نہ کیا۔ لیکن ان خاموش
لفاظ میں ایک ایسے شخص کا خطرناک عزم پوشید تھا جو مستقبل میں دیکھ رہا تھا اگر لوگ
مستقبل میں ہونے والی یہ بات خود دیکھ سکتے تو شاید اور زیادہ خوفزدہ ہو جاتے۔ جیسا کہ ہوا
حضرت محمدؐ سے اس گستاخی کا فوری رد عمل لازمی تھا۔

حضرت حمزہؓ، حضرت محمدؐ کے ایک اور چچا تھے جو اپنے بھتیجے کے اس طرز عمل کے نہ تو
خصوصی طور پر موافق تھے اور نہ ہی مخالف۔ وہ آپؐ کے ہم سن بھی تھے اور دوسرے رشتہ دار
بھی۔ ان کے والد عبد المطلب نے آخری عمر میں ایک اور شادی کی تھی۔ جو حضرت محمدؐ کی والدہ
کی رشتہ کی بہن تھیں۔ یہ شادی اور حضرت محمدؐ کے والدین کی شادی بھی صرف دو چار روز کے
فرق سے ہوئی تھی اور ان دونوں لڑکوں (حضرت محمدؐ اور حضرت حمزہؓ) نے خانہ بدوش
دایاؤں کے ہاں رضاعت کے لئے جانے سے پہلے ایک ہی دایہ کا دودھ پیا تھا۔ اور گو
لے۔ ان کا نام ثویبہ تھا۔

شکل و صورت اور عادات و اطوار میں ایک دوسرے سے ممکن حد تک مختلف تھے۔ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے دوست رہے۔

حضرت حمزہؓ خصوصیت سے ایک جنگجو شخص تھے۔ بڑے طاقتور اور لڑاکا۔ وہ ایک بڑے ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ ان کی ڈاڑھی گھنی اور آنکھیں شعلہ فشاں تھیں۔ کسی کو ان سے جان بوجھ کر لڑائی مول لینے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ گوانہوں نے کبھی اپنے بھتیجے کے خیالات و نظریات کی حمایت نہیں کی لیکن اذیتوں کا پامردی سے مقابلہ کرنے پر آپؐ کی تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے ابو جہل کی گستاخی اور بدسلوکی کا حال سنا تو بہت غصہ آیا اور اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ انہیں کعبہ کے سامنے ہی قریش کے چند لوگوں سے اپنے ان کارناموں پر شیخی بگھارتا ہوا مل گیا۔ اس سے آپؐ کا پارہ اور چڑھ گیا۔ حضرت حمزہؓ اس وقت ایک بے چڑھی کمان ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ اسی سے انہوں نے ابو جہل کے سر پر تڑا تو ضربیں لگائیں۔ یہاں تک کہ وہ کعبہ کے پختہ فرش پر گر پڑا۔ دوسرے قریش ابو جہل کی امداد کیلئے آگے بڑھے تو آپؐ نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے پیچھے ہٹا دیا اور شعلے برساتی آنکھوں سے باداز بلند کیا۔

”اور میں بھی تمہارے ان پتھر کے خداؤں پر یقین نہیں رکھتا۔“ یہ اعلان کرنے کے بعد حضرت حمزہؓ اپنے سامنے خداؤں میں دیکھتے رہے۔ اب ان پر انکشاف ہوا کہ جو الفاظ غصہ میں ان کی زبان سے نکل گئے تھے وہ درحقیقت ان کے دل کی آواز تھی۔ چنانچہ وہ فوراً پیٹے، خفا قریشیوں کو وہیں چھوڑا اور اپنے بھتیجے کے پاس پہنچ کر ایمان لے آئے۔

حضرت محمدؐ کے لئے حضرت حمزہؓ کا ایمان لے آنا بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ آپؐ اب آپ کے ایک چچا بھی تھے جو ساتھ ہی ساتھ ایک بے دارغ کردار کے انسان اور روایتی

۱۔ صاحب حیاۃ محمدؐ نے لکھا ہے کہ حضرت حمزہؓ شکار سے واپسی پر پہلے کعبہ کا طواف کرتے تھے چنانچہ اس روز انہیں کعبہ میں ہی ابو جہل کی اس بدسلوکی کا پتہ چل گیا اور اتفاق سے ابو جہل بھی کعبہ کے صحن میں ہی مل گیا۔

نجات کے مالک بھی تھے۔ ان کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کو وہ تقویت اور عزت ملی جو ایک سو عام افراد کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جانے سے بھی نہ مل سکتی تھی۔ البتہ اس سے اہل کعبہ کی خفگی میں ضرور اضافہ ہونا تھا۔

حضرت حمزہؓ کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ وہ تو گھائے میں رہے ہیں۔ حضرت محمدؐ کے ساتھ بدسلوکی کو مسلمانوں نے ابو جہل کو مزادے کر برابر کر دیا تھا۔ ادھر حضرت حمزہؓ کے خیالات کی تبدیلی نے حضرت محمدؐ کے قتل کرنے کے منصوبے پر کاری ضرب لگائی تھی۔ لہذا اس سے پہلے کہ مسلمان اپنی اس کامیابی سے کوئی فائدہ اٹھائیں کچھ نہ کچھ بہت جلدی کرنا لازم تھا۔

ابو جہل کے ایک بھتیجے عمر ابن الخطابؓ تھے۔ وہ ایک بڑے ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ اتنے قد آور تھے کہ جب وہ بیٹھے ہوتے تو کھڑے ہوؤں سے اونچے لگتے۔ ان کے چہرے کا رنگ پختہ تھا جو جزوی طور پر سیاہ چھلے دار ڈارٹھی سے ڈھکا رہتا تھا۔ وہ ایک وقت دونوں ہاتھوں سے ایک جیسا کام لے سکتے تھے اور ان کی طاقت اور جذبہ متناسب تھے۔ وہ غضبناک بھی تھے اور کوئی ان سے دبدبہ ہونے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ جہاں وہ ملاقی اصولوں کے سختی سے پابند تھے اور مکہ کی شبانہ زندگی سے اجتناب کرتے تھے وہاں وہ ہم روایات میں کسی تبدیلی یا رد و بدل کے بھی قائل نہ تھے۔ ابو جہل ان کی اسی بات سے فائدہ اٹھا کر اپنے بھتیجے کو حضرت محمدؐ کے خلاف درغلالتا رہا یہاں تک انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا حکم کر لیا۔ (نغوذ باللہ) فتنہ پردازہ حضرت محمدؐ کا سر لانے کا وعدہ کر کے حضرت عمرؓ آپ کی اس میں نکل کھڑے ہوئے اور قریش بیٹھ کر بڑی امید کے ساتھ ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ عمرؓ جب کسی کو ٹھکانے لگانے کا عزم کر لیتے تھے تو پھر فوری عمل کرتے تھے۔

بہر حال حضرت عمرؓ ابھی اس مکان کی طرف جا ہی رہے تھے، جہاں حضرت محمدؐ اور آپ کے پیرو روزانہ جمع ہوتے تھے کہ راستے میں انہیں ایک اور قریشی ملا جو حال ہی میں مسلمان

لے ان کا نام نعیم بن عبد اللہ تھا۔

ہو گیا تھا۔ عمرؓ اس بات سے واقف نہ تھے۔ اس لئے بڑے فخر یہ انداز میں انہوں نے بتایا کہ وہ کس ارادے سے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے پریشان ہو کر ہاں میں ہاں تو ملا دی لیکن مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ وہ اس قسم کا کوئی قدم اٹھائیں یہ بہتر ہو گا کہ وہ پہلے یہ اطمینان کر لیں کہ ان کے گھر والے تو سب اسی طرح ہیں جیسا کہ ہونا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کی وضاحت چاہی تو اس شخص نے بتایا کہ ان کی بہن آمنہؓ اور ان کے شوہر سعیدؓ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں مزید کوئی لفظ کہے بغیر عمرؓ اپنی قدموں لوٹے اور اپنی بہن کے گھر چلے گئے۔ اس اثنا میں اس شخص نے جلدی سے جا کر حضرت محمدؐ کو خبردار کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے اپنی بہن اور ان کے شوہر کو بھیڑ کی کھال کے ایک ٹکڑے سے قرآن پڑھتے پایا۔ وہ آگ بگولا ہو گئے۔ سعیدؓ کو مارا گیا اور ان کا سر قلم کرنا چاہا۔ حضرت آمنہؓ نے دخل دینا چاہا تو انہیں زور سے دھکا دیا اور وہ زخمی ہونٹ کے ساتھ لڑ کھڑاتی ہوئیں کمرے کے دوسرے سرے پر جا گریں۔ لیکن وہ قطعی نہیں ڈریں اور بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”تمہاری ذات اور تمہارے تشدد کے باوجود میں اپنے سچے دین پر
اسی طرح قائم ہوں“ اور پھر وجد میں آ کر کلمہ پڑھا۔
”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“

آپؐ نے اپنی بہن کی طرف بڑی حیرانی سے دیکھا۔ ان کی آواز میں ایک قسم کی جرات اور کشش تھی۔ حضرت سعیدؓ کو اٹھا کر کھڑا کیا اور کہا: ”مجھے دکھاؤ آمنہؓ کیا پڑھ رہی تھیں“

لے حیاۃ محمدؐ اور دوسری کتابوں میں حضرت عمرؓ کی ان ہمیشہ کا نام فاطمہ بنت خطابؓ لکھا ہے اور یہ ہی صحیح ہے ان کا پورا نام سعید بن زید تھا۔

۳۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے باہر سے بہن کے گھر میں ان کو قرآن پڑھتے سنا۔ بھائی کی دستک سن کر بہن نکلی ہوئی آیات کے پارچے کو چھپا دیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے اصرار پر وہ سورۃ نکال کر پیش کی گئی جسے پڑھ کر وہ متاثر ہوئے اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ یہ آیات سورۃ طہ کی تھیں۔

حضرت آمنہ نے بادل ناخواستہ لکھی ہوئی آیات پاک ان کے حوالے کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے پڑھنا شروع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

طہ ۝ مَا اَنْزَلْنٰ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ
تَسْفٰٓةًا ۝

ہم نے نہیں اتارا تجھ پر قرآن کہ رہی نوع انسان م
محنت میں پڑیں۔

لیکن نصیحت کے واسطے اس کے جس کو ڈر ہے اللہ کا
اس کو اتارا ہے اس ذات نے جس نے پیدا کئے زمین اور بلند
آسمان و دہری مہر والا ہے جو تخت پر قائم ہوا۔

اَلَا تَذَكَّرُ ۚ لَنْ یَّخْشٰی ۚ تَنْزِیْلًا مِّنْ
خَلْقِ الْاَرْضِ وَاَلْسَمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝
الرَّحْمٰنِ عَلِی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝
لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا
بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝ ...

اس کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین
میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور زمین کے
نیچے ہے۔

حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور پڑھتے رہے۔ کچھ دیر بعد اپنی تلوار نیاں کر لی اور بہن کے گھر سے
اسی طرح اچانک چلے گئے جیسے آئے تھے۔ تیزی سے وہ اپنی پہلی منزل کی جانب چلے۔
حضرت محمدؐ کو ابو جہل کے ایک قریبی عزیز (حضرت عمرؓ) کے قاتلانہ ارادوں کا پتہ چل چکا تھا
اور آپؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے بیٹھے ان کا انتظار کر رہے
تھے۔ لیکن توقع کے خلاف زور سے دروازہ کھولنے کی بجائے حضرت عمرؓ نے دھک دی۔
حضرت محمدؐ نے اندر آنے کی اجازت دے دی اور جب وہ اپنے دیو قامت جتنے کے ساتھ
دروازے میں کھڑے نظر آئے تو آپؐ نے دریافت کیا "عمرؓ کیسے آئے؟" حضرت عمرؓ نے
بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کی جماعت میں
شامل ہونے آیا ہوں۔"

لیکن جہاں دوسرے مسلمانوں کو اپنی حیرانی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا وہاں حضرت
محمدؐ کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ چند مختصر سوالات کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ سے اسلام

قبول کرنے کا اعلان کرایا۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لا نا صرف مسلمانوں کے نصب العین کے لئے ہی ایک بہت بڑی اور فوری اہمیت کا حامل نہ تھا بلکہ اس نے اسلامی تاریخ میں ایک نہ مٹنے والا نقش ثبت کر دیا۔ حضرت محمدؐ کی وفات پر حضرت ابو بکرؓ کے بعد آپ دوسرے خلیفہ ہوئے اور آپ پہلے شخص تھے کہ خلیفہ ہونے پر "امیر المومنین" کا لقب اختیار کیا جو ۱۹۲۲ عیسوی تک رائج رہا۔ انہی کے عہد حکومت میں عرب سلطنت کو مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کا کام مکمل ہوا۔ انہی کی یاد میں بیت المقدس میں مسجد عمرؓ تعمیر کی گئی۔ تاریخ اسلام میں حضرت محمدؐ کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ ہی آتے ہیں۔ ان میں حضرت محمدؐ کا سامراج اور حضرت ابی بکرؓ کا ساتھ مل تو نہ تھا لیکن ایک بے پناہ جوش اور دلولہ تھا۔ جو آپ اپنے ماتحت سالاروں میں پیدا کر کے ان کو بے خوف و خطر دنیا کی فتوحات کے لئے بھیج دیتے تھے۔ وہ ایک بڑا ہیجان پرور لمحہ تھا جب حضرت عمرؓ نے "اور محمد اللہ کے رسول ہیں" کا جملہ ادا کیا۔ یہ ایک نعمت غیر متعقبہ تھی جس کا بڑے سے بڑا رجائیت پسند انسان بھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک ناقابل یقین بات تھی اور اس موقع سے بلا تاخیر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت تھی۔

حضرت عمرؓ سے زیادہ اس معاملے میں اور کون سرگرم ہو سکتا تھا جو نبی حضرت محمدؐ نے ان کی بیعت قبول کر لی انہوں نے تجویز پیش کی کہ اس کا رسمی اعلان کعبہ میں ہونا چاہئے۔ کسی نے اس تجویز کی مخالفت نہ کی۔ چنانچہ ایک جلوس ترتیب دیا گیا۔ وہ پیر و کار (مسلمان) جو حضرت محمدؐ کے گرد اس لئے جمع ہو گئے تھے کہ حضرت عمرؓ کے خلاف آپؐ کی حفاظت کریں اب اپنے ایک وقت کے قاتل کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ آپؐ کے دائیں طرف رسول اللہؐ اور بائیں طرف ابی بکرؓ تھے۔ آپؐ کے بالکل پیچھے حضرت حمزہؓ تھے۔

لے پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک سلطان ترکی خلیفۃ المسین اور امیر المومنین کہلاتا تھا لیکن ۱۹۲۳ء میں غازی مصطفیٰ کمال نے ترکی میں جمہوریت قائم کر کے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

ابو جہل اور اس کے حامی یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ وہ بڑے یقین سے انتظار کر رہے تھے کہ عمرؓ حضرت محمدؐ کا خون آلود سران کے قدموں میں لا ڈالیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے دیکھا کہ ان کا ہیرو اور پشت پناہ نہ صرف یہ کہ ان کے دشمن کے تقریباً ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے چل رہا ہے بلکہ وہ واقعی طور مسلمانوں کی مکروہ عبادت بھی کر رہا ہے لیکن اس وقت کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا جنہیں اپنی جانیں عزیز تھیں وہ عمرؓ جیسے لوگوں سے لڑائی مول نہیں لے سکتے تھے اور خصوصاً جبکہ حضرت حمزہؓ جیسی شخصیت بھی ان کے ساتھ ہو۔

دوسرے روز حضرت عمرؓ اکیلے کعبہ گئے اور نئے طریقے کی عبادت کی اور پھر بھی نہ کسی نے ہاتھ اٹھایا اور نہ ہی کچھ کہنے کی جرأت کی۔ قریش کے نقطہ نظر سے یہ ایک غلطی تھی۔ گو حضرت عمرؓ کا قتل شدید قسم کا خاندانی قتل و خون کا جھگڑا کھڑا کر دیتا لیکن حضرت محمدؐ کم از کم ایک ایسے قوی معادن سے ضرور محروم ہو جاتے جو اگر ایک طرف بت پرست کے پر تباہی لاتا تو اتنا ہی نقصان آپؐ کے نظریے اور نصب العین کو بھی پہنچتا۔ بعد میں آپؐ کہا کرتے تھے۔

”اگر خود شیطان کا بھی عمرؓ سے راستے میں آنا سامنا ہو جائے تو وہ

بھی ڈر کر کسی تنگ گلی میں جا چھپے۔“

لیکن اب پانسہ پلٹ چکا تھا اور اب یہ قریش ہی تھے جو حضرت عمرؓ کو آتا دیکھ کر گلیوں میں جا چھپتے۔ لیکن زبانیں بند اور تلواریں نیام ہونے کے باوجود اہل قریش کا رویہ دوستانہ نہ تھا اور حقیقت ان کی مخالفت اور عناد میں اور اضافہ ہو گیا تھا اور اب ایک واقعہ نے صورت حال کو اور سنگین بنا دیا۔

مسلمانوں کی ایک جماعت حبشہ کو ہجرت کر چکی تھی اور سیافواہ گرم تھی کہ حضرت محمدؐ اہل حبش سے مکہ پر حملہ کرانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ گویا قوم کے خلاف اپنے دوسرے جرائم کی فہرست میں آپؐ اب غداری کا بھی اضافہ کر رہے تھے۔ حضرت محمدؐ کا قتل اب وقت کا تقاضہ تھا۔ خواہ نتائج کچھ ہی ہوں۔ اس تجویز کو غلی جامہ پہنانے کے لئے ابوسفیان نے ایک فرمان جاری کر کے بنی ہاشم کو برادری سے خارج کر دیا تا آنکہ وہ حضرت محمدؐ کو قتل کے لئے ان کے حوالہ نہ کر دیں اگر حضرت ابوطالب اس وقت مدد نہ کرتے تو حالت بڑی ناگفتہ بہ ہو چلی تھی۔ مکہ

سے باہران کی ایک خاندانی گڑھی (چھوٹا قلعہ) تھی۔ اس میں انہوں نے حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی۔ یہاں کچھ عرصہ انہوں نے سخت تکالیف کا سامنا کیا۔ اہل قریش نے انہیں بھوکا مارنے کی کوشش کی اور جو تھوڑا بہت ان لوگوں کو کھانا پینا میسر آتا وہ ان چند وفادار دوستوں کی وساطت سے پہنچتا تھا جو شہر میں ہی کھڑے تھے لیکن جیسا کہ سب معتب لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی جرات اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کا عزم مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

کچھ عرصہ بعد صورت حال نے خراب ہو کر زبح کی شکل اختیار کر لی۔ وقت گزرنے پر مکہ کے چند گروہوں میں اختلاف رائے شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ رائے عامہ ابوسفیان کے خلاف ہو گئی۔ ادھر نہ تو اہل حبش نے حملہ کیا اور نہ ہی حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں نے ہار

لے شعب ابی طالب۔ اصل میں قدیم مکہ سے ذرا باہر یہ ایک گھاٹی تھی جس میں بنی ہاشم کے مکانات تھے غالباً اس کے گرد فصیل ہوگی اور یہ گڑھی کا کام دیتی ہوگی یہ اب تک موجود ہے اور اب اسے شعب بنی ہاشم کہتے ہیں اس سے باہر نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے جو اب شارع ارقم پر ہے قریش نے غالباً یہ راستہ بند کر کے انہیں محصور کر دیا تھا لے نبیہ محمدؐ از ڈاکٹر محمد حسین بیگل "تذکرۃ الکرام تاریخ الخلفاء عرب و اسلام" اور کئی دوسری کتابوں میں یہ عرصہ تین سال کا لکھا ہے ابوسفیان اور ابوہل کی انگیخت پر قریش نے مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر کے ان سے ہر قسم کا مقاطعہ کر لیا تھا۔ نہ وہ اس گھاٹی سے نکل سکتے تھے اور نہ ہی قریش ان سے بات چیت یا خرید و فروخت کرتے تھے۔ اس کے لئے قریش نے مسلمانوں سے ترک موالات اور قطع رحمی کا ایک عہد نامہ لکھ کر کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا تھا۔ تین سال بعد کچھ قریش جن میں مطعم بن عدی، ابو الجحزی، زہیر بن امیہ شامل تھے اس مستقل بدسلوکی کے خلاف ہو گئے اور عہد نامہ بھاڑ ڈالنا چاہا لیکن مطعم بن عدی نے اس عہد نامہ کو اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو بسملہ اللہم کے الفاظ کے علاوہ سارے عہد نامے کو دیک چاٹ چکی تھی۔ اس اختلاف رائے کے سبب مسلمانوں پر سے پابندی اٹھانی پڑی۔ لیکن اس دوران ناقوں اور موالات کے سبب مسلمانوں اور بنی ہاشم کو بڑی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابو طالبؓ کی قبل وقت وفات ان ہی سختیاں جھیلنے کا نتیجہ تھا۔

مانی۔ مزید برآں اہل کعبہ کے آپس کے جھگڑے طرح طرح کی پریشانیاں اور پیچیدگیاں پیدا کر رہے تھے۔ ابوسفیان نے سمجھ لیا کہ اب سمجھوتہ ناگزیر ہے۔ اس کے لئے اسے اس واقعہ میں ایک معقول مانہ بھی مل گیا کیونکہ ہاشمیوں کے خلاف جاری کردہ فرمان کو دیکھ چاٹ گئی تھی۔ فرد جرم ختم ہونے کے بعد حضرت محمدؐ اور ان کی محصور جاعت کو اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت مل گئی۔

اس قید و بند سے واپسی پر کچھ اور لوگ نئے دین میں داخل ہونا شروع ہو گئے لیکن اہل کعبہ نے سروسٹ ان سے چشم پوشی کرنا ہی دانشمندی خیال کیا لیکن اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ اب صلح ہو گئی تھی۔ ابھی آرام دامن کہاں۔ یہ تو ایک عارضی صلح تھی اور حضرت محمدؐ کے مخالفین اس انتظار میں تھے کہ آئندہ کیا قدم اٹھائیں۔ ادھر حضرت محمدؐ بھی ہوشیار اور چوکنے تھے آپؐ آٹھ سال سے مسلسل سختیاں برداشت کر رہے تھے اور اب آپؐ کو پہلے سے کہیں زیادہ یقین تھا کہ آپؐ غلط راستہ پر نہیں جا رہے تھے۔ گواہ آپؐ مکہ میں چھپ کر نہیں چلتے تھے اور نہ ہی یہ ڈر ہوتا تھا کہ کسی گلی لے موڑ پر آپؐ پر کوئی حملہ کر دے گا لیکن ابھی آپؐ کو ان سے بھی زیادہ سخت مصائب کا سامنا کرنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساری باتیں آپؐ کے صبر اور حوصلے کی آزمائش کے لئے ہو رہی ہیں۔ مکہ واپس آنے کے کچھ دیر بعد ہی حضرت خدیجہؓ بیمار پڑ گئیں۔ مسلسل اذیتوں اور تکالیف نے جن کی وہ عادی نہیں تھیں۔ انہیں تھکا دیا تھا اور وہ جلدی ہی انتقال کر گئیں مرض الموت کے تین دنوں میں حضرت محمدؐ ان کے پاس سے نہیں ہٹے۔ جب آہستہ آہستہ ان پر غشی طاری کرنے لگی تو آپؐ نے یقین دلایا کہ وہ جنت کی معزز خواتین میں سے ہوں گی۔ مرتے دم تک میں کامل یقین تھا کہ جو کچھ ان کے شوہر کہہ رہے تھے سچ تھا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو دہائی پیار بھری نظروں سے دیکھا جن سے وہ ہمیشہ دیکھتی رہی تھیں اور آپؐ کے بازوؤں میں دم دے دیا۔ یہ دسمبر (۶۱۹ء) کا مہینہ تھا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ سال تھی اور حضرت محمدؐ ابھی پورے پچاس کے بھی نہیں ہوئے تھے۔

ابھی حضرت محمدؐ اس غم سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک اور جانکاہ صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ یعنی حضرت ابوطالبؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت محمدؐ آخر وقت تک ان کے پاس رہے۔

آپؐ نے انتہائی کوشش کی کہ آپؐ کے اسی سالہ بوڑھے چچا نے دین کی قبولیت کا اقرار کر لیں۔ لیکن وہ نہ مانے۔ اصل میں مصائب کے ان سالوں میں ان کی اخلاقی اور عملی امداد، حضرت محمدؐ سے محبت اور فرض انسانی کے سبب تھی ورنہ وہ اپنے بھتیجے کے ایک مذہبی انقلاب لانے والے خیالات و نظریات سے کبھی متفق نہیں ہوئے۔ چنانچہ وہ بہت پرست قریش کے جس قدیم مسکن میں پیدا ہوئے اسی پر انتقال کیا۔

ایک سال کے اندر اندر اس دوسری موت کے صدمے نے حضرت محمدؐ کی کمر توڑ دی اور یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ ایسا شخص جس کی راہ میں اتنی مشکلات ہوں کامیاب ہو سکے گا۔ صرف یہ ہی نہیں کہ ساری دنیا ہی آپؐ کے خلاف تھی بلکہ آپؐ اپنے عزیز ترین اور بہترین دوستوں اور چاہنے والوں سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ ان کی اخلاقی حمایت اور شفقت جو آپؐ کے اور آپؐ کے نصب العین کے لئے بڑی اہمیت رکھتی تھی اور اس سے زیادہ ضروری تھی ان کی حمایت اور پناہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ جب تک حضرت ابوطالب زندہ رہے ان کے بہت سے ساتھیوں نے ان کے لحاظ سے ان کے بھتیجے کی علانیہ مخالفت نہیں کی، ان اسی طرح واعداری کا خیال کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے عزیز واقارب بھی حضرت محمدؐ کی کھلی مخالفت سے رُکے رہے کیونکہ اس شادی کے سبب وہ بھی آپؐ کے رشتہ دار بن گئے تھے لیکن اب یہ تمام مصلحتیں اور رکاوٹیں دور ہو گئی تھیں اور حضرت محمدؐ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اکیلے رہ گئے تھے۔ آپؐ کے پاس روپیہ پیسہ بھی نہیں تھا۔ مصائب اور تکالیف کے ان سالوں میں حضرت خدیجہؓ کی تجارت مسلسل کم ہوتی چلی گئی تھی۔ حضرت محمدؐ بے حد مصروفیت کے سبب اس طرف توجہ نہیں کر سکے اور حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ البتہ جو کچھ انہوں نے بچایا تھا اسی پر گذر ہو رہی تھی اور یہ ان کی وفات کے بعد ہی پتہ چلا کہ باقی تمام مصائب کے علاوہ آپؐ بالکل تلاش ہو چکے تھے۔

اس پر بھی آپؐ کا حوصلہ نہ ہارنا ایک مرتبہ پھر ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ دنیاوی آسائشوں و ضروریات سے کتنے بے نیاز ہو گئے تھے۔ آپؐ کے لئے یہ بہت آسان بھی تھا اور فائدہ مند بھی

کہ آپ قریش کے پاس جا کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے۔ اس طرح اس مغرور قبیلہ کا ہر فرد آپ کی طرف دست تعاون بڑھاتا۔ آپ کی تجارت بحال ہو جاتی اور عین ممکن تھا کہ آپ کو کعبہ کا متولی بنا دیا جاتا ایک بہت قیمتی جہیز لانے والی بیوی بھی آپ کے لئے تلاش کی جاسکتی تھی۔ گو ایک مرتبہ آپ کا صرف اس حد تک جھکنے کا خیال ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عزابی، لات و منات کو بھی تسلیم کر لیا جائے، لیکن جلد ہی ایسی رعایت کا خیال واپس لے لیا۔

آپ نے دیکھا کہ جس کار عظیم کا بیڑا آپ نے اٹھایا ہے اس میں سمجھوتے اور کسی اور معبود کی شراکت کی گنجائش ہی نہیں اور اس کا حل اتنا آسان نہیں۔ اب آپ راستے پر پڑ چکے تھے اور یہ کتاب ہی حوصلہ شکن کیوں نہ ہو آپ کو منزل پر پہنچ کر ہی دم لینا تھا۔ اس مہم میں آپ کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ، زیدؓ اور حضرت علیؓ جیسے نخلص دوستوں کی غیر متزلزل حمایت حاصل تھی۔ ان کی امداد سے آپ نے ایک مرتبہ پھر یہ ثابت کرنے کا عزم دہرایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

اے مصنف کا یہاں داستان غرانیق (اصنام) کی طرف سے جس کا کہی کتابوں میں ذکر ملتا ہے لیکن یہ ایک داستان طرازی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے بھی اس داستان کو قطعی غلط اور بے بنیاد قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو شخص نبی ہونے سے پہلے بت پرستی کے خلاف ہو وہ بعثت کے بعد کس طرح انہیں اللہ کے ساتھ شریک کرنے کو تیار ہو سکتا ہے۔ (مترجم)

اسلامی عقائد و تعلیمات

بظاہر یہ بے ضرر سا اعلان کر کے کہ اللہ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، حضرت محمدؐ نے مکہ میں ایک ایسا ہیجان بپا کر دیا تھا جو صدیوں سے دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور ایک سو سال بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ یہ تحریک بڑھتے بڑھتے ایک سیلاب کی طرح اس وقت کی بیشتر مذہب دنیا میں پھیل گئی۔ اور آج تیرہ سو سال گزرنے پر یہ طوفان اب بھی مسلم اور غیر مسلم کے ٹکراؤ پر پھٹ پڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ آخر حضرت محمدؐ نے غار حرا میں پہلی وحی نازل ہونے کے بعد دس سال کے دوران میں ایسی کون سی بات اپنے ذہن میں پرورش کی تھی جو اتنی ہنگامہ خیز تھی؟ آپؐ کی تعلیمات یہودیت اور عیسائیت کے مقابلے میں اتنی تیزی سے کیوں پھیلیں؟ حضرت محمدؐ کی تعلیمات اور حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی تعلیمات میں کیا فرق تھا؟ مذہب کے پابند مسلمانوں کی تعداد یہودیوں اور عیسائیوں کی نسبت کیوں زیادہ ہے۔؟

ان باتوں کا جواب اتنا مختصر نہیں کہ ایک پیرا گراف میں دیا جاسکے۔ اگر یہ کتاب اپنے مقصد کو پورا کرتی ہے تو ان کا جواب اس کے صفحات میں ملے گا جو کچھ بھی ہو سکتا ہے اور فی الوقت جن باتوں کی اس باب میں وضاحت کی جائے گی وہ حضرت محمدؐ کے نئے دین کے صرف بڑے بڑے اصول ہوں گے جس کا نام اسلام ہے، محمدیت نہیں۔

یہ کہنا کہ فلاں شخص یا فلاں خاتون محمدی ہے غلط ہے۔ حضرت محمدؐ نے کسی وقت بھی

یہ نہیں کہا کہ جس دین کی آپؐ نے تبلیغ کی وہ آپؐ کی اپنی اختراع ہے۔ آپؐ نے اپنے متعلق ایسی کسی ایک بات کا بھی دعویٰ نہیں کیا جو الوہیت سے تعلق رکھتی ہو۔ آپؐ کے پیروکاروں نے کبھی آپؐ کی پرستش نہیں کی۔ آپؐ نے تو ہمیشہ یہ کہا کہ آپؐ بھی حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح ہی کے پیغمبر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ اس کے بندوں کو جو وقتاً فوقتاً گمراہ ہوتے رہے ہیں راہ راست پر لائیں۔

آپؐ نے قرآن کے الفاظ میں فرمایا:

”قُولُوا مَتَابَا اللّٰهُ وَمَا نَزَّلَ اِلَيْنَا وَمَا نَزَّلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

..... وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ : (سورۃ بقرہ - رکوع ۱۶)

”کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم پر اتارا گیا اور جو حضرات ابراہیمؑ، اسمعیلؑ، اسحقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد میں نیک بندوں پر اتارا گیا۔ اور جو رکنا ہیں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دی گئیں اور جو دوسرے نبیوں کو ملا ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان میں سے کسی ایک میں اور ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں“

پھر فرمایا: میں تو تم ہی جیسا ایک انسان ہوں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے“

نظریہ اسلام کا حضرت محمدؐ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ اس کی بنیاد بذریعہ وحی اتارے جانے والے ارشادات ربانی کے ایک تیار شدہ مجموعہ پر تھی جو یہودیت کی مذہبی تاریخ کے تدریجی ارتقاء اور عیسائیت کا نتیجہ تھا۔ حضرت محمدؐ ایک حقیقت پرست تھے۔ اگر آپؐ بیسویں صدی میں پیدا ہوتے تو آپؐ خود بھی اور آپؐ کی تعلیمات بھی موجودہ زمانے کے جدید نظریات کے ساتھ زیادہ جلدی ہم آہنگ اور مقبول ہو جاتیں اور بہت اعلیٰ مقام پر آپؐ ہی ان کے پیشوا ہوتے لیکن آپؐ اپنے پیشرو پیغمبروں کے مقابلے میں ہرگز اپنی برتری نہ جتاتے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے، جو کچھ آپؐ نے ساتویں صدی عیسوی میں کہا تھا یعنی یہ کہ آپؐ بھی ان ہی طرح کے ایک پیغمبر تھے اور آپؐ یہ تو یقینی طور پر نہ کہتے کہ آپؐ کے دین کو آپؐ کا نام دیا جائے۔

وہ مرد و عورت جو حضرت محمدؐ کی تعلیمات یا دین اختیار کر لیتے تھے انہیں اس وقت بھی مسلمان کہتے تھے اور اب بھی یہی کہتے ہیں۔ مسلم اسے کہتے ہیں جو اللہ کی اطاعت اختیار کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے۔ یہ لفظ سلم سے مشتق ہے جو مسلمانوں کے دین اسلام کا مادہ ہے۔

سلم کا سب سے پہلا مطلب خاموش، پرسکون ہونا، اللہ کے احکام بجالانا۔ قرض چکا دینا اور مکمل امن و سلامتی سے رہنا اور آخر کار اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی سپردگی میں دے دینا ہے جس سے امن و سلامتی کا معاہدہ ہوتا ہے۔

لفظ اسلام کا زیادہ مختصر ترجمہ "اللہ کی اطاعت" ہے۔ نہ صرف مکمل سپردگی بلکہ نیکی کے لئے کوشاں ہونا بھی ہے۔ اصل میں تمام سچے مذاہب کا بڑا اصول یہ ہی ہے جیسا کہ گوٹے نے کہا تھا "اگر اسلام یہی ہے تو کیا ہم سب مسلمان نہیں ہیں؟"

لفظ 'سلام' جو بعض مغربی لوگ ملتے اور جدا ہوتے وقت بلا سوچے سمجھے استعمال کرتے ہیں، کا مادہ بھی یہی ہے۔ اس کا مطلب نیک خواہش اور سلامتی ہے۔ پورا سلام السلام علیک یا اسلام علیکم ہے (تم پر سلامتی ہو) جو ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے موقعہ کے مطابق استعمال ہوتا ہے۔ سارے اسلام کا دار و مدار ان چند بہت ہی سادہ سی بنیادوں پر ہے۔

”هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوسُ السَّلَامُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ..... هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ..... وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ عثر)

”وہ اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جو بادشاہ ہے۔ پاک ذات ہے۔ سلامتی اور امان دینے والا۔ پناہ میں لینے والا۔ زبردست قوت والا اور بڑائی والا ہے..... وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا، عدم سے وجود میں لانے والا اور شکل و صورت بنانے والا..... اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔“

قرآن کی ایک سو بار ہوئی سورۃ (سورہ اخلاص) کے الفاظ یہ ہیں:-
”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ

يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

”کہہ دو (اے محمد) اللہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور اس کا مثل کوئی نہیں۔“

حضرت محمدؐ کے نزدیک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے یا کسی کو رکوع معبود ماننے سے بڑھ کر کوئی اور گناہ نہیں۔ قرآن میں اس کا ذکر بار بار آیا ہے اور خصوصاً دوسری سورۃ میں
 اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط

”اللہ وہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے نہ اسے نیند بچھڑتی ہے اور نہ اونگھ اور سب کچھ اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں
 ان باتوں کے ساتھ اس کا اضافہ بھی لازمی ہے کہ حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ نبی نہیں بلکہ رسول۔ کیونکہ جہاں حضرت محمدؐ کو بہت دفعہ نبی رحمت کے معنی دین کی اشاعت کرنے والا یا مبلغ ہیں کہا گیا ہے۔ وہاں دینی اصطلاح میں آپ کے لئے لفظ رسول استعمال کیا گیا ہے یعنی اللہ کا پیغام لانے والا۔

یہ عقیدہ بہت اہم ہے کیونکہ جہاں حضرت محمدؐ نے اپنے آپ کو ایک عام عرب جیسا ہی فانی کہا۔ وہاں آپؐ خود کو رسول اللہ کہلانے کے عقیدے کو لازمی قرار دیتے تھے اور پھر قرآن کے الفاظ میں بھی ”اللہ پر ایمان کو محمدؐ پر ایمان سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔“

مشرع شروع میں تو حضرت محمدؐ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تصور احاطہ خیال میں نہیں آسکتا تھا۔ پہلے پہلے وہ رب تھا، مالک حقیقی، ایک بہت بلند مقام رکھنے والا خدا تعالیٰ۔ جو بہت بلندیوں پر ساری کائنات کا حاکم مطلق تھا۔ پھر رب کے لفظ کا استعمال کم ہوتا گیا اور اس کی جگہ اللہ نے لے لی۔ اللہ اب زیادہ قریب تھا۔ اور اب انسان جب بھی اس کی طرف متوجہ ہو تو اس کی موجودگی کو محسوس کر سکتا تھا۔ اور جلد ہی وہ اور زیادہ قریب آگیا۔ آنحضرتؐ نے کہنا شروع کر دیا۔

”جب تین آدمی اکٹھے ہوں تو چوتھا اللہ ہوتا ہے اور جب پانچ ہوں تو چھٹی ذات اس کی ہوتی ہے..... عبادت کرتے وقت زور زور سے بولنا ضروری نہیں کیونکہ اللہ تو بہت آہستہ سے کہی ہوئی بات بھی سن لیتا ہے۔“

اور آخر میں آپ نے اعلان کر دیا کہ اللہ صرف سب کے ساتھ اور سب کے نزدیک ہی نہیں بلکہ خود سب لوگوں کے اندر بھی موجود ہے۔

جب میں پہلے پہل عربوں میں رہا تو سب سے زیادہ محکم تاثرات میں سے جو میں نے ان سے اخذ کئے ایک تاثر ان کی روزمرہ کی زندگی میں اللہ کی موجودگی کا تھا۔ وہ ان کے کھانے، سفر، تجارت اور ان کے پیار و محبت میں ان کی رہبری کرتا تھا۔ وہ کسی وقت بھی ان کے ذہن سے دور نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان کا قریب ترین مشفق تھا۔ یہ بات ایک طرح سے ان لوگوں کے لئے ناممکن ہے جن کا خدا صرف رسمی عبادت کرنے کے سبب ان سے دور اور جدا رہتا ہے۔ یہ یقین کہ ان کا خدا صحرا میں بھی ان کے ساتھ ہے ان میں سے ہر شخص کا عقیدہ تھا۔ خواہ وہ قبیلے کا سردار ہو یا ایک گڈریے کا لڑکا۔ ایک فقیر سے لے کر ایک امیر تاجر تک خدا اور اسلام پر بڑی سمجھ داری سے بات کر لیتے تھے وہ نہ تو کوئی بات شروع کرتے تھے اور نہ ختم اور نہ ہی کسی بات کا وعدہ کیا جاتا اور نہ ہی کسی سے مدد کی درخواست کی جاتی تھی جب تک کہ اللہ تعالیٰ سے مدد نہ مانگی جائے یا اسے گواہ نہ بنالیا جائے یا پھر اس کا شکر نہ ادا کر لیا جائے۔ حضرت محمدؐ کے فرمانے کے مطابق اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔

۱۔ پہلا ٹکڑا سورہ مجادلہ (رکوع ۲) کی اس آیت کا ترجمہ ہے: ”الْمُتَرَاتِنِ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السُّهُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنَ النُّجُومِ ثَلَاثَةٌ الْأَهْوَاءُ وَابْعَثَهُمْ وَلَا فُتْسَةُ الْأَهْوَاءِ سَادِ سُهُمْ وَلَا ادْفِ“..... دوسرا ٹکڑا غالباً سورہ ملک کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:-

”وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ وَأَجْهِرُ بِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ“ (سورہ ملک۔ رکوع ۱) یا سورہ متحنہ کی یہ آیت ”وَأَنَا أَعْلَمُ مَا خَفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ“

۲۔ ۳۔ ۴۔ یہ اشارہ اللہ اللہ کیل اور الحمد للہ جیسے کلمات کا ترجمہ ہے جو عام طور پر روزمرہ کی زندگی میں استعمال ہوتے ہیں۔

ان میں سے کوئی بات بھی یقینی طور پر نئی نہیں ہے لیکن یہ حضرت محمدؐ کے نزدیک نئی تھیں۔ بہت سی قدیم روایات اور عقائد کو نئے اسلوب اور وضاحت کے ساتھ اسلام میں شامل کر لینے کے سبب یہ کہنا کہ آپؐ نے انجیل کی نقل کی ہے غلط ہے۔ آپؐ نے کبھی انجیل دیکھی ہی نہیں۔ سوائے اس کے کہ ورقہ بن نوفل نے انجیل کی بعض باتیں نامکمل طور پر آپؐ کے سامنے بیان کی ہوں۔ اس وقت کوئی انجیل مکتی ہی نہیں جسے آپؐ دیکھتے اس کے علاوہ یہ بھی قریب قریب بعید از قیاس ہے کہ خود ورقہ نے بھی انجیل دیکھی ہو۔ کیونکہ محمدؐ نامہ ہائے عتیق و جدید کا سب سے پہلا باضابطہ عربی ترجمہ حضرت محمدؐ کی وفات کے کئی سو سال بعد ہوا۔

یہ حقیقت کہ دونوں قدیم مذاہب کی قائم رہنے والی توتیں نئے دین کے ہر مرحلے میں واضح طور پر نظر آتی ہیں نتیجہ ہیں ان باتوں کا جو حضرت محمدؐ نے اپنے مسعد سفر کے دوران سنیں اور اثرات ہیں ان مواعظ کے جو آپؐ نے بحیرا ہب، ورقہ اور بحران کے بشپ قس بن ساعدہ سے سنے۔ آپؐ کا معاملہ ایک ایسے لادین شخص کا ساتھ جو موحد ہو گیا ہو اور جس نے وحدانیت کے نظریے اور تعلیمات توحید پرست لوگوں کے جلسوں میں شامل ہو کر اور واعظین کو سن کر حاصل کئے ہوں لیکن خود کبھی انجیل کی ایک سطر بھی نہ پڑھی ہو۔

بہت سے لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ اسلام میں یہودی اور عیسائی مذاہب کی بہت سی باتیں شامل ہیں۔ حضرت محمدؐ کے خیال کے مطابق قدیم مذاہب یکے بعد دیگرے بعد میں آنے والے نئے مذاہب میں مدغم ہوتے رہے اور اب ارتقاء پذیر ہو کر انہیں ایک اور نئی صورت اختیار کرنا مکتی۔ آپؐ کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر

۱-۲ یہ صرف مصنف کا قیاس ہے ورنہ حقیقت میں اسلام کے تمام احکام قرآن کی شکل میں وحی کے ذریعہ نازل ہوئے اسلام کے احکام اور عقائد میں عیسائی راہبوں اور واعظین کا کوئی اثر نہیں اسلام تو تمام آسمانی مذاہب کی آخری شکل ہے اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق پہلی آسمانی کتابوں کے احکامات کا قرآن میں شامل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اگر تورات و زبور کے احکامات انجیل میں دہرائے جاسکے ہیں تو ان کے اچھے اصولوں کا قرآن یا اسلام میں قائم رہنا عین فطرت مصنف نے حقیقت اگلے پیرے میں خود تسلیم کی ہے +

تھے اور جو احکام ان پر نازل ہوئے وہ حضرت موسیٰ پر اتری ہوئی کتاب کی توثیق و تصدیق کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی۔ عیسیٰ کو انجیل اور محمد کو قرآن“

بلاشبہ حضرت محمد کا یہ بھی خیال تھا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم انسانیت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ آپ حضرت موسیٰ کے لائے ہوئے اور حضرت عیسیٰ کے جاری رکھے ہوئے دین کے کام کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ایسا خیال کرنے میں آپ حق بجانب تھے۔ پہلے دو مذاہب کو جو یکے بعد دیگرے آئے ایسے لوگوں نے شروع کیا تھا جو دنیا کے اسی خطے میں رہتے تھے جس میں حضرت محمد مبعوث ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ کا خیال تھا کہ یہ خطہ ہی ساری دنیا کی نمائندگی کرتا تھا۔ تجارتی سفروں کے دوران آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ بحر روم اور بحر قلزم کے اس پار اور ممالک بھی آباد ہیں لیکن یہ معلومات صرف سرسری تھیں، کیونکہ ہم زیادہ سے زیادہ یہ ہی تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے زیادہ سفر کئے تھے۔

یہ بات کہ حضرت محمد یہودیوں اور عیسائیوں سے خود کو پیغمبر تسلیم نہ کرا سکے یا انہیں اپنے ساتھ نہ ملا سکے اس کا سبب کچھ تو آپ کی مثالی اصول پرستی تھا اور کچھ یہ کہ آپ کو ان کے دینی اصولوں کے متعلق مکمل معلومات نہ تھیں۔

آپ یہودیوں کے پاس گئے۔ ان کی مقدس کتاب کو سراہا اور یقین دلایا کہ آپ اسے مٹانے کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کرنے آئے ہیں۔ آپ نے ان کے روزے اور عیدیں انہی کی طرز پر اپنے نئے دین میں شامل کر لیتے۔ آپ نے کوشش کی کہ وہ آپ سے قدیم طرز کے ایک ایسے دین کے قائم کرنے کے خیال سے متفق ہو جائیں جس میں یہود، عیسائی اور مسلمان سب شامل ہو سکیں، اور جب تک آپ ان کے تعاون سے قطعی طور پر پایوس

لے نہ ہونے کے سبب آنحضرت عیسائی اور یہودی ادیان کے اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے اور آپ نے متعدد فیصلے ان کے دین کے مطابق کئے۔

نہیں ہو گئے آپؐ نے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ رہنے دیا جس کی طرف منہ کر کے آپؐ نماز پڑھتے تھے لیکن آپؐ نے شاید اس پر اچھی طرح غور نہیں کیا کہ اگر یہودی آپؐ کی تجویز مان لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اپنے عقیدے کو غلط تسلیم کرتے تھے۔
حضرت محمدؐ حضرت عیسیٰؑ کو اور ان کے مسیح ہونے کو مانتے تھے۔ قرآن میں آپؐ نے اس طرح لکھا یا۔

”عیسائیوں سے کہہ دو کہ ان کا خدا اور میرا خدا ایک ہے“

حضرت محمدؐ کو عیسائی بنالینا کوئی مشکل بات نہ تھی اگرچہ عیسائیت کے بعض عقائد کو پسند نہ کرتے تھے لیکن کبھی آپؐ نے ان کی مخالفت نہ کی۔ آپؐ نے مسلمانوں کو عیسائی عورتوں سے شادی کرنے سے بھی منع نہ کیا۔ بلاشبہ آپؐ کو کچھ دیر تک یہ امید رہی کہ کسی نہ کسی صورت میں اسلام اور عیسائیت میں سمجھوتہ ہو جائے گا۔ لیکن اس میں یہودیوں والے معاملے سے زیادہ کامیابی نہ ہونے کا سبب ایک معمولی جھگڑا تھا۔ گو یہ لفظی قضیہ ایک گہری اور الجھاؤ والی بات تھی لیکن بایں ہمہ تقاصرف لفظی الٹ پھیر۔

حضرت محمدؐ ایسے لوگوں کو موعّد بنانے کی کوشش کر رہے تھے جو بے شمار خداؤں کی پرستش کرتے تھے لیکن عیسائیوں نے، جن کا آپؐ بے حد احترام کرتے تھے، اپنے بہت اچھے اور سیدھے سادے عقائد کو کچھ غیر ضروری اور ناقابل فہم باتوں میں الجھا دیا تھا۔ حضرت محمدؐ کے نزدیک تثلیث اور تجسیم خدا کا انسانی شکل اختیار کرنا، جیسی نہ سمجھ میں آنے والی باتیں توحید کے

لے کچھ مسلمانوں کی طرح مصنف بھی اس نظریے کا حامی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے احکام خیال کی شکل میں نازل ہوتے تھے اور انہیں آپؐ اپنے الفاظ میں لکھا دیتے تھے اسی لئے مصنف نے متعدد بار یہ کہا ہے کہ آپؐ نے قرآن میں یہ لکھا، لکھو یا یا شمل کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے اور جہر کا یہ ہی عقیدہ ہے کہ آنحضورؐ کو وحی کے الفاظ حفظ ہو جاتے تھے اور آپؐ اسے جوں کا توں لکھا دیتے تھے۔ پھر قرآن کی زبان اور اسلوب اس کے شاہد ہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں ہو سکتا بلکہ قرآن میں کافروں کو چیلنج دیا گیا تھا کہ اگر یہ کلام ربانی نہیں ہے تو اس کی کسی سورۃ کی مثل لے آئیں لیکن وہ عاجز رہ گئے (۱)۔ تثلیث، عیسائیوں کے تین خدا (۱) باپ یا خود خدا (۲) حضرت عیسیٰؑ انسانی روپ میں خدا کے بیٹے اور (۳) حضرت جبرئیل یا روح القدس۔

اصولوں کے منافی تھیں۔ عیسائی واضح طور پر تین برابر کے خدائانتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ قرآن کی چوتھی سورۃ میں ہم پڑھتے ہیں:-

فَاٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنَّهُمْ وَاٰخِرُتْكُمْ
اِلٰهٌ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

(سورۃ النساء - رکوع ۲۳)

پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور تثلیث یا تین خدا کہنے سے احتراز کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اللہ تو صرف واحد خدا ہے۔

پھر عیسائیوں کے ہاں برگزیدہ شخصیتوں (سینٹ) اور شبیہوں کی تعظیم، کعبہ اور اس کے تین سو ساٹھ خداؤں کی پرستش سے زیادہ مختلف نہ تھی۔ دوسرے حضرت محمدؐ تصاویر اور مورتیوں کو برا سمجھتے تھے۔ اسلامی دنیا کی ہر مسجد اس کی گواہ ہے۔ ان میں جو نقاشی، مساحی، آرائش، صناعتی کے کام اور قرآنی آیات کے طعنے نظر آتے ہیں وہ حضرت محمدؐ کے نظریہ محبت شکنی ہی کا نتیجہ ہیں۔ آپؐ کسی زندہ یا جاندار شے کی تصویر بنانے سے منع کرتے تھے یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ عیسائیوں کے دس احکام یا

THE COMMANDMENTS

میں سے دوسرے حکم میں یہی ہدایات موجود ہیں:-

تیسرے یہ کہ اللہ کو حضرت عیسیٰؑ کا باپ کہنا آپؑ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی تھی۔ آپؑ کو اس پر اصرار تھا کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں اور اس کے کوئی اولاد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آپؑ یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ جیسی برگزیدہ ہستی کو (خواہ وہ خدا کے بیٹے تھے یا نہیں تھے) قتل ہونے دیتا۔ آپؑ علانیہ کہا اصل میں یہ قرآن کے الفاظ ہیں کہ ایک اور شخص نے حضرت عیسیٰؑ کی جگہ لے لی تھی اور اسے سولی دی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص آپؑ کا کوئی مرشد یا حواری ہو یا شاید یہودا ہو جسے اس طرح اس کی غداری کی سزا مل گئی۔ حضرت عیسیٰؑ کو تو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ اس کے متعلق قرآن کی چوتھی سورۃ کے الفاظ یہ ہیں:-

”اور ان لوگوں (یہودیوں) نے یقینی طور پر ان کو قتل نہیں کیا اور اللہ نے

انہیں اپنے پاس اوپر اٹھالیا۔“

(سورۃ النساء - رکوع ۲۲)

(اسی سورۃ میں) آگے فرمایا ہے۔

”اور نہ انہوں نے اصل میں انہیں قتل کیا اور نہ سولی دے سکے۔ ان کے سامنے تو ان سے ملتی جلتی ایک اور صورت تھی (جیسے انہوں نے سولی دے دی)“

(سورۃ النساء رکوع ۲۷)

آپ نے فرمایا کہ یہودی اس بات کو نہیں جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ ہی کو سولی دی تھی۔

عیسائیوں سے صلح کرنے میں اس عقیدہ کے علاوہ ایک اور بڑی رکاوٹ بھی حضرت عیسیٰ کے ذہن میں تھی جیسا کہ حضرت محمدؐ نے عرب اور دیگر ہمسایہ ممالک میں دیکھا عیسائیت شمس کے باوجود اپنے مشن میں ناکام ہو چکی تھی عربوں میں اپنی تین سو سالہ موجودگی کے باوجود نہ ان لوگوں کی بت پرستی کم کر سکی اور نہ ہی اسے ختم کر سکی تھی۔ اس معاملے میں بات حضرت محمدؐ کے حق میں جاتی تھی۔

اس زمانے میں عیسائی مذہب بہت سے فرقوں اور عقیدوں میں بٹ چکا تھا۔ ان سے ہر فرقے کے لوگوں کا ایک علیحدہ اور مخصوص عقیدہ تھا۔ آج بھی عیسائی مذہب بت سے عقائد میں بٹا ہوا ہے جن کے مختلف نام ہیں۔ لیکن یہ اختلاف اس کے مقابلے کی کچھ بھی نہیں جو ساتویں صدی عیسوی میں تھا۔ اس وقت کچھ عقائد ایسے بھی تھے جن کو حضرت عیسیٰؑ کی ان تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا جن کی تبلیغ کو مقابلتا زیادہ عرصہ گزرا تھا۔ حضرت محمدؐ کو ان میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی تھی۔

اور وہ فرقے یہ تھے۔

(۱) سہدلی۔ جن کا عقیدہ تھا کہ تثلیث ایک خدا کی تین مختلف صورتیں ہیں یعنی باپ۔ بیٹا اور روح القدس جو سب مل کر ایک ہی ہیں جیسے کہ انسان کا جسم، روح اور اس کا لا شعور۔

(۲) آریین۔ یہ فرقہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا لیکن خدا سے علیحدہ اور اس سے کم مرتبہ والا۔

(۳) نسطوری۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی دو مختلف اور ممتاز حیثیتیں تھیں روحانی اور انسانی۔ حضرت مریم صرف ان کی ماں تھیں اور ان کو خدا کی ماں کہنا ایک مذہبی بات تھی۔

(۴) یوتینی۔ جو کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ انسانی شکل میں آنے سے پہلے مکمل خدا تھے اور دنیا میں صرف انسان۔

(۵) کلیریڈی COLLYRIDIANs ایک نسوانی فرقہ تھا جو حضرت مریم کی پست کرتا تھا۔

(۶) صریحی۔ ان لوگوں کے نزدیک تثلیث اس طرح تھی۔ باپ خدا۔ بیٹا خدا، اور ماں خدا (یعنی حضرت مریم)۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فرقے تھے جو مختلف عقائد رکھتے تھے لیکن عیسائیوں کی اس تمام مختلف الاعتقادی اور ظاہری تناقض کے باوجود حضرت محمدؐ حضرت عیسیٰؑ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ سب سے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ آپؐ ان کے خداداد معجزوں کے قائل تھے۔ آپؐ انہیں کلام اللہ کہتے تھے اور یہ بھی کہ ان کا نام مسیح تھا۔ آپؐ حضرت مریمؑ کے روحانی حمل کے بھی قائل تھے اور اس سے بھی اتفاق کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ایک معجزہ تھی۔ آپؐ نے یہ بھی اعلانیہ کہا کہ اس دنیا کے ختم ہونے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اللہ کے منکروں کو ختم کر دیں گے۔ اس کے بعد ساری دنیا میں امن ہو جائے گا۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو جائے گی اور وہ آپؐ کے برابر ہی دفن ہوں گے۔ قیامت کے روز آپؐ (حضرت محمدؐ) اور حضرت عیسیٰؑ دوبارہ اٹھ جائیں گے اور ان کا حساب ہوگا۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے یہودیوں کے خلاف شکایت کریں گے کہ ان لوگوں نے انہیں پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا تھا اور عیسائیوں کے

لے حضرت عیسیٰؑ کا اس دنیا میں دوبارہ آنا۔ اللہ کے منکروں کو ختم کرنا۔ آپؐ کی وفات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر دفن ہونے کی پیش گوئیاں حدیث قدسی ہیں۔

ان بھی کہ انہوں نے ان کو خدا بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ قرآن کی تیسری سورہ میں صاف پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ان کی پرستش کی جائے۔ حضرت عیسیٰؑ کی ش ان کی وفات کے بعد شروع ہوئی جس کا سبب جہالت اور مقدس کتاب کی غلط میں تھیں۔

اس طرح آپؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنے برابر کا درجہ دے دیا اور آج بھی یہ خیال غلط ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ سے نفرت کرتے ہیں یا برا کہتے ہیں۔ مسلمانوں میں تو حضرت عیسیٰؑ م جو JESUS کا عربی ہے اور جس کا مادہ ایسوع ہے، کبھی بھی علیہ السلام (آپؑ) سلامتی ہو م کا اضافہ کئے بغیر نہیں لیا جاتا۔

یہودیت اور عیسائیت کے اس احترام کے باوجود یہ بات حضرت محمدؐ کے لئے بڑی س کن تھی کہ یہ دو عظیم توحید پرست قدیم مذاہب، جو ان سے پہلے آئے تھے، آپؑ سے مذ کے سلسلہ میں کسی قسم کی مصالحت یا مفاہمت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بہر حال یہ طے کر کے کہ تینوں مذاہب کو یکجا کرنا ناممکن تھا آپؑ اسلام کو مضبوطی سے م کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ایسا کرنے میں آپؑ نے عربوں کے قدیم عقائد سے اچھے مذ لے لئے اور اسی طرح یہودی اور عیسائی مذاہب سے بھی اچھی اچھی باتیں چن لیں۔ آپؑ کے مسائل میں سے پہلا مسئلہ کعبہ کے متعلق فیصلہ کرنا تھا۔ آپؑ نے کعبہ کی پرستش خطرات کو بھانپ لیا تھا اور اس کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ پھر آپؑ کو کعبہ کی قدیم روایات، میوں کی وساطت سے اس کے ساتھ آپؑ کے اپنے اور آپؑ کے خاندان کے تعلقات اور

لے اس کتاب میں مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے اختلافات دور ہو جائیں یا کم ضرور ہو یں۔ اس لئے وہ متواتر عیسائیوں کو مسلمانوں اور اسلام کو سمجھنے کی تلقین کرتا نظر آتا ہے۔ جنگ عظیم اول کے بعد سائی مشنریوں نے مسلمانوں کے خلاف کافی منافرت پیدا کر دی تھی۔

لے یہ صحیح نہیں ہے۔ آپؑ کا شروع سے ہی یہ خیال تھا کہ بت پرستی ختم ہو جائے لیکن دین ابراہیمی کے طریقہ پر یہ کی حرمت اور اس کی تعظیم باقی رہے کیونکہ یہ تو شروع سے ہی بیت اللہ تھا۔

اپنے آبائی شہر مکہ کی اس کے سبب اہمیت کا خیال آیا۔ چنانچہ آپ نے بتوں کو توڑ دیا اور بہتر سی کا فرمانہ رسومات کو ختم کر دیا لیکن چند رسومات رہنے دیں۔ اس معاملے میں آپ نے حضرت عیسیٰ کا طریق کار اختیار کیا جنہوں نے مقدس عبادت گاہ بیت المقدس کی قبیح رسوم ختم کر لیکن خود عبادت گاہ کو رہنے دیا۔

تعدد ازدواج کے بارے میں آپ نے مخالفت نہ کی اور اسے رہنے دیا۔ انجیل کے پرانے عہد نامے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں یہ رسم ازمنہ قدیم سے رائج تھی۔ عرب لوگ سے کثیر الازدواج تھے اور کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ حضرت محمدؐ کو یہ بات پسند نہ تھی لیکن اس سلسلہ میں آپ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ یہ ان باتوں میں سے ایک ایسی بات تھی کہ اگر آپ اس سے منع کرتے تو آپ کے بہت سے پیروکار آپ کا ساتھ چھوڑ جاتے جس کے سبب آپ کو آپ کے نصب العین کو نقصان پہنچتا۔ چنانچہ آپ نے رسم کو جاری رہنے دیا لیکن بیویوں کے تعداد محدود کر دی۔

غیر مسلموں نے آپ پر سب سے زیادہ غیر معقول نکتہ چینی اسی تعدد ازدواج کے معاملے میں کی ہے۔ میں نے لوگوں کو اکثر یہ کہتے سنا ہے کہ اسلام کی بڑی کامیابی کا سبب آپ میں عیاشی کی اجازت ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ کوئی بڑا مذہب کبھی ایسی باتوں میں کامیاب نہیں ہوا حضرت محمدؐ کا اس معاملے میں کوئی دخل نہیں تھا۔ کیونکہ عربوں کی تہذیب

لے یعنی کعبہ کی حرمت، اس کا طواف اور عبادت کے لئے اس کو قبلہ قرار دینا وغیرہ۔

تہ یہ خیال صحیح نہیں۔ اگر مناسب سمجھا جاتا تو تعدد ازدواج کو ختم کیا جاسکتا تھا۔ لیکن اسلام نے عملی زندگی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور غیر فطری پابندیوں سے احتراز کیا۔ اس کی بڑی وجوہات یہ تھیں کہ اول تو یہ رسم ازمنہ قدیم سے رائج تھی اس معاشرے میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اس کو ختم کرنے سے اور جہاد اور جنگوں کے سبب مردوں میں کمی اور بلا شوہر کی عورتوں کی تعداد میں اضافے سے فحاشی میں اضافہ کا امکان تھا جو اسلام کے اصول کے سخت خلاف ہے دوسرے یہ کہ عرب اور دوسرے گرم کے بحرانی حالات اور آب و ہوا ایک سے زیادہ شادیوں کی متقاضی ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی ضرورت تھی اس لئے اسلام نے بیویوں کی تعداد گھٹا کر زیادہ سے زیادہ چار کر دی اور ساتھ ہی ہر بات میں عدل و انصاف کی شرط اور صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنے کو ترجیح دی۔

خلائی اقدار آپ کی وضع کردہ نہیں تھیں اور آپ کا یہ خیال بڑی دانشمندی پر مبنی تھا کہ آپ
 ایسی رسوم نہ تو فوری طور پر رائج کر سکتے تھے اور نہ ہی ختم کر سکتے تھے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے
 کہ جو کچھ ترقی یو دیت اور عیسائیت میں ہوئی وہ بڑی طویل مدت میں ہوئی اور تدریجی تھی۔
 لیکن اسلام میں یہ سب کچھ صرف ایک واحد شخص کا کارنامہ تھا اور صرف ایک نسل کے
 دوران مکمل ہو گیا۔ ہم اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت یہ ایک عظیم الشان
 کارنامہ ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ تک کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے
 کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا ہو اور نہ ہی سینٹ پال نے۔

حضرت موسیٰؑ نے بھی قدیم معاشرتی رسوم کو ختم نہیں کیا۔ آپ نے صرف ان میں سے
 بہت سی بری باتیں دور کر دیں۔ نہ ہی حضرت عیسیٰؑ نے قدیم معاشرتی روایات کو منسوخ کیا
 بلکہ بقول سینٹ متی ST. MATHEW آپ نے جس بات کو عام کیا وہ اس کے خلاف
 تھی یعنی :-

”یہ خیال نہ کریں کہ میں پہلے پیغمبروں یا ان کے قانون و شریعت کو ختم
 کرنے آیا ہوں۔ میں انہیں ختم کرنے کی بجائے ان کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔
 بلکہ میں بلا شک و شبہ کہتا ہوں کہ جب تک یہ آسمان و زمین قائم ہیں ان
 کے لئے ہوئے احکامات سے ایک نکتہ یا ایک شوشہ بھی نہیں نکالا جائے گا
 یہاں تک کہ ان کی تکمیل ہو جائے۔“

حضرت عیسیٰؑ نے بھی صرف یہ کیا کہ اپنے مقلدین کے ذہنوں میں ایسی اصولی باتیں
 مو دیں کہ کچھ مدت بعد پرانی رسوم کی وہ خرابیاں دور ہو جائیں جو آپ کے نزدیک پرانی ہو کر
 غیر ضروری ہو گئی تھیں۔

یہ کہنا کہ تعدد از دواج کی رسم کو اسلام نے شروع کیا بالکل ایسی ہی نا انصافی ہوگی
 جیسے غلامی کو عیسائیت سے منسلک کرنا۔ البتہ غلامی اور عیسائیت ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔
 اور غلامی اس کی آڑ میں انیسویں صدی کے آخر تک جائز سمجھی جاتی رہی۔ یہی کچھ تعدد
 از دواج اور اسلام کے بارے میں کہا جاسکتا ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ زیادہ شادیوں

کی رسم خاندانوں کو جدا کرنے کی بجائے متحد کرنے کا سبب بنی اور اس نے گھر کو ایک پاکیزہ ادارہ بنا دیا۔

زیادہ شادیاں کرنے کی طرح ختنہ کی رسم کا بھی حضرت محمدؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگوں میں پیدا ہوئے جن میں ختنہ کا پہلے سے ہی رواج تھا اور اس میں دخل دینے کی آپؐ نے کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ لیکن اس کا آغاز مسلمانوں نے نہیں کیا۔

اسلام میں کوئی پادریت اور ملائیت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں علمائے دین، مبلغ اور مسجدوں کے امام ضرور ہیں لیکن یہ خدا اور بندے میں کوئی درمیانی کڑی نہیں ہیں۔ مسجد ہی ہر عبادت کرنا لازمی نہیں۔ ایک مسلمان کا اپنے معبود سے بلا واسطہ رابطہ ہے اور اس رشتہ کو بہت حد تک اس کے اپنے ضمیر پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

مسجد موجود ہے، نماز پڑھانے کے لئے امام بھی ہیں لیکن صرف مسجد میں جانا یا نہ جانا ایک اچھے یا برے مسلمان ہونے کا ثبوت نہیں۔ یہ ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے کہ مسجد میں نماز پڑھے یا تنہائی میں۔ مذہبی فرض کی ادائیگی مسلمانوں میں فیشن کے مظاہرے (فیشن پر ٹیڈ) یا آپس میں مل بیٹھنے یا گپ شپ کرنے کا ذریعہ نہیں ہے اور پچھلے چھ دن کی روحانی کمی پوری کرنے کے لئے ہفتہ میں صرف ایک دن گر جاؤں میں جمع ہونے والی بات نہیں۔ اسلام میں کوئی بات بھی دین سے جدا نہیں اسلام میں مذہبی فریضے کی ادائیگی میں بھی صرف اتنی ہی توجہ اور وقت درکار ہے جتنا کسی دوسری بات میں۔^{۱۰۲}

مسلمانوں میں جمعہ کا دن عبادت کا مخصوص دن ہے لیکن یہ بستر میں اینڈ تے رہنے یا دیر سے سوکر اٹھنے یا گولف کھیلنے یا تیرنے کے لئے جانے کا دن نہیں ہے۔ نماز ختم ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ عربوں میں کوئی ایسی میکانیکی طرز کی عبادت نہیں جیسا کہ عیسائیوں میں پیشہ ور پادری کرتے ہیں۔ جو خدا کے احکام کو اپنی اپنی سمجھ اور

۱۰۲۔ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے لیکن مسجد قریب نہ ہونے یا اس کی غیر موجودگی میں گھر پر یا کہیں بھی نماز پڑھ لینا ثواب میں کمی نہیں کرتا۔

یہ کے مطابق بیان کر کے اپنی روزی کھاتے ہیں پس اس کے برخلاف ایک مسلمان اپنے رب
ایسے ہی مودبانہ اور جانے پہچانے انداز میں ہم کلام ہوتا ہے جیسے ایک بیٹا اپنے باپ
مذہب اس کے اندر اور باہر چاہا ہوتا ہے۔

آپ کے رہبانیت کے خلاف ہونے کی کئی وجوہات تھیں۔ آپ نہیں چاہتے تھے
رگ صرف دین کے سبب تارک الدنیا بن جائیں۔ نفس کشی کریں اور پرہیزگاری کی
تیاں جھیلیں۔ آپ کا خیال تھا کہ ایک شخص عام طریقے سے زندگی گزار کر بھی ایک مثالی
مان بن سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معمول کے مطابق انسان بھی رہ سکتا ہے۔ آپ کا
ل تھا کہ زبردستی کی پرہیزگاری اور نفس کشی نہ تو فطری تھی اور نہ ہی اس کے سبب کوئی
یا عورت کسی ایسے شخص کے مقابلے میں جو اپنی متاہل زندگی فطری قوانین کے مطابق
ارتا ہو، زیادہ بہتر انسان بن سکتا تھا یا اللہ تعالیٰ کا زیادہ تقرب حاصل کر سکتا تھا۔

دوسرے مذاہب میں آپ نے ملائیت یا پادریٹ کی خرابیاں دیکھ لی تھیں یعنی
اسی کا اختیار اور اس کا دینی حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کرنا۔ عیسائیوں کے تمام فرقے اپنی
نفس الاعتقادی کے باوجود آپ کے سامنے اس بات کی شہادت پیش کر رہے تھے کہ
ہی معاملات میں انسان کے آمرانہ فیصلے دین کو کتنا نقصان پہنچا سکتے تھے۔ آپ نے دیکھا
تھا کہ یہ مذہبی رہنما سادہ لوح لوگوں پر کتنا شیطانی اکثر رکھتے ہیں اور ان کا کہنا نہ ماننے پر
ان طرح ان کو عذاب اور سزا کی دھمکیاں دیتے ہیں۔

اس بارے میں آپ کے ان خیالات کی تیسری وجہ اسلام میں دیگر بہت سی باتوں
طرح واقعات اور ماحول تھے۔ آپ صحرا میں پیدا ہوئے اور اسی ماحول میں پرورش
پائی۔ شام و فلسطین کو چھوڑ کر آپ صحرائی بود و باش کے علاوہ اور کسی جگہ کی طرزِ ہاش اور
بود و باش کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ آپ کو معلوم تھا کہ خانہ بدوش لوگوں
نے لئے، جن کی بیشتر تعداد خیموں میں رہتی تھی، نماز کے وقت ایک مسجد یا ایک نماز پڑھانے
لا تلاش کرنا مشکل ہوگا۔ پس آپ نے نماز کے اوقات مقرر کر دیئے لیکن ساتھ ہی یہ بھی
ادیا کہ نماز بغیر کسی پڑھانے والے کے بھی پڑھی جاسکتی ہے اور مسلمان جہاں بھی ہو وہاں

ہی ناز پڑھ سکتا ہے۔

صحرائیوں کے لئے زکوٰۃ کو ایک مذہبی فریضہ بنادینے کا خیال عام طور سے ایک شخص کے ذہن میں نہیں آ سکتا تھا جو ایک قصبہ میں شہری لوگوں کے درمیان رہتا ہو۔ ایسے خانہ بدوش قبیلوں پر ٹیکس لگانا جو موسم کے ساتھ آتے اور چلے جاتے ہوں مشکل چنانچہ اسلامی بیت المال کے قیام کے لئے جائیداد یا آمدنی پر کچھ فی صد ادائیگی مذہبی بنادیا گیا۔

صاحب حیثیت لوگوں پر ضرورت مندوں کی خبر گیری کرنے کا حکم دینے سے نادار کی گزراوقات کا بندوبست یقینی ہو گیا۔ لوگوں سے مہربانی کا سلوک کرنے اور ان کی امداد کا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ یہ نتیجہ تھا ان سماجی نا انصافیوں کا جو آپ نے مکہ میں دیکھی تھیں جہاں غریب اور بد قسمت لوگ امیر تاجروں کے پاؤں تلے روندے جاتے تھے۔ حضرت ان لوگوں کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ان پر ترس کھاتے جن کے لئے زندگی گزارنا ایک بڑے مرحلہ تھا۔ آپ پہلے مذہبی مصلح تھے جنہوں نے غریبوں کی امداد کے لئے کوئی عملی تدبیر اس کو مذہبی تقدس دیا اور اس کو مذہب کا ایک ایسا رکن بنا دیا جس نے بعد میں قانونی شکل اختیار کر لی۔

اسلام ہی وہ واحد نظام زندگی ہے۔ جہاں اشتراکیت یا مساوات اپنے صحیح ترین میں رائج ہے۔ یہ سکھاتا ہے کہ دنیا کی ہر شے سب کی مشترک ملکیت ہے۔ چنانچہ اس میں کوئی شے کسی کی مکمل ملکیت نہیں ہو سکتی۔ اسلام میں امیروں کی دولت میں غریبوں کا بطور حق حصہ ہوتا ہے۔ قرآن تیرھویں سورہ میں حکم دیتا ہے۔

لے صحرائیوں اور خانہ بدوشوں کا مال و متاع اور جائیداد ان کے جانور اور بھیڑ بکریاں ہوتی ہیں اور جانوروں کی شکل میں ہی زکوٰۃ دیتے ہیں۔

لے یہ احکام سورہ روم میں ہیں جو تیسویں سورہ ہے تیرھویں نہیں۔ فَاَتِ ذٰی الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمَسٰکِیْنِ ابْنِ السَّبِیْلِ..... (سورہ روم) یہی احکام سورہ بنی اسرائیل (سورہ ۱۷) میں بھی نازل ہوئے۔

وَاَتِ ذٰی الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَلَا تَبْذُرُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ رِیَاسًا

”اور اپنے مال میں سے اپنے غریب رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں

کو ان کا مقرر کردہ حصہ دو۔“

مزید یہ کہ اس جمہوری طرز فکر کو مسلمان اپنے ساتھ دنیا کے ان تمام حصوں میں لے گئے جہاں وہ گئے اور وہاں پر قوموں اور افراد دونوں کو اس کا پابند کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں اسلام بادشاہت کے نظریے کے خلاف ہے۔ اسلام کے نزدیک اس کا کوئی جواز نہیں کہ جو قومیں یا نسلیں خود کو دوسروں سے زیادہ مذہب اور ترقی یافتہ سمجھتی ہیں اور ان کے پاس ایسا کرنے کے ذرائع موجود ہیں وہ دوسری قوموں کو ان کا معیار زندگی بلند کرنے کے بہانے اپنا غلام بنائیں۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد آنے والی صدیوں میں اسلامی فوجیں جہاں بھی گئیں انہوں نے کبھی مفتوح قوموں کو غلام نہیں بنایا اور نہ ہی انہوں نے وہاں کے قدرتی ذرائع سے اپنی ذات کے لئے کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ کسی موقع پر بھی وہ سفید فام لوگوں کی طرح سپہاندہ لوگوں کی امداد کے بہانے صرف ان ہی علاقوں میں نہیں گئے جہاں ان کی سخاوت بیش بہا دولت کمانے کا موجب بنے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو اس دنیا کے متعلق کوئی علم نہیں تھا جہاں وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے اور نہ ہی انہیں یہ معلوم تھا کہ وہاں سے وہ کیا حاصل کر سکتے تھے۔ چنانچہ فطری طور پر انہوں نے صرف اس کا فائدہ اٹھایا جو انہیں مل گیا لیکن وہ بھی ہمیشہ وہاں کے مقامی لوگوں کے اشتراک کے ساتھ۔ ان میں سے بیشتر لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور نتیجہ کے طور پر وہ اب ان کے بھائی اور معاون بن گئے تھے۔ اخوت کے اس رشتہ کا ثبوت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسپین کے سوا دوسرے تمام ممالک جہاں مسلمان ساتویں اور چودھویں صدی کے درمیان گئے ہمیشہ اسلامی نصب العین کے حامی رہے اور تا حال مکہ کو ہی اپنی تہذیب کا مرکز خیال کرتے ہیں۔

تفصلاً قدر کے متعلق حضرت محمدؐ کے خیالات کی غلط تاویلیں کی گئی ہیں اور آپ کے اپنے اقوال کو ہی ان غلط تاویلوں کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ مثلاً

”اللہ نے انسان کو بنایا اور اس کے اعمال کو بھی۔“

لے یہ غالباً اس آیت کا ترجمہ ہے۔ فاللہ فخلقکم وما تعملون۔۔۔۔۔

”ہر شخص کا مقدر اس کی گردن کے پیچھے بندھا ہے۔“

لیکن پہلے سے قطعی طور پر طے شدہ مقدر پر یقین، جو لوگوں کو جامہ بندیتا ہے۔ اصل میں حضرت محمدؐ کا منشاء تھا۔ آپؐ نے بار بار اس بات کا اعلان کیا کہ انسان اپنے اعمال کا خود مختار و ذمہ دار ہے، چاہے تو احکام الہی کو مانے اور عمل کرے اور چاہے منکر ہو جائے۔ وہ اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہے اور اسی لئے وہ جزا و سزا کا مستحق ہے۔

آپؐ نے فرمایا ”سب سے زیادہ بامراد اور متمول وہ ہے جو کامیابی اپنی محنت اور عمل سے حاصل کرتا ہے اور سب سے زیادہ بدنصیب اور تہی دست وہ ہے جو اپنے اعمال کے سبب ایسا ہے۔“

بہر حال قسمت اور مقدر کے متعلق حضرت محمدؐ کے خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں آپؐ کو ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہی پڑا جیسے کہ آپؐ نے کثرت ازدواج کے معاملے میں کیا۔ پہلے سے لکھی قسمت کا عقیدہ حضرت محمدؐ کے زمانہ سے بہت پہلے سے موجود تھا۔ عرب لوگ زمانہ ماقبل تاریخ سے ہی مقدر کے قائل تھے۔ اس لئے یہ کہنا کہ اسلام اور قسمت ایک ہی بات ہیں ایک اختراع سے زیادہ نہیں۔

جس طرح عام خیال یہ ہے کہ کثرت ازدواج کا اسلام سے گہرا تعلق ہے اسی طرح کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی جنت ایسی جگہ ہے جہاں کثرت ازدواج کی رسم اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ شادی جیسی ذمہ دارانہ چیز کا آخرت کی زندگی میں

لے یہ سورہ بنی اسرائیل کی ایک آیت ہے: ”وَلِكُلِّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ يَوْمَ الْقِيَامَتِ كِتَابَ أَلْفَقَةٍ مِّنْهُ وَمِنْهُمْ قَوْمٌ مُّشْوَرُونَ“ اترا کتابک ما کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا اگر مصنف اس پوری آیت سے واقف ہوتا تو جان جاتا کہ اس کا اپنا خیال درست ہے۔ ترجمہ۔ ہر انسان کا مقدر (اعمال) اس کی گردن سے بانڈھ دیا ہے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت کے دن لکھا اور کھلا کہ پڑھ لے اپنا اعمال نامہ۔ تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا، اسی سورہ میں آگے آتا ہے کہ اگر تو سبکار ہا تو اپنے ہی برے کو۔ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں لاتا جب تک ان پر رسول اور ہدایت نہ بھیجے۔ غالبیہ اشارہ سورہ والشمس کی ان آیات کی طرف ہے: ”قُلْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهُ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهُ“

کوئی ذکر نہیں ملتا حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو جس جنت کی بشارت دی تھی وہ ایک آرام وہ زندگی ہے جہاں ان کو وہ تمام آسائشیں میسر آئیں گی جن سے اس دنیا میں محروم رہتے۔ جہاں بہترین جھیلیں اور سبزہ ہوگا۔ جہاں ایسے درخت ہوں گے جن پر ہمیشہ پکے ہوئے پھل لگے ہوں گے پینے کے لئے ایسے مشروبات ہوں گے جو فرحت پیدا کریں گے لیکن نشہ آور نہ ہوں گے۔ کھانے والی اشیاء کی بھی افراط ہوگی جن کے کھانے سے نہ بد بھنی ہوگی اور نہ ہی جسم میں فضلہ بنے اور اس کے اخراج کا تھکا دینے والا ٹھل ہوگا۔ حضرت محمدؐ نے اپنے لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ نہ تو ان کو ناک صاف کرنے کی ضرورت پڑے گی اور نہ ہی غسل کی جسم کی تمام کثافتیں خوشبودار پسینے کے راستے نکل جائیں گی۔

اس گھر (جنت) کے مکینوں کو کوئی محنت نہیں کرنا پڑے گی اور وہ گدوں اور تختوں پر آرام کریں گے جن کے غلاف ریشمی ہوں گے۔ نہ وہاں پر صحرا کی سی پیاس، نہ مسلسل مشقت اور نہ ہی وہاں کی سی تکالیف ہوں گی۔ ہر مسلمان کی خدمت کے لئے بہترین اہل چشم، حین کنواری اور بے حد پرکشش حوریں ہوں گی۔ لیکن ان سے کم خوبصورت اور کم عقیفہ عورتیں بھی جنت میں داخلے سے محروم نہ ہوں گی۔ قرآن میں اس عام خیال کی بار بار تردید کی گئی ہے کہ اسلام عورتوں کو ان کے ضمیر اور خواہشات سے محروم کر دیتا ہے۔ حضرت محمدؐ، جو خواتین کا بے حد احترام کرتے تھے، ان کے متعلق ایسا حکم کیسے دے سکتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے اعلان کیا کہ جنت کے دروازے مردوں اور عورتوں دونوں پر کھلے ہوں گے لیکن آپؐ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ان منتخب جنتی خواتین کے مرد ساتھی کون ہونگے۔ غالباً آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے پہلے خاندانوں کی آتش رقابت بھڑکے یا یہ کہ ایک ہی خاتون کے ساتھ ہمیشگی کی زندگی گزارنے کے شک سے ان کی خوشی و مسرت کم ہو جائے۔ آپؐ اس موضوع کو بڑی ہوشیاری سے چھوڑ گئے۔ بالکل اسی طرح جیسے حضرت عیسیٰؑ نے اس وقت کیا تھا

۱۔ جنت کی یہ تمام تفصیلات قرآن کی مختلف سورتوں اور آیات میں موجود ہیں۔

۲۔ سیلان اعظم۔ سلطنت عثمانیہ (ترکی) کا ایک مشہور سلطان جس نے قسطنطنیہ میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کی جو

تاحال موجود ہے اور فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ یہ مسجد ۱۵۵۳ء میں تیار ہوئی۔

جب ان سے اس موضوع پر سوالات کئے گئے تھے۔

درحقیقت مسلمان اپنی خواتین کا کتنا خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ ان شاندار مقبروں سے کیا جاسکتا ہے جو سلطان سلیمان اعظم نے قسطنطنیہ میں اور شہنشاہ شاہجہان نے آگرے میں اپنی بیویوں کی قبروں پر بنائے تھے۔ اگر یہ لوگ اپنی عورتوں کی آخرت کی زندگی پر یقین نہ رکھتے تو مسجد سلیمانیاہ اور تاج محل جیسے مشرقی فن تعمیر کے نادر نمونوں پر کروڑوں روپیہ خرچ کرنے کی بیوقوفی نہ کرتے۔

حضرت محمدؐ خواتین سے باتیں کرتے وقت ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ آپؐ کا کہا ہوا یہ فقرہ آپؐ کی خوش مذاقی اور نرم گفتاری کے اعلیٰ نمونے کے طور پر یاد رہے گا۔ جب ایک ضعیف عورت نے آپؐ سے پوچھا کہ وہ کس طرح جنت میں جاسکتی ہے تو آپؐ نے فرمایا ”بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جاسکتیں“ (پھر اس عورت کی مایوسی کو دیکھ کر کچھ توقف کے بعد فرمایا) ”جب تم جنت میں پہنچو گی تو جوان ہو جاؤ گی“

قرآن کی رو سے جنت میں دو باغ ہیں۔

ان میں سے ہر ایک میں دو چشمے بہتے ہیں۔
ان میں ہر قسم کے پھلدار درختوں کے جوڑے ہوں گے
وہ بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے گدوں پر جن کا استر
ذربفت کا ہوگا۔
ان باغوں میں پھل جھک رہے ہوں گے۔
ان میں خوبصورت نیچی نگاہ والیاں (عوریں) ہوں گی
نہیں چھووا جن کو اس سے پہلے کسی انسان نے اور
نہ کسی جن نے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ

ساری پچیسویں سورۃ (الرحمن) میں انہی باتوں کا ذکر ہے۔

جانوروں سے لگاؤ اور محبت رکھنے کے سبب آپ نے بڑے وثوق سے کہا کہ قیامت کے
 جانور بھی حشر میں شرکت کریں گے۔ اسلام سے پہلے بھی یہ عقیدہ موجود تھا۔ مرنے والے شخص
 سے اونٹ کے باندھنے کی رسم اس عقیدے کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ وہ اپنے اس
 کے ساتھی کو اگلے جہان میں بھی اپنے ساتھ رکھے گا۔

جنت کی تصویر کو زیادہ دلکش بنا کر پیش کرنے سے آپ کی مراد عیاشی یا دنیاوی آسائشوں
 پر دنیا نہ تھا۔ آپ کا منشاء تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو مبنی بر حقیقت انعام و اکرام کی خوشخبری
 جائے جو ان کی سمجھ میں بھی آ سکے۔ اس دنیا کا حال بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

”دنیا مسلمانوں کے لئے ایک قید خانہ اور ابتلا ہے اور جب وہ

یہاں سے جاتے ہیں تو گویا قید اور تکلیف دونوں سے نجات

حاصل کر لیتے ہیں“

اپنے اس رویہ میں بھی آپ عقلمندی کا ثبوت دے رہے تھے۔ تمام مذاہب میں آخرت
 زندگی اتنی دلکش دکھائی گئی ہے کہ ایمان لانے والا ہمیشہ کے لئے دہاں ہی رہنے کا خواہاں
 رہتا ہے۔

امریکہ کا ریڈ انڈین اسی جنت کا خواب دیکھتا ہے جو بادلوں سے ڈھکی پہاڑیوں
 پیچھے واقع ہے اور جہاں وہ اور اس کا دانا دار کتا خاموش جنگلوں میں آرام اور مسرت
 سے ہمکنار ہو سکے۔ قدیم نارتھین (شمالی علاقے کے لوگ) جنت کے لئے اوڈن کے محلات
 HALLS OF کی طرف دیکھتا تھا جہاں اسے مسلسل اور نہ ختم ہونے والی شراب خوری میسر

ملے امریکہ کے قدیم لوگ۔ کولمبس جب امریکہ پہنچا تو وہ اس مقابلے میں تھا کہ وہ ہندوستان پہنچ گیا ہے
 چنانچہ اس نے یہاں کے لوگوں کو انڈین کہنا شروع کیا۔ اور چونکہ یہ لوگ کچھ سرخ نسل کے تھے۔ اس لئے
 ریڈ انڈین نام پڑ گیا۔

اوڈن (ODIN) یا WODEN قدیم جرمنوں اور سیکنڈینویا والوں کا خدا۔ بدھ کا دن

(WEDNESDAY) اسی خدا کے نام سے منسوب ہے۔

ہو اور شراب پیالوں کی بجائے دشمن کی کھوپڑیوں میں ملتی ہو۔

پکے ڈسنٹر DISSENTERS عقیدے کے عیسائیوں کی جنت ایسی جگہ ہے جہاں عبادتیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں اور نسبت آرام اور عبادت کے دن کبھی ختم نہیں ہوتے۔ عام عیسائی کی خواہش ہوتی ہے کہ ایسی جنت ملے جہاں نسبتاً زیادہ آرام ہو اور وہاں کی زندگی میں یہاں بے چین زندگی کے تفکرات اور پریشانیاں نہ ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا خیال ایک خواب سے زیادہ نہ ہو لیکن یقینی طور پر وہ جنت ایک ابراہام، تیز ہواؤں والے اتوار کی بیجان اور غیر دلچسپ مذہبی درس گاہ کی طرح نہیں ہوگی۔

چنانچہ متعدد بیویاں رکھنے والے لوگ کس طرح ایسی جنت کا تصور کر سکتے تھے جہاں کثرت از دواج کی اجازت نہ ہو۔ انہوں نے کبھی کوئی ایسا معاشرہ نہیں دیکھا تھا جہاں پر یہ نہ ہو چنانچہ وہ اس سے مختلف حالات کا کیسے یقین کر سکتے تھے۔ اسی طرح کوئی عیسائی شخص جو گھریلو محبت اور بندھنوں کے متعلق گہرا احساس رکھتا ہو کس طرح آخرت کی زندگی میں ایسے دستور کو پسند کر سکتا ہے جہاں بقول سینٹ میٹھیو کوئی دنیاوی لگاؤ اور محبت نہ ہوگی۔

حضرت محمدؐ کو دنیاوی زندگی کا بڑا تجربہ تھا۔ آپؐ نے محبت بھی کی تھی اور جدائیوں کا غم بھی سہا تھا۔ آپؐ کی ساری زندگی ایک جدوجہد اور کشمکش تھی۔ چنانچہ آپؐ ایسے خدائی انعام و اکرام کے طلب گار تھے اور آسمانوں میں ایک ایسی آرام دہ جگہ چاہتے تھے جہاں آپؐ کو اور آپؐ کے پیروکاروں کو وہ تمام نعمتیں میسر آجائیں جو انہیں دنیا میں نہیں ملیں۔

جوابات عیسائیوں کی اکثریت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی یہ ہے کہ عیش و عشرت سے بھری نام نہاد جنت کی ان تصاویر میں بہت سی تصاویر ایک عیسائی کی وساطت سے آئی ہیں۔ ان کا نام سینٹ ایفرائیم ST. EPHRAIME تھا اور وہ چوتھی صدی عیسوی میں شام

لے بہت SABBATH یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں کائنات کی تخلیق کر کے ساتویں دن رستہ کو آرام کیا۔ اس لئے یہاں بھی آرام اور عبادت کا دن منایا جاتا ہے۔

میں رہتے تھے۔ جنت کے متعلق ان کے حمدیہ گیتوں میں حضرت محمدؐ کی بتائی ہوئی تمام پیشینگوئیاں موجود ہیں۔ ان میں خوبصورت عورتوں کا بھی ذکر ہے جن کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ وہ زاہد و متراض لوگوں کی دنیاوی زندگی کی پرہیزگاری کی تلافی کر دیں گی۔

مندرجہ ذیل اقتباس انہی حمدیہ گیتوں سے ہے:-

”میں نے نیک لوگوں کی رہائش گاہیں دیکھیں۔ وہ خود عطریات میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ پھولوں کے ہار پہنے تھے۔ اور پھولوں کے ڈھیر ان کے چاروں طرف لگے ہوئے تھے۔۔۔۔۔ جن لوگوں نے دنیا میں شراب سے پرہیز کیا تھا جنت کے انگوران کا انتظار کر رہے تھے۔۔۔۔۔ اور جو لوگ دنیا میں پرہیزگار رہے ان کا یہاں پاکدامن عورتیں سینوں سے لگا کر استقبال کر رہی تھیں۔ کیونکہ وہ راہب تھے اور انہوں نے دنیا میں عورت اور دنیوی محبت سے پرہیز کیا تھا۔

دسینٹ ایفرائیم کے گیت

(جلد ۳ صفحہ ۵۶۳)

اسی طرح جہاں حضرت محمدؐ نے لوگوں کو عذاب سے خبردار کرتے ہوئے دوزخ کی تصویر پیش کی ہے۔ اس میں صحرا کی تمام تکالیف اور صعوبتوں کو ہی زیادہ سنگین بنا دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:-

وَأَصْحَابُ الشَّامِلِ ۖ مَا أَصْحَابُ الشَّامِلِ ۖ
وَهُمْ كُنْهٌ كَارِهُ سَادِيَئِهِ ۖ وَالْيَاقُوتِ ۖ كَهْوَلَتِ بِأُتَى ۖ
فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۖ وَظِلٍّ مِّنْ يَحْمُومٍ ۖ
سِيَاهُ دُحُوئِيٍّ ۖ كَسَاوَتْهُ ۖ فِي رِيٍّ ۖ كَسَاوَتْهُ ۖ
لَا بَارِدٌ وَلَا كَرِيمٌ ۖ

تھنڈا ہو گا اور نہ ہی آرام و سکون والا

وہ آبلتا پانی پیئیں گے اور سخت پیاسے اونٹ کی طرح پیئیں گے۔
(سورۃ واقعہ)

فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۖ
فَشَرِبُونَ شُرْبَ الْهَمِيمِ ۖ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ
ثِيَابٌ مِنَ النَّارِ يُمْسِكُهَا
فَوْقَ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۖ يُصْهِرُ فِيهِ
مَا فِي بَطُونِهِمْ وَلَجُلُودُهُمْ
مَقَامِعٌ مِنَ الْحَدِيدِ ۝

”ان کے لباس آگ کے ہوں گے جو ان کے
جسموں سے چمٹے ہوں گے۔ ڈالیں گے ان کے
سروں پر کھولتا پانی جس سے ان کی آنکھیں کھل
جائیں گی اور ان کی جلد بھی اور انہیں لوہے کے
گرزوں سے مارا جائے گا۔“

(سورہ حج۔ رکوع ۱-۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو آئندہ زمانے میں جارج ٹیل اور ان کے مذاق اڑانے والے
ہم مشربوں کے ہونے کا علم تھا۔ کیونکہ قرآن مزید کہتا ہے۔

وَيَوْمَ يُؤْمِنُ الْمَكْذِبِينَ ۖ انْطَلِقُوا
اِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۚ
انْطَلِقُوا اِلَى ظِلِّ ذِي ثُلُثٍ
شَعْبٍ ۚ لَا ظِلِّيلٌ وَلَا
يُغْنِي مِنَ الْهَبِ

برا ہوگا اس دن ان لوگوں کا جو نبیوں کو جھوٹا کہتے
تھے ان سے کہا جائے گا جاؤ دیکھو ان چیزوں کو
جنہیں تم جھٹلاتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا۔ جاؤ
دوزخ کی آگ کے دھوئیں کے نیچے جاؤ جو تین ستونوں
کی شکل میں اٹھ رہا ہے وہ نہ تمہیں گرمی سے پناہ
دے گا اور نہ ہی شعلوں سے بچا سکے گا۔ بلکہ اس میں
بڑے بڑے ستونوں جیسے شعلے لپکیں گے اور ان کا
رنگ زرد دانٹوں جیسا ہوگا۔ بد نصیبی ہوگی اس دن
ان لوگوں کے لئے جو نبیوں کو جھٹلاتے تھے۔

اِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّهَا الْقَصْرِۃَ
كَأَنَّهُ جُمُلٌ صَفَرٌ ۚ وَيَوْمَ
يُؤْمِنُ الْمَكْذِبِينَ ۝

سورہ والمرسلات۔ رکوع ۱

لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کے دوزخ کے برعکس مسلمانوں کے لئے دوزخ کی سزا

لہ جارج سیل GEORGE SALE ایک انگریزی عیسائی۔ اٹھارویں صدی کے شروع (۱۷۳۴ء) میں
قرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور ایک اچھا مضبوط مقدمہ بھی لکھا ہے لیکن بقول مصنف ایک اور انگریزی عیسائی
کی لکھی ہوئی رسول کریم کی سوانح حیات کے دیباچے میں اس نے حضور کے لئے ”ظالم“ اور ”فریبی“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مسٹر
باڈلے نے مسٹر سیل کو اس اقدام پر بہت برا کہا ہے اور اس کا تفصیلی ذکر اس کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔

ہیشگی نہیں بلکہ ان کے لئے یہ ایک اصلاحی ادارے یا شفا خانے کی طرح ہوگا۔ جہاں
 پس لگی روحانی بیماریوں کے مریضوں کو علاج کے لئے بھیجا جائے گا اور جب ان کا
 دور سو جائے گا تو وہ جنت میں چلے جائیں گے۔ جیسا حضرت محمدؐ نے فرمایا :-
 ”دوزخ پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس کے (خالی) دروازے ایک
 دوسرے سے پڑے ٹکرائیں گے کیونکہ وہاں سے سب چلے جائیں گے۔
 عیسائیوں کو بھی حضرت عیسیٰؑ کی وساطت سے مغفرت کی امید دلائی گئی ہے۔
 پس جنت حضرت محمدؐ کے ان مشاہدات کا ایک پُر غلو بیان ہے جو آپؐ کو عرب سے
 بے مالک میں سفر کے دوران ہوئے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ خیالات سینٹ
 ڈیم سے بھی مستعار لئے ہوں۔ اسی طرح دوزخ بھی مکہ کے گرد واقع آنکھوں کو خیر
 دینے والے بے آب صحرا کی ایک مبالغہ آمیز تصویر ہے۔

یہ تصویر اس سے بہت ملتی جلتی تھی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ذہنوں
 میں تھی کیونکہ وہ بھی ان بے آب اور ویران مالک سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ
 سبز چراگاہیں جنت اور صحرا اور اس کا ایندھن دوزخ کے مترادف تھے۔
 اس خیال سے کہ اسلام اختیار کر لینے والے لوگ جان لیں کہ ان کے نئے دین میں
 ہے۔ آپؐ نے دین کے اصول قائم کر دیئے جو مختصر طور پر یہ ہیں :-
 اَمَنْتُ بِاللّٰہِ - میں ایمان لایا اللہ پر۔

(۱) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۲) کے سوا کوئی معبود نہیں

(۲) وَمَلَاٰ سِکِّتَہٗ - میں ایمان لایا اللہ کے فرشتوں پر۔

ان میں سے چار بڑے فرشتے ہیں۔ (۱) جبرائیل جو وحی لاتے ہیں۔ (۲) عزرائیل جو
 رنے والوں کی روح قبض کرتے تھے۔ (۳) اسرافیل جو قیامت کے دن صور بھونکیں گے

۱۔ یہ مصنف کا اپنا قیاس ہے۔

۲۔ اصل میں یہ (۱) تا (۴) اصول ارکان ایمان ہیں۔ ایمان مُفْتَقِلٌ یہ ہے۔ اَمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَاٰ سِکِّتَہٗ و

بِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ ■

اور (۴) میکائیل جو تمام انسانی مخلوق کی خبر گیری کرتے ہیں۔

دوسرے فرشتوں میں دو خوفناک ہیں۔ یہ میت کے دفن ہونے کے فوراً بعد ان کے روح سے پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ تمہارا خدا کون ہے؟ تمہارا رسول کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارا قبلہ کس طرف تھا؟ (قبلہ عرب کے) ہر مسلمان کے گھر میں ایک محراب چیز ہوتی ہے جو مکہ کا رخ ظاہر کرتی ہے)

وہ ارواح جن کے جوابات تسلی بخش نہیں ہوں گے قیامت تک اپنے جہنموں ساتھ قبر میں رہیں گی۔

(۳) وکتابہ - میرا اللہ کی کتابوں پر بھی ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سے صحیفے حضرت آدمؑ اور بعد میں آنے والے پیغمبروں پر اتارے۔ ان میں سے حضرت موسیٰؑ کی توریت **PENTATEUCH** حضرت داؤدؑ زبور، حضرت عیسیٰؑ کی انجیل اور حضرت محمدؐ کے قرآن کے سوا باقی تمام کتابیں ضائع ہو گئیں۔

(۴) وُسرُ سُلہ - میں اس کے رسولوں اور پیغمبروں پر بھی ایمان رکھتا ہوں۔
اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تخلیق کے بعد سے دو لاکھ نبی دنیا میں بھیجے جن میں پچیس قرآن میں ذکر ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور پیغمبر حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو معصوم خیال کیا گیا ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ معصوم حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ حضرت محمدؐ نے آپ کو کلام اللہ روح اللہ، ابن مریم اور صاحب معجزات کہا۔

(۵) والیومہ الآخر - میں قیامت اور آخرت پر یقین رکھتا ہوں۔

اس روز لوگوں کے اعمال کا حساب اور ان کی جزا سزا کا فیصلہ ہوگا۔ قرب قیامت کی

لہ توزیت یا پانے عہدئے کی پہلی پانچ جلد

۲ ایک اور روایت کے بموجب یہ تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

ب نشانی حضرت عیسیٰؑ کی اس دنیا میں واپسی ہوگی۔ قیامت یقینی طور پر واقعی اور عملی ہوگی۔
 مگر کے مشرک لوگ اس نظریے کے بڑے خلاف تھے اور حضرت محمدؐ سے دریافت کیا کرتے تھے
 کہ اس روز مرنے والوں کی ہڈیاں اکٹھی کرنا اور ان کو جوڑ کر دوبارہ زندہ کرنا کیونکر ممکن ہوگا؟
 اس کا جواب آپؐ یہ دیتے کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو ایک بوند سے پیدا کر سکتا ہے تو وہ اسی
 آسانی سے دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ قیامت کے دن غیر مسلموں وغالباً یہاں اہل کتاب
 کے علاوہ دوسرے لوگ مراد ہیں اے لئے شفاعت کرنا بے سود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
 رسول اسی لئے بھیجے تھے کہ وہ لوگوں کو صحیح راستہ دکھادیں لیکن اگر وہ ان کی رہبری سے
 منکر رہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ پر کیا الزام ہے۔ اس نے تو انہیں راہ راست پر لانے کی ہر
 ممکن کوشش کی۔ بری ہونے کے بعد مسلمان جنت میں چلے جائیں گے۔

(۶) وَالْقَدْرُ غَيْرُهُ وَشَرُّهُ - میں مقدر شدہ اچھائی یا برائی پر ایمان رکھتا ہوں۔
 اللہ تعالیٰ ہر بات جانتا ہے اور حساب رکھتا ہے ہر اس بات کا جو ہوتی ہے یا ہو چکی ہے
 اور آئندہ ہونے والی ہے۔

ان عقائد کے علاوہ حضرت محمدؐ نے مسلمانوں پر پانچ فرائض بھی لازمی کر دیئے۔
 (۱) ایمان کا اقرار باللسان یا زبان سے کلمہ پڑھنا۔ بہت ہی مختصر الفاظ ہیں
 وہ یہ ہے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ■

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں

(ب) پنجوقتہ نماز۔ فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء جو غروب آفتاب کے دو

گھنٹے بعد پڑھی جاتی ہے۔

حضرت محمدؐ نماز کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ آپؐ اکثر فرماتے تھے: روزانہ کی پنجوقتہ

نماز تازہ پانی کے۔ ریاحی طرح ہے جو کسی کے گھر کے قریب سے بہتا ہو۔ جو شخص بھی روزانہ

پانچ وقت اس میں غسل کرے گا وہ پاک صاف ہوگا۔

اس کے علاوہ اسے اپنے جسم کی صفائی اور پاکیزگی کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ نماز پہلے ہر مسلمان کو وضو کرنا لازمی ہے۔ مزید برآں حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ آپؐ کے ملک پانی ہر وقت دستیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپؐ نے ایسی ضرورت پڑنے پر پانی کی ریت یا مٹی استعمال کرنے کی بھی اجازت دے دی۔

یہ نمازیں صرف دعائیں ہی نہیں ہیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر مہربان ہے۔ اسے انسانی ضروریات کا علم ہے۔ اس لئے اسے ان باتوں کا جتنا گستاخی ہے نمازیں اس کی حمد، شکر گزاری اور گناہوں پر معافی چاہنے کی دعاؤں پر مشتمل ہوتی ہیں (ج) روزے رکھنا۔ رمضان کے پورے مہینے روزے رکھے جاتے ہیں۔ تیس دنوں میں صبح صادق اور غروب آفتاب کے درمیان کھانا پینا منع ہے۔ یعنی صبح ایک ہاتھ کے فاصلے پر ایک سفید بال اور سیاہ بال میں تمیز نہ ہونے سے پہلے اور شام اس کے بعد تک۔

مسلمانوں میں قمری سال مروج ہونے کے سبب مہینے ہمیشہ ایک ہی موسم میں چنانچہ جب رمضان کا مہینہ جون میں پڑتا ہے تو ان لمبے اور سخت گرم دنوں میں روزے رکھنا ایک کڑی آزمائش ہوتی ہے۔

دوسرے مذاہب کے رد و قول کی طرح اسلام میں بھی روزے رکھنے کا اصل مقصد کو تزکیہ نفس یعنی بعض چیزیں چھوڑ دینے اور سختی بھیلنے کا عادی بنانا ہے اور امیر و غریب ایک ہی سطح پر لانا ہے۔ البتہ جہاں عیسائی فرقوں میں روزے کی سختیاں بھیلنا روزے کے اپنے ضمیر یا صوابدید پر منحصر ہے۔ وہاں مسلمانوں میں روزے کے مقرر کردہ اوقات میں کھانے پینے کا مکمل امتناع سب پر بلا استثنا لازمی اور فرض ہے۔

(د) حج۔ یہ رسم کعبہ کے قدیم ترین ایام سے ہی رائج تھی حضرت محمدؐ نے بھی حج کیا۔

۱۔ قرآن میں حیض والا بیض اور حیض الامود کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔
۲۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔

کر لیا کہ وہ کعبہ کو اپنے نئے دین کا ایک جزو لاینفک رکھیں گے۔ آپ نے یہ بھی سوچا کہ اس حج کے سبب اسلامی دنیا کے ہر حصے کے مسلمان سال میں ایک مرتبہ ایک مرکز پر ضرور اکٹھے ہو سکیں گے۔ بہر حال زندگی کے متعلق اپنے عملی نظریے کے پیش نظر آپ نے اس فرض میں ایک ترمیم کر کے ان لوگوں کو اس سے مستثناء قرار دے دیا جو اس سفر کی استطاعت نہ رکھتے ہوں یا جن کی غیر حاضری میں ان کے گھر بار کا سنبھالنے والا کوئی نہ ہو۔

(۵) زکوٰۃ و خیرات۔ یہ دو قسم کی تھی۔ پہلی شرعی یا قانونی جو قومی خزانے یا بیت المال کو جاتی تھی۔ دوسری رضا کارانہ لیکن موجب ثواب جو غربا کے لئے وقف تھی۔ یہ مورخ الذکر خیرات مسلمانوں کی اکثریت اب تک بڑی فرض شناسی سے دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ اس نئے دین کے یہ اصول تھے جن کی خاطر حضرت محمدؐ نے مکہ میں اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا ہوا تھا۔ آپ عربوں کے سامنے عیسائیوں کے خدا جیسا ہی ایک پر جلال خدا پیش کر رہے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ زبردست اور قدرت والا اور ان کی جفا کش زندگی کے ماحول سے زیادہ مطابقت رکھنے والا۔ یہ جلتے جھلستے اور لامتناہی صحراؤں کے گلہ بانوں اور جنگجوؤں کا دین تھا۔

عیسائیت میں اخلاقیات کے بے شمار وسیع میدان اور فکر و نظر کی ایسی قلمروں ہیں جو حضرت محمدؐ کے دین میں نہیں ہیں۔ عیسائی زندگی کا بنیادی نظریہ اتنا ہی زیادہ خیالی اور غیر مادی ہے جس قدر بانی اسلام کی زندگی بانی عیسائیت کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ مادی اور عملی ہے۔ صحیح معنوں میں اسلام میں خیالی زندگی کا کوئی وجود نہیں کیونکہ حضرت محمدؐ نے اپنے کردار کو کبھی آسمانی یا غیر مادی نہیں کہا۔ غالباً یہ بھی اسلام کی مقبولیت اور اس کی

۱۔ مصنف نے یہ الفاظ جارج میل کے ترجمہ قرآن کے مقدمہ سے لئے ہیں۔ جہاں اس کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے

۲۔ مصنف نے عیسائی ہونے کے سبب غالباً ایسے خیال کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ یہ ہی باتیں اسلام

کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اسلام میں اخلاقی قدریں عملی زندگی سے زیادہ تطابق

کرتی ہیں۔

بڑھتی ہوئی طاقت کا ایک سبب ہے۔

بائیں ہمہ اسلام ایک آسان مذہب نہیں۔ اس کے روزے، بہت سی نمازیں خلوت کی عبادتیں، حج، زکوٰۃ اور خیرات تن آسان یا خود غرض لوگوں کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتے۔ پہلے مذاہب کی طرح نہ تو اس میں ظاہری نام و نمود کا سامان ہے اور نہ ہی دنیاوی انعام و اکرام کا لالچ۔ حضرت محمدؐ نے اپنی دنیوی حکومت میں بھی کسی کو مادی قسم کے انعامات سے نہیں نوازا۔ سوائے اس غنیمت کے جو وہ جنگوں میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر حاصل کرتے تھے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ کشش نہیں ہے ہو سکتا ہے یہ صحیح ہو۔ اسلام میں بہت سے وہ ہی عقائد ہیں جو اس سے پہلے یہودیت اور عیسائیت میں بھی موجود تھے۔ لیکن اسلام میں بس اگر یہی کچھ ہوتا تو یہ بھی اتنا ہی غیر دلکش ہوتا جتنا غیر اصل تھا۔ لیکن اس کا وہ عنصر یا روح جسے کوئی یقیناً نظر انداز نہیں کر سکتا اور نہ ہمیں بھلانا چاہیئے۔ خود حضرت محمدؐ کی ذات ہے۔ یہ ہی وہ عنصر تھا جس نے دین اسلام قائم کیا اور اسی روح رواں کے سبب یہ مذہب عربوں میں پہلی مرتبہ پیش ہونے کے بعد سے تیرہ صدیوں کے دوران پھلا پھولا اور کامیاب ہوا۔ درحقیقت حضرت محمدؐ ہی اصل اسلام ہیں اور اس سے کہیں زیادہ جتنا کہ حضرت موسیٰؑ، یہودیت میں اور حضرت عیسیٰؑ عیسائیت میں۔ اس دین کی تاریخ کا علم اسی کے بانی کے حالات زندگی جانے بغیر بے معنی ہوگا۔

سیر ہفت افلاک یا معراج

(صفحہ ۶۲۰)

آغاز کتنا ہی مشکل ہوا اور راہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو اکثر لوگ پچاس سال کی عمر کو پہنچنے تک اپنی منزل کو جا لیتے ہیں لیکن حضرت محمدؐ ایک استثناء ہیں۔ آپؐ کی آدھی سے زیادہ عمر گنہامی میں گزری، ایک چوتھائی اذیتیں سہنے میں اور اس کا صرف چھٹا حصہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں صرف ہوا۔ وہ تمام باتیں جن کے لئے حضرت محمدؐ کی بے حد سائنس کی جاتی ہے آپؐ کی عمر کے آخری دس سالوں میں وقوع پذیر ہوئیں۔ جب آپؐ کی عمر باون سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ بہت سے لوگ جن کا اسلام کے متعلق علم سطحی ہوتا ہے آپؐ کی پچاس سال کی عمر ہونے سے پہلے کے واقعات کے متعلق سن کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اگرچہ جیسا کہ کہا جاتا ہے آپؐ کی اصل زندگی پچاس سال کے ہو جانے کے بعد شروع ہوتی ہے لیکن آپؐ کی تصویر کے خدو خال کو دیکھ کر طرح وضع کرنے کے لئے ان سے پہلے کے حالات کو جاننا نہایت ضروری ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی عام طور پر تسلیم شدہ زندگی کا سب سے زیادہ مایوس کن پہلو یہ ہے کہ ان کی جوانی کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں۔ ہم صرف اتنا سنتے ہیں کہ آپؑ پیدا ہوئے اور اس کے بعد آپؑ یکایک تیس سالہ جوان کی شکل میں معجزے دکھاتے ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔ اور اس کے تین سال بعد آپؑ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ ہی کی حضرت موسیٰؑ کے سوانح حیات میں ہے اور یہی حال جان تبسمیؒ JOHN BAPTIST اور سینٹ پال کا ہے

لے جان میسٹ۔ عربی میں انہیں یوحنا کہتے ہیں اور قرآن میں جن کا ذکر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے نام سے آیا ہے۔ یہی ہیں آپؑ کا نام حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ اس طرح منسلک ہے جیسے حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ آپؑ ہی نے لوگوں کو خبردار کیا کہ جس یسوع کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔ اسی جرم کی پاداش میں حکومت نے آپؑ کو پھر مار کر قتل کر دیا۔

ہم ان کو صرف اس وقت دیکھتے ہیں جب وہ اپنی معراج پر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ ان کا لڑکپن اور جوانی کیسی گزری اس کا ہمیں کچھ علم نہیں۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر جب ہم ان کے شیخ پتھر یا لکڑی کے بنے ہوئے جوانی کے مجسموں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ لوگ قریب قریب بالکل خفا کردار معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضرت محمدؐ نے ان سب کے بعد شہرت حاصل کی لیکن آپؐ جوانی کے متعلق کوئی بات بھی ہوتی نہیں ہے بشرطیکہ کوئی جاننے یا تلاش کرنے کی تکلیف گوارا کرے۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضرت محمدؐ نے ایک غیر متوقع بات کی یعنی آپؐ نے شادی کر لی اور ایک نہیں بلکہ دو۔ لیکن ان میں سے کوئی سی بھی شادی خواہش نفسانی کی خاطر نہیں ایک بیوی سات سالہ لڑکی تھیں تو دوسری ایک ایسے مہاجر کی ادھیڑ عمر کی غیر دلکش بیوہ تھیں جو ۶۱۴ عیسوی میں اسلام کی خاطر حبشہ کو ہجرت کر گیا تھا۔ اور وہاں ہی فوت ہو گیا۔ دونوں شادیوں کے اسباب بنیادی طور پر زندگی کے عملی پہلو سے تعلق رکھتے تھے۔

کس بیوی سبب سے پہلے ایمان لانے والے اور آپؐ کے ایک عزیز دوست حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی عائشہؓ تھیں۔ یہ شادی کرنے کا حضرت محمدؐ کا اپنا کوئی خیال نہ تھا۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے غم سے نڈھال تھے اور مصائب میں اتنے گھبرے ہوئے تھے کہ ان کو عورتوں اور گھر بسانے کا خیال بھی نہ آسکتا تھا۔ یہ تجویز دراصل حضرت آمنہؓ کی والدہ کی بیوی اور آپؐ کی خالہ خولہ بنت حکم کی تھی۔ انہوں نے آپؐ کو مشورہ دیا کہ گو سر دست حضرت عائشہؓ کی شادی ایک قسم کی منگنی یا نسبت سے زیادہ نہ ہوگی لیکن اس صورت سے آپؐ کے سبب زیادہ وفادار دوست کی لڑکی نبی کے گھرانے کی ایک فرد تو بن جائے گی۔ مزید یہ کہ عائشہؓ میں بڑی ہو کر ایک حسین خاتون بننے کے تمام آثار موجود ہیں۔ حضرت محمدؐ رضامند ہو گئے اور نکاح ہو گیا۔

میں اس واقعہ کا خاص طور پر اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ بعض سوانح نگاروں نے اس شادی کے متعلق آپؐ پر بڑی نکتہ چینی کی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اصل میں یہ آپؐ کی تجویز نہ تھی بلکہ اس میں کسی جبر یا خواہش نفسانی کے سبب کسی بوڑھے کا کسی کس لڑکی سے شادی کر لیا

سوال ہی نہ تھا۔

آپ کی دوسری بیوی حضرت سودہ بنت ذمہ کے آپ کے گھرانے میں داخلے کا سبب
ی اور بات سے زیادہ گھر کی دیکھ بھال تھا۔ حضرت سودہ ایک قد آور اور فربہ اندام خاتون
ہیں۔ آپ شروع میں ایمان لانے والوں میں سے ایک تھیں جن کے خاندان اسلام کی خاطر
وطنی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ حضرت خولہ نے اپنے بھانجے (حضرت محمدؐ) کو مشورہ دیا کہ
ان کی قربانیوں اور بے سہارا ہونے کے پیش نظر ان کی کم سے کم امداد یہ ہوگی کہ آپ ان
سے نکاح کر لیں۔

لیکن جہاں آپ کو بیویاں مل گئیں وہاں سکون نہ ملا۔ حضرت ابوطالب اور حضرت
میریچہؓ کی وفات کے بعد ابوسفیان اور ابو جہل نے اپنے اس پریشان کن جھوٹے نبی (نعموذا)ؐ
سے نجات حاصل کرنے کے لئے زیادہ عملی طریقے اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب انہوں
نے دبی زبان سے کہنے کی بجائے کھل کر شہر والوں پر روشن کر دیا کہ آپ کے قتل سے کم کوئی
ت انہیں مطمئن نہ کر سکے گی۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔
اس مرتبہ آپ نے حضرت زیدؓ کے علاوہ کسی کو ساتھ نہ لیا اور چونکہ اب شعب ابی طالب
یسی کوئی پناہ گاہ آپ کے پاس نہ تھی آپ نے فوراً مکہ چھوڑ دیا۔ دونوں اونٹوں پر سوار
ہوئے اور مکہ سے ستر میل مشرق میں بنو ہوازن کے علاقے رطائف، چلے گئے۔ یہ ایک
ہاڑی علاقہ تھا جسے مکہ کے امیر لوگ بہت پسند کرتے تھے اور موسم گرما کی شدت سے بچنے
کے لئے وہاں چلے جایا کرتے تھے۔ مکہ کے مقدس شہر کی ارد گرد دھوپ میں جھپکتی اور جھلستی
بے آب ویرانیوں کے مقابلے میں یہاں کا ماحول بہت حد تک مختلف تھا۔ یہاں پانی
کی فراوانی تھی اور لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت تھا۔ پہاڑیوں کی ڈھلوانیں جن کے دریاں
سبز رنگ کے پانی کے چشمے تھے، کھجوروں، پھلدار درختوں اور باغات سے پٹی پٹی تھیں۔

سہ زید بن حارثہؓ آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام، منہ بولے بیٹے اور جان نثار دوست۔

سہ رطائف میں نبی ثقیف آباد تھے۔ البتہ بنو ہوازن ان کے علاقے میں بدوی زندگی گزارتے تھے۔

صحرا میں یہ مقام جنت سے کم نہ تھا۔ جب آپ وہاں کے سایہ دار راستوں سے گزرے تو آپ بڑا سکون محسوس ہوا لیکن یہ سکون دیر پا ثابت نہ ہوا۔

آپ کو پہلی مایوسی تو یہ جان کر ہوئی کہ اس نخلستانی علاقے کے بڑے شہر طائف کے رہنے والے آپ کے اور آپ کے دینی اصولوں کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا تھا۔ دوسری یہ کہ وہ لوگ نئے مذہب میں کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ وہ تو اپنی پتھر کی دیوی "الآت" سے پوری طرح متعلق تھے جو ان کی ہر خواہش پوری کر دیتی تھی۔ آنحضرت کی ذات پر تو انہیں کوئی اعتراض نہ تھا بلکہ آپ کا "الآت" جسے الرّبّہ AL-RABBA بھی کہتے تھے، کا مخالف ہونا بہت اہم بات اپنے معمول کے مطابق حضرت محمدؐ نہ تو اس نظریے کے سامنے جھکے اور نہ ہی اس سے سمجھوتہ کیا۔ یہ آپ کے لئے بہت آسان تھا کہ اسلام کا فکر چھوڑ کر کچھ دن آرام کر لیتے تا آنکہ آپ کی صحت بحال ہو جاتی لیکن ایسا خیال بھی کبھی آپ کے ذہن میں نہیں آیا۔ آپ نے مسکراہٹ راستہ اختیار کیا اور اپنے دین کی تبلیغ شروع کر دی۔ نتیجہ تباہ کن تھا۔ ہر شخص آپ کا مخالف ہو گیا۔ تمسخر اڑانے کے بعد آپ کی توہین کی گئی اس کے بعد پتھر اڑا ہوا چند ہی روز میں آپ کو ٹھنڈی چھاؤں والے باغات اور فرحت بخش پانی کے کناروں سے دور پر صعب و سخت صحرائی طرف نکال دیا گیا۔ ایک مرتبہ پھر ایسا نظر آتا تھا کہ آپ کے اس مشن میں ضرور کوئی خرابی تھی کہ شخص بھی اتنی مستقل اور مسلسل آفتوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

لیکن زیدؓ جو ان تھے اور زعمہ رہنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے منہ بولے والد (حضرت محمدؐ) کے پاس وہ خور و نوش کا سامان چھوڑا جو آپ نے چھپ چھپا کر طائف سے حاصل کیا تھا اور خود مکہ روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے ایک مسلمان کو جن کا نام مطعم بن عدی تھا اور جن کے پاس ایک بڑا مکان تھا حضرت محمدؐ کو پناہ دینے پر رضا مندر کیا۔ یہ

لے آلات۔ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جن میں ہیل اور عزیزی بہت محترم تھے لیکن آلات کا مستقر طائف تھا اور وہاں اسی کی عبادت رہی تھی۔

مطعم بن عدی مسلمان نہیں ہوئے لیکن انہوں نے رسول اللہ کو پناہ دی تھی۔ وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ ہتھیار لگا کر آپ کو مکہ میں لائے اور کعبہ میں جا کر اعلان کیا کہ رسول اللہ ان کی پناہ میں ہیں۔ (سیرۃ النبی جلد اول)

دھرا کو لوٹے۔ وہاں انہوں نے حضرت محمدؐ کو بے ہوشی کی سی حالت میں پایا۔ کچھ تو گرمی کے سبب اور کچھ اس وجہ سے کہ دو جن آپ کے ساتھ لگ گئے تھے (اور آپ کو پریشان کرتے تھے) کچھ ایسا ہی تھا جو حضرت محمدؐ نے بڑے وثوق سے بتایا۔ حضرت زیدؓ نے وقت ضائع کیا۔ آپ کو اٹھا کر اپنے اونٹ پر سوار کیا، کتے واپس لائے اور کسی قریش کی نظر میں آئے۔ غیر آپ کو بڑی خاموشی سے مطعم بن عدی کے مکان پر پہنچا دیا۔

یہاں پر ہی آپ کو واقعہ پیش آیا جو اتنا ہی بڑا موضوع بحث بنا ہوا ہے جتنا کہ آپ پر مرگی کے دورے پڑنا یا آپ کا بے پڑھا لکھا ہونا۔ لیکن جہاں یہ واقعہ دلچسپ ہے جہاں اس کا تاریخ اسلام پر کوئی اثر نہیں۔ مسلمانوں میں یہ واقعہ رات کے سفر (معراج النبی) کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت محمدؐ پر لکھی ہوئی بہت سی کتابوں میں اس واقعہ کا تھوڑا یا بہت ذکر مختلف طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ بعض نے بڑی عقیدت سے لکھا ہے۔ بعض نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور بعض نے بے رنگ اور بے کیف انداز میں تحریر کیا ہے۔ میں آپ کو یہ واقعہ اسی طرح بتاؤں گا جیسے میرے دوست قائد مدنی نے ایک رات صبح میں اپنے خیمہ کے سامنے ریت پر بیٹھے میرے سامنے بیان کیا۔

مدنی ان چند بہت اچھے لوگوں میں تھا جن سے میری ملاقات ہوئی۔ اگر وہ ایک عرب سردار ہونے کی بجائے کسی برطانوی دیپلمات کا رئیس یا امریکن زمیندار ہوتا تو اس کی اچھائی اور شرافت اور زیادہ نمایاں ہوتی۔ اس کی جھپکتی نیلی آنکھوں میں جھانکنے یا اس کو مسکراتے دیکھ کر ہی اس کے خلوص کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ وہ بہت اچھا داستان گو بھی تھا۔ اس کی معلومات زیادہ تر عمد نامہ عتیق (زبور و توریت) قرآن اور احادیث پر مبنی تھیں لیکن پرانی بات کو

اے مطعم بن عدی جنگ بدر سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔ (سیرۃ النبی - جلد اول)
اے نجات محمدؐ - تذکرۃ الکرام اور دوسری بہت سی ثقہ اور مشہور کتابوں میں لکھا ہے کہ معراج کی شب آنحضرتؐ اپنی چچا زاد بہن امّ ہانی بنت ابی طالب کے ہاں مقیم تھے اور یہ واقعہ وہاں ہی پیش آیا۔

ایک بالکل نئے انداز میں بیان کرنے کا اس کو ایک قابل رشک ملکہ حاصل تھا۔ معراج کے سفر کا احوال مدنی کے بیان کردہ واقعات میں سے ایک ایسا واقعہ تھا جو مجھے شروع سے آخر تک ازبر یاد رہا۔

مدنی نے اپنی عبا کو سمیٹ کر درست کیا، عمامہ سر کے پیچھے کی طرف سرکایا۔ سوچنے کے انداز میں میری طرف دیکھا۔ اور یوں گویا ہوا۔

”اس رات صحرا میں خاموشی تھی نہ تو کوئی گیدڑ بولا اور نہ ہی کتے بھونکے، یہاں تک کہ ہوا کی سرسراہٹ بھی بند ہو گئی تھی۔ کتے کی گلیوں میں بھی کوئی بلی دبے پاؤں چلتی نظر نہ آتی تھی۔ طوائفوں کے مکانات میں بھی خاموشی تھی۔ یہاں تک کہ نالوں میں بہتا پانی بھی ٹھہر گیا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج ڈوبنے کے بعد ہر شے پر سکوت طاری ہو گیا تھا۔“

”حضرت محمدؐ شام ہوتے ہی آرام کے لئے لیٹ گئے تھے۔ آپ کا جسم اور روح مسلسل مصیبتیں جھیلنے سے تھک گئے تھے۔ وہ اپنے غم زاد مطعم بن عدی کے بستر پر گہری نیند سو رہے تھے۔ اچانک اس مسلسل خاموشی کا طلسم ٹوٹا۔ قرنا جیسی بلند آواز میں کسی نے کہا:“

”جاگ اٹھ۔ اے سونے والے۔ جاگ اٹھ۔“

”حضرت محمدؐ کی آنکھ کھل گئی اور آپ اٹھ بیٹھے۔ آپ نے دیکھا کہ اندھیرے میں چکا چوند کئے ہوئے حضرت جبرئیلؑ آپ کے سامنے کھڑے تھے۔“

EMILE DERMENGHAM (ایک فرانسیسی سیرۃ نگار) نے حضور اکرم کے معراج

پر تشریف لے جانے کے واقعہ کو کتب سیرت سے ملج کر کے نہایت حسین و جمیل پیرائے میں پیش کیا ہے۔ مدنی کا یہ بیان کردہ واقعہ درنگم کے لکھے ہوئے واقعہ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے آخر میں مندرج کتابیات میں اس کی کتاب VIED MAHOMET کا نام بھی درج کیا ہے۔ مدنی کی زبانی بیان کردہ واقعہ درنگم کی اس کتاب سے اخذ کئے معلوم ہوتے ہیں۔

”ان کے چکدار پردوں، برف جیسے سفید بالوں اور ان کے لباس سے، جس پر زرتار کار چوہی کا کام تھا اور جس میں میرے جڑے ہوئے تھے، روشنی پھوٹ رہی تھی فرشتے اپنے پھر آواز دی اور حضرت محمدؐ کو اپنے پیچھے گلی میں آنے کا اشارہ کیا۔“
 ”دروازے پر ایک گھوڑی کھڑی تھی جو اتنی ہی چمکیلی اور پر نور تھی۔ جیسے خود جبرئیل امین۔ اس کے پر بھی تھے جو ایک بہت بڑے عقاب کے پردوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کی آنکھیں نیلم کی تھیں اور اس کا سر خوبصورتی میں بالکل انسان کے مشابہ تھا۔ حضرت جبرئیل نے گھوڑی کو حضرت محمدؐ کی خدمت میں پیش کیا اور اس کا نام براق بتایا۔ براق ہنہانی اور حضرت محمدؐ کو جست لگا کر اپنی پشت پر سوار ہونے دیا۔ پھر ہوا میں ایک لمبی سانس لے کر گلی میں اوپر کی طرف سریٹ دوڑی۔ جب وہ سوتے شہر کی فصیل کے قریب آئی، تو اس نے اپنے پر پھیلائے اور تاروں بھری رات میں ہوا میں تیرنے لگی حضرت جبرئیل پہلو میں آپ کے ساتھ ساتھ اڑ رہے تھے۔“

مدنی نے حضرت محمدؐ اور براق کی جو تصویر پیش کی ہے وہ سادہ اور عربی ماحول کی منظر ہے۔ حضرت جبرئیل کا سلام پیش کرنا، حضرت محمدؐ کا ایک پیدائشی سوار کی خود اعتمادی کے ساتھ سوار ہونا۔ اس قوم کا روایتی انداز تھا۔ حضرت موسیٰ یا سینٹ پال کا ایسے برق رفتار موڑوں پر سوار ہونے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ صرف ایک عرب ہی آسمانی سفر پر اس طرح جاسکتا ہے۔

مدنی نے اپنا بیان جاری رکھا۔

”ابھی وہ کچھ دیر ہی ہوا میں اڑے ہوں گے کہ حضرت جبرئیل نے حکم دیا اور براق زمین پر اتر گیا۔ حضرت محمدؐ سے کہا کہ اتریں اور نماز پڑھیں۔ آپؐ کو وہ سینا کی چوٹی پر اسی جگہ تھے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو الواح توریت عطا کی تھیں۔ (نقشہ ۷۱ پانچواں باب)

”نماز ختم کی تو وہ پھر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ پھر حکم دیا گیا اور

وہ پھر زمین پر اترے۔ اس دفعہ مقام "بیت اللحم" تھا۔ یہاں پر حضرت محمدؐ نے عین اس جگہ نماز پڑھی۔ جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے۔ وہ پھر اور آگے روانہ ہو گئے۔

"سفر کے تیسرے مرحلے پر وہ اکیلے نہیں تھے۔ راستے میں تین مرتبہ بڑی سچی بنی عورتیں بادلوں سے نکلیں اور آپؐ سے اپنے ساتھ قیام کرنے کی درخواست کی۔ حضرت محمدؐ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپؐ نے کوئی توجہ نہ دی۔ بہر حال جب تیسری مرتبہ ان عورتوں نے بڑی لجاجت سے درخواست کی تو آپؐ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ سب کیا ہے۔ بلاشبہ حضرت جبرئیلؑ جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بلا تامل جواب دیا۔

"پہلی آواز ایک یہودی کی تھی، دوسری ایک عیسائی کی اور تیسری آواز دنیا اور اس کے فخر و غرور کی تھی۔ اگر آپؐ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ٹھہرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تو آپؐ اور آپؐ کی امت بھی ایسی ہی ہو جاتی۔

"اس سے پہلے کہ حضرت محمدؐ کوئی اور سوال کرتے حضرت جبرئیلؑ نے براق سے کچھ کہا اور آپؐ ایک مرتبہ پھر زمین کی طرف آ رہے تھے۔ اس مرتبہ آپؐ بیت المقدس میں مقدس عبادت گاہ کے باہر اترے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت محمدؐ سے براق کو دیوار میں ایک کڑے سے بندھوایا اور آپؐ کو لے کر اندر داخل ہوئے۔ یہاں آپؐ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو موجود پایا۔ جن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ بھی موجود تھے۔ رسمی تعارف کے بعد سب نے نماز ادا کی۔ نماز ختم ہونے پر آپؐ نے اپنے دین کی باتیں کیں۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ روانگی کا وقت آگیا۔"

"عبادت گاہ کے باہر حضرت محمدؐ نے حجر یعقوبؑ پر ایک سیر بھی لگی پانی بھرا

لے مقدس عبادت گاہ TEMPLE بیت المقدس کی قدیم عبادت گاہ یا مسجد اقصیٰ جو پہلے نبیوں کے زمانے سے مقدس اور محترم تھی۔ ۲۔ حجر یعقوب۔ یہ وہی چٹان ہے جسے صخری ROCK یا مسجد مخزی کہتے ہیں اور یہاں سے آنحضورؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

آسمانوں تک جاتی تھی۔ فرشتے کے پیچھے پیچھے آپ نے بھی سیڑھی پر چڑھنا شروع کیا۔ اس پر چڑھنا آپ کو توقع کے خلاف کچھ مشکل معلوم نہ ہوا۔ آپ نے محسوس کیا گویا آپ خود ہوا کے بنے ہوئے تھے اور چند لمحوں میں آپ نے خود کو بہشت کے دروازوں پر کھڑا پایا۔

مدنی نے میری طرف بڑے خڑ سے دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ سے محسوس ہوتا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”آپ کو ان باتوں کی توقع نہ ہوگی“ اور واقعی ایسا تھا۔ مدنی نے مسکرا کر سر کو جنبش دی اور احوال جاری رکھا۔

”جو نبی حضرت جبریل نے دار و غم بہشت کو بتایا کہ آپ کون ہیں بہشت کے دروازے کھل گئے۔ حضرت محمدؐ نے حضرت جبریل کے ساتھ ڈیوڑھی کو عبور کیا اور اپنے آپ کو پہلے آسمان پر پایا۔ یہ خالص چاندی کا بنا ہوا تھا اور ستاروں کے ساتھ سنہری زنجیروں پر لٹکا ہوا تھا۔ ایک ضعیف بزرگ نے آنے والوں کے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ حضرت جبریل نے حضرت محمدؐ کا ان سے یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ آپ کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت آدمؑ نے آپ کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور سینے سے لگاتے ہوئے کہا کہ آپ ان کی سب سے زیادہ معزز اور مفتخر اولاد تھے۔ پھر انہوں نے پہلے آسمان کے دستور کے مطابق آپ کی عزت و تکریم کی۔

”ساری جگہ جانوروں، پرندوں اور رینگنے والے جانوروں سے بھری ہوئی تھی۔ ان کے درمیان ایک بہت بڑا مرغ کھڑا تھا۔ اتنا بڑا کہ آپ کو اس کا سر نظر نہیں آتا تھا جو بلندی کے سبب بادلوں تک پہنچتا تھا۔ حضرت آدمؑ نے بتایا کہ یہ تمام پرندے اور جانور اصل میں فرشتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور زمین کی غیر انسانی مخلوق کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہیں اور مرغ ہر صبح بانگ دے کر ساتوں آسمانوں کے یکنوں کو جگاتا ہے۔

”جب آپ نے پہلے آسمان کی کافی سیر کر لی تو حضرت جبریل آپ کو

دوسرے آسمان پر لے گئے۔ اس کا دروازہ پہلے آسمان جیسا ہی تھا لیکن اندرونی حصہ چمکتے نولاد کا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام یہاں رہتے تھے۔ وہ اپنے اس نامور خلف کو دیکھ کر حضرت آدمؑ کی طرح بہت خوش ہوئے۔ حضرت نوحؑ کے ساتھ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوحناؑ حضرت یحییٰؑ بھی تھے۔ حضرت محمدؐ کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آیا یہ بزرگ ہستیاں مستقل طور پر یہاں ہی رہتی تھیں یا یہ لوگ کچھ دیر کے لئے یہاں پر آگئے تھے۔ لیکن یہ حضرات بڑے تپاک سے ملے اور قدیم شناساؤں کی طرح بات چیت کی۔

تیسرا آسمان پہلے دو سب سے زیادہ مزین اور آراستہ تھا۔ یہ ان سے بڑا بھی تھا اور بے شمار قیمتی جواہرات سے سجا ہوا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ سے آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ اور حضرت داؤدؑ اسی آسمان پر کہیں رہتے ہیں۔ لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ نے ایک بڑے عظیم الجثہ فرشتے کو دیکھ کر بڑی حیرت کا اظہار کیا کیونکہ اس کی دونوں آنکھوں کا درمیانی فاصلہ ستر ہزار دنوں کا سفر تھا۔ تیسرے آسمان میں داخل ہونے پر نہ تو اس فرشتے نے آپ سے گفتگو کی اور نہ ہی آپ کا اس سے تعارف کرایا گیا۔ بڑی ڈراؤنی خاموشی گدھ ایک بہت بڑی کتاب پر جھکا ہوا تھا۔ جس میں مسلسل لکھتا تھا اور مٹاتا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ وہ موت کا فرشتہ عزرائیلؑ تھا۔ ایک لاکھ فرشتے اس کے ماتحت کام کرتے تھے۔

”وہ اس کتاب میں کیا لکھ رہا ہے؟“ حضرت محمدؐ نے چپکے سے پوچھا۔

”وہ پیدا ہونے والوں کے نام لکھ رہا ہے اور مرنے والوں کے نام مٹا

رہا ہے۔“ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا۔

”اور جب حضرت جبرئیلؑ چوتھے آسمان کی طرف چلے تو حضرت محمدؐ نے

اطمینان کا سانس لیا۔ پہلے آسمان کی طرح یہ بھی چاندی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے

درمیان میں ایک فرشتہ تھا جس کے قد کی بلندی پانچ سو دن کی مسافت تھی

اور جو مسلسل روئے جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے دریا بہ رہے تھے۔

”اور یہ“ حضرت جبریل نے کہا۔ ”یہ فرشتہ بنی نوع انسان کے گناہوں پر روتا ہے اور انہیں آنے والی آفتوں سے خبردار کرتا ہے۔“

”حضرت محمدؐ نے اس آسمان سے رخصت ہونے میں کوئی تامل نہ کیا اور صرف ENOCH (حضرت یونسؑ) سے ایک دو باتیں کہیں جن سے دروازے پر تعارف کرایا گیا تھا۔

”آپؐ پھر سیڑھی پر چڑھے اور ایک ڈنڈے سے دوسرے ڈنڈے پر اس طرح قدم رکھ رہے تھے گویا خود آپؐ کے پر لگے ہوئے ہیں۔ پانچواں آسمان تمام کا تمام سونے کا تھا۔ یہاں حضرت ہارونؑ اپنے معزز مہمانوں کا استقبال کرنے کے لئے چشم براہ تھے۔ حضرت محمدؐ کا ارادہ تھا کہ یہاں کچھ دیر آرام کریں اور دین کے متعلق کچھ باتیں کریں کہ آپؐ نے ایک خوفناک شکل کا فرشتہ دیکھا جو ایک دیکتے تحت پر بیٹھا تھا اور اس کے چاروں طرف آگ کے شعلے تھے۔ اس کا چہرہ صیقل شدہ تانبے کی طرح تھا اور پھنسی پھوڑوں کے نشانات سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اور اس کے آتشیں ہاتھ میں ایک جلتا ہوا مہالا تھا۔ حضرت ہارونؑ نے آپؐ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ لئے۔ آپؐ کو طرف لے جا کر بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب لانے والا فرشتہ ہے اور آگ اس کے قبضہ میں ہے۔ گنہگاروں اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزا کے احکام کی تعمیل کرنا اس کے بڑے فرائض ہیں۔

چھٹا آسمان ایک عجیب و غریب شفاف پتھر کا بنا ہوا تھا جو حضرت محمدؐ نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ آپؐ نے یہاں بھی بڑے تجسس سے کسی بلا کی تلاش کی اور وہ فوراً مل گئی۔ یہ فرشتہ دوسروں کی طرح غیر دلکش اور بد صورت تو نہ تھا لیکن بہت ہی عجیب الخلق تھا۔ اس کا آدھا جسم

آتشیں تھا اور باقی نصف برف کا۔ نہ تو آگ برف کو گھلاتی تھی اور نہ برف ہی آگ کو ٹھنڈا کرتی تھی۔ اس عجیب الخلقیت فرشتے کے چاروں طرف چھوٹے فرشتوں کا ایک ہجوم تھا جو مسلسل یہ حمد کے جا رہے تھے۔

”اے اللہ جس طرح سے تو نے برف اور آگ کو یکجا کر دیا ہے۔ اسی طرح اپنے تمام مومن بندوں کو اپنی اطاعت میں متحد کر دے۔“

”حضرت جبریل نے کہا کہ یہ آسمانوں اور زمین کا محافظ فرشتہ ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے پاس اپنے قاصد فرشتے بھیجتا رہتا ہے تاکہ ان کو آپ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ترغیب دیں اور یہ قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔“

”حضرت محمدؐ کے خیال میں یہ سب سے اچھی بات تھی جو آپؐ نے مکہ سے روانہ ہونے کے بعد سنی تھی۔ بہر حال اس سے پہلے کہ آپؐ اپنا خیال ظاہر کریں حضرت موسیٰؑ تشریف لے آئے اور حضرت محمدؐ کا دوبارہ خیر مقدم کیا۔ پھر آپؐ زور سے رونے لگے۔ حضرت محمدؐ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔ اور رونے کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ اس رنج و ملال کا تعلق آپؐ کے یہاں آنے سے تو نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اثبات میں سر ہلایا اور روتے ہوئے کہا ”میں اپنے سامنے اپنا ایک ایسا جانشین دیکھتا ہوں جو میرے دین سے تغافل برتنے والے بنی اسرائیل کے مقابلے میں اپنے بہت زیادہ امتیاز کو جنت میں لیجائے گا۔“

”حضرت محمدؐ نے آپؐ کی تسلی کے لئے کچھ کہنا چاہا لیکن حضرت جبریلؑ وہاں سے روانگی کے لئے مضطرب تھے۔ اس لئے چند منٹ بعد آپؐ ساتویں آسمان پر پہنچ گئے۔“

”اس مبارک مقام پر جو نور خداوندی سے معمور تھا اور جس کا انسانی زبان بیان نہیں کر سکتی حضرت ابراہیمؑ نے حضرت محمدؐ کا بڑی عزت سے خیر مقدم

کیا۔ صرف اس کی وسعت کا ہی صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ لامتناہی تھی۔ اور یہاں بھی ایک ایسا فرشتہ تھا جس کی مثل آپ نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔ اس کی جسامت ہی اتنی بڑی تھی کہ پچھلے آسمانوں کے فرشتے اس کے سامنے بونے لگتے تھے۔ وہ ساری دنیا سے بڑا تھا۔ اس کے ستر ہزار سر تھے اور ہر سر میں ستر ہزار منہ تھے۔ ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں تھیں اور ہر زبان ستر ہزار زبانیں بول سکتی تھی۔ یہ کروڑوں منہ اپنی اربوں زبانوں کے ساتھ اور کھربوں بولیوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے سوا اور کچھ نہ کرتے تھے۔

مدنی ذرا کی ذرا رکا کہ شاید میں ان اعداد و شمار پر اسے ٹوکوں لیکن میں حساب لگانے کی کوشش بھی نہیں کر رہا تھا۔ ستر ہزار کو ستر ہزار سے تین چار مرتبہ ضرب دینے سے جو حاصل ضرب آتا وہ انسانی ذہن آسانی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ پھر مدنی اور حضرت محمدؐ کی نظر میں یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کی لامحدود عظمت کی مظہر تھیں۔ اس لئے اس سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی۔

”ابھی آپ اس عجیب و غریب مخلوق کو دیکھ ہی رہے تھے کہ آپ نے محسوس کیا کہ آپ ہوا کے ایک ہلکے سے جھونکے کے ساتھ اٹھتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ نے کوئی مینہ استعمال نہ کیا اور چند سیکنڈ میں اپنے آپ کو کنول LOTUS کے درخت پر بیٹھا پایا۔ وعرش الہی کے نزدیک آگاہ ہوا تھا۔ یہ درخت اس فرشتے سے بھی بڑا تھا جس کے بہت سے منہ اور زبانیں تھیں۔ اس کی شاخیں سورج اور زمین کے فاصلے سے بھی زیادہ لمبی تھیں۔ اس کے پتے بھی بہت بڑے بڑے تھے اور لاکھوں پرندے ان پر بیٹھے قرآن کی آیتیں پڑھ رہے تھے۔ درخت پر بے شمار اقسام کے پھل لگے ہوئے تھے اور ہر ایک میں غذا ثبت اور مشروب اکٹھے تھے۔ ایک پھل میں ہی غذا کی اتنی مقدار تھی کہ دنیا کے تمام جانداروں کا پیٹ بھر سکتا تھا اور ہر پھل کے بیج میں ایسا لانے والوں کے لئے ایک بہشتی سور رہتی تھی۔ درخت کے سایہ میں اور چاروں دریاؤں کے کنارے جو اس درخت کے تنے

لے قرآن کریم اور اسلامی کتابوں میں اس مقدس درخت کا نام سیدرہ مذکور ہے۔

سے نکل کر بہ رہے تھے۔ سمندر کے ریت کے ذروں سے بھی زیادہ فرشتے آرام کر رہے تھے۔ ان میں سے دو دریا بہشت کو سیراب کرتے تھے اور باقی دو دنیا میں پہنچ کر فرات اور نیل بن گئے تھے۔ ”خونناک شکل کے فرشتوں کے مقابلے میں اس درخت کے نیچے زیادہ

سکون اور آرام تھا۔ حضرت محمدؐ کو پھر خیال آیا کہ چند لمحے وہاں بیٹھ کر اپنے خیالات مجتمع کر لیں لیکن حضرت جبریلؑ تا حال جلدی میں تھے۔ چند لمحے پرندوں کی چھبھاہٹ سننے کے بعد حضرت محمدؐ کو تیزی سے ملائے اعلیٰ پر لے جایا گیا جو نیلم اور یاقوت کا بنا ہوا تھا۔ یہاں پر ایک فرشتے نے آپ کو تین پیالے پیش کئے جو شراب، دودھ اور شہد سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک اچھے عرب ہونے کے سبب حضرت محمدؐ نے دودھ پسند کیا۔ حضرت جبریلؑ نے بھی اس انتخاب کو پسند کیا: ”اگر آپ شراب پسند کر لیتے“ حضرت جبریلؑ نے کہا ”تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی“ کچھ توقف کے بعد حضرت جبریلؑ نے کہا ”میں اس سے آگے نہیں جاسکتا۔ ایک لمحہ کے بعد آپ خداوند قدوس کی حضوری میں جائیں گے۔ میں ساتویں آسمان پر آپ کا انتظار کروں گا۔“ یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گئے۔ اور اس سے پہلے کہ آپ اپنے بچاؤ کے لئے تلوار مانگتے آپ نے محسوس کیا کہ آپ کو ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھایا گیا ہے اور آپ خلا میں بندی کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔ آپ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کے خطوط اور گہری تاریکیوں سے گزرے۔ راستے میں آپ نے کوئی رکاوٹیں محسوس نہ کیں اور جب آپ بادلوں سے ڈھکی اس قلمرو کے نزدیک پہنچے جہاں سے اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی نگہبانی کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یکے بعد دیگرے پردے اٹھتے چلے جا رہے ہیں۔ آخر کار یہ طوفانی سفر ختم ہوا اور آپ نے خود کو عرش بریں سے دو کمانوں کے فاصلے پر پایا۔

مدنی نے پھر کچھ توقف کیا اور بڑے وجدانی انداز میں سامنے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ گویا ہوا۔

”مفقوڑی دیر تک مکمل خاموشی رہی اور قلم کی سریر لکھنے کی آواز کے سوا جو قضا و قدر کی الواح پر اللہ تعالیٰ کے احکام لکھ رہا تھا اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

”حضرت محمدؐ نے فوری طور پر اپنا سر نہیں اٹھایا اور جب اٹھایا تو اللہ تعالیٰ کا جلوہ بیس ہزار نقابوں کے پیچھے نظر آیا لیکن اس کے باوجود جو نور نقابوں کے پیچھے سے ضیا پاشی کر رہا تھا پچاس ہزار آفتابوں کی روشنی سے بھی زیادہ منور تھا۔

مدنی نے ایک گہرا سانس لیا اور رات کے خلا میں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مقدس آسمانی سفر وہ خود کر رہا تھا اور سچ مچ اس کے الفاظ سے جلال اور عظمت کا اظہار ہو رہا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی پراسرار عظمت کو سچ مچ محسوس کیا۔ ایک لمحہ کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

”جب حضرت محمدؐ کی نگاہ خیرہ کن ماحول کی عادی ہو گئی تو آپؐ نے عرش بریں کے دائیں طرف بڑے روشن الفاظ میں یہ لکھا دیکھا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ

”حضرت محمدؐ کو یہ دیکھ کر گونہ اطمینان ہوا لیکن آپؐ کی ہمت جواب دے گئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور ایک آپؐ کے شانے اور دوسرا آپؐ کے دل پر رکھا۔ ایک برفانی سردی سے آپؐ کی ہڈیاں اور خون منجمد ہو کر رہ گئے۔ پھر سردی آہستہ آہستہ ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ایک روحانی سردی نے لے لی جس کے سبب حضرت محمدؐ کے حواس اتنے حیرت انگیز طور پر

بجا ہو گئے کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایک گونجدار آواز نے جو خوف پیدا کرنے سے زیادہ سکون پر درہتی کہا۔

”اے محمدؐ۔ اپنے خالق کی خدمت میں تسلیات بجالاؤ۔“

”حضرت محمدؐ کا خوف جاتا رہا۔ آپؐ نے بڑا اطمینان محسوس کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے اس دین کے متعلق بڑے پرسکون انداز میں بات چیت کرنے کے قابل پایا جس کی آپؐ عربوں میں تبلیغ کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری احکام یہ تھے کہ مسلمانوں کو دن میں پچاس نمازیں پڑھنا چاہئیں ان دواخی احکام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حضوری سے رخصت ملی اور آپؐ کو بڑی تیزی سے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا گیا جہاں حضرت جبریلؑ آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔“

”حضرت جبریلؑ نے آپؐ سے کچھ نہ پوچھا لیکن جب آپؐ چھٹے آسمان سے گزر رہے تھے تو حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا حال دریافت کیا جب حضرت محمدؐ نے نمازوں کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰؑ نے اپنا سرفنی میں ہلایا اور کہا کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹے میں دو مرتبہ سے زیادہ نماز پڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آپؐ چاہتے ہیں کہ آپؐ کا مذہب قائم رہے تو اہل میں تبدیلی کرائیں۔ چنانچہ حضرت محمدؐ جو اپنے پیشرو انبیاء کا بہت احترام کرتے تھے تیزی سے واپس اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی تعداد کم کر کے چالیس کر دی۔ حضرت موسیٰؑ نے اس پر بھی بے اطمینانی کا اظہار کیا۔ حضرت محمدؑ ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں واپس گئے۔ اللہ تعالیٰ سے کافی دیر بات چیت اور حضرت موسیٰؑ سے مشوروں کے بعد مسلمانوں کے لئے نمازوں کی تعداد گھٹا کر پانچ وقت روزانہ کر دی گئی۔ اس پر بھی حضرت موسیٰؑ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ اگر آپؐ اپنی امت سے ہفتہ کے ہر دن اتنی دفعہ بھی نماز پڑھوانے

میں کامیاب ہو گئے تو وہ آپ کو اپنی توقع سے بہت زیادہ کامیاب سمجھیں گے۔ حضرت محمدؐ نے حضرت موسیٰؑ کا شکر یہ ادا کیا اور کہا کہ یہ بات آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔۔۔۔۔“

”اب آپ نے زمین کے ذریعہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر نیچے اترا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ زمین پر تشریف لے آئے۔ جہاں آپ کو براق مل گئی۔ حضرت جبریلؑ آپ کو نظر نہ آئے۔ چنانچہ آپ براق کی سفید پشت پر سوار ہوئے اور چند لمحوں میں آپ مکے میں اپنے بستر پر تھے۔ مدنی یہاں پہنچ کر رُک گیا۔ غالباً وہ میری موجودگی کو بھول گیا تھا۔ تسبیح پڑھتے تھے اس نے صحرا میں آسمان کی طرف دیکھا۔

کچھ توقف کے بعد میں نے دریافت کیا: ”حضرت محمدؐ کتنی دیر تک باہر رہے؟“ مدنی نے بلا تامل جواب دیا: ”بہت محوڑی دیر“ زیادہ سے زیادہ چند گھنٹے“ کچھ دیر ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے پوچھا: ”کیا تم نے کبھی دانٹے پر پڑھا ہے؟“

مدنی نے نفی میں سر ہلایا اور کہا: ”نہیں تو۔ وہ کیا ہے؟“ میں نے اس کی وضاحت مناسب نہ سمجھی لیکن اس رات کے بعد سے جب مدنی صحرا میں مجھے سفر معراج کا یہ حال سنایا۔ میں نے اپنے دل کو یہ کہتے سنا ہے کہ ”لبا دانٹے“ DANTE عرب کی اس قدیم داستان سے ہی متاثر ہوا ہوگا۔ جنت کے ان بول احوال میں بعض باتیں ملتی جلتی ہیں۔

اس خیال کے مبادا داستان گوئی کا سارا ماحول پاش پاش ہو جائے۔ میں نے مدنی سے یہ سوال نہیں کیا کہ کیا سے یقین ہے کہ حضرت محمدؐ نے یہ سفر جسمانی طور پر کیا یا عالم رویا

۱۔ دانٹے اٹلی کا مشہور شاعر DIVINE COMEDY اس کی لکھی ہوئی طویل نظم ہے جس میں اس نے جنت کا حال لکھا ہے۔

ہیں۔ اور اس خیال سے کہ مدنی خفانہ ہو جائے یہ دوسرا سوال بھی نہ کیا کہ آیا یہ سب کچھ حضرت محمدؐ کی اپنے ذہن کی پیداوار تو نہیں تھی؟ بایں ہمہ یہ سوالات ہیں جو اسلام کے متعلق لکھنے والوں کے لئے پریشانی کا موجب بنتے ہیں۔

اور میرا یہ آخری سوال جیسا کہ ظاہر ہے فضول ہی ہوتا کیونکہ حضرت محمدؐ نے خود کہیں نہیں لکھوایا کہ آپؐ نے یہ رات کا سفر کبھی کیا۔ مجھے اس وقت اس بات کا علم نہ تھا کہ سمجھتا تھا کہ مدنی اپنی عادت کے مطابق الہامی کتاب (قرآن) کی آیات کی مبالغہ آمیز تصویر کشی کر رہا تھا لیکن یہاں اس کی عادت کے خلاف ایسا نہ تھا۔ وہ حقیقت میں حدیث کے حوالے سے بیان کر رہا تھا جن پر مسلمان قرآن جیسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس آسمانی سفر کے متعلق جو کچھ ہمیں حضرت محمدؐ سے پہنچا ہے وہ صرف قرآن کی ایک سورۃ ہے۔ جس کا عنوان آسمانی سفر ہے۔ لیکن اس سورۃ میں بھی کوئی ایسی باتیں نہیں جن کا مدنی اور دوسرے عرب لوگوں کے اعتقادات سے دور کا بھی واسطہ ہو۔ اس کی پہلی آیت میں صرف اتنا اشارہ ہے کہ اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا
مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی
بَاَسْرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیَاتِنَا
اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

پاک ذات ہے وہ اللہ جو لے گیا اپنے بندے کو
راتوں رات مسجد حرام رکعبہ سے مسجد اقصیٰ
دبیت المقدس جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں
کہ دکھائیں اس کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے
بیشک وہ سننا دیکھتا ہے۔

یہ سارا احوال غالباً اسی قسم کی داستان ہے جو آپؐ کے ان معجزات کے متعلق مشہور ہیں جن کے وقوع پذیر ہونے کا آپؐ نے کبھی دعویٰ نہیں کیا لیکن اگر حضرت محمدؐ نے اس

لے سورۃ بنی اسرائیل۔ پندھواں پارہ۔ جس کی شروع کی آیتیں اوپر درج کر دی گئی ہیں۔ معراج کے متعلق مشہور

احوال سورۃ والنجم اور دوسری سورتوں میں ملتا ہے غالباً یہ بات مصنف کے علم میں نہیں تھی۔ باقی حالات احادیث میں

آرآن میں شامل کر کے اس کی تصدیق کر دی تب بھی غیر مسلم مبصروں کو بلا سوچے سمجھے اس واقعہ کی صحت پر شک نہیں کرتا چاہئے۔

واللہ کی ایک اور برگزیدہ شخصیت، عالیجا کا آتشیں رتھ میں بیٹھ کر آسمان پر جانے کے واقعہ کا جو انجیل میں درج ہے، مذاق نہیں اڑایا جاتا۔ قیامت اور حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر جانے کو عیسائیوں کی اکثریت صحیح تسلیم کرتی ہے برگزیدہ سینٹ جان کے الہامات کو ایک مخبوط الحواس اور مرگی زدہ شخص کی بکواس نہیں کہا جاتا حالانکہ ان الہامات کی عبارت میں ایسے ٹکڑے ہیں جو نامعلوم طور پر مدنی کے بیان کردہ احوال کے بعض حصوں سے بہت ملتے جلتے ہیں اور ان سے کم عجیب اور خیالی نہیں ہیں۔

انجیل کی آخری کتاب کے کسی باب کو لے لیجئے یہیں ایسے متعدد پیرے مل جائیں گے جو معراج کے سفر کے حالات سے کہیں بھی منطبق ہو سکتے ہیں۔ مثلاً

چوتھا باب

”اور دیکھو۔ بہشت میں ایک تخت رکھا تھا اور کوئی اس پر بیٹھا تھا اور جو اس پر بیٹھا تھا وہ چپیر اور سارڈین جیسے قیمتی پتھروں کا تراشیدہ مجسمہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک قوس قزح تخت کا ہالہ کئے ہوئے تھی جو زمرد کی بنی معلوم ہوتی تھی۔ تخت میں سے بچلیوں کی چمک، گرج اور آوازیں نکل رہی تھیں اور تخت کے سامنے آگ کی سات شمعیں جل رہی تھیں جو خداوند کی سات روحیں تھیں اور تخت کے درمیان اور تخت کے گرد چار جانور کھڑے تھے جن کی بہت سی آنکھیں تھیں۔ سامنے بھی اور پشت کی طرف بھی۔“

تیسرا باب

”اور میں اس سمندر کے ریت پر کھڑا تھا۔ میں نے ایک جانور کو سمندر

میں سے ابھرتے دیکھا جس کے سات سر اور دس سینک تھے اور ہر سینک پر دس شاخیں یا سگوٹیاں تھیں اور اس کی پیشانی پر گستاخ، بے ادب، لکھا ہوا تھا اور جو جانور میں نے دیکھا وہ ایک چیتے کی طرح کا تھا اور اس کے پاؤں ریچھ جیسے اور اس کا منہ شیر جیسا اور آتشیں اثر دے نے اسے اپنی طاقت، اپنی گدھی اور بڑا اختیار دیا تھا۔

اکیسواں باب

”اس شہر کی فصیل جیسپر قیمتی پتھر کی بنی ہوئی تھیں اور شہر خالص سونے کا تھا اور شیشے کی طرح شفاف اور شہر کی فصیل کی بنیادوں میں ہر قسم کے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے..... شہر کو روشنی کے لئے نہ سورج کی ضرورت تھی اور نہ چاند کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نور سے منور تھا۔“

بائیسواں باب

”اور اس نے مجھے خالص آب حیات کا دریا دکھایا، صاف اور بلور کی طرح چمکتا جو خداوند اور اس کے سینے (حضرت عیسیٰ) کے تحت سے نکل کر بہہ رہا تھا ان کے درمیان میں اور دریا کے دونوں طرف شجر حیات لگے ہوئے تھے جن میں بارہ قسم کے پھل تھے اور ہر مہینے پھل دیتے تھے اور اس درخت کے پتوں سے لوگوں کو شفا ہوتی تھی۔“

اور ان میں سے کوئی بھی خیالی کہانی نہیں۔ یہ سب کچھ انجیل میں موجود ہے اور اسی طرح کے ٹکڑے سینٹ متی ST. MATHEW کی انجیل کے اس باب میں ہے جہاں انہوں نے حضرت عیسیٰ کی حضرت موسیٰ اور حضرت الیاس سے گفتگو بیان کی ہے اور جہاں حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کی کوہ سینا پر ملاقات دکھائی ہے۔ خروج EXODUS

۱۔ سینٹ متی MATHEW عیسائیوں کے چار بڑے مذہبی بزرگوں میں سے ایک تھے جنہوں نے مختلف اوقات میں انجیل لکھیں۔ چنانچہ متی کی انجیل مشہور ہے۔

سفر معراج سے ایک بہت جلتا واقعہ سینٹ آئرینیس ST. IRENIUS نے بیان کیا ہے جو دوسری صدی عیسوی میں فرانس کے ایک شہر LYONS لیونز کے بشپ تھے۔ ان کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے مندرجہ ذیل اعلان کیا جسے سینٹ جان نے لکھ لیا تھا۔

”ایسے دن آئیں گے جب ایسے انگوروں کے درخت ہوں گے جن کی دس ہزار شاخیں ہوں گی اور ان میں سے ہر بڑی شاخ میں دس ہزار چھوٹی شاخیں ہوں گی اور ہر چھوٹی شاخ پر دس ہزار ٹہنیاں ہوں گی اور ان میں سے ہر ٹہنی یا ڈالی پر انگور کے دس ہزار خوشے ہوں گے اور ان میں سے ہر خوشے میں دس ہزار انگور ہوں گے اور ان میں ہر انگور سے دو سو پچھتر گیلن شراب نکلے گی۔“

میں جب عربوں کے درمیان رہ رہا تھا اس وقت مجھے مندرجہ بالا اقتباس کا علم نہیں تھا ورنہ میں مدنی کو بتانا کہ عیسائی بھی آسمانی ضرب کے سوالات قائم کرنے کے اتنے ہی ماہر ہیں جتنے کہ مسلمان۔

بہر حال ان کہانیوں، روایتوں اور آسمانی صحیفوں کے اقتباسات کی بنیاد کچھ ہی کیوں نہ ہو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان حصوں کو نظر انداز کر دیں یا ایسی باتوں کو درخود اعتقاد نہ سمجھیں جنہیں ہم ذاتی طور پر صحیح خیال نہ کرتے ہوں۔ خواہ ہم ایمان لانے والوں میں سے ہوں یا نہ لانے والوں میں سے لیکن یہ ثابت کرنے کی کوشش کہ حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کبھی موجود نہ تھے یا نہ خود باللہ، حضرت محمدؐ نبوت کے جھوٹے دعویدار تھے یہیں کسی منزل تک نہیں پہنچاتی۔ مدنی جیسے لوگ جو اپنے بیان کردہ سفر معراج پر مکمل اعتقاد رکھتے ہیں شکی اور متذبذب لوگوں سے کہیں زیادہ مطمئن ہیں۔ اس موضوع پر کسی کے ذاتی نظریات یا اعتقادات سے قطع نظر اس بات سے کہ حضرت محمدؐ نے کھربوں زبانیں رکھنے والے فرشتے کو واقعی طور پر دیکھا یا نہیں دیکھا آپ کی زندگی اور آپ کے مشن پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑتا۔

آٹھواں باب

ہجرت

۶۲۰ تا ۶۲۲ عیسوی

حضرت محمدؐ کے آسمانی سفر (معراج) پر تشریف لے جانے، وہاں پر انبیاء کی طرف سے آپؐ کا والہانہ استقبال اور اللہ تعالیٰ سے مقرر ہونے والی مہم کامی سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اب آپؐ کو اپنے مشن کو کامیاب بنانے اور قریش کے خطرہ سے بے خوف ہونے کے لئے کافی حمایت اور استحکام حاصل ہو گیا تھا۔

حالانکہ حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے مصر میں طاعون پھیل گئی تھی اور انہوں نے ایک سورج گرہن کی پیشین گوئی بھی کی تھی۔ علاوہ ازیں انہوں نے زمین پر عصا مار کر بیابان میں پانی کے چشمے بھی جاری کر دیئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا جلوہ زیادہ سے زیادہ آگ کے ایک بلند ستون کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے بنی اسرائیل کی بحیرہ قلزم میں سے راہ کی نشاندہی کی۔

حضرت عیسیٰؑ نے مردوں کو زندہ کر دیا تھا۔ بقول عیسائیوں کے پانی کو شراب میں تبدیل کر دیا اور خوراک کی بہت تھوڑی مقدار سے ایک جم غفیر کو کھلا کر سیر کر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا جلوہ اردن میں آسمان پر صرف ایک فاختہ کی شکل میں یا آپؐ کو سولی پر چڑھاتے وقت چٹانوں کے ترختے کی آوازوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

لے یہ معجزات نامصریہ NAZARETH میں وقوع پذیر ہوئے و نقشہ نمبر ۴

لیکن حضرت محمدؐ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اتنا بھی نہ کیا۔ اُس نے اپنے رسول کو عربوں، اپنے مشن کی تبلیغ کے لئے تنہا چھوڑ دیا اور یہ کہ آپؐ بغیر کسی مافوق الفطرت امداد کے میاب ہو گئے آپؐ کی ذاتی صلاحیتوں کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

جس وقت سے آپؐ کو پیغام الہی کو مکہ کے لوگوں میں عام کرنے اور اُس کی علانیہ تبلیغ کا حکم ملا تھا دس سال گزر چکے تھے۔ ان دس سالوں میں آپؐ اپنا وہ سب کچھ کھو چکے تھے جو آپؐ نے پچھلے پچیس سالوں میں حاصل کیا تھا اور اب ہر لحظہ اس خیال میں اضافہ ہو رہا تھا کہ بظاہر تو خود آپؐ میں یا جو کچھ آپؐ کے ذہن میں تھا اس میں کوئی خامی تھی۔

پھر ایک روز ایک ایسا واقعہ ہوا جو اپنی اہمیت میں ایسا ہی تھا جیسے شاہ سال SAUL OF TARSUS کا تبدیل مذہب یا انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم کی روما کے پوپ سے قطع تعلقی اور بغاوت۔

صدیوں سے عرب کے یہودی حضرت مسیح کی آمد کے منتظر تھے خصوصاً یثرب میں اس چرچا کچھ زیادہ ہی تھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یثرب مدینہ یا زیادہ صحیح طور پر مدینۃ النبیؐ اپنا نام ہے۔ کسی مغالطے سے بچنے کے لئے میں اسے مدینہ ہی کہوں گا۔

یہ مدینہ تین یہودی قبیلوں کا وطن تھا یعنی بنی نضیر بنی قینقاع اور بنی قریظہ۔ حالانکہ مقامی طور پر انہیں نسبتاً کافی اہمیت حاصل تھی لیکن وہ عرب صحرائیوں کے دو سے تین قبیلوں بنی اوس اور بنی خزرج کی حکمرانی میں تھے۔ یہ دونوں قبیلے شہری تھے اور مدینہ کے نخلستانوں میں آباد تھے۔

۱۔ شاہ سال SAL OF TARSUS بنی اسرائیل کا پہلا بادشاہ ۱۰۲۰ تا ۱۰۰۰ ق.م) اس نے بنی اسرائیل کو متحد کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مد سے جالوت OLIATH کی مار اور فلسطینیوں کو شکست دی۔ قرآن مجید میں اس بادشاہ کا نام طاوت آیا ہے۔ کئی عرصہ حضرت داؤد کے خلاف رہا۔ اس بادشاہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے اور بیت المقدس کو پایہ تخت بنایا۔ شاہ سال آخر میں اس وقت کے بنی سیمویل کا عقیدہ مند ہو گیا تھا۔ (عہد نامہ قدیم۔ انجیل) حمیر زانسا نیکلویڈیام نے ہنری ہشتم۔ شاہ انگلستان نے ۱۵۳۴ء میں پاپائے روم سے بغاوت کی اور خود چرچ آف انگلینڈ کا سربراہ بن گیا۔

یہودیوں کا یہ اعتقاد کہ ایک نجات دہندہ آنے والا ہے ان عربوں کو بھی معلوم تھا۔ اور جب ایک دن بنی خزرج کے کچھ لوگوں نے حضرت محمدؐ کو مکہ کے نزدیک عکاظہ کے میلے میں تبلیغ کرتے سنا تو آپؐ کے الفاظ نے ان پر ایک جانا پہچانا سا اثر کیا۔ وہ بلا تامل کہہ اٹھے ”یقینی طور پر یہ ہی وہ نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی آمد سے یہودی ہیں ڈراتے رہتے ہیں“ اور جب انہیں اپنی اس دریافت کی اہمیت کا احساس ہوا تو انہوں نے فوری طور پر فیصلہ کر لیا۔ ہمیں جلدی کرنی چاہئے اور ان کے ساتھ شامل ہو جانا چاہئے۔“

ان لوگوں نے انتظار کیا اور جب سب چلے گئے اور آس پاس کوئی نہ رہا تو حضرت محمدؐ سے بات چیت کی۔ جو کچھ آپؐ نے تقریر میں کہا تھا اس میں دلچسپی ظاہر کی اور مزید تفصیلات دریافت کیں۔ حضرت محمدؐ یہ معلوم کر کے خوش ہوئے کہ کچھ لوگ تو ایسے ملے جو آپؐ کی باتیں سننے کو تیار ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے صحرائیں ملاقات کے لئے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں مداخلت کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ وہاں وہ رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ آپؐ کے خلوص اور صاف اور واضح دلائل نے مدینہ والوں کو بہت متاثر کیا اور انہوں نے اطمینان کا اظہار بھی کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ اپنے شہر کے دوسرے لوگوں کے متعلق اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتے جب تک وہ ان سے مل کر ان باتوں پر تبادلہ خیال نہ کر لیں جو کچھ انہوں نے ابھی ابھی آپؐ سے سنی ہیں۔

چنانچہ مدینے پہنچتے ہی انہوں نے ایسا ہی کیا اور ایک ایسے عرب رسول کے آنے کی خبر دی جو یہودی نہیں تھا۔ بلکہ خود ان میں سے ایک تھا جو ایک واحد اور سچے خدا کی تبلیغ کرتا تھا اور جو آنے والے ایک نجات دہندہ کے متعلق ایک صدی پرانے قصے اور اختلافات کو ختم کر دے گا۔ اس خبر نے تمام شہر میں اچھی خاصی سنسنی پھیلا دی۔ چنانچہ آئندہ سال پہلے سے زیادہ لوگ حضرت محمدؐ کے پیغام کو سننے کے لئے مکہ گئے۔ ایک مرتبہ پھر آپؐ سے اپنی تعلیمات کو بیان کرنے کی درخواست کی گئی اور اس مرتبہ مدینے والے اور زیادہ متاثر ہوئے۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ حضرت محمدؐ پر اور آپؐ کی رسالت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور حضرت محمدؐ کے یہ بتانے پر بھی کہ ان کے ایسے اعلان کے نتیجے میں کیسی کیسی تکالیف اور مصیبتیں ان کے راستے

میں کھڑی ہو جائیں گی وہ اپنے یقین پر مضبوطی سے قائم رہے چنانچہ چٹانی صحرا کے نیم تاریک اندھیرے میں ان لوگوں نے بڑے خلوص اور عقیدت سے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف اٹھایا اور مندرجہ ذیل الفاظ کے دہرانے نے ان کی بیعت کی تکمیل کر دی۔
 اے "رسول اللہ جو اچھی بات کہیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور ہر رنج و راحت میں ان کا ساتھ دیں گے۔"

پھر بیعت کی تکمیل کے لئے ہر شخص نے باری باری حضرت محمدؐ کے ہاتھ کو چھوا اور مدینہ واپس چلا گیا۔ ان کے ہمراہ (ان کی درخواست پر) حضرت محمدؐ کے ایک پیروکار صحابی مصعب بن عمیرؓ بھی گئے تاکہ مدینہ میں اسلام کی ترویج کریں اور اس کی تعلیمات ان لوگوں کو سمجھائیں۔ حالانکہ حضرت محمدؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اور ہدایات نازل ہوتی تھیں لیکن ناگہانی ضرورت اور ہنگامی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپؐ ہمیشہ عقل سلیم سے کام لیتے تھے۔ آپؐ اپنے لوگوں کے جوش اور جذبے کو خوب جانتے تھے لیکن آپؐ نہیں پاہتے تھے کہ درجن و دو درجن جو شیعے مسلمانوں کو لے کر از سر نو مکہ کی لڑائی لڑیں۔ اس سے پہلے کہ مزید کوئی قدم اٹھایا جائے، آپؐ کے لئے یہ اطمینان کر لینا ضروری تھا کہ مدینہ والوں کی اکثریت آپؐ کو اور اسلام کو قبول کرنے کو تیار ہو جائے۔

یہ انتظار کی مدت غالباً حضرت محمدؐ کی آزمائشوں میں سب سے زیادہ سخت اور صبر آزما تھی۔ مدینہ کے بنو خزرج ملک عرب کی اعلیٰ ترین نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی طاقت و رو بہ تمام عرب میں مسلم تھا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت محمدؐ

اے یہ بیعت عقبہ کہلاتی ہے۔ پورے الفاظ یہ ہیں۔

"ہم عہد کرتے ہیں کہ رنج و راحت اور سختی و نرمی میں آپؐ کے احکام کی تعمیل کریں گے اور جہاں کہیں ہونے

لوگوں کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر اعلان حق کریں گے۔" حیاۃ محمدؐ

"مشرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہؐ جو اچھی بات کہیں گے اس سے سزا

نہ کریں گے۔" (سیرۃ النبیؐ)

کو ایسی پشت پناہی مل جائے گی جو آپ کے مشن کی کامیابی میں مدد و معاون ثابت ہوگی لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو تنہا آپ کے لئے اس مہم کا جاری رکھنا ممکن نہ رہ سکے گا۔ مکہ میں حالات آپ کے لئے بہت مایوس کن ہو گئے تھے۔ روز بروز آپ کے خود کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کی جانوں کے لئے صورت حال خراب اور مسلسل تشویشناک ہوتی جا رہی تھی۔ حقیقتاً ماحول اتنا پرخطر ہو گیا تھا کہ آپ نے مسلمانوں کو گروہ درگروہ مدینے بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ اس خیال سے کہ ہو سکتا ہے کہ انہیں مسلمانوں جیسا ہمدردی کا سلوک تو نہ مل سکے لیکن وہ کم از کم مذہب کی بنا پر بارے تو نہیں جائیں گے۔ جون جول آپ کے ساتھیوں کے گروہ یکے بعد دیگرے نئی پناہ گاہوں کی طرف نکلتے جا رہے تھے آپ خود کو اتنا ہی تنہا اور بے یار و مددگار سمجھتے جا رہے ہیں۔

جلدی ہی آپ کے ساتھ سوائے آپ کے اپنے قریب ترین گھر والوں مثلاً حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت سوڈاؓ حضرت ابوبکرؓ ان کی بیوی امّ رمان ان کی بڑی لڑکی اسماءؓ اور لڑکے عبداللہؓ کے اور کوئی نہ رہا۔ البتہ زید بھی ابھی وہاں ہی تھے جو بہت خبردار، چوکے اور صاحب تدبیر تھے۔ وہ خطرے کے سر پر آ جانے پر بھی اپنے حواس مجتمع رکھنے پر قادر تھے۔ ہر فرد اپنی جگہ کڑی کمان کی طرح چوکس اور مستعد تھا۔ ادھر قریش بھی مسلمانوں سے کسی طرح کم مستعد اور چوکے نہیں تھے۔

سال بغیر کسی بڑے ہنگامے یا غیر معمولی واقعہ کے گزر گیا۔ حج کا مہینہ شروع ہو گیا۔ تمام عرب سے ہر طرف کے لوگ مکہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ ان میں مصعب ابن عمیرؓ بھی تھے، جو مدینہ والوں کو اسلام کی تعلیم دینے کی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ ان کے ساتھ ستر مدنی مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ رات ہونے پر صحرا میں حضرت محمدؐ سے ملاقات کا ایک جگہ اہتمام کیا گیا۔ اس مجلس میں حضرت محمدؐ، حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ اپنے چچا العباسؓ کو بھی ساتھ لائے۔ العباسؓ جنہیں تاریخ اسلام میں ایک اہم کردار ادا کرنا تھا، ایک عجیب شخصیت کے مالک تھے۔

لئے حبشہ اور مدینہ

لئے زید بن حارثہ۔ آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام جنہیں بعد میں آپ نے میثا بنالیا تھا اور ایک دفاؤڈ اور جان نثار دوست

حضرت ابو طالب اور ابولہب سے بہت چھوٹے تھے اور اگرچہ ان کی طرح اپنے بھتیجے کا دین ال نہیں کیا تھا لیکن ان کو حضرت محمدؐ سے بہت زیادہ دلی لگاؤ تھا۔

جب یہ ان لوگوں کے پاس پہنچے جو بغیر چاند کے صحرا میں ایک مدہم سی سفیدی نظر آ رہے تھے، تو عرب کے دستور کے مطابق ان میں بڑی خوش اخلاقی سے سلام دعا ہوئی جو عربوں میں ی نازک سے نازک رتھال میں بھی کم نہیں ہوتی۔ پھر العباسؓ یوں مخاطب ہوئے۔

”اے بنی خزرج کے لوگو میرا عزیز آپ کے پاس پناہ لینا چاہتا

ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملے پر اچھی طرح غور

کر لیں اور نتائج کو بھی سامنے رکھیں۔“

مدینہ کے وفد کے سربراہ ابسرائثؓ نے جواب دیا۔ ”ہم نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ ہمارا عزم فیصلہ غیر متزلزل ہے۔ ہماری جانیں رسول خدا کے لئے حاضر ہیں۔ اب وہ اپنا فیصلہ سنائیں“

ایک مرتبہ حضرت محمدؐ نے پھر وہی باتیں دہرائیں جو مدینہ والوں سے پہلی دو ملاقاتوں میں چکے تھے۔ آپؐ سے بہت سے سوالات کئے گئے۔ جن کا آپؐ نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے ایک مرتبہ پھر ان تمام ذمہ داریوں سے خبردار کر دیا جو اسلام قبول کر لینے سے مسلمان پر عائد ہوتی ہیں۔ آپؐ کا انداز بڑا پُر وقار تھا۔

حقیقت میں آپؐ کا سارا مشن آپؐ کی اپنی جان، آپؐ کے اہل و عیال اور آپؐ کے قریب و دوستوں کی زندگیاں مدینہ والوں کی ایک ہاں اور مثبت رد عمل پر منحصر تھیں۔

اگر ان کو اپنا طر فدار بنانے کے خیال سے آپؐ ان کے سامنے اپنے دین کے صرف نہایت ن اور امید افزا پہلو ہی بیان کرتے تو آپؐ کو حق بجانب کہا جاسکتا تھا لیکن آپؐ سچ پر قائم تھے اور ہر بات بلا کم و کاست بتا دی۔ آپؐ کے خلوص اور راست بازی نے آپؐ کے مصائب اضافہ ہی کیا تھا لیکن ان سے گھبرا کر آپؐ اس کو چھوڑنے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ زندگی ہو ت آپؐ آخر دم تک اپنے اصولوں پر قائم رہنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔

بہر حال مدینہ والوں نے اب آپؐ کے متعلق ایک واضح رائے قائم کر لی تھی اس لئے آپؐ کی تیبہوں سے ذرا خائف نہ ہوئے۔ وہ تو حضرت محمدؐ سے صرف اتنی یقین دہانی چاہتے

تھے کہ جب حالات سازگار ہو جائیں تو آپ انہیں چھوڑ نہ جائیں۔ حضرت محمدؐ نے سر کی جنبش سے اس کا یقین دلایا اور کہا: "ہرگز نہیں۔ آپ کا خون میرا خون ہے۔ میں آپ کا ہوں اور آپ میرے ہیں۔"
البرار نے کہا: "تو پھر ہاتھ بڑھائیے۔ (تاکہ بیعت کی جائے)"

حضرت محمدؐ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ستر افراد میں سے ہر ایک نے باری باری آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت محمدؐ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر حلف اٹھایا۔ یہ ایک ڈرامائی اور بڑی اہمیت کا لمحہ تھا لیکن غالباً صحرا کی تند ہواؤں میں کھڑے اور لمبے لبادوں میں ملبوس ان افراد میں سے کوئی بھی اس وقت اس کی اہمیت کو نہ سمجھ سکا۔ اگر اہل مدینہ اسلام قبول نہ کر لیتے اور مکہ کے مہاجر کو پناہ نہ دیتے تو شاید قرآن کا دین اپنی طفولیت میں ہی ختم ہو گیا ہوتا۔

اس سے پہلے کہ مصعبؓ اور ان کی جماعت مدینہ کو لوٹیں یہ طے پا گیا کہ اب حضرت محمدؐ جو نہی اپنی تیاری کر لیں انہیں جلد سے جلد مدینہ آ جانا چاہئے۔ اب مصائب کے بادل چھنے نظر آرہے تھے۔ اور منزل قریب دکھائی دینے لگی تھی لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا۔ حضرت محمدؐ تھوڑی دیر کے لئے قریش کو بھول گئے تھے۔

کسی نہ کسی طرح مدینہ والوں سے صحرا کی ان خفیہ ملاقاتوں کی خبر مکہ والوں سے چھپی رہ سکی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مکہ کے مسلمانوں کی سازی آبادی غائب ہو رہی ہے۔ پوری کی پوری گلیاں سنسان پڑی ہیں۔ دروازے اور کھڑکیاں اندر سے تختوں سے جڑ دیئے گئے ہیں۔ صحرا کی اڑتی ہوئی ریت نے گلی کے پتھروں کو ڈھانپنا شروع کر دیا ہے اور ریت اب دہیزوں کے سامنے جمع ہو رہی ہے۔ انہی دنوں اس بات نے اور حلتی پر تمہیں کا کام کیا کہ جب حضرت عمرؓ زرہ بکتر پہنے، سر پر خود رکھے ہاتھ میں کمان لئے اور ایک بہت تلوار پہلو سے لٹکائے کعبہ میں پہنچے۔ بغیر کسی تمہید کے انہوں نے اپنے سابق دوستوں کو

لے "میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے۔ جس سے تم لوگے میں بھی اس سے لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو

میں صلح کروں گا" تاریخ طبری

"نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے اور میں تمہارا ہوں" (سیرۃ النبی)

وہ بھی جارہے ہیں اور یہ کہ وہ چھپ کر نہیں بھاگ رہے تھے۔ بلکہ وہ ایک ایسی جگہ جارہے تھے۔
 ان وہ قریش سے ان کی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں کو ایک جماعت کی شکل میں منظم
 کیے اور چلتے ہوئے انہوں نے دھمکی بھی دی کہ اگر کسی کو اپنی جان عزیز نہیں اور اپنی مال سے
 ماتم کرنا چاہتا ہے تو مکہ سے باہر وادی میں مقابلہ پر آجائے۔ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت نہ
 اور عمر فاروقؓ نفرت سے شانے جھٹکاتے شام کے اندھیرے میں روانہ ہو گئے۔

اس تہدید آمیز اعلان نے ایک اور حقیقت کا انکشاف بھی کیا یعنی یہ کہ جتنا ان کا خیال
 اس سے کہیں بہت زیادہ۔ لوگ حضرت محمدؐ کے ساتھ تھے۔ صورت حال بہت زیادہ پریشان
 ہو گئی تھی اور یہ کہ اگر اس کو بڑھنے دیا گیا تو خود قریش کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی
 یہ میں بیٹھی دشمن کی ایک مضبوط جماعت ان کے شام جانے والے تجارتی کاروانوں کی
 ہراہوں کو منقطع کر دے گی اور یہ بھی کہ دشمن کو ان کی تجارت کو متاثر کرنے اور ان کی ضرورت
 منقطع کرنے کے لئے کسی بہت بڑی جمیعت درکار نہ ہوگی۔

ابوسفیان اس وقت مکہ کا حاکم ہی نہیں بلکہ سپہ سالار بھی تھا۔ عہدہ کی اس ترقی نے حضرت
 سے اس کی نفرت میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ جب یہ پریشان کن خبریں اسے پہنچیں تو اس نے
 سر کی کونسل کا ایک اجلاس طلب کیا اور بغیر کسی تمہید کے اراکین مجلس کو مکہ کی اصل صورتحال
 آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ حضرت محمدؐ کا قضیہ جس کو کچھ لوگ کسی وقت قابل توجہ نہیں گردانتے
 اب ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا اور اگر فوری طور پر کوئی باضابطہ کارروائی نہ کی گئی تو کچھ بھی
 سکتا ہے اور اب یہ بات ایک یا چند افراد کے بس کی نہیں رہی تھی۔ یہ ایک ایسا معاملہ بن چکا تھا
 جس سے شہر مکہ کا ہر فرد اور قبلہ قریش کا ہر رکن متاثر تھا۔ اس نے مزید کہا کہ اس کے خیال میں
 حضرت محمدؐ کو فوراً اور اسی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہئے۔ جب کونسل کے بعض اعضاء پسند
 کان نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت محمدؐ کو حلاوطن کر دیا جائے یا قید کر لیا جائے تو ابوسفیان ہنسنا
 پر علاوہ طور پر یہ کہا کہ جب تک (نعوذ باللہ) یہ جنونی زندہ ہے خطرہ موجود رہے گا۔ کیونکہ جب

لے ایسے تمام اجلاس دارالندوہ (اندرون حرم) میں ہوتے تھے۔

تک اس رنحوذ بالشر، جھوٹے نبی کے پیروکار یہ جانتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں تو وہ ان کو چھڑانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیں گے اور خصوصاً اب جبکہ مدینہ کا ایک گروہ بھی ان کی حمایت موجود ہے۔

ابو جہل جو حضرت محمدؐ سے نفرت کرنے میں ابوسفیان سے کسی صورت سے کم نہ تھا بولا کہ اس معاملے سے نمٹنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ حضرت محمدؐ کو قتل کر دیا جائے۔ اس مزید کہا کہ اس کا تو شروع سے ہی یہ خیال تھا اور اگر پانچ سال پہلے ایسا ہو جاتا تو یہ جھگڑا اور ہتکم ہو گیا ہوتا۔ جب لوگوں نے اس کی یہ بات خاموشی سے سن لی تو اس کا حوصلہ بڑھا اور اس نے کہا کہ چونکہ اصل میں یہ ملک کے مفاد میں ایک قومی قتل ہے اس لئے اس کی تجویز ہے کہ ہر گھرانے سے ایک فرد کو ضرور اس میں شرکت کرنی چاہئے۔ اگر ہر خاندان کی تلوار حضرت محمدؐ کے خون سے رنگی ہوگی تو قتل کے جھگڑے میں سب برابر کے شریک ہوں گے۔ کچھ توقف کے بعد اس نے لوگوں سے ان کی رائے دریافت کی۔ کسی نے بھی اختلاف نہ کیا۔ اس پر ابو جہل پھر بولا کہ یہ قتل آج رات ہی ہونا چاہئے۔ اس سے سب نے مکمل طور پر اتفاق کیا۔

لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے وہاں ایک ایسا فرد بھی بیٹھا سن رہا تھا جسے وہاں نہیں ہونا چاہئے تھا چنانچہ چند منٹ بعد ہی حضرت محمدؐ کو اپنی سزا کے فیصلے اور قتل کے منصوبے علم ہو گیا۔ آپؐ فوراً سمجھ گئے کہ اس مرتبہ لوگ واقعی کچھ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ اگر آپؐ خود کو اور اپنے تمام ساتھیوں کو جنہوں نے آپؐ کی خاطر اپنی جانیں خطرے میں ڈالی ہوئی ہیں قتل کرانا نہیں چاہتے تو آپؐ کو فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔

آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو بلا کر آنے والے خطرے سے آگاہ کیا۔ ان دونوں حضرات نے رائے دی کہ آپؐ کو فوراً مکہ سے چلا جانا چاہئے۔ ابوبکرؓ بولے کہ وہ آپؐ کے ہمراہ جائیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ وہ مکہ میں ہی ٹھہریں گے کیونکہ قریش ان کو زیادہ ناپسندیدہ نہیں سمجھتے اور یہ کہ وہ مکہ میں ٹھہر کر عورتوں اور بچوں کی نگہداشت کر سکیں گے۔ بہر حال اب کوئی لمحہ ضائع کرنے کا وقت نہیں تھا کیونکہ ابوسفیان، ابو جہل اور ان کے دوسرے ساتھی قاتلین کے قدموں کی آوازیں تنگ اور پیچ در پیچ گلیوں میں سنائی دینے لگی تھیں۔ چنانچہ

بنت محمدؑ سے ان کی چادر لے کر حضرت علیؑ نے جلدی سے آپؐ کو اور حضرت ابی بکرؓ کو دروازے سے
برہنہ کیا اور پھر دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا دیا اور یہ اطمینان کر کے کہ روشندان سلاخوں یا
سی سے اچھی طرح بند کر دیئے گئے ہیں حضرت علیؑ اور حضرت محمدؑ کے بستر پر دراز ہو گئے اور آپؐ کی
سر سے اپنے آپ کو اچھی طرح سے ڈھانپ لیا۔

قاتلین آپؐ کے مکان پر پہنچے لیکن یہ دیکھ کر کہ اندر داخل ہونے کے لئے طاقت استعمال
کرنا پڑے گی کچھ تامل کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے کسی نہ کسی طرح روشندان میں سے اندر
بھانکا۔ اس نے دیکھا کہ چٹائی پر اس کی دانست میں حضرت محمدؑ اپنی جانی پہچانی چادر اوڑھے
سو رہے تھے۔ یہ اس نے سب کو بتا دیا اور فیصلہ ٹھہرا کہ صبح تک انتظار کیا جائے اور جیسے
ی حضرت محمدؑ گھر سے باہر نکلیں انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ گرمی کی مختصرات گزارنے
لئے سب کے سب اپنی تنگی تلواریں ہاتھ میں لئے وہاں ہی خاموشی سے دبک کر بیٹھ گئے۔
نسیم سحر نے صحرائیں سرگوشیاں شروع کر دی تھیں۔ مشرق سے صبح کا ارغوانی اجالا نور
دے رہی قاتلین حملے کے لئے مستعد ہو گئے اور جونہی سورج کی روپلی کرنیں مکے کے مکانات
ن سپاٹ چھتوں پر پڑیں حضرت محمدؑ کے مکان کا دروازہ کھلا۔ لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑنے کیلئے تیار
ہوئے تھے لیکن معائنہ کے قدم وہیں رک گئے۔ انہوں نے حیران آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت محمدؑ
بجائے دروازے کی چوکھٹ پر فریاد نام علیؑ اور حضرت محمدؑ کی چادر بازو پر ڈالے کھڑے تھے۔

اس پہلی حیرانی کے بعد سوالات کا ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ آخر ابو جہل نے دوسروں
کو خاموش کر کے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ ان کے چچا اصل میں چچا زاد بھائی کہاں ہیں۔ حضرت علیؑ

۱۔ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے حیاۃ محمدؑ میں لکھا ہے کہ قریش کے اس فیصلہ کے فوراً بعد آپؐ کو بذریعہ دھجی ہجرت کی
جائز مل گئی اور آپؐ خود ہی حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچ گئے اور وہاں سے رات کو دونوں غارِ ثور چلے گئے۔
بعض نے لکھا ہے کہ آپؐ اپنے مکان میں ہی تھے اور قاتلین آپؐ کو گھیرے ہوئے تھے لیکن شیت ابروی سے
دشمنوں پر اونگھ طاری ہو گئی اور نصف شب کے بعد آپؐ ان کے درمیان سے ہو کر حضرت ابو بکرؓ صدیق کے
مکان پر پہنچ گئے اور وہاں سے دونوں غارِ ثور روانہ ہو گئے۔

نے جواب دیا کہ انہیں اس کا کچھ علم نہیں۔ وہ حضرت ابی بکرؓ کے ساتھ گذشتہ شام کو کہیں باہر چلے گئے۔ لیکن یہ بتا کر نہیں گئے کہ وہ کہاں گئے اور کب واپس آئیں گے۔ حضرت علیؓ نے مکہ کے گورنر اور شہری کونسل کے ارکان کو شنگی تواریخ لاتھ میں لئے بظاہر حیرانی اور تعجب سے دیکھا لیکن جب کسی نے اس کا کوئی سبب بیان نہیں کیا تو وہ بھی بڑی بے نیازی سے گلی کی ڈھلوان پر کعبہ کی سمت ٹہلتے ہوئے چلے گئے۔

ابوسفیان اور ابو جہل اس وقت بڑی گومگو کی حالت میں تھے۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونا بھی آسان نہ تھا۔ پھر یہ کہ اندر عورتیں تھیں اور بہر حال وہ رشتہ دار بھی تھیں اور عزیز بھی۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی یقین تھا کہ جو کچھ حضرت علیؓ نے بتایا وہ بھی سچ تھا۔ وہ سب ایک محض چادر سے دھوکا کھا گئے تھے۔ بہر حال اگر حضرت محمدؐ کسی وعظ یا عبادت کی مجلس میں گئے ہیں تو وہ لوٹ آئیں گے لیکن اگر وہ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے ہیں تو انہیں راستہ میں پکڑا جاسکتا ہے۔ اتنا بڑا سفر اونٹوں پر ہی کیا جاسکتا ہے اور اونٹ آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور گھوڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس خیال سے انہیں کچھ اطمینان سا ہوا اور تعاقب کی مہم شروع کرنے کے لئے قاتلین جلدی ہی وہاں سے چلے گئے۔

حضرت محمدؐ کو اس بات کا بالکل صحیح اندازہ تھا کہ جب قریش کو معلوم ہو گا کہ آپؐ مکہ سے چلے گئے ہیں تو ان کا رد عمل کیا ہو گا۔ چنانچہ آپؐ اونٹوں پر مدینہ کے لئے روانہ نہیں ہوئے بلکہ حضرت ابی بکرؓ کے ساتھ پیدل ہی جبل ثور چلے گئے جو مکہ سے تقریباً ایک گھنٹے کا راستہ ہے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی اس تجویز سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ وہ مکہ کے حالات سے انہیں باخبر رکھیں۔ دونوں جلاوطن حضرات جب جبل ثور کی چوٹی پر پہنچے تو ابھی صبح ہونے میں دیر تھی انہوں نے پہاڑ کے چٹانی حصے کے ایک غار (غار ثور) کی بہت اندرونی خلا میں اپنے آپ کو چھپا لیا۔

اے غار ثور جبل ثور مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ میل جانب جنوب ہے اور ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زیادہ کی مسافت ہے غار ثور پہاڑ کی چوٹی پر ہے وہاں پہنچنے کے لئے دو پہاڑ چڑھنے پڑتے ہیں۔ دوسرے پہاڑ کی چڑھائی زیادہ دشوار گزار ہے چڑھائی ایک میل کے لگ بھگ ہوگی کوئی مستقل راستہ نہیں اکثر جگہ چٹانیں عمودی اور کھسکواں ہیں۔ اس پر صدیوں چلتے رہنے سے جو پگڈنڈی کی شکل کے راستے ہیں وہ بہت تنگ ہیں اور بعض جگہ دھادنی بیک وقت ایک ہی پگڈنڈی سے نہیں چڑھ سکتے کبھی چڑھنے والا اترنے والے کا انتظار کرتا ہے اور کبھی اترنے والا چڑھنے والے کا۔ اکثر جگہ چٹانیں پکڑ پکڑ کر چڑھنا ہوتا ہے۔

یہاں وہ دونوں ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئے اور دعائیں مانگتے رہے کہ دشمن کو ان کی کین کا پتہ نہ چلے۔

سورج نکلنے کے تقوڑی دیر بعد ہی آپ نے صحرا میں قریش سواروں کے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنیں جب کافی دور نکل جانے کے باوجود انہیں اونٹوں کے پیروں کے نشان نظر نہ آئے تو وہ سمجھ گئے کہ حضرت محمدؐ نے انہیں ایک مرتبہ پھر بیوقوف بنایا ہے چنانچہ انہوں نے اب بکے کے نزدیک ہی تلاش شروع کی۔ ان میں سے کچھ لوگ واقعی غار پر بھی آئے جہاں قریش کے یہ دونوں مفرد چھپے بیٹھے تھے۔ حضرت ابی بکرؓ کا نپ اٹھے۔ وہ ایک شہری باشندے تھے اور عمر بھی اب پچاس سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ یوں تو انہوں نے پچھلے سالوں میں بہت سے مصائب برداشت کئے تھے لیکن دشمن کے ہاتھوں سے بچ نکلنے کی یہ مہم ان کے طریقہ زندگی کے بالکل خلاف تھی۔ وہ خوف سے سہمے ہوئے تھے اور اس کا انہوں نے اظہار بھی کیا لیکن حضرت محمدؐ بالکل ایسے ہی بے خوف اور پرسکون تھے جیسے وہ ایسے اور مواقع پر رہتے تھے جب حضرت ابوبکرؓ نے بڑی مایوسی سے کہا کہ ہم دو نہتے آدمی ان خون کے پیاسے جنگجو لوگوں کی اتنی بڑی جماعت کے سامنے کیا کر سکیں گے تو آپؐ نے فرمایا: "اے ابوبکرؓ کوئی فکر نہ کرو ہم اکیلے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

اس تسلی سے حضرت ابوبکرؓ کی کچھ ڈھارس تو بندھی لیکن اس سے تلاش کی مہم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ قریش نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ حضرت محمدؐ کو تلاش کر کے دم لیں گے خواہ اس میں ایک مہینہ ہی کیوں نہ لگ جائے۔ غار کے باہر کچھ گھوڑ سوار آپس میں رد و کد کر رہے تھے جو اندر بیٹھے ہوئے پناہ گزین بھی سن رہے تھے۔ اس وقت ایک ایسی بات ہوئی جسے مسلمان ایک معجزہ خیال کرتے ہیں غار کے دہانے پر بھول کی ایک جھاڑی تھی۔ اس میں ایک فاختہ نے گھونسلہ بنا کر انڈے دے دیے

لے جنوری ۱۹۶۳ء مطابق ۱۳۹۲ھ حج کے موقع پر مجھے بھی غار ثور کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے لمبائی کی دوسری جانب غار کا ایک اور تنگ دہانہ بھی ہے جس میں سے پیٹ کے بل ہو کر اندر جا سکتے ہیں یا باہر نکلا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہجوم کے باعث ہم لوگ بادی بادی اصل راستے سے جھک کر غار میں داخل ہوئے۔ بیٹھے بیٹھے نقل و حرکت اور دوسرے راستے سے پیٹ کے بل رینگ کر باہر نکلے یہ دوسرا راستہ بعد میں بنا لیا گیا معلوم ہوتا ہے۔ اب غار کے دہانے پر کوئی جھاڑی وغیرہ نہیں ہے۔

تھے اور اسی اثنا میں ایک مکڑی نے غار کے دہانے پر جالاتان دیا تھا۔ گھوڑ سواروں نے جو اس غار کی بھی تلاشی لینا چاہتے تھے جب یہ دیکھا تو اس متفقہ نتیجہ پر پہنچے کہ اس غار میں داخل ہو کر تلاشی لینا اپنا وقت ضائع کرنا ہے کیونکہ ان چیزوں کے ہٹائے بغیر اتنی تھوڑی دیر پہلے کوئی غار کے دہانے سے کس طرح اندر جاسکتا ہے۔

یہ کوئی عجیب اور معجزہ والی بات نہ تھی۔ جو ان کے مہینے میں جس طرح فاختہ کا انڈے دینا بتایا جاتا ہے اسے مبالغہ آمیز کہا جاسکتا ہے لیکن مکڑی کا اتنی دیر میں جالا پورہ دینا ناممکن نہیں ہے۔ البتہ جس بات کا سمجھنا مشکل ہے وہ قریشی جنگجوؤں کی بیوقوفی ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہوا ہو یہ غل کے پیاسے بیوقوف لوگ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے چل دیئے۔ پناہ گزینوں نے خدا کا شکر ادا کیا لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

جب رات کا اندھیرا شروع ہوا تو عبداللہ بن ابی بکرؓ اور ان کی بہن اسماء غار پر آئے۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت علیؓ کا بخیریت ہیں۔ البتہ حضرت اسماءؓ سے انہوں نے ضرور کچھ سوالات کئے تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ انہیں اپنے والد (حضرت ابو بکرؓ) اور بہنوئی (حضرت محمدؐ) کے متعلق کچھ معلوم نہیں تو زیادہ پوچھ گچھ نہ کی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت سوداؓ کو کسی نے تنگ نہیں کیا۔ بھائی اور بہن صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ واپس پہنچ گئے۔ بعد ازاں دن میں حضرت

۱۔ بعض اور لوگ بھی اسے معجزہ نہیں سمجھتے۔ مثلاً سیرۃ ابن ہشام میں اس معجزے کا ذکر تک نہیں
نے لکھا ہے کہ یہ کوئی معجزہ والی بات ہی نہیں تھی۔ ایسے

EMILE DERMENGHAN

واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ”حیاء محمد“

۲۔ ہجرت کا واقعہ ماہ جون ۶۲۲ء کا ہے۔

۳۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ۔ آپ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن اور عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ تھیں۔ آپ تین رات مسلسل اپنے بھائی عبداللہؓ کے ساتھ غار پر کھانا اور خبریں لے کر جاتی رہیں۔ اندھیری راتوں میں پانچ چھ میل دور جانا اور پاڑ پر چڑھ کر غارتک پہنچنا اور آپس آنا ایک لڑکی کے لئے کام رکھتا تھا۔ یہ آپ کے ایمان اور ایثار کا ثبوت ہے۔

ابوبکرؓ کے چرواہے ان کے جانوروں کو چراتے چراتے غار کے قریب تک گئے اور وہ ان دونوں بھیجے ہوئے حضرات کی ضروریات کی چیزیں ان کو دے آئے لیکن ان کے وہاں سے نکلنے کا تاحال کوئی موقع نہ تھا۔ قریشی سوار کئی مرتبہ غار کے قریب سے گزرے لیکن مکرپی اور فاختہ اپنا فرض بخیر انجام دے رہی تھیں اور کسی نے ان کو پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

دوسرے روز تلاش میں سرگرمی کچھ کم ہو گئی۔ حضرت اسماءؓ اور حضرت عبداللہ جو صومرا پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب اگر حضرت محمدؐ اور حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے سفر پر روانہ ہو جائیں تو کوئی خطرہ نہیں۔ اس لئے تیسری رات کو وہ غار پر دوادھنوں اور ایک اُترا رہبر کو لے کر آئے جس پر انہیں بھروسہ تھا۔ چنانچہ جلدی سے حضرت محمدؐ اونٹ پر سوار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے متابعت کی اور رات کی تاریکی میں صحرا کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اندھیرے آسمان پر نیا چاند ر ہلال، تیر رہا تھا۔

تخیل پرست لوگ "ہلال" کو آج کی ملت اسلامیہ کا قومی نشان قرار دینے کی اصل اسی دلی سے منسوب کرتے ہیں لیکن اس حسین خیال میں کوئی صداقت نہیں۔ اس لئے کہ چاند تارے کوصل میں سلطان عثمان اول، بانی سلطنت عثمانیہ کے پوتے سلطان الطغرل نے پہلے پہل ۱۲۰۹ء میں ترک سلطنت کا نشان قرار دیا تھا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے کئی فرقے مثلاً اہل التشیع ہلال یا تارے کا اسلام سے کوئی تعلق تسلیم نہیں کرتے۔

کاروانوں کے عام اور بڑے راستوں سے بچنے کے خیال سے ان ہاجرین نے بحیرہ قزم کی طرف جانے والا ایک وتری راستہ اختیار کیا۔ مدینہ مکہ سے تقریباً دو سو میل دور ہے۔ جب

لے سیرت کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ مسلسل تین روز غار میں رہے اور چوتھی شب کو مدینہ کی جانب سفر کا آغاز کیا۔

۳؎ یہ جون ۶۲۲ء کا واقعہ ہے اور ماہ ربیع الاول کا نیا چاند آسمان پر تھا۔ یعنی ربیع الاول کی شروع کی تاریخیں تھیں۔
۴؎ ملاحظہ ہو نقشہ

۵؎ آج کل جو پختہ سرک مکہ سے جدہ کے راستے مدینہ منورہ جاتی ہے مکہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ ۳۰۰ میل سے کم نہیں۔ غالباً پرانے کاروانی راستوں کے ذریعہ یہ فاصلہ دو سو میل ہو گا۔

اب آپ اس سفر کا بہت کافی حصہ طے نہ کر لیتے پکڑے جانے کا خطرہ ہر وقت موجود تھا۔ چنانچہ
لدھی جب آسمان پر صبح کا اجالا پھیلاتا آہستہ آہستہ انہیں اپنے چاروں طرف لاوائی چٹانوں پتھروں
راونچے اونچے ریت کے ٹیلوں سے بھرا ہدیت ناک صحرا نظر آنے لگا۔ حد نظر تک اجاڑا و سنسان
سطح زمین میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی تھی۔ پرندوں کی وہ جانی پہچانی چہچاہٹ تک بھی نہ تھی
عام طور پر صبح کی آمد کی خبر دیتی ہے۔ چمکیلی کنکریوں پر اونٹوں کے چلنے کی آواز کے سوا اس آب
نیاہ سرزمین پر ہر طرف خاموشی تھی۔ سورج کی تازت خطرناک حد تک شدید ہوتی جا رہی تھی
راس کی شعاعیں زمین پر سیدھی پڑ رہی تھیں۔ معتدل علاقوں کی طرح رات کی شبنم کی نمی جیسی
کوئی چیز بھی درمیان میں نہ تھی۔ جلدی ہی عرب کا آسمان ان مسافروں کے سروں پر پیتا تانبہ بن
یا اور پیروں تلے کے راستے سے لگھلتے ہوئے فولاد کا سا دھواں اٹھتا معلوم ہوتا تھا۔ افق
سراہوں کا سمندر نظر آتا تھا اور سامنے ریت کے بڑے بڑے بگولے میدان میں ادھر سے ادھر
پہر لگا رہے تھے۔

تینوں مسافر چلتے رہے جب تک وہ چل سکتے تھے۔ آخر کار انہیں ایک بڑی چٹان کے
مابہ میں آرام کرنے کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ کسی کنویں یا نخلستان کے تلاش کرنے کا تو سوال ہی نہ
ہا کیونکہ یہ لوگ سمندر کی جانب ایک غیر معروف راستے سے سفر کر رہے تھے اور انہوں نے جان
جھک کر اپنے آپ کو ایسے پڑاؤ اور مقامات سے محروم کر لیا تھا جہاں سے اپنے کھانے پینے کی
مرویات اور پانی کی کمی کو پورا کر سکتے۔

اس حال میں بھی یہ لوگ خطرے سے باہر نہیں تھے۔ قریش نے اعلان کیا ہوا تھا کہ وہ اس
مخص کو ایک سوا دنٹ انعام دیں گے جو حضرت محمدؐ کو زندہ یا مردہ لے سکے اور ایک شخص نے
وہ انعام قریب قریب جیت ہی لیا تھا۔

غار سے روانگی کی دوسری صبح کو ان دونوں جلاوطن افراد اور ان کے رہبر کو ایک بدو سردار
نے دیکھ لیا جس کا نام سراقہ بن مالک تھا۔ اپنے قبیلے کے دوسرے افراد کو یہ بتائے بغیر کہ اس کے
ذہن میں کیا ہے وہ تیزی سے گھوڑے پر سوار ہو کر اس انعام کو حاصل کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

اللہ ملاحظہ ہو نقشہ سیرۃ النبیؐ میں یہ نام سراقہ بن جشم لکھا ہے۔ سراقہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔

جو اس کی نظر میں جیتے برابر تھا۔ کمان اور نیزے سے پوری طرح مسلح ہونے کے علاوہ وہ ایک نہایت اچھی نسل دار گھوڑی پر سوار تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے، جو بہت چوکنے تھے، سراقہ کو پہلے دیکھا اور فوراً حضرت محمدؐ کو خبردار کر دیا۔ حضرت محمدؐ نے بھی سرپٹ آتے ہوئے بدو سردار کی طرف دیکھا، لیکن قرآن کی آیات آپؐ کے در زبان رہیں۔ اس ناش میں سوار نزدیک آگیا۔ اس نے تیر نکالے اور ایک تیر کمان میں جوڑا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ تیر چلاتا اس کی گھوڑی بدک گئی اور اچانک اتنی تیزی سے پیچھے ہٹی کہ اپنے سوار کو گرا دیا۔

ایک صحرا نشین بدو کے لئے گھوڑے سے گر جانا بڑی شرم کی بات سمجھی جاتی تھی اور پھر حضرت محمدؐ جو اس کی قابلِ رحم حالت دیکھ رہے تھے، کی نظروں کے سامنے ایسا ہونا تو اس کے لئے شرم سے گڑ جانے کا مقام تھا۔ سراقہ بڑی بے بسی کی حالت میں تھا۔ وہ اس وقت صحرا میں تنہا کھڑا تھا۔ اس کی کمان ایک طرف دوڑ جاگ رہی تھی اور نیزہ دوسری طرف اور اس کی گھوڑی دو رافق کی طرف دوڑتی چلی جا رہی تھی جیسے کوئی شیطان اس کے پیچھے لگا ہوا ہو، اور یہ سارے صورت حال ایسی تھی کہ اسے کوئی باعزت عرب برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ سراقہ نے ایک ہی معقول بات کی جو وہ ایسی حالت میں کر سکتا تھا۔ یعنی اس نے حضرت محمدؐ سے معافی مانگ لی اور وعدہ کیا کہ وہ کسی سے بھی اس بات کا ذکر نہ کرے گا کہ اس نے آپؐ کو دیکھا تھا۔ حضرت محمدؐ جو خود ایک نازک صورت حال سے دوچار تھے، اسے معاف کر دیا اور نشانی کے طور پر حضرت ابو بکرؓ نے ایک ٹکڑے پر اس کو معافی نامہ لکھ دیا۔ یہ بات ختم ہوئی تو سراقہ نے مصیبت زدہ مسافروں کو امن و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ اپنے ہتھیار اٹھائے اور گھوڑی کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ حضرت محمدؐ نے جو معمول کے مطابق پرسکون تھے قرآنی آیات کو جہاں سے چھوڑا

لے سراقہ، بعض کتب میں لکھا ہے کہ آنحضورؐ نے سراقہ کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے امداد کی دعا کی۔ چنانچہ سراقہ کو گھوڑا گھٹنوں تک ریت میں دھنس گیا اور اس نے خوف زدہ ہو کر معافی مانگ لی۔ صاحبِ حیات محمدؐ نے لکھا کہ اس کے گھوڑے نے کھوکھائی اور وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ وہ اسے اپنے لئے اچھا شگون نہ سمجھا اور آپؐ سے معافی مانگ لی۔

پھر پڑھنا شروع کر دیا اور روانہ ہو گئے۔

تقریباً ایک ہفتہ یہ سفر خشک، بخر اور ویران علاقوں میں جاری رہا کوئی زندہ جانور یا
کے کوئی گدھ یا سانپ تک بھی اس بیابان میں نہیں ہوتا نباتات میں البتہ کہیں کہیں صرف
دل اور امی کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ تھے۔

روانگی کے ساتویں دن صبح کو آپ قبا کے نخلستان میں پہنچ گئے جو مدینہ سے صرف چند
ل کے فاصلے پر ہے۔ اس صبح جب سورج طلوع ہوا اور سطح زمین پر زندگی کے آثار نظر
نے لگے تو مسافروں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اجاڑ بیابان سرزمین کو وہ سمجھے چھوڑ آئے
تھے۔ صحرا کی بجائے اب انہوں نے اپنے آپ کو ایسی پہاڑیوں کے درمیان پایا جہاں کھجور کے
بچے اونچے پیروں کی کثرت تھی۔ ان کے ارد گرد باغات تھے جن میں نارنگی، لیموں اور انار
تھے۔ آب پاشی کے نالوں سے پانی تیزی سے نکل کر زرخیز زمین کو سیراب کر رہا تھا جس
سبب انجیر اور خوبانی کے پیر لگے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ ان کے لئے ناقابل یقین تھا اور اس سے
بھی زیادہ جب پینتالیس سال پہلے آپ نے اپنی والدہ کے ساتھ اس جنت ارضی کی ایک جھلک
بھی تھی۔ آپ نے فوراً اونٹ کو بٹھایا اور اتر گئے۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے
غافلت سے انہیں منزل تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپ سایہ میں آرام کرنے اور تازہ دم ہونے
کے لئے لیٹ گئے۔

آپ زیادہ دیر آرام نہ کر سکے۔ مکہ کے لوگوں کو جو آپ سے پہلے مدینہ آچکے تھے معلوم تھا کہ
آپ بھی جلد ہی مکہ سے روانہ ہونے والے ہیں اور وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ جو نہی آپ کی

لے طبری نے ابو جعفر اور ابن اسحق سے روایت کی ہے کہ انصار مدینہ ذی الحجہ میں بیعت عقبہ کے لئے آئے۔ ان کی واپسی
کے بعد رسول کریم ذی الحجہ کے باقی حصے۔ محرم اور صفر میں مکہ میں رہے اور ربیع الاول کے شروع میں ہجرت کر کے
دو شنبہ ربیع کے دن ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے۔ مصنف نے مدینہ پہنچنے کی تاریخ ۲ جولائی ۶۲۲ء لکھی ہے اور
سرجان گلب نے اپنی کتاب THE GREAT ARAB CONQUESTS میں آپ کے قبا پہنچنے کی تاریخ ۲۸
جون ۶۲۲ء لکھی ہے وہاں چار روز قیام کے بعد ۲ جولائی کو آپ مدینہ میں تشریف لے گئے۔ مولانا شبلی نے
قبا پہنچنے کی تاریخ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۲ ستمبر ۶۲۲ء لکھی ہے۔

آمد کی خبر پھیلی لوگ جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ ان میں بہت سے آپ کے عزیز اور گھر کرنے والے لوگ بھی تھے جن میں حضرت حمزہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے الزبیرؓ بھی شامل تھے۔ وہ اپنے ساتھ صاف کپڑے، چاول، شہد، کھجوریں اور دودھ سے بھرے ہوئے مشکیرے لائے۔ حضرت محمدؐ نے یہ تحائف اور مبارک بادیں شکریے کے ساتھ قبول کیں لیکن چند روز تک آپؐ قبائیں ہی مقیم رہے کیونکہ بے حد تھک گئے تھے۔ اس کے علاوہ ہر وقت کی ہنس اور بے غریبہ سہنے اور محلوں سے بچاؤ کی فکر کے ماحول سے نکل کر اچانک اپنا ایک پرتپاک اور دوستانہ خیرہ دیکھ کر آپؐ جذبات سے مغلوب ہو گئے۔

قبائیں پہنچنے کے چوتھے روز صبح تک آپؐ کی صحت بحال ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے اعلان کر دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپؐ شہر مدینہ میں جس نے آپؐ کو اپنا یا ہے، داخل ہوں۔ روانگی سے پہلے آپؐ نے ان سب لوگوں کو جمع کیا جو آپؐ کے استقبال کے لئے آئے تھے اور پہلی بار اعلانیہ طور پر نماز پڑھی اور فوراً بعد کسی مداخلت کے بغیر دن کے وقت پہلا خطبہ پڑھا۔ بعد ازاں آپؐ اپنی اڈنی پر سوار ہوئے جو القصوہ نامی ایک سفید سانڈنی تھی۔ اور مدینہ کے جھک جھک کر تعظیم بجالاتے ہوئے کھجوروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپؐ کے برابر میں آپؐ کے با وفادار دست حضرت ابی بکرؓ تھے اور آپؐ کے آگے ہمسا یہ قبیلے کے شیخ بریدؓ تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس کے ساتھ انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے پرچم کے نشان کے طور پر اپنا سفید عمامہ باندھ لیا تھا۔ القصوہ کے پیچھے اونٹوں پر سوار دوسرے لوگ تھے۔ آپؐ کے چاروں طرف مجاہدین یا پیادہ دوڑتے یا سوار چل رہے تھے اور ہاتھوں میں تلواریں یا کمانیں لہراتے پکار پکار کر حضرت محمدؐ کی آمد سے خبردار کر رہے تھے اور یہ اعلان بھی کرتے جارہے تھے کہ اب وہ آپؐ کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں گے۔

یہ ایک بڑا پرشکوہ منظر تھا۔ تقریباً بالکل ناقابل یقین۔ کیونکہ ابھی ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا کہ آپؐ کو مکہ کی گلیوں سے چھپ کر اور دبے پاؤں گزرتا پڑتا تھا اور ہر وقت یہ ڈرتا تھا کہ شاید اگلے موڑ پر کوئی خنجر لئے کھڑا ہو اور کسی کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ کون اسے مولا یا شبلی قبائیں چودہ روز قیام کو زیادہ قریب قیاس سمجھتے ہیں۔

دوست ہے اور کون دشمن۔ جس مشن کی آپ تبلیغ کرتے تھے اس کے سبب لوگ آپ سے نفرت
در آپ کی مخالفت کرتے تھے لیکن آج آپ ہی عرب کے سب سے اچھے شہر میں فاتح کی حیثیت
سے داخل ہو رہے تھے۔

جب یہ جلوس مدینہ کے دروازہ پر پہنچا تو جوش اور نعرے اور بلند ہو گئے اور حضرت محمد کی
سرت میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہوتا گیا لیکن وقت اور موقعہ کو سمجھنے کی نایاب صلاحیت
سے کام لیتے ہوئے آپ نے رک جانے کا حکم دیا۔ آپ سواری سے اترے، بیت المقدس کی
بانب رخ کر کے اس کامیابی پر شکرانے کی نماز پڑھی اور پھر سوار ہو گئے۔ اب آپ نے القصورہ کی
خیل ڈھیلی چھوڑ دی اور اسے اپنی مرضی کے مطابق چلنے دیا۔ اونٹنی کئی گلیوں میں سے گزری
ہاں ٹھٹ کے ٹھٹ لوگ کھڑے جوش مسرت میں نعرے لگا رہے تھے۔ القصورہ کھوڑوں
سے سایہ میں ایک کھلی جگہ بیٹھ گئی۔ حضرت محمد اترے اور اعلان کیا کہ جہاں آپ کی اونٹنی اپنی خوشی
سے ٹھہری ہے وہاں پر آپ ایک مسجد اور اپنا گھر بنائیں گے۔

نئے قائد کے گرد انہیں دیکھنے اور چھونے کی کوشش کرنے والے لوگوں کے مجمع کے بڑھ
بانے سے شور و غل بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ آخر کار حضرت محمد کے اپنے کچھ لوگوں نے راستہ صاف
کیا اور آپ کو حضرت ابویوسف انصاری، ایک مدنی، کے مکان پر لے گئے جنہوں نے معزز مہمان
و اس وقت تک اپنے مکان پر قیام کرنے کی پیش کش کی جب تک کہ آپ کا اپنا مکان تعمیر
ہو جائے۔

حضرت محمد حیران رہ گئے جب حضرت علیؓ کو بھی تقریباً اسی وقت مدینہ پہنچ کر آپ کی
خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ مکہ سے تمام راستے پا پیادہ آئے تھے اور پاؤں میں جھالے پڑ
جانے کے سوا بالکل تندرست اور ہمیشہ کی طرح پر جوش تھے۔ وہ یہ خوشخبری بھی لائے کہ کنبے
کے باقی افراد بھی بہت جلد پہنچ جائیں گے اور یہ بھی بتایا کہ ایک جماعت کی رہنمائی زیدؓ کر رہے تھے
جس میں ان کی اپنی بیوی زینبؓ اور ام المومنین حضرت سوداؓ اور آپ کی صاحبزادیاں حضرت
فاطمہؓ اور ام کلثومؓ شامل تھیں اور عبداللہ بن ابوبکرؓ اپنی بہنوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ
اور اپنی والدہ ام رمان کے ساتھ آ رہے تھے۔

حضرت محمدؐ نے اپنے بستر پر پیچھے کی طرف تکیہ کا سہارا لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ آپؐ نے بہت تکالیف برداشت کی تھیں۔ آپؐ کو جسمانی تکلیفیں بھی دی گئی تھیں اور ذہنی بھی، لیکن آپؐ کا یہ یقین کبھی متزلزل نہیں ہوا کہ جو کچھ آپؐ پر نازل ہوا وہ حق ہے۔ آپؐ کا یہ تیرہ سالہ ایثار اور یقین اب باور ہو رہا تھا۔ آپؐ کو بس ایک ہی افسوس تھا کہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی اس کامیابی میں شریک نہ تھیں لیکن بہر حال انہیں ان سب حالات کا پتہ چل گیا ہو گا اور یقینی طور پر جنت الفردوس میں اس پر خوشیاں منا رہی ہوں گی۔ آپؐ نے ایک آہ بھری اور بستر پر دراز ہو گئے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ اگر ہو سکے تو کچھ دیر آرام کر لیں۔ پچھلے ہفتوں میں آپؐ نے کامیابی کے کافی مراحل طے کر رکھے۔ بایں ہمہ آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ جتنا کام آپؐ کو ابھی کرنا ہے اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہ تھا۔

حضرت محمدؐ اللہ کے رسول تھے لیکن آپؐ حقیقت پسند بھی تھے۔ آپؐ جانتے تھے کہ آپؐ کی زندگی کی یہ واضح کامیابی آپؐ کے مشن کی ابتدا تھی۔ اگر اسلام کی جڑیں مضبوط کرنا ہیں اور اگر عورت کے لوگوں کو اسی طرح دکھانا اور باور کرانا ہے جیسے آپؐ خود کرتے تھے اور اگر احکام الہی کی تعمیل کرنی ہے تو ابھی آپؐ کو بہت کچھ کرنا ہو گا اور بڑے مراحل طے کرنا پڑیں گے۔ بایں ہمہ آپؐ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ یہ لکڑی صبح آپؐ کی اپنی زندگی میں اور آنے والی صدیوں میں کس غلط کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ کیونکہ درحقیقت اسی لمحہ دنیا میں خالص مذہب کی بنیاد پڑی ہونے والی واحد حکومت مدینہ کے نخلستان میں وجود میں آ رہی تھی۔

یہ ۲ جولائی ۶۲۲ء کی تاریخ تھی جس دن سے سن ہجری شروع ہوا یعنی ترک وطن کرنے کا سال یا صحیح طور پر کہیں تو سال ہجرت۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اس تاریخ کو سرکاری طور پر تقویم اسلامی کا آغاز قرار دے دیا گیا۔ اور اس وقت کوئی یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ اس کے بعد تمام دنیا کے مسلمان اپنا سال اس دن سے شروع کریں گے اور مسلمان ہجرت سے پہلے کے واقعات کو "قبل از ہجرت" اور بعد کے واقعات کو "بعد از ہجرت" اسی طرح کہیں گے جیسے عیسائی اپنی تقویم میں "قبل از مسیح" اور "بعد از مسیح" کہنے کے عادی ہیں۔ اب جبکہ مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت محمدؐ آہستہ آہستہ دودھنوی

رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ اپنی سفر سے بگڑی حالت کو درست کرنے اور اپنی ڈاڑھی کو
 ہندی لگانے میں مصروف تھے اور القصورہ جنگالی کر رہی تھی تو کوئی بھی اس بات کو اہمیت
 میں دے رہا تھا کہ جبل ثور کے اندھیرے غار میں جس خیال نے جنم لیا تھا وہ اب پردان
 بڑھ چکا ہے۔ اس وقت کوئی اس کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ کتنے تھوڑے عرصے
 میں یہ نظریہ پختہ ہو کر ایک بہت بڑے سیلاب کی طرح پھیلے گا اور دنیا کے وسیع علاقوں کو
 بنی لپیٹ میں لے لے گا اور صدیوں کی قائم شدہ اور مستحکم حکومتوں اور مذاہب کو اپنے
 لیے میں بہا لے جائے گا۔

نوان باب

مدینہ

۶۲۲ عیسوی

ابو ایوب انصاری جن کے مکان پر حضرت محمدؐ نے مدینہ پہنچنے پر قیام کیا، آپ کے دور کے
 رشتہ کے بھائی بھی ہوتے تھے۔ وہ آپ کے ان رشتہ داروں کے پوتے تھے جن کے پاس آپ
 کو چھ سال کی عمر میں آپ کی والدہ صحرا میں اپنی وفات سے کچھ پہلے مدینہ لائی تھیں، ابو ایوب
 ایک مجاہد مسلمان تھے۔ حضرت محمدؐ کی زندگی میں وہ ہر لڑائی میں آپ کے ساتھ رہے۔ آپ
 کی وفات کے بعد بھی وہ اسلام کے ایک نامور سپاہی کی حیثیت سے مشہور رہے۔ حضرت محمدؐ
 کے مدینہ میں فاتحانہ داخلے کے اڑتالیس سال بعد وہ امیر معاویہ بن ابوسفیان، جو مسلمانوں
 کے پانچویں خلیفہ تھے، کے لشکر کے ساتھ قسطنطنیہ کے باہر لڑتے ہوئے شہید ہوئے جس
 جگہ آپ شہید ہو کر گرے وہاں پر ایک عالی شان مقبرہ اور ایک مسجد تعمیر کر دیئے گئے تھے
 جو ابھی تک موجود ہیں اور چھ سال پہلے سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ تک ترک سلاطین اپنی
 تخت نشینی سے پہلے شمشیر بندی کی رسم کی ادائیگی کے لئے وہاں جاتے تھے۔
 حضرت محمدؐ کی تعلیمات آپ کے پیروں کو کتنی بلندی پر لے جانے والی تھیں اس کی
 بہت سی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ غیر تعلیم یافتہ عرب اور قریش کے

لے خلافت راشدہ اصل میں حضرت علیؓ اور امام حسنؓ پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد درحقیقت ملوکیت نے جگہ لے
 لی۔ بہر حال ۱۹۲۲ء تک سربراہ مملکت خلیفہ کہلائے۔

قبل از اسلام عرب کے مٹا ہوا

(۶۰۰ عیسوی)



THE GREAT ARAB CONQUESTS
By J. B. GLUBB

روں سے پنج نکلنے والے ابوبکرؓ۔ عمرؓ اور علیؓ اتنی تھوڑی سی مدت میں مشرق کی ایک وقت
نظم نشان اور طاقتور سلطنتوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے بن جائیں گے، شام، کلدانیہ
طینہ، مصر اور میڈیا اور ایران کے ممالک ان غیر معروف جلاوطنوں کو خراج ادا کریں گے۔
مملکتوں کے حکمران ان کے سپہ سالار اور ان کے مذہبی رہنما بقول ان کے، ان غیر شائستہ
لوگ الحال اور بے خانماں لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کے در پر حاضری
کے جو آج اپنے مدنی میزبانوں کی چٹائیوں پر بڑی شکرگزاری کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔
یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیر و کار شمال اور مغرب میں اور زرتشت کے آگ کے پجاری مشرق
جنوب میں اسلام کے عظیم سیلاب کے ریلے میں اس طرح بہ جائیں گے جیسے سمندر کے
رے کی کنکریاں اور خلیج فارس سے لے کر بحر اوقیانوس تک کسی وقت کے گلہ بانوں،
می گاشتوں اور تاجر ساہوکاروں کے نام ان شاہی خاندانوں کی جگہ لے لیں گے جن کی
طنین صدیوں سے قائم تھیں۔

چند سال بعد عظیم میسوپوٹامیا عراق کے شہر بصرہ میں ایوان حکومت سے تقریر کرتے
تھے ان میں سے ایک نے جو آج مدینہ میں ابوابہ انصاری کے مکان کے باہر بیت پر

۱۔ کلدانیہ۔ قدیم سلطنت بابل (عراق) (نقشہ ۷۱)
۲۔ بازنطینیہ۔ موجودہ ترکی کے علاقہ کو بازنطینیہ کہتے تھے۔ قسطنطنیہ مشرقی رومن سلطنت کا پایہ تخت تھا۔
۳۔ شام اور فلسطین بھی اسی سلطنت کے حصے تھے جو حضرت عمرؓ کے دور میں فتح ہوئے۔ البتہ قسطنطنیہ کو ترکی
سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں فتح کیا۔ (نقشہ ۷۲) (نقشہ ۷۳)
۴۔ میڈیا۔ قدیم شمال مغربی ایران کے علاقہ کو میڈیا کہتے تھے (یعنی موجودہ آذربائیجان، کرمان شاہ اور کردستان
علاقہ) آرمینہ اور اسیریا شام کا ایک بڑا علاقہ بھی اسی سلطنت میں شامل تھا۔ ایک بڑی سلطنت اور
ریب تھی۔ بعد میں یہ علاقہ سلطنت فارس کا حصہ بن گیا اور ۳۳۰ قبل مسیح میں اسکندر اعظم نے اسے فتح کر لیا
یونانی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اس طرح اس بڑی تہذیب اور سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔
(انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا) (نقشہ ۷۴)

۵۔ نقشہ ۷۵ (۵۵) یہ اشارہ حضرت سعد بن وقاص کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو ساتویں مسلمان تھے اور شعب الہی
بش میں آنحضرتؐ کے ساتھ انہیں بھی وہ ختوں کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑا تھا لیکن یہ کوڑے کے گورز تھے بھرے
نہیں۔ وہاں پر انہوں نے عامل (گورز) کے لئے ایک محل (دارالامارہ) تعمیر کرایا تھا جس پر حضرت عمرؓ نے بعد میں باز پرس
فرمائی کہ شعبہ اور ابو موسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کے زمانے میں بصرہ کے گورز لے رہے تھے۔ سابقوں الاولوں میں سے نہ تھے۔

کھڑے انتظار کر رہے تھے کہا۔

”مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب مکہ میں رسول کریم کے ساتھ صرف سات مسلمان تھے اور میں ان میں سے ساتواں تھا۔ ہمارے پاس کھانے کے لئے درختوں کے پتوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان دنوں مجھے کسی نے تحفے میں کپڑے کی ایک چادر دی۔ جس میں سے کچھ کپڑا میں نے استعمال کیا اور باقی حصہ سعد ابن مالک کو پہننے کے لئے دے دیا۔ آج ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صوبہ کا عامل (گورنر) ہے۔“

ماہ جولائی ۶۲۲ء کی اس سہ پہر تک مستقبل کے ان عالموں (گورنروں) کو یہ سب یاد تھا اور قاضیوں (ججوں) کے لئے طویل ترین سفر جواب تک انہوں نے کیا تھا کہ سے مدینہ گیا تھا۔ انہوں نے اتنی سرسبزی کبھی نہ دیکھی تھی۔ اور دھوپ میں تپتی چٹانوں والی سطح زمین عادی لوگوں نے جب اس سرسبز میدانی علاقے کو دیکھا جس میں مدینہ آباد تھا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا۔ ایک ایسے علاقہ کے رہنے والوں کے لئے جہاں پانی کا ایک ایک قطرہ سوئے زیادہ قیمتی تھا آبپاشی کے نالوں میں مسلسل اور تیزی سے پانی کا بہنا ایک اچھے کی سی معلوم ہوتی تھی۔ ایسی جگہ کو دیکھ کر جہاں کھانے کے لئے جتنی چاہیں کھجوریں مل جائیں جہاں انجیر، خربازہ اور انار اتنی بہتات سے ہوں جیسے صحرا میں پتھر، حضرت محمد کی بیانی جنت کی موجودگی پر یقین محسوس ہوتا تھا۔

حالانکہ مدینہ میں پہلے چند روز آپ نے آرام اور عبادت کے لئے وقف کر دیئے۔ لیکن آپ کا ذہن منصوبہ بندی میں لگا ہوا تھا۔ اسلام اب آپ کو پھر اسی تیزی سے کام کرنے کے لئے آمادہ کر رہا تھا جیسا کہ آپ نے بڑھتے ہوئے مصائب اور اذیتوں کے زمانہ میں کیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ اب تو اسلام کی صداقت بھی ثابت ہو چکی تھی اور اب آپ پر لاتے آتا تھا کہ ان لوگوں کو بھی جو ایمان لے آئے تھے اور ان پر بھی جو اس کا مذاق اڑاتے تھے اس کی صداقت کو ثابت کریں اور ان پر بھی جنہوں نے ابھی تک اسلام کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ بہر کیف اس سے پہلے کہ آپ اس کام پر پوری توجہ دے سکیں لازم تھا کہ آپ اپنے لئے

نش کا بندوبست کریں۔

دس سال پہلے جب آپ کو باہر نکل کر لوگوں میں اللہ کے پیغام کی تبلیغ کا حکم ملا تھا حالات مجبوری سے حضرت محمدؐ کو ملنے والے اللہ تعالیٰ کے احکام سرسری اور مختصر ہوتے تھے۔ دین کے بادی اصول اور اللہ تعالیٰ کے احکامات بھرپور ایں ٹکڑے ٹکڑے اور چھوٹی چھوٹی آیات شکل میں لاتے تھے اور یہاں آکر اب وہ سورتوں کی شکل اختیار کرنے لگے تھے۔ حقیقتاً حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ اور شاید زیدؓ کے علاوہ اب تک کی نازل شدہ تمام وحی اور احکام کسی نے سنے بھی نہیں تھے۔ اور اکثر بیشتر مسلمان ابھی تک اسلام کے متعلق بہت کم جانتے تھے اور غالباً حضرت محمدؐ کو خود بھی بعض باتوں میں کچھ وضاحت درکار تھی۔

بہر حال یہاں اگر وہ موقع میسر آتا تھا جو شاید ہی کسی دین کے بانی کو ملا ہو۔ یعنی ان کامات کی تفصیلات بغیر کسی خلل اندازی کے مرتب کی جائیں۔ اسی وجہ سے آپؐ کو سکون لئے ایک گھر اور اشاعت کے لئے ایک مسجد کی فوری طور پر ضرورت تھی اور ایک باہمت اور نرم انسان ہونے کے سبب آپؐ خوب جانتے تھے کہ کسی کام کے کرنے کا سب سے مؤثر اور نئی طریقہ یہ ہے کہ وہ کام خود کیا جائے۔

سمجھ دار اونٹنی کا قصہ ہمارے اس اللہ کے گھر کے لئے جگہ کا انتخاب کر دیا تھا جہاں سے اسلام کی ساری دنیا میں ضیاء پاشی ہونی تھی۔ اگلا قدم اس کی تعمیر کرنا تھا۔ حضرت محمدؐ نے یہی اشتہا سے دودھ پیا۔ خوب کھجوریں کھائیں اور جب پوری نیند لے کر ساری تکان دور لی تو کام میں مصروف ہو گئے۔

مکہ کے ان مہاجرین کے مدینہ پہنچنے کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پہلی مسلم عبادت گاہ یا مسجد کی بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا تھا۔ آپؐ کے استقبال کا جوش اور ہماہمی اتنی زیادہ تھی کہ اس وقت کسی کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ القصود نے جس جگہ اپنے مقدس اور تھکے ہوئے سوار کو اتارا تھا وہ ایک قبرستان تھا۔ لیکن کسی نے اس کی پروا نہ کی۔ جو لوگ وہاں مدفون تھے وہ کافر تھے چنانچہ ان کے مردے اور ہڈیاں کھود کر پھینک دی گئیں تاکہ قیامت کے روز دوبارہ

اسے یہ زمین دوشیم لڑکوں کی تھی اور انہیں اس کی قیمت ادا کی گئی۔

زندہ ہونے کے لئے وہ اپنے اعضاء مختلف جگہ سے اکٹھے کریں۔ جو کھجور کے درخت بعض قبروں پر سایہ کرتے تھے کاٹ ڈالے گئے۔ زمین ہموار کر کے بنیادیں رکھ دی گئیں۔ حضرت محمدؐ نے ان تمام تیاریوں کے علاوہ اس کی اصل تعمیر میں بھی حصہ لیا۔ مدنی اور مکی دونوں آپؐ کی امداد کر رہے تھے آپس میں ایک قابل عمل تعاون قائم رکھنے کے لئے حضرت محمدؐ نے ایک ایسا طریقہ نافذ کیا جس نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک مدنی کا باقاعدہ بھائی بنا دیا۔ مدینہ والوں کو آپؐ نے انصاری یا امداد کرنے والے کہا اور اہل مکہ یعنی اپنا وطن چھوڑ کر پناہ لینے والوں کو مہاجرین کا نام دیا۔ یہ لفظ ہجرت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں، اس نے وطن چھوڑ دیا۔

انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو نہ صرف یہ کہ کھلایا پلایا اور مکان میں اپنے ساتھ رکھا بلکہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ان کے پاس تھا اس میں بھی ان کو اپنا حصہ دار بنالیا۔ اس بھائی چارے نے مکمل طور پر ایک خونی رشتے کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ جب کوئی انصاری فوت ہوتا تو اس کے لئے لازم تھا کہ وہ اپنے ورثہ میں سے اپنے حقیقی وارثوں کے ساتھ اپنے منہ بولے بھائی کو بھی متناسب حصہ دینے کی وصیت کرے۔ یہ ایک عظیم اور نہایت مدبرانہ خیال تھا کیونکہ اس نے انصار اور مہاجرین میں ایک ہی قبیلہ کے افراد ہونے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا جس نے ایک نئے دین کی بنیاد کے طور پر پیش بہا کام کیا۔

یہ ایک ہی خاندان یا قبیلے کے فرد ہونے کا احساس یا ایک دوسرے کے کام آنے کا معاہدہ شد ضروری تھا کیونکہ جہاں بنی خزرج نے حضرت محمدؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی وہاں ایسے دوسرے قبیلے بھی تھے جنہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یہودیوں کے گروہ کے علاوہ عربوں کا ایک

سب سے یہ بات مصنف نے غالباً مزاح پیدا کرنے کے لئے لکھی ہے۔
لے اس بھائی چارے کو سلسلہ مواخات کہتے ہیں یہ ایک عملی اقدام تھا اور اس نے خونی رشتے کی شکل اختیار کر لی تھی جو لوگ ایک دوسرے کے بھائی بنے ان کی چند مثالیں یہ ہیں۔ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ، حضرت حمزہؓ اور زیدؓ بن حارثہ، حضرت ابوبکرؓ اور غارؓ بن زید، انصاری حضرت عمرؓ اور عتبائیؓ بن مالک، انصاری حضرت عثمانؓ اور حضرت اوسؓ بن ثابت، انصاری حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ اور حضرت ابویوسفؓ، انصاری حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوذرؓ، انصاری ایک دوسرے کے دینی بھائی بنے۔ (سیرت النبی - حصہ اول)

اس قبیلہ بنی ادس بھی تھا۔ وہاں پر ایک فتنہ پرداز شخص عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اس وقت خود اس نے اور نہ ہی اس کے زیر اثر لوگوں نے حضرت محمد کو کوئی زیادہ اہمیت دی۔ چنانچہ اس نے اس میں کوئی دلچسپی نہ لی کہ شہر کی دوسری جانب کیا ہو رہا ہے۔ ہوا یہ کہ جہاں ان کی غفلت سے ان کا نقصان ہوا حضرت محمد کو اتنا ہی فائدہ پہنچا۔

پہلی مسجد بڑی سادہ طرز کی تھی۔ دیواریں پتھر کی بنیادوں پر دھوپ میں سکھائی ہوئی ٹوں سے کھڑی کی گئی تھیں۔ چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں کی تھی جو قبرستان سے کاٹے گئے کھجور کے تنوں کے شہتیروں پر رکھی ہوئی تھی۔ مسجد کے اندر کی طرف گارے سے لپائی گڑی لی تھی۔ مسجد میں کوئی سجاوٹ نہ تھی۔ یہاں تک کہ کوئی منبر بھی نہیں تھا حضرت محمد لوگوں کے بیان کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ رات کو لکڑی کی چھٹیاں جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ بعد میں ان کی جگہ تیل کے چھوٹے چراغوں نے لے لی تھی۔ لیکن مسجد کی عمارت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس تک کہ پندرہ سال بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں اسے وسیع کیا گیا۔

موجودہ مسجد میں صرف بنیادیں اصل عمارت کی رہ گئی ہیں۔ باقی سب کچھ بدل گیا ہے۔ پرانی مسجد پر یکے بعد دیگرے پانچ مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ آخری عمارت جو اس وقت مدینہ میں ہے۔ ۱۱ویں صدی عیسوی میں تعمیر کی گئی تھی۔ یہ ایک مزین عمارت ہے۔ اور اس کے پانچ مینار ہیں۔ اور ایک سبز گنبد ہے جس کے کلس پر ایک طلائی گولہ اور ایک چاند ہے اس سبز گنبد کے نیچے حضرت محمدؐ مدفون ہیں۔ سوائے اس کے اور وہاں پر کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو کسی طرح حضرت محمدؐ کے طریق کو ظاہر کرتی ہو حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اس کے اندر ہے اور اس کے باہر شاید آپؐ اپنی ذات کے کسی منظر کو پسند بھی نہ کرتے۔

حضرت محمدؐ کا طرز زندگی اتنا ہی سادہ تھا جیسے حضرت عیسیٰؑ کا۔ آج کے بہت سے گرجاؤں اور مساجد کی اندرونی چمک دمک اور آرائش بعد میں آنے والوں کے کام ہیں جو شاید یہ نہیں

۱۔ یہ مسجد سلاطین عثمانیہ رترک میر کے زمانے میں تعمیر ہوئی اب اس میں بھی بہت توسیع ہو چکی ہے ترکوں کے وقت کی مسجد بدستور موجود ہے اور نئی توسیع شدہ مسجد مختلف قسم کے قیمتی پتھروں سے تعمیر ہوئی ہے طرز تعمیر اور اس میں نہایت خوبصورت ہیں۔ نئی مسجد کو پورے طور پر سقف کرنے میں غالباً کچھ وقت لگے گا۔

سمجھتے کہ وہ سادگی کتنی قابل قدر تھی جسے دونوں بڑے مذاہب کے بانی پسند کرتے تھے۔ اس عمارت کی جہاں لوگ آج ۹۵ سالہ میں نماز پڑھتے ہیں، اگر کوئی پیغمبر مسلمانوں کو اس عمارت کی یاد دلانے کے لئے رہ گئی ہے تو وہ صرف اس کا نام ہے۔ یعنی مسجد النبی یا رسول کے نماز پڑھنے کی جگہ۔

مسجد کی ذیلی عمارات کے طور پر حضرت محمدؐ نے اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے مکانات تعمیر کئے تھے۔ یہ کچی جھونپڑیوں کی ایک قطار تھی جو ایک دوسرے سے صرف کچھ کی شاخوں سے بنی ہوئی ٹیٹیوں سے جدا کی ہوئی تھیں۔ جن پر دونوں طرف گارے کی لپا کر دی گئی تھی۔ ان کے اندر کوئی سجاوٹ یا پردے نہیں تھے۔ حضرت محمدؐ ایک چٹائی پر سوتے تھے اور اپنے گھر کا کام خود کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے پھٹے کپڑوں کو بھی خود ہی درست کر لیتے تھے۔ اور اپنے جوتوں کی مرمت بھی کر لیتے تھے۔

باور کیا جاتا ہے کہ ایسا سادہ رہن سہن صرف درویش اور متواضع لوگوں کا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس پر کوئی ذرا غور کرے تو اسے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ حضرت محمدؐ کسی طرح بھی صرف ایک روایتی درویش نہ تھے۔ بچپن سے ہی آپؐ کی پرورش ایک درمیانہ طبقت کے آسائشوں والے ماحول میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد کچھ عرصہ تک آپؐ مکہ کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور اب آپؐ مدینہ تشریف لے آئے تھے جہاں کا ہر ایک فرد اپنا بہتر اثاثہ آپؐ کے حوالے کرنے کو تیار تھا۔ یہاں تک کہ فتوحات کے بعد جب ریاست کے خزانے میں دولت اور مال غنیمت کی ریل پیل ہو گئی تھی تب بھی آپؐ نے اپنی سادہ اور درویش زندگی کے طریقوں کو اسی طرح قائم رکھا۔

حضرت محمدؐ کی خوراک میں زیادہ تر سبزی اور دودھ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گوشت شوریہ۔ سبزیاں اور کچھ شہد ہو جاتا تھا لیکن اکثر اوقات آپؐ صرف کھجوروں اور دودھ پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ بہر کیف جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ فرش پر ایک چٹائی پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔ آپؐ کا لباس بھی اتنا ہی سادہ تھا جتنی آپؐ کی خوراک۔ جسم پر نیچے آپؐ معمولی قسم کی اونٹنی یا سوئی آستینوں والی قبا پہنتے تھے اور اس کے اوپر ایک ڈھیلی ڈھالی عبا۔ سر پر ایک بھاری قسم کا

ہوتا تھا۔ جو بڑی احتیاط سے بندھا ہوتا تھا۔ پاؤں میں چمڑے کے چل یا سینڈل نہا جوتے
 تے تھے۔ زندگی کے آخری حصہ میں آپؐ نے بعض اوقات دمشق کا ریشمی کپڑا اور ایک زردوزی
 با بھی زیب تن کی۔ لیکن صرف کبھی کبھی آپؐ نفیس اور قیمتی کپڑے کو ناپسند فرماتے تھے۔
 مسلمانوں کے ایسا لباس پہننے کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جمش کے حکمران نجاشی نے ایک
 آپؐ کو کچھ پا جامے اور لمبے سیاہ بوٹ کا ایک جوڑا بھیجا۔ پا جاموں کے متعلق آپؐ نہیں جانتے
 کہ کیسے پہنتے ہیں اس لئے کبھی استعمال نہیں کئے البتہ بوٹ کبھی کبھی پہنے لیکن انہوں
 آپؐ کے پاؤں کو تکلیف دی۔

ہو سکتا ہے کہ رہن سہن کا یہ طریق کار آپؐ کی بدوی جبلت کا نتیجہ ہو۔ آپؐ کی بچپن کی
 میں صحرا کی سادہ زندگی رچی ہوئی تھی جس کے بعد آپؐ کو تجارتی سفروں میں خانہ بدوش
 کی کے تجربے ہوئے حقیقت میں ایک صحرائنشین کی نظرت میں اگر کہیں فضولی خرچی جائز
 وہ صرف اپنے اصطبل میں اچھے جانور جمع کرنے پر ہوتی ہے۔ حضرت محمدؐ کے پاس
 چند گھوڑے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں گھوڑے کم استعمال ہوتے تھے۔ ان کا استعمال
 میں اس وقت زیادہ بڑھا جب مسلمانوں نے فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت محمدؐ
 صل سوار می تیز رفتار ساندھیاں اور خچر تھے۔ اول الذکر کی تعداد تین تھی جن میں سے
 مشہور القصوہ تھی اور آپؐ کے پاس دو خاصے کے خچر تھے۔ ایک سفید اور ایک سبز
 کے نام دلدل اور شیبانہ تھے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے پاس کچھ بار برداری کے اونٹ،
 ہدینے والی اونٹنیاں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی تھے۔ ایک صحرائنشین فطرتاً اپنے
 نے، کپڑوں اور ذاتی آسائشوں پر کم خرچ کرتا ہے لیکن جانوروں کے معاملے میں کافی
 رن ہوتا ہے۔

لے جبری نے لکھا ہے کہ دلدل نامی خچر اور عفیر نامی گدھا، مقوقس نامی مقرر نے حضرت ماریہ قبطیہ (کنیز) اور
 سرے تحائف کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجے تھے۔ فزود بن عمرو نے فضہ نامی ایک اور مادہ خچر آپؐ کی
 مت میں پیش کی تھی وہ خچر آپؐ نے حضرت ابی بکرؓ کو تحفہ دے دیا۔ آپؐ کے سب سے پہلے گھوڑے کا
 "سکب" تھا جس پر سوار ہو کر آپؐ جنگ اُحد میں شریک ہوئے۔

بہر حال حضرت محمدؐ کے سادہ طریق زندگی کا سبب کچھ ہی کیوں نہ ہو آپؐ نے شروع سے ہی اس بات کو واضح کر دیا تھا کہ علم و عمل دونوں میں سادگی اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ آپؐ نے ہمیشہ اس اصول پر زور دیا اور مسلمانوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی کہ اپنے دل و دماغ اس اصول کو سب سے زیادہ اہمیت دیں۔ مسلمانوں کی اکثریت نے اس پر عمل کیا اور قائد کی وفات کے بعد بھی بہت عرصہ تک اس روایت کو برقرار رکھا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں شام کی مہمات میں مسلمانوں کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ اور شام کے کومنڈر افواج کے سپہ سالار مینویل کے درمیان گفت و شنید ہوئی۔ دونوں جرنیل ایک بڑے خیمے میں ملے۔ مینویل اور اس کے افسران جو بڑی زرق برق دردیوں میں ملبوس اور ان کی تلواروں میں جڑے ہوئے جواہرات چمک رہے تھے زربفت کی کرسیوں پر بیٹھ ہوئے تھے۔ دوسری طرف حضرت خالدؓ نے ایک صحرائشین مجاہد کا لباس پہنا ہوا تھا۔ کپڑے کی قبا، زہرہ بکتر اور خود زین بدن تھا۔ آپ کے پہلو میں ایک تلوار شک رہی اور ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور ان میں اور ان کے ماتحت افسران میں کسی طرح کا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔ غالباً نہ انہوں نے اور نہ ان کے ساتھیوں نے یہ دیکھا کہ ان کے سامنے بھی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ عیسائیوں سے سلام دعا کے بعد مسلمان آلتی پالتی مار کر ف پر بیٹھ گئے اور جب مینویل نے ان سے دریافت کیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

”خاک ہی سے تم بنے۔ خاک ہی سے تم پیدا ہوئے اور ایک روز یقینی طور پر خاک ہی میں مل جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی اور جو کچھ خداوند کریم نے بنایا وہ تمہارے ریشمی مشجر سے بہتر ہے۔“

اتفاق سے دوسرے ہی روز خالد بن ولیدؓ اور ان کے ساتھی بدوؤں نے مینویل بڑی تربیت یافتہ اور جنگ آزمودہ فوج کو ایسی زبردست شکست دی جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے بعد مسلمان بڑھتے گئے اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ مدینہ میں مسجد کے تعمیر ہو جانے کے بعد حضرت محمدؐ کو جو پہلی مشکل پیش آئی وہ

مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اب تک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی بلکہ اس کے برخلاف اب تک مسلمانوں کو جمع کرنے کے لئے بڑی خاموشی اور رازداری کا کام لیا جاتا تھا اور ہر قسم کی احتیاط کی جاتی تھی کہ کہیں کسی کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان میں نماز کے لئے جمع ہو رہے ہیں لیکن اب حالات کے مطابق ہدایات کے طالب لوگوں کے لئے اس طریقہ کو بدلتا تھا۔

یہودی لوگوں کو عبادت گاہ میں بلانے کے لئے ترم یا بگل بجائے جاتے تھے اور عیسائی منہ بجاتے تھے حضرت محمدؐ ایسے مقدس اور ارفع مقصد کے لئے ان طریقوں کو بے جان کر کے کیف سمجھتے تھے۔ آپؐ نے محسوس کیا کہ انسانی آواز اس جذبے اور کیفیت کو جو ایسے عیدہ مواقع کے لئے ضروری ہے لوگوں تک پہنچانے کے لئے زیادہ موزوں رہے گی۔ شروع میں بلانے کے لئے کوئی مستقل طریقہ نہیں تھا۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارنا ہی مسلمانوں کو نماز کے واسطے بلانے کے لئے کافی سمجھا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت محمدؐ نے فیصلہ کیا کہ کسی زیادہ موثر طریقہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ آپؐ نے آخری اور موجودہ قاعدہ کس طرح وضع کیا ان میں سے کسی روایت کو بھی کوئی حجت نہیں دی جاسکتی کیونکہ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ آخر ان کلمات یا الفاظ کو آپؐ خود وضع نہیں کر سکتے تھے کلمات نہایت سادہ اور با وزن ہیں اور دنیا بھر کی مساجد کے ماروں سے دن میں پانچ وقت ایک خاص لئے میں بلند آواز سے کہے جاتے ہیں اور اس وقت کی طرح آج بھی دل پر اثر کرنے والا یہ پیغام ہر اعتقاد کے لوگوں پر ایک خاص کیفیت ماری کر دیتا ہے۔

لے اذان کی ابتداء سے متعلق مختلف روایتیں ہیں پہلے مختلف اصحاب نے اپنی رائے اور تجاویز پیش کیں مثلاً ایک یہ بھی کہ مسجد چھت پر نماز کے وقت ایک علم کھڑا کر دیا جائے یہودی اور عیسائیوں کے طریقوں پر بھی غور کیا گیا آخر میں حضرت عمرؓ کی رائے قبول ہوئی کہ حضرت بلالؓ سے اذان دلاوائیں۔ اذان کے الفاظ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے الفاظ عبداللہ بن ابی اسودؓ اور حضرت عمرؓ کو خواب میں نظر آئے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسروں کے مقابلے میں بنی رےؓ پیش کی۔ ولا تبعثون رھلاً ینادی بالصلوٰۃ یعنی ایک آدمی کو بھیجا جائے جو پکار کر نماز کا اعلان کرے۔ ایک روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے مروجہ اذان کے الفاظ کو خود خواب میں دیکھا اور اسی کے مطابق اذان کو رائج کیا۔ (سیرت النبی)

اذان کے الفاظ یہ ہیں۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ - أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ - أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ - حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ

حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ - حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -

ہر روز صبح کی نماز کے وقت یہ تاکید نصیحت اذان سے پہلے کی جاتی ہے۔

الْصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ - الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ

(نماز سونے سے بہتر ہے) (نماز سونے سے بہتر ہے)

جب اذان کے ان کلمات کا فیصلہ ہو گیا تو اب اذان دینے کے لئے کسی مناسب شخص کو تلاش کرنا تھا۔ اس وقت مسجد میں کوئی خادم یا ملازم نہیں ہوتے تھے اور اگرچہ آپؐ عرصہ تک اذان دینے کا کام سرانجام دیتے رہے لیکن یقینی طور پر مستقلاً اور ہمہ وقت مستقلاً سے ایسا کرنا آپؐ کے لئے ممکن نہ تھا۔ مؤذن ایسا شخص ہونا چاہئے جس کی آواز بہت بلند اور پاٹ دار ہو اور جس کی آواز سارے شہر میں سنی جاسکے اور اس کا مستقل طور پر صرف یہ کام ہو۔ آخر کار نظر انتخاب ایک حبشی مسلمان پر پڑی جن کا نام بلال بن رباح تھا۔ یہ عظیم اور شائستہ شخصیت جو حبشی نژاد ہونے کے سبب سیاہ پتھر کا مجسمہ معلوم ہوتے تھے، سابقون الاولین میں سے ایک تھے۔ اُس وقت یہ ایک بلی کے غلام تھے جس کا نام امیہ بن خلف تھا۔ امیہ

لے شاید شروع میں ایسا ہوتا ہو۔ ورنہ "الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کے الفاظ فجر کی اذان

میں "حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ" اور "اللہ اکبر" کے درمیان کہے جاتے ہیں۔ اذان کے درمیان ان الفاظ کا

مستقل اضافہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔

ایک کثرت پرست اور اسلام کا دشمن تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ بلالؓ بھی مسلمان ہو گئے ہیں تو اس نے ان کو بت پرستی کی طرف واپس لانے کی سر توڑ کوشش کی لیکن جب حضرت بلالؓ نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو انہیں اذیتیں دی گئیں۔ جب مظالم اور تکالیف کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو امیہ اپنے ان حبشی غلام کو باہر صحرائیں لے گیا اور یہاں انہیں کپڑے اتار کر عرب کی جھلسا دینے والی دھوپ میں ایک کھمبے سے باندھ کر لٹا دیا اور سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جس پر یہ الفاظ لکھ دیئے۔

”تم یہاں اسی طرح پڑے رہو گے جب تک یا تو مر نہ جاؤ یا اسلام سے توبہ نہ کرو۔“ لیکن اس پر بھی بلالؓ اپنے دین پر قائم رہے اور دھوپ اور پیاس سے نیم مردہ ہو جانے کے باوجود اَحَدٌ۔ اَحَدٌ خدا ایک ہے ہی کہتے رہے۔ وہ اس شدید شکنجہ اور تکلیف سے شاید مر جاتے اگر ابو بکرؓ ان کی مدد کو نہ پہنچ جاتے اور سینہ سے پتھر ہٹا کر ان کو رہا نہ کر دیتے بعد ازاں آپ نے امیہ کو ایک بڑی رقم دے کر بلالؓ کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔

واضح طور پر یہی وہ وفا شعار، پر جوش اور بے چون و چرا اطاعت کرنے والے فرد تھے، جو بخوشی اپنی باقی زندگی ہر روز پانچ وقت ایک ہی اذان دہرا کر گزار سکتے تھے۔ سخت ترین اذیتوں کے پیش نظر وہ پہلے مسلم مؤذن ہونے کی بجائے شاید پہلے مسلم شہید ہوتے۔ بہر حال انہیں مسجد کی چھت پر چڑھا دیا جاتا وہ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کے وقت مشرق اور مغرب شمال اور جنوب کی طرف منہ کر کے اذان دیتے۔ اسی اذان کو ڈرامہ لکھنے والے اور فلم بنانے والے اپنی کہانیوں اور فلموں میں مشرقی ماحول پیدا کرنے کے لئے جوں کا توں شامل کر لیتے ہیں بغیر یہ جانے بوجھے کہ اس کا اصل مقصد کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بلالؓ کی زندگی مدینہ کی مسجد کی چھت پر اذان دیتے ہوئے ہی ختم نہیں ہوئی۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد آپ نے اذان

لے صاحبِ حیات محمدؐ نے لکھا ہے کہ شروع میں بنی نجار کی ایک خاتون کا مکان مسجد کے برابر اور اس سے اونچا تھا حضرت

بلالؓ اس پر چڑھ کر اذان دیتے تھے اور عبداللہ بن زید بن ثعلبہ اذان کے الفاظ ان کے ساتھ دہراتے جاتے تھے۔

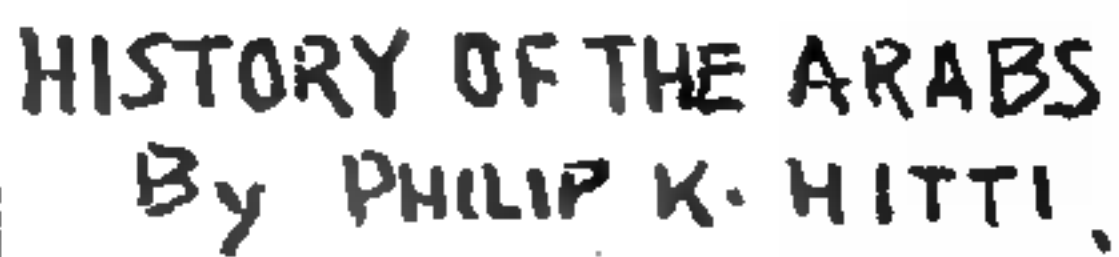
لے مدینہ منورہ سے کعبۃ اللہ جانب جنوب ہے۔ مصنف نے چاروں سمتوں کے نام لکھ دیئے ہیں حالانکہ مؤذن کو صرف تین سمتوں کی طرف ہی منہ کرنا ہوتا ہے۔

دنیا ترک کر دیا۔ اور جب عساکر اسلامی نے شام و عراق اور فلسطین کی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تو بلالؓ بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ انہیں اس دوران ہر قسم کے عہدے دیئے گئے اور ایک مرتبہ انہیں قیصریہ میں شہنشاہ قسطنطین کے بیٹے کے پاس مسلمانوں کا سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ اذان دینے کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد حضرت بلالؓ نے صرف ایک اور موقع پر اذان دی اور وہ اس جگہ جہاں حضرت خالد بن ولیدؓ کے شہر فتح کر لینے کے بعد بیت المقدس میں مسجد عمرؓ تعمیر ہوئی۔ آؤ کارا انہوں نے دمشق میں وفات پائی جہاں ان کا شاندار مقبرہ آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

مسجد کے انتظامات مکمل کرنے کے بعد حضرت محمدؐ نئے دین کے لئے احکامات اور ہدایات جاری کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپؐ کو یقین تھا کہ اگر آپؐ صورت حال کو ہوشیاری سے قابو میں رکھ سکیں تو اب ہر بات آپؐ کی موافقت میں تھی۔

ساتویں صدی کے عرب کو ایک اچھے قائد کی ضرورت تھی۔ مصر، شام، فارس اور یونان کی عظیم سلطنتیں یکے بعد دیگرے ختم ہو کر بھلائی جا چکی تھیں۔ سلطنت روما کا شیرازہ بکھرنے والا تھا۔ اور کوئی الٰہی قہم موجود نہ تھی جو اس کی جگہ لے سکے۔ حضرت محمدؐ غالباً خود بھی اس بات سے پوری طرح آگاہ نہیں تھے کہ رومنوں کی حال میں چھوڑی عظمت و سطوت کی مشعل کو لے کر آگے بڑھنے کا کام شاید آپؐ کا ہی مقدر بن چکا تھا۔ بلکہ ان گزری ہوئی سلطنتوں کے متعلق بھی شاید آپؐ کو معلومات سرسری سی ہوں البتہ آپؐ اتنا ضرور جانتے تھے کہ عربوں میں جو اس وقت خود مختار قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک نئے دین کے پھلنے پھولنے کے لئے بے مثال مواقع اور آسانیاں موجود تھیں اور آپؐ کو اس کا بھی یقین تھا کہ اگر آپؐ اس مہم کو صحیح خطوط پر شروع کریں تو آپؐ

لے بیت المقدس جزری۔ زردی ۶۳۸ء میں فتح ہوا۔ کافی عرصہ محصور رہنے کے بعد عیسائیوں نے اس شرط پر شہر حوالہ کرنے پر رضامندی ظاہر کی کہ خلیفہ اسلام خود وہاں آئیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بیت المقدس گئے محصور چلے شہر ان کے حوالے کر دیا اس وقت حضرت بلالؓ بھی موجود تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کی درخواست پر آپؐ نے وہاں اذان دی جہاں بعد میں مسجد عمرؓ تعمیر ہوئی۔ لے ملاحظہ ہو نقشہ ۸



ان تمام قبائل کو ایک حکومت کے تحت یکجا اور متحد کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ تھا کہ آپؐ نے اپنے شروع کے خطبات میں سامعین کو ذہن نشین کرادیا کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس بات کی آپؐ نے اپنے اس فرمان میں بھی کافی وضاحت کر دی تھی جب انصار اور مہاجرین کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا۔ اسی طرح آپؐ نے اس بات پر بھی بہت زور دیا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں اور حسن سلوک سے پیش آئیں۔

مسجد کے ایک کھجور کے ستون سے کمر لگا کر اور اپنے عصا پر جھکتے ہوئے آپؐ نے مسلمانوں سے ایسی شفقت اور محبت سے خطاب کیا جس طرح ایک باپ اپنے بچوں کو نصیحت کرتا ہے۔ ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اپنے بچوں سے محبت اور شفقت سے

پیش نہیں آتا اللہ بھی اس سے مہربانی کا سلوک نہیں کرتا جو مسلمان ایک دوسرے مسلمان کا تن ڈھانکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں سبز محلہ بہشتی عطا کرے گا۔“

آپؐ اپنی تقریر میں لوبے، آگ اور پانی کی طاقت کا ذکر فرمایا اور کہا کہ ان سب سے زیادہ طاقت والی چیز خیرات اور نیکی ہے۔ نیکی صرف غریبوں کو خیرات دینے کا ہی نام نہیں بلکہ ایک غم زدہ شخص سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ یا نیکی ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا بھی نیکی ہے۔ ایک مسافر مسلمان بھائی کی امداد کرنا بھی نیکی ہے۔ آپؐ نے اپنے سامعین کو یقین دلایا کہ انسان اس دنیا میں اپنے لئے کتنی ہی دولت اور عزت حاصل کر لے وہ اگلی دنیا میں کسی کام نہ آئے گی۔ حساب لینے والا فرشتہ جانوروں کے گلوں، باغات یا دولت کے متعلق نہیں پوچھے گا۔ بلکہ وہ تو یہ سوال کرے گا کہ دنیا میں اپنے مرنے سے پہلے کون کون سی نیکیاں کی تھیں۔

آپؐ نے فرمایا کہ کسی کسانتہ ہمدردی سے بات کرنا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا حسن سلوک۔ روزمرہ کی زندگی میں خوش اخلاقی سے پیش آنا بھی ایک اچھے مسلمان ہونے کی نشانی ہے۔ گھر میں آتے اور جاتے سلام علیک کہنا اور دوستوں اور اجنبیوں کے سلام کا اسی گر مجبوشی سے سے جواب دینا، مہمان نوازی اور تواضع کی روایات کو قائم رکھنا یہ سب باتیں ارکان اسلام سے ہیں۔

آج بھی ایک اچھے عرب کی جو امتیازی خصوصیات ایک غیر ملکی کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہیں وہ اس کی نرم گفتاری، رخصت اور مہمان نوازی ہے۔ دنیا میں اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں خوش اخلاقی عربوں کی حد تک ہو۔ مزید برآں یہ تو اصناف پر خلوص ہوتی ہیں تیرہ سو سال ہو چکے ہیں جب مدینہ میں حضرت محمدؐ نے ان لوگوں کو اعلیٰ اطوار کا جو درس دیا تھا وہ ابھی تک نہیں بھلایا گیا ہے۔ ایک عرب اب بھی اپنے مہمان کی حفاظت اپنی جان تک کو خطرہ میں ڈال کر کرتا ہے اور وہ ابھی تک اپنی آخری کھجور میں بھی اپنے مہمان کو شریک کرتا ہے۔

انہیں روحانی انعام و اکرام کے درس دینے کے علاوہ حضرت محمدؐ اپنے پیروکاروں کی زندگی کا عملی پہلو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ آپؐ نے شروع سے ہی ایسی نئی رسوم کو رواج دینا شروع کیا جو کسی وقت آہستہ آہستہ قانون اور ضابطے کی شکل اختیار کر لیں۔ کھیتی کیلئے پانی کی مستقل اور محفوظ راہی کے قاعدے وضع کئے۔ ہر ایک کے لئے لازمی قرار دیا کہ ہر کاٹے ہوئے درخت کے بدلے ایک نیا درخت لگائے۔ آپؐ نے محصولات کا طریقہ بھی وضع کیا۔ تجارتی تجربہ رکھنے کے سبب آپؐ نے جازت دے دی کہ سرکاری واجبات جنس اور نقد دونوں صورتوں میں ادا کئے جاسکتے ہیں۔ اس طریق کار کو صرف زراعتی پیداوار تک ہی محدود نہیں رکھا۔ مثلاً ایک قاعدے کے الفاظ تھے: "ہر بالغ ایک دینار یا اسی قیمت کا کپڑا دے۔"

کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات آپؐ سے کچھ غلطیاں بھی ہوئیں۔ ایک واقعہ جس سے ایک ایسی غلطی منسوب کی جاتی ہے یہاں پر نوٹ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ اس واقعہ کے بیان کرنے میں آپؐ کے سوانح نگاروں نے کتنی غیر ذمہ داری سے کام لیا ہے۔ اس واقعہ کا کہنا آپؐ کی ان بہت سی سوانح عمریوں میں ملتا ہے جو مغرب والوں نے لکھی ہیں۔ حالانکہ اس سے حضرت محمدؐ یا اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن یہ سوانح نگار حضرات کی بے وقوفی کا ایک دہ ضرور ہے۔

مدینہ کے کھجوروں کے درخت سارے عرب میں مشہور ہیں۔ جن کی ایک سو سے زائد سیس ہیں اور بعض قسمیں تو اپنی اچھی خوشبو، ذائقے اور گٹھلی کے چھوٹی ہونے کے سبب ساری دنیا میں شہرت رکھتی ہیں۔ البتہ ایک مادہ کھجور کے درخت میں اس وقت تک پھیل نہیں لگتا

جب تک کہ اسے مصنوعی طور پر کھجور سے پیوند نہ کیا جائے۔ جنوری اور فروری کے مہینوں میں وہ عرب لوگ جو بخوالی کہلاتے ہیں مادہ کھجور کی پھٹنگ پر چڑھ جاتے ہیں اور دعائیں پڑھ کر زرخشت کے پھول کو الٹا کر کے مادہ کھجور کے کھلے ہوئے پھول میں داخل کر کے دونوں کو یکجا باندھ دیکھتے ہیں۔ بعض سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ حضرت محمدؐ نے کبھی اس بات کے متعلق نہیں سنا تھا اور جب انہیں یہ معلوم ہوا تو کسی سبب سے انہوں نے ایسا کرنے سے روک دیا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے کھجوروں میں پھل آتا بند ہو گیا بلکہ بعض کھجور تو سوکھ گئے۔

بڑی مایوسی کی حالت میں عرب کے کھجوروں کے تاجروں کا ایک وفد حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ یقین دلایا کہ وہ اسلام کی ہر لڑائی میں شرکت کریں گے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اس سے پہلے بھوکے نہ مر جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے شکایت کو بڑے غور سے سنا اور پھر کوئی شرم محسوس کئے بغیر اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا: ”میں بھی آپ ہی کی طرح کا ایک فانی انسان ہوں اور جب میں آپ کو دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اسے مانیں لیکن اگر میں اپنی ذاتی رائے یا خیال کی بنا پر کوئی حکم دوں تو میں بھی صرف ایک فانی انسان ہوں۔“

یہ عرب زندگی کا ایک معمولی اور بے ضرر سا خاکہ ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی صداقت نہیں۔ کھجوروں کا جس طرح مصنوعی جنسی ملاپ کرتے ہیں یہ تو صحیح ہے لیکن اس میں جس طرح حضرت محمدؐ کو ملوث کیا گیا ہے غلط ہے۔ اگر کوئی اس پر ذرا سا بھی غور کرے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

کھجور عربوں کی سب سے بڑی غذا ہے اور جو بھی کھجوروں کے تاجروں یا کاشتکاروں کے درمیان پیدا ہوا ہو کھجور کی تناسلی خصوصیت کو ضرور جانتا ہے۔ یہ کہانی بالکل ایسی ہی ہے جیسے کینساس KANSAS کے کسی رہنے والے زمیندار کے متعلق کوئی مشرقی یہ کہے کہ وہ فصلوں کو اول بدل کر لگانے یا اسی قسم کی بعض الزبانتوں سے ناواقف ہے۔

۱۔ KANSAS کینساس ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست ہے جو اپنی زرعی پیداوار کیلئے مشہور ہے

حضرت محمدؐ کو مادی اور روحانی دونوں قسم کے مسائل سے واسطہ پڑتا تھا۔ مکہ کی آب و ہوا شدید گرم تھی لیکن خشک ہونے کے سبب وہ صحت کے لئے نسبتاً اچھی تھی۔ اس کے خلاف سینہ کی سطح نسبتاً بلند تھی اور یہاں پانی اور سایہ دونوں نعمتیں موجود تھیں۔ لیکن گرمی اور سردی دونوں شدید ترین ہوتی تھیں۔ مکہ سے آنے والے مہاجرین یا رہنے لگے۔ انہیں مختلف قسم کے بارشوں نے گھیر لیا۔ جو شاید نزلہ زکام اور ممکن ہے ملیریا ہو۔ جلدی ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے سے دینی دینی شکائتیں کرنے لگے لیکن حضرت محمدؐ نے فوراً ہی اس کا سد باب کر دیا۔ آپؐ ایک مرتبہ پھر اسلامی اخوت کی طرف توجہ دلائی اور اس بات پر زور دیا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آئیں اور تکلیفیں برداشت کرنے کی عادت ڈالیں اور اس طرح باتیں کر کے دشمن کو ان لوگوں میں اختلاف پیدا کرنے کا موقع نہ دینے کی اہمیت بتائی۔ آپؐ اس بات پر بڑی فصاحت و بلاغت سے خطبہ دیا۔ کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ آپؐ کا اپنا اور لوگوں کا مستقبل اسی بات پر منحصر ہے۔ آپؐ کی شخصیت اتنی عظیم اور آپؐ کا جذبہ اتنا پر خلوص کہ جلدی ہی ایسی شکائتوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

اس شخص کے لئے جو عربوں کو اچھی طرح نہیں جانتا یہ کارنامہ اس سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ تاکہ ظاہر میں نظر آتا ہے بنیادی طور پر ایک عرب کسی حکومت یا قانون کے تابع ہو کر رہنا پسند کرتا۔ اس میں نظم و ضبط کا بھی فقدان ہوتا ہے۔ جب وہ لڑتا ہے یا کوئی کام کرتا ہے تو اپنے جوش اور حوصلہ کی بنیاد پر کرتا ہے۔ بل جُل کر کام کرنے کا جذبہ ان میں مفقود ہے۔ قدیم عرب نے کسی قسم کے کھیلوں میں حصہ لیتے نظر نہیں آتے۔ عرب لوگ دنیا کے بہترین شہ سوار نے جاتے ہیں لیکن ان کی پولو کی ٹیمیں بنانے کی کوششیں ہمیشہ ناکام رہیں۔ ایک عرب کو دکان گھوڑا شک اور گیند دینے کے بعد اسے روکنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی سواری نگاہ مغرب کے لوگوں سے بہت زیادہ برتر ہوتی ہے لیکن ایک مرتبہ گیند مل جانے کے بعد اسے کسی دوسرے کو دینے کا روادار نہیں۔

حضرت محمدؐ نے انہی عربوں کو جس طرح تقریباً ایک ناقابل تسخیر جماعت کی شکل میں ال دیا وہ آپؐ کے عظیم معجزات میں سے ایک ہے اور اس تمام عزت و افتخار کی مستحق صرف

آپ کی ذات ہے۔ کیونکہ آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی اسلام کئی فرقوں میں بٹ گیا اور بعد ازاں حریف خاندانوں میں اور مسلمان ایک دوسرے کو اسی جوش اور جذبے سے قتل کرنے لگے جیسے وہ کافروں کو کرتے تھے۔

مکان کی تعمیر دین کی تبلیغ۔ زراعت کو فروغ دینے اور نزلہ زکام کی شکایتوں کے رفع کرنے کے علاوہ حضرت محمدؐ کے اپنے خاندانی جھگڑے بھی تھے۔

آپ کی دولت کیاں آپ کے پاس نہیں تھیں۔ حضرت رقیہؓ کا حال اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں اور حضرت زینبؓ مکہ میں۔ ان کے خاوند ابوالعاص نے ان کے والد (حضرت محمدؐ) کو اللہ کا رسول ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اور حضرت زینبؓ کو مدینہ جانے سے روک دیا تھا۔ بیٹیوں کی یہ جدائیاں خصوصاً حضرت زینبؓ کے معاملہ میں جو ابھی مکہ میں تھیں اور جن کو رسول دشمنی میں ہر وقت خطرہ درپیش ہو سکتا تھا۔ آپ کو پریشان رکھتی تھیں۔ بہر حال آپ تنہا نہیں تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی فریبہ اندام زوجہ حضرت سودا اور آپ کی دوسری صاحبزادیاں فاطمہؓ اور ام کلثومؓ بھی تھیں۔ آپ کی کمسن زوجہ حضرت عائشہؓ ابھی تک اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھیں۔ حالانکہ آپ کی عمر دس سال تھی لیکن آپ اسی تیزی سے جوان ہو رہی تھیں جو عرب عورتوں کا خاصا ہے اور جس کے سبب وہ تیس سال سے پہلے ہی بوڑھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کی بیوی کی تجویز کے مطابق حضرت محمدؐ نے شادی کی تکمیل کے طور پر انہیں رخصت کرا کے لے آنے کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت محمدؐ کے اور معاملات کی طرح یہ رسم بھی نہایت سادہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کو نہلا دھلا کر ایک صاف ستھرا لباس پہنایا گیا اور ان کی والدہ ام ربیعہؓ آپ کو حضرت محمدؐ کے مکان پر لے آئیں۔ جہاں آپ چند دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور انہیں آپ کے زانو پر یہ کہتے

لے بنو ہاشم۔ بنی امیہ۔ بنو عباس۔ بنی فاطمہ وغیرہ

مدینہ آنے کے سلسلہ میں ابوالعاص کے ایک عزیز نے حضرت زینبؓ سے بدسلوکی بھی کی تھی جس

کے سبب آپ کافی دیر تک تکلیف میں مبتلا رہیں۔

ہوئے بٹھا دیا۔ اب یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ان کو اپنی برکتوں سے نوازے! یہ مہم سی و عادی نے کے بعد وہ اور ان کے دوسرے ساتھی واپس چلے گئے۔

پچاس سال کی عمر میں ایک دس سال کی لڑکی سے شادی پر حضرت محمدؐ کے بعض سوانح نگاروں نے اسی قسم کا شور و غوغا کیا ہے جس طرح آپؐ کے آسمانی سفر (معراج) اور مرگی کے دوروں کو موضوع سخن بنا رکھا ہے۔ ان میں سے ہر بات کے متعلق اعتراض کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہر معاملہ کو اپنے معاشرے اور اپنے لوگوں کے رسم و رواج کے نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ انہوں نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ ایشیا میں ایسی شادیوں کی رسم پہلے بھی تھی اور اب بھی عام ہے۔ انہوں نے اس کا بھی ذکر نہیں کیا کہ مشرقی یورپ میں ابھی تک ایسی شادیوں کا دستور موجود ہے اور چند سال پہلے تک اسپین اور پرتگال میں ایسی شادیاں عام تھیں اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دور افتادہ پہاڑی علاقوں میں آج بھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں سمجھی جاتی۔ رسم اور دستور کے علاوہ انہوں نے اس معاملہ کے خصوصی حالات پر بھی غور نہیں کیا۔

سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو لیجئے جو لڑکی کے والد تھے۔ وہ مکہ کے ایک خوشحال تاجر تھے لیکن انہوں نے اسلام کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ یہ عام سمجھ بوجھ کی بات ہے کہ وہ اپنے قائد کے ساتھ، جن کا انہوں نے ان کے برے دنوں میں بھی ساتھ دیا تھا، ایک مضبوط سیاسی رشتے کے خواہاں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان مادی اسباب کے علاوہ کچھ اور وجوہات بھی ہوں۔ انہیں حضرت محمدؐ سے بے حد عقیدت تھی۔ ان کی عزت کرتے تھے اور انہیں پسند کرتے تھے۔ اس لئے انہیں یقین تھا کہ ان کی لڑکی کو ان کے دوست کے گھر میں ہر طرح کا آرام ملے گا۔

اب حضرت محمدؐ کے حالات پر بھی غور کیجئے۔ تاحال انہیں زندگی میں کوئی دلکشی، جوانی کی امنگ یا رنگینی نہیں ملی تھی۔ مسلسل محنت و مشقت ہی کرتے رہے۔ اتنے مضائب جھیلنے اور قتل کی دھمکیاں سہنے کے بعد انہیں کچھ مسرت اور شادمانی کی ضرورت بھی تھی۔ انہوں نے ابھی تک معمول کے مطابق عورتوں سے بھی غلط نہیں اٹھایا تھا۔ ستائیس سال کی عمر تک آپؐ حضرت عائشہؓ

کی طرح ہی پاکدامن رہے اور پھر شادی بھی کی تو ایک ایسی بیوہ عورت سے جو آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں۔

تیسری اور سب سے بڑی وجہ، جسے لوگ عام طور پر بھلا دیتے ہیں اور اسی لئے ایک مرتبہ پھر اس کا اعادہ کیا جاتا ہے، یہ تھی کہ عائشہ گو عمر میں کم سن تھیں لیکن اتنی نا سمجھ بچہ بھی نہیں تھیں، جنہیں (نعوذ باللہ) ان کی رضامندی کے خلاف ایک عیاش طبع بوڑھے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہو۔

ایک ناکتہ الرط کی سے شادی کر کے حضرت محمدؐ بہت مسرور ہوئے۔ اب آپؐ نے خود دوسروں کی شادیاں کرانے کا فیصلہ کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک اور جوڑے کو شادی میں متحد کر دیا۔ آپؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ اب سولہ سال کی تھیں اور عرب کے دستور کے مطابق وہ بالغ ہو چکی تھیں۔ ادھر حضرت علیؓ جو مسلمانوں کی نئی نسل کی نمائندگی کرتے تھے بائیس سال کے تھے وہ عرب کے عام لوگوں سے قد میں نسبتاً چھوٹے تھے لیکن قوی الجثہ تھے۔ آپؐ کا سر بڑا۔ ڈاڑھی گھنی۔ آنکھیں بڑھی اور سیاہ تھیں۔ چہرے کی خوبصورتی میں اگر کوئی کمی تھی تو وہ آپؐ کی شجاعت اور وفا شعارمی نے پوری کر دی تھی۔ ادھر حضرت فاطمہؓ بھی کوئی بہت زیادہ حسین نہیں تھیں لیکن ورثہ میں ماں سے محبت اور خلوص اور باپ سے بہت زیادہ فراست اور دلکشی پائی تھی۔ رشتہ فطری طور پر بہت مناسب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کا کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بعد ازاں یہ شادی حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں اس قدر فتنہ و فساد کا سبب بن جائے گی جیسا کہ انگلستان کے بادشاہ ہنری ہشتم کی پوپ سے بغاوت نے عیسائیوں میں پیدا کر دیا تھا۔

حضرت محمدؐ تو کیا اس وقت اس کا کسی کو بھی خیال نہیں آ سکتا تھا کہ ایک روز اسلام دنیا کی قوی ترین طاقت بن جائے گا۔ کوئی ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتا تھا۔ اس وقت کے حالات

اے مصنف کی نظر میں آنحضرتؐ کی زندگی کا صرف مادی اور عقلی پہلو ہے۔ اس لئے ایسی بات لکھ گیا ورنہ حضور اللہؐ کے برگزیدہ ترین نبی تھے اور آپؐ کی نظروں کے سامنے سب کچھ تھا۔

وقت ایسا قیاس کرنے کی کوئی بنیاد اور وجہ بھی نہیں تھی کہ اسلام مدینہ کے قرب و جوار سے آگے
 بھے گا۔ حضرت محمدؐ اسلام کی عمارت کی تعمیر اور استحکام میں لگے ہوئے تھے لیکن مال مصالحہ کچھ بہت
 مانہیں تھا گو آپؐ کی چھوٹی سی جماعت میں ایسے کافی لوگ موجود تھے جو آپؐ کے ایک اشارے
 بان دینے کے لئے تیار تھے لیکن ایسے بھی بہت تھے جو شاکی اور غیر مطمئن تھے اور ایسے ہزاروں
 ب تھے جو آپؐ کے دشمن تھے۔ ہزاروں ایسے بھی تھے جنہوں نے کبھی آپؐ کا نام بھی نہیں سنا تھا۔
 بارہ مہینوں میں حالت کچھ بہتر ضرور ہو گئی تھی لیکن اسلام کی محبت و عقیدت ابھی تک صرف
 اب اور دوستوں تک محدود تھی۔ چنانچہ آپؐ کی شادیاں بڑی سیاسی اہمیت کی حامل
 تھیں۔

دسواں باب

پہلی لڑائی

(غزوہ بکد)

(۴) رمضان المبارک ۲ھ یوم جمعہ مطابق دسمبر ۶۷۳ء جنوری ۶۷۲ء)

حضرت محمدؐ نے خیرات اور نیکو کاری پر خطبہ دینے، اپنا گھر اور مسجد تعمیر کر لینے کے بعد پھر اطمینان کا سانس لیا۔ ان باتوں سے آپؐ کو دین کی اشاعت کے لئے ایک بنیاد تو مل گئی۔
تاحال تحفظ و استحکام میسر نہ آسکا اور نہ ہی بے فکری سے رہنے کے لئے سرمائے کا بندوبست ہوا تھا۔ سچے دینداروں کے علاوہ اور کسی پر ابھی تک آپؐ کا زور نہ تھا۔

مسلسل تیرہ سال سے آپؐ توہین اور اذیتیں برداشت کرتے رہے تھے اور اس کا مزید تحقیر اور مزید تکلیفیں تھیں۔ مدینہ آجانے کے باوجود آپؐ جانتے تھے کہ چند ماہ تک کے دشمن پھر سے آپؐ کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوں گے۔ تیرہ سال تک ظلم و تعویض سہنے اور مصیبتیں بھیلنے کے بعد اب آپؐ نے یک لخت یہ فیصلہ کر لیا کہ اب مزید برداشت سے کام نہ لیں گے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔

یہ قریش ہی تو تھے جن کے سبب آج آپؐ ہر طرح سے قلاش، بے خانماں اور بے مددگار بن کر رہ گئے تھے۔ یہ بات بالکل عیاں تھی اور یہ بھی روزِ روشن کی طرح واضح تھا کہ صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ اب قریش کو اپنی حد سے نہ بڑھنے دیا جائے۔ انہوں نے صلح جوئی کی ہر تجویز کو ٹھکرا دیا تھا، اس لئے اب یہ دیکھنا ہی از دلچسپی نہ تھا کہ اگر ادھر سے بھی جارحانہ رویہ اختیار کیا جائے تو ان کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ حضرت محمدؐ کے لئے اس بات کی آزمائش کرنا بہت آسان تھا۔ عرب لوگ عملی افراد تھے۔

ساتھ ساتھ معقول بھی ہوتے ہیں۔ وہ ہر معقول بات کو مان لیتے ہیں بشرطیکہ اس میں معقولیت ہو۔ حضرت محمدؐ کے نئے پیروکار اور پرانے ساتھی اس بات کو ہرگز برداشت کرنے کے لئے تیار نہ کہ قریش ان کے قائد کی زندگی اجیرن کر دیں چہ جائیکہ بغیر کسی جوابی کارروائی کے انہیں مسلسل کرنے دیا جائے اور اس میں بھی کوئی معقولیت نظر نہ آتی تھی کہ خوراک کی کمی کے باعث وہ بھوکے مریں اور حقیر سے معاوضے پر کام کریں جبکہ وہ صرف تھوڑی سی کوشش سے اہل قریش سے کافی مال غنیمت حاصل کر سکتے تھے۔ اس طرح مال غنیمت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس وقت عرب لوگوں کے نزدیک روزی کا ایک جائز ذریعہ تھا، وہ اہل مکہ سے بدلہ بھی لے رہے تھے کیونکہ یہ تمام مصیبتیں ان ہی کی تولائی ہوئی تھیں۔

چنانچہ حضرت محمدؐ نے اپنی حکمت عملی کا دوسرا قدم اٹھایا وہ ان سب لوگوں کے جذبات کو رجمانی کرتا تھا اور اس کام کے لئے آپؐ کے پاس صحیح قسم کے لوگ بھی تھے۔ یہ عرب لوگ خواہ خانہ بدوش ہوں یا شہری، بغیر مہذب نہیں تھے وہ شاعری اور موسیقی کے بھی اتنے ہی دلدادہ تھے جتنے جنگ اور مال غنیمت کے۔ البتہ وہ کوئی کام کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اگر وہ کسی اور ذریعہ سے دافر روزی حاصل کر لیں تو کام سے جی چراتے تھے۔ حضرت محمدؐ یہ خوب جانتے تھے کہ یہ شیر زن لوگ نہایت اچھے سپاہی بنائے جاسکتے تھے۔ اور اہل قریش پر یہ اچھی طرح واضح کیا جاسکتا تھا کہ اب تک آپؐ کو پے درپے اذیتوں اور ایذاؤں نے عاجز کر رکھا تھا لیکن اب ان کے کیمپ میں جا کر ان کو لڑائی کے لئے لٹکار سکتے تھے۔

حضرت محمدؐ کے اس جارحانہ اقدام کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔ آپؐ کو ایک قومی خزانہ بیت المال قائم کرنے کا بھی کچھ بندوبست کرنا تھا۔ نہ آپؐ کے پاس اتنا سرمایہ تھا اور نہ ہی آپؐ کے کسی خوش حال مہاجر کے پاس۔ کیونکہ ان لوگوں کی تجارت، ان کے جانوروں کے گلے، ان کے مکانات اور ان کی جائیدادیں سب کے سب اہل مکہ نے ضبط کر لئے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسلام کو فروغ دینے اور لوگوں کو طمانیت بہم پہنچانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ انہیں کچھ رقم بھی دی جائے اور خوراک مہیا کرنے کے علاوہ ان کو مصروف بھی رکھا جائے۔ ان مہمات نے دونوں مسئلے حل کر دیئے۔

حضرت محمدؐ کے طاقت استعمال کرنے کا ایک سبب خود قریش تھے۔ آپؐ کے خلاف ابو جہل دشمنی کے جنون میں کوئی فرق نہیں آیا تھا وہ مسلسل حملہ آور جا عتیں بھیج رہا تھا۔ جو مسلمانوں کی چھ اور بکھری ہوئی جماعتوں پر چھپ کر گلے کرتے رہتے تھے۔ اس نے چند چانک حملے مدینہ کے قرب میں بھی کئے اور کھیتوں اور باغات کو نقصان پہنچایا۔ اس کا مقصد حضرت محمدؐ پر یہ واضح کر دینا تھا آپؐ کے متعلق اس کے خیال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور اس کے ارادے اب بھی اتنے ہی خونین اور قاتلانہ تھے۔ دونوں فریقوں کی نظر میں اس کا ایک ہی حل تھا یعنی لڑ کر فیصلہ کر لیا جائے۔ یہ فیصلہ کر کے حضرت محمدؐ ایک ایسا اصول وضع کر رہے تھے جو آئندہ چل کر دین اسلام کا باضابطہ عقیدہ بن گیا۔ یعنی جہاد یا مذہبی جنگ، جو اگرچہ مذہبی طور پر فرض نہ تھا لیکن اس جذبہ نے آئندہ زمانے میں اسلام کو دنیا کے گوشے گوشے تک لے جانے میں وہ کام کیا جو کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن تقریباً ہر معاملے کی طرح جو آپؐ نے کیا یا کرنے کا حکم دیا یہاں بھی آپؐ صحیح اندازہ نہیں کر سکتے تھے کہ کافروں سے نمٹنے کے لئے اس طریقہ کار کی اجازت دینے کے آئندہ چل کر کتنے دور رس نتائج اور اثرات ہوں گے۔ یقینی طور پر اس وقت آپؐ یہ کیسے دیکھ سکتے تھے کہ مستقبل بعید میں تلوار کے قانون کا استعمال کس طرح کیا جائے گا۔ اس وقت تو فوری طور پر جو کچھ آپؐ کر رہے تھے اس کا ابتدائی محرک تو وہ رنج و غصہ تھا جو ان لوگوں کے خلاف تھا جن سے آپؐ اس کے سوا کسی شے کے طلب گار نہ تھے کہ وہ آپؐ کی بات سنیں لیکن بدلے میں ان سے توہین اور اذیتوں کے علاوہ اور کچھ نہ ملا اور یہ قدم اس وجہ سے بھی اٹھانا پڑا کہ اپنے لوگوں کو کپڑا، خوراک اور اسلحہ فراہم کرنا تھا اور وہ اس قبائل کا تعاون بھی حاصل کرنا تھا۔ ایک ایسے عرب ہونے کے سبب جو صحرا کے لوگوں میں بہت پھرا ہوا آپؐ جانتے تھے کہ قبائلی لوگ ایسے دین کو جلد قبول کریں گے جس میں نفع رساں لڑائی جنگجوئی بھی شامل ہو۔

حضرت محمدؐ پر جہاد کی تعلیم دینے کے سلسلے میں بڑے اعتراضات کئے گئے ہیں۔ خصوصاً ان سوانح نگاروں نے جو آپؐ کو رنغور بائبل جھوٹا نبی، خیال کرتے ہیں، آپؐ پر بڑے حملے کئے ہیں اور ایسا ظاہر کیا ہے گویا مذہبی جنگ کی تبلیغ پہلے پہل آپؐ نے ہی کی ہے۔ غالباً وہ لوگ یہ جھوٹا

جانتے ہیں کہ بہت قدیم زمانے سے زیادہ تر لڑائیوں کا اصل یا ثانوی محرک مذہب کا رہا ہے۔
 اگر حضرت محمدؐ نے عہد نامہ عتیق (زبور و توریت) کا مطالعہ کیا ہوتا تو آپؐ فوراً دیکھ لیتے کہ دو ہزار سال قبل حضرت موسیٰؑ نے بھی مذہبی جنگیں لڑی تھیں اور وہ علاقے اہل قریش سے ہونے والی جنگ کے مقام سے کوئی بہت زیادہ دور نہ تھے۔ اگر اور آگے بڑھتے تو آپؐ کو معلوم ہو جاتا کہ اسرائیلی حجوں اور بادشاہوں نے مذہب کے نام پر جنگیں لڑنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں کیا۔ آپؐ یہ بھی جان لیتے کہ ان لڑائیوں میں اس قدر قتل عام ہوا تھا کہ حضرت محمدؐ کی اپنی لڑائیوں میں زخمیوں اور مقتولین کی تعداد ان کے مقابلے میں صرف ایسی نظر آتی جیسے کسی فٹ بال کے میدان میں ایک دو حادثے ہو جائیں۔ آپؐ کو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ قدیم عبرانیوں نے مذہبی جنگوں کے اصول و قواعد اتنے سخت بنائے تھے کہ نہ اس سے پہلے کبھی تھے اور نہ ہی بعد میں ہوئے۔

حضرت محمدؐ کو صرف خون بہانے اور قتل و غارت کے لئے جنگ کرنا ہرگز پسند نہ تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہر کافر قیدی کے سامنے دو باتیں رکھی جاتی تھیں۔ وہ یا تو زبردستی ادا کرے اور آزاد ہو کر گھر چلا جائے یا پھر اسلام قبول کر لے۔ قرآن کہتا ہے:

”جب حرمت کے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کو چھوڑ دو.....“ (سورہ توبہ)

لے یہ جنگیں حضرت موسیٰؑ نے عمالقیوں، اموریوں، حیتیوں، موہیوں اور کنعانیوں کے خلاف لڑیں جن میں قوم کی قوم اور مرد قتل اور مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ پرانے عہد نامے کی کتاب استثنا کے بیسویں باب سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ ان قوموں کے شہروں میں جن کو تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذمی نفس کو جیتا نہ چھوڑنا۔ بلکہ ان کو یعنی حتی۔ اموری۔ کنعانی۔ فرزئی اور میوسی قوموں کو جیسا کہ تیرے خداوند نے حکم دیا ہے بالکل نیست و نابود کر دینا تاکہ وہ تم کو اپنے مکروہ کام کرنا نہ سکھائیں۔ یہ جنگیں زیادہ تر فلسطین اور بحیرہ قلزم کے ساحلی علاقوں میں ہوئیں جو بدر کے مقام سے زیادہ دور تھے۔

”پوری آیت اس طرح ہے: ”فاذا انسلخ الاشهر الحرم..... ان الله غفور الرحیم“ (سورہ توبہ)

ایک اور جگہ کہا ہے: "بلاکراہ فی الدین" دین میں کوئی جبر نہیں۔

اگر قیدی اسلام اختیار کر لیتا تو اسے فوراً دوسرے مسلمانوں کی طرح تمام روحانی اور مادی رعایتیں دی جاتی تھیں۔ یہ طریقہ کار اختیار کرنا یقینی طور پر حضرت محمدؐ کے اپنے مفاد میں تھا لیکن باوجود ایک یا دو موقعوں کے سوا آپؐ نے ہارے ہوئے دشمن سے بیدردی کا سلوک نہیں کیا۔ آپؐ اگر انتقام لینے کو اپنی تعلیم کا جزو بنا لیتے تو بھی یہ اس زمانے کے دستور کے عین مطابق ہوتا اور اس وقت کے عیسائی مذہب کے اور بہت بعد کے اخلاقی اصولوں سے بھی مطابقت رکھتا۔

جب ۱۰۹۹ عیسوی میں صلیبی جنگ لڑنے والے عیسائیوں نے بیت المقدس پر حملہ کیا انہوں نے ہر جگہ قتل و غارت کیا اور تباہی مچادی تھی لیکن جب سلطان صلاح الدین نے حملہ کر کے عیسائیوں کو دہار سے بیدخل کیا تو اس نے کوئی انتقامی کارروائی نہ کی۔

اور نہ ہی مسلمانوں نے دوسرے مذہبی جنگجوؤں کی طرح ان ممالک کو تباہ ویران کیا جو پراںہوں نے یلغار کی۔ وہ جہاں بھی گئے حالات میں پہلے سے کچھ بہتری ہی ہوئی اور جہاں انہوں نے تاخت کی وہاں اس علاقے کو ایک ابر باران کی طرح بہت جلد زرخیز و شاداب بنا دیا اور حضرت محمدؐ کے عہد کے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں نے ان ممالک کو عربی تہذیب و تمدن کی مشعل روشن کر کے اس وقت نشاۃ ثانیہ عطا کی جبکہ یورپ ابھی زمانہ وسطیٰ کی تاریکیوں کی دلدل میں گھس رہا تھا اور دمشق، فیض (مراکش)، سیول، غرناطہ اور قرطبہ (اسپین) میں فن تعمیر کے شاہکار بنائے گئے تھے۔ اس روایت کے جس کا آغاز حضرت محمدؐ نے ۶۲۳ عیسوی میں مسجد تعمیر کر کے کیا تھا حقیقت میں جنگ حضرت محمدؐ کے لئے ناگزیر اور مصلحت کا تقاضا تھی جو بعد میں سود میں بھی ثابت ہوئی لیکن آپؐ ان عرب حملہ آوروں کی طرح نہ تھے جنگ کرنا اور خون بہانا جن کی عادت ثانیہ بن چکی تھی اور اگر قریش آپؐ کو اپنے دین کی پرسکون تبلیغ کے لئے تھوڑا سا بھی موقع

۱۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو، ۱۱۸۷ء میں دوبارہ تقریباً ایک سو سال بعد فتح کیا ایسے لوگوں کی عام معافی اور جان بخشی کرنا جنہوں نے مسجد اقصیٰ میں گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون بہایا تھا ایک ایسے کارنامہ ہے جو تاریخ عالم میں فقید المثال ہے پھر بیت المقدس، ۱۱۸۷ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک یعنی اسرائیلی عرب جنگ تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ (مترجم)

ے دیتے تو لڑائی کا خیال بھی آپ کے دل میں نہ آتا۔

اس وقت تک حضرت محمدؐ کسی سے نہ لڑے تھے یہاں تک کہ کبھی ہاتھ پائی بھی نہ کی تھی۔ آپؐ نے کبھی عوج کی سالاری کی تھی اور نہ ہی فن لشکر کشی کی تربیت حاصل کی تھی۔ لے ڈے کر ضمن میں آپؐ کا تجربہ صرف اتنا تھا کہ سولہ سال کی عمر میں ایک دفعہ ایک قبائلی جنگ میں آپؐ اپنے چچا کے تیرے کران کے ساتھ گئے تھے۔ نہ آپؐ کے پاس مسلح اور جنگ آزمودہ سپاہی تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ جانتے تھے کہ اگر اپنے آپؐ کو اور اپنے دین کو زندہ رکھنا ہے تو آپؐ کو زخمی طور پر لڑائی کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ اور یہ بھی کہ اگر قریش نے مدینہ پر حملہ کیا اور وہ کامیاب ہو گئے تو اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ آپؐ نے چھاپہ مار کر دستے بھیجا شروع کر دیئے جس نے مسلمانوں میں جنگ کا حوصلہ پیدا کیا اور اس کے ساتھ ہی انہیں ہتھیاروں کے استعمال کا عادی اور مشاق بنا دیا۔ کبھی یہ چھاپہ مار دستے حضرت حمزہؓ یا ابو عبیدہؓ کی سرکردگی میں جاتے اور کبھی خود حضرت محمدؐ سالار ہوتے۔

لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت محمدؐ نے فوجی معاملات میں کوئی تجربہ نہ رکھنے کے باوجود ہر چھوٹی بھڑپ اور بڑی لڑائی میں جن میں آپؐ نے حصہ لیا ایک جہز ہونے کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ آپؐ بہادر بھی تھے اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اپنے نوجوان سے نوجوان سپاہیوں کے ساتھ ہر صعوبت اور تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔ حقیقتاً حضرت محمدؐ نے رب کے پتے ہوئے صحراؤں میں جس طرح پر صعوبت سفر کئے اور لڑائیاں لڑیں خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ کم از کم آپؐ کے متعلق مرگی کے دوروں کی کہانیاں قطعی من گھڑت یا مبالغہ آمیز نہیں۔ بہر حال دشمن پر چھوٹے چھوٹے حملوں اور بھڑپوں کے باوجود ابھی تک قریش سے کوئی انتقامی لڑائی نہیں لڑی گئی تھی اور نہ ہی ان کا کوئی مالدار قافلہ روکا جاسکا تھا۔ اسلام کا وقار بلند

لے یہاں اشارہ حرب انفجار کی طرف ہے جو چار سال تک جاری رہی تھی اور آپؐ اپنے چچا الزبیر کے ساتھ کئی مرتبہ گئے۔ شروع میں آپؐ صرف تیراٹھا کر انہیں دیتے رہے اور بعد میں خود آپؐ کے قول کے مطابق کبھی کبھی تیر بھی چلائے۔

کرنے اور اسلامی خزانے بیت المال کو پرکھنے کے لئے حضرت محمد کو ایک بڑی کامیابی کی ضرورت تھی۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکہ والے اپنے شہر سے زیادہ دور کسی مقام پر کوئی فیصلہ کن لڑائی لڑنے کا خطر
مول نہ لیں گے اور نہ ہی حضرت محمد ہی ابھی اتنے طاقتور تھے کہ اپنی جگہ سے دور جا کر لڑتے لیکن
آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر جلد ہی قریش کو کسی جگہ اچانک نہ جالیا گیا تو صورت حال زہج
کر رہ جائے گی۔ ایسا کرنے کے لئے آپ نے ایک چال چلی۔ جسے آپ کی تعریف کرنے والوں
نے نظر انداز کیا ہے لیکن آپ کے بدنام کرنے والوں نے خوب اچھا لایا ہے۔

رجب کے مقدس مہینے میں، جس کے دوران تمام عرب لوگ ایک ان کہی رضامندی کے
طور پر ہر قسم کی لڑائی اور لوٹ مار سے مجتنب رہتے تھے، حضرت محمد نے ایک شخص عبداللہ بن
اور کچھ بادیہ نشینوں کو مدینہ سے روانہ کیا۔ ان کے ضابطے کے فرائض کے اور طائف کے درمیان
جاسوسی کرنا اور یہ دیکھنا تھا کہ دشمن اس وقت کیا کر رہا تھا لیکن اصل ہدایات حضرت محمد کی جانب
سے دیئے ہوئے ایک نثر شدہ خط میں تھیں جو حضرت عبداللہ کو مدینہ سے روانہ ہونے کے دو
روز بعد کھولنا تھا اور اسے پڑھنے کے بعد اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرنا تھا۔

خط میں دی ہوئی ہدایات پر عبداللہ بن جحش حیران رہ گئے۔ انہیں اختیار دے دیا گیا تھا
کہ وہ کسی بھی قریشی قافلے پر جو سامنے آئے، حملہ کر سکتے تھے۔ البتہ اس خط میں اس کا کہیں
ذکر نہ تھا کہ رجب کے مہینے میں جنگ و جدال منع ہے لیکن یہ بھی ناقابل یقین بات تھی کہ ایک
سابق مکی (آنحضرت) بت پرستی کے ماحول کی ایک ایسی روایت کو نظر انداز کر دیتے جس میں وہ
پلے بڑھے ہوں۔

لے اس مہم میں حضرات عبداللہ بن جحش، عمار بن یاسر، ابو خدیفہ بن عتبہ، سعد بن ابی وقاص، عامر بن فہیرہ، واقد بن
عبداللہ، عتبہ بن غزوہ، دان اور سہیل بن بیضا شامل تھے۔ قیادت حضرت عبداللہ بن جحش کی تھی۔ (طبری)
لے ہدایات یہ تھیں کہ یہ تحریر پڑھنے کے بعد مکہ اور طائف کے درمیان ریلین تھکے کارخ کرنا۔ وہاں قریش کے
قافلے کا انتظار کرنا اور اس کے حالات کا پتہ لگا کر خبر دینا

رحیات محمد - سیرت النبی

بعد اللہ نے یہ ہدایات اپنے ساتھیوں کو بھی بتادیں جنہوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے بغیر غنیمت حاصل کرنے کا یہ اچھا موقع تھا چنانچہ اس فیصلے کے نتیجہ میں عربوں کی ایک عجمت و جو رجب کے مہینہ کے دوران اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے ہوئے غافل چلی آرہی تھی گھات لگا کر لوٹ لیا۔

اس قدیم روایت کو توڑنے پر ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہاں تک کہ خود مدینہ میں بھی اس بات کو سنانا پسند کیا گیا کہ حضرت محمدؐ کو یہ کہنا پڑا کہ ان کا خیال تھا کہ عبداللہؓ انتظار کریں گے اور رجب کا مہینہ ختم ہونے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے اور اس ذمہ داری سے انکار کی تصدیق کے طور پر آپؐ نے اس مال غنیمت میں سے کوئی حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

اصل بات کیا تھی یہ تو شاید کوئی کبھی نہ جان سکے لیکن اس سے دو باتیں ضرور نکلتی ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا حضرت محمدؐ قطعی طور پر لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے؟ اور اگر آپؐ خود چند آیات بھی نہیں لکھ سکتے تھے تو آپؐ کے گھر میں یا آپؐ کے عملے میں کون ایسا بھروسے کا آدمی تھا جس نے یہ قابل اعتراض حکم لکھا ہوگا۔ ابوبکرؓ، حمزہؓ یا علیؓ میں سے کوئی بھی اگر یہ جانتا کہ آپؐ کا منشا کیا ہے تو وہ یقینی طور پر اعتراض کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جنگ کے اصولوں کے متعلق آپؐ کی حکمت عملی اپنے وقت اور زمانے سے بہت آگے تھی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا تھا۔ جنگ آخر کار ایک دھوکے کا کھیل ہی

ہے یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کورات کے پیش آیا۔ اسی رات سے شعبان کا مہینہ شروع ہو رہا تھا چنانچہ قریش کہتے تھے کہ یہ خونریزی رجب کے مہینے میں ہوئی اور مسلمان کہتے تھے کہ یہ اقدام شعبان میں کیا گیا۔ قریش کا ایک سردار عمر بن الحضری اسی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا قتل جنگ بدر کا پیش خیمہ بن گیا۔ (حیات محمدؐ) کہ جب غنیمت کا مال پیش ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ غنیمت کا حصہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ صحابہ بھی بہت برہم ہوئے۔ ”مخبر خط کی اصل ہدایات اور بتادی گئی ہیں۔ (سیرت النبیؐ) کہ طبری نے ابن اسحاقؒ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے نعیم بن مسعودؓ سے جنگ خندق کے دوران فرمایا کہ لڑائی چال سے سر ہوتی ہے۔ ہم سے علیحدہ ہو جاؤ اور کوئی تدبیر نکالو۔

تو ہے۔ جنگ کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار میکیا ویلی نے آپ کی وفات کے نو سو سال بعد
 نپولین نے اس سے دو سو سال بعد اور جاپانیوں نے صرف چند سال قبل کیا ہے اور وہ سب اپنی
 جگہ درست تھے۔ کیونکہ اگر جنگ کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ تو پھر ذریعہ کے متعلق
 جھگڑا کیسا۔

بہر کیف ابھی تک حضرت محمدؐ کا مقام اس معاملے میں میکیا ویلی یا نپولین جتنا بلند نہیں
 تھا چنانچہ جب پہلا شور و غل کچھ کم ہوا تو آپؐ نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جو آپؐ کو آئندہ ہم
 ایسے گوگلو کے حالات میں اختیار کرنا تھا یعنی آپؐ نے بارگاہ خداوندی سے رجوع کیا اور ایک
 وحی نازل ہوئی۔ اس وحی میں اور اس کے بعد آنے والی متعدد وحی میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور
 معاملے کے متعلق نازل ہوئیں جس نے رسول اللہ کو پریشان کر رکھا تھا۔ آپؐ کی پریشانی دودھ
 گئی۔ وہ روایت یہ ہے۔

”یسلونٹ عن الشهر الحرام..... والفتنة اکبر من القتل سورة بقرہ
 آیت ۱۷۰“

ترجمہ: اے رسول لوگ آپؐ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کرنے کے متعلق
 پوچھیں گے آپؐ کہہ دیں کہ اس ماہ میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی
 راہ سے لوگوں کو روکنا اور اللہ کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں سے لوگوں کو
 نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ پھیلانا تو قتل سے
 بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ (سورہ بقرہ۔ رکوع ۷۔ ۲۷۰)

۱۔ میکیا ویلی MACHIAVELLI ۱۵۰۰ء میں ایک مشہور اطالوی سیاست دان گزرا ہے جس نے
 حکمرانوں کے لئے سیاست پر ۱۵۱۳ء میں ایک مشہور کتاب THE PRINCE لکھی حکمرانوں نے اس کتاب
 کو ہر زمانے میں بڑی اہمیت دی ہے۔

۲۔ نپولین بونا پارٹ۔ انقلاب فرانس کے بعد ایک مشہور جنرل کی حیثیت سے ابھرا اور ۱۸۰۴ء میں فرانس
 کا شہنشاہ بن گیا۔ روس اور برطانیہ کے سوا تمام یورپ فتح کر لیا لیکن ۱۸۱۵ء میں اتحادیوں سے شکست کھا
 اور ۱۸۲۱ء میں سینٹ ہیلینا میں قیدی کی حیثیت سے وفات پائی۔

گو اس وحی نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو الزام سے بری کر دیا اور حضرت محمدؐ اور مدینہ والوں کے دل کی خلش بھی دور کر دی لیکن اہل قریش کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ روز بروز وہ اپنے سابق بیہوشوں کے غیر مصالحانہ رویہ پر زیادہ سے زیادہ مشتعل ہوتے جا رہے تھے۔ خونریزی کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا۔ بس ایک چھوٹا سا بہانہ درکار تھا۔ جو ان کو حضرت محمدؐ کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کر دیتا اور جو آپؐ کو اپنی طاقت آزمانے کے لئے ایک لڑائی کا موقع فراہم کر دیتا۔ یہ چھوٹی سی بات جس کے بعد ازاں دوسرے اور دوسرے نتائج بھی نکلنے لگے تھے۔ جلد ہی وقوع پذیر ہو گئی۔

۶۲۳ عیسوی کے اواخر میں آپؐ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیانؓ لاکھوں دینار قیمتی مال سے لدے ہوئے ایک ہزار سے زائد اونٹوں کا قافلہ لے کر شام سے واپس آرہا ہے اور یہ کہ وہ مدینہ سے نسبتاً قریب ایک مقام سے گزرے گا۔ آپؐ نے جلدی سے تین چار سو کے درمیان نفری ستر اونٹ بچھڑ گھوڑے اور خچروں کا بندوبست کیا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ان میں کچھ غیر مسلم بھی مال غنیمت کے لالچ میں شامل ہو گئے ہیں تو آپؐ نے مجاہدین کی تعداد گھٹا کر تین سو کر دی۔ یہ بے سرد سامان لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی جن میں بیشتر کے پاس زرہ بھی نہ تھی۔ اور سواری کی کمی کے باعث باری باری اونٹوں پر سفر طے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کا رسالہ جسے بعد میں بڑی شہرت حاصل ہوئی صرف دو گھوڑوں سے شروع ہوا تھا۔

لے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش ایک ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں۔ (سیرت النبی) لے البراء سے مروی ہے کہ اہل بدر کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی جالوت کے مقابلے میں طاوت کے لشکر کی تھی یعنی تین سو دس سے کچھ زائد تھی اور کوئی غیر مسلم نہ تھا ان میں ساٹھ مجاہدین اور دو سو چالیس سے کچھ زائد انصار تھے۔ عبیدہؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ تعداد تین سو تیرہ تھی اور اسی پر اجماع ہے (طبقات ابن سعدؒ اقدی) لے خود نبی کریمؐ کی سواری کے اونٹ میں حضرت علیؓ اور مرشد غنویؓ اور ایک اور صحابی شریک تھے اور باری باری اونٹ پر سوار ہوئے تھے۔ حیات محمدؐ کے بیان کے مطابق آنحضرتؐ رمضان اور سیرت النبیؐ کے مطابق ۱۲ رمضان ۶ؓ کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ۱۲ رمضان کو بدر کے مقام پر پہنچ کر پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیا۔

ابوسفیان کو بھی کسی نہ کسی طرح حضرت محمدؐ کے ارادوں کا علم ہو گیا اور اس نے اپنے قافلے بڑی شاہراہ سے ہٹا کر اس کا جھکاؤ بحیرہ قلزم کی طرف کر دیا۔ اس کی چال سے قافلہ مدینے والوں کی گھبراہٹ اور اس سے پہلے کہ انہیں اس کا علم ہو ان کی زد سے نکل گیا۔ البتہ بنظر احتیاط اس نے ایک قاصد کو یہ خبر لے کر مکہ روانہ کر دیا کہ حضرت محمدؐ بذلت خود اس قافلے کو لوٹنے کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں۔

قاصد نے تیزی سے منزلیں طے کیں اور سفر کرتے ہوئے اس نے اپنے ذہن میں ابوسفیان کے پیغام کی اہمیت میں بہت کچھ اضافہ کر لیا اور مکہ تک پہنچتے پہنچتے اس پر ہیجان کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اپنے آپ کو اونٹ سے تقریباً گراتے ہوئے وہ ڈرامائی انداز میں کھبر کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ یہ ایک بڑی آفت اور مصیبت کی نشانی تھی۔ چنانچہ مکہ کے تمام سربراہ اور وہ لوگ اپنے اپنے کام چھوڑ کر دوڑتے ہوئے آکر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ڈاڑھی پر بہتے خون کے ساتھ اس نے چلا چلا کر دہائی دی "مدد۔ مدد۔ اے اہل قریش۔ حضرت محمدؐ تمہارے کارواں کا تعاقب کر رہے ہیں۔"

اس خبر کا اثر فوری ہوا۔ خطرے کا اعلان ہونے کے ایک گھنٹے کے اندر اندر ایک ہزار ہوشیار افراد مع سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں کے جمع ہو کر شور مچانے لگے کہ قافلے کے قیمتی مال و متاع لوٹ لئے جانے کے علاوہ اب تو ہمیں قافلے کے ان تمام لوگوں کا بدلہ لینا ہے جن کے قتل کی خبر آئی ہے۔ ابو جہل بن ہشام جو اب ستر سال کا ہو چکا تھا لیکن ابھی تک قوی الجثہ اور تو مند تھا۔ پہلا شخص تھا جو سب سے پہلے مسلح ہوا۔ اسے کامل یقین تھا کہ وہ اس مرتبہ ضرور حضرت محمدؐ کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اب قافلے کے لوٹ لئے جانے کی خبر کی

لے اس قاصد کا نام ضمیم بن عمرو غفاری تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابوسفیان نے یہ قاصد شام سے روانہ کیے وقت ہی مکہ بھیج دیا تھا تاکہ بوقت ضرورت قافلے کی کماحقہ حفاظت ہو سکے اور اگر مسلمان حملہ کریں تو اس کا تدارک ہو سکے۔ صاحبِ نجات محمدؐ نے لکھا ہے کہ ضمیم نے اضطراب میں اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے اور ناک پھیر دی۔ کجاوہ لٹ گیا اور اونٹ پر کھڑے ہو کر دہائی دی آفت رسیدہ اور فریادی لوگ ایسا ہی کرتے تھے۔

یق آئے نہ آئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ انتقام لینے کے لئے اس سنہری موقعہ کو کیوں راجائے۔ رات ہونے سے پہلے پہلے لشکر کو روانگی کا حکم مل چکا تھا۔

صحرا میں خبریں بڑی پراسرار تیزی سے سفر کرتی ہیں۔ چنانچہ اسی وقت حضرت محمدؐ کو بھی ہم ہو گیا کہ قافلہ پنج نکلا ہے اور ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر روانہ ہو چکا ہے۔ تعداد کے فرق باوجود حضرت محمدؐ نے لڑنے اور اپنے مستقبل، اپنی ساکھ اور غالباً اپنی زندگی کو اس لڑائی داؤ پر لگا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ البتہ آپؐ کے کچھ لوگوں نے ضرور خوف و اضطراب کا اظہار کیا۔ اسلام کی منظم اور باقاعدہ جنگوں سے پہلے لوٹا تمام عرب لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ قتل اور خونریزی میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اور خود قتل ہو جانے کی صورت کو تو بالکل پسند نہ تھے۔ حضرت محمدؐ نے ان کے حوصلے بلند کئے اور انہیں یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فتحیاب کرے گا۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے عربوں کے عام خیال کے مطابق تجویز پیش کیا یہ زیادہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم لڑائی نہ لڑیں اور اپنے لوگوں کو کسی بہتر اور زیادہ مفید مواقع لے بچا کر رکھیں۔ کیونکہ اگر ہم لڑائی میں مارے گئے تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ حضرت محمدؐ نے جواب دیا: ”جنت“ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک قطرہ خون بہانا اور ایک رات مسلح گزارنا دو مہینے کے روزوں اور نمازوں سے زیادہ ثواب کا حامل ہے۔ جو شخص اللہ کے لیے لڑ کر شہید ہوتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور قیامت کے روز اس کے شرف کے مانند سرخ اور تانباک ہو جائیں گے اور ان سے مشک جیسی خوشبو آئے گی اور کھوٹے ہوئے بازو فرشتوں کے پروں سے تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

اس بنیادی عقیدے نے مسلمان مجاہدین کے پہلے منضبط گروہ کے خیالات کا دھارا یکسر کر رکھ دیا اور اس تصور نے لوگوں کی بہادری میں اضافہ کرنے، تکالیف اٹھانے، تکان

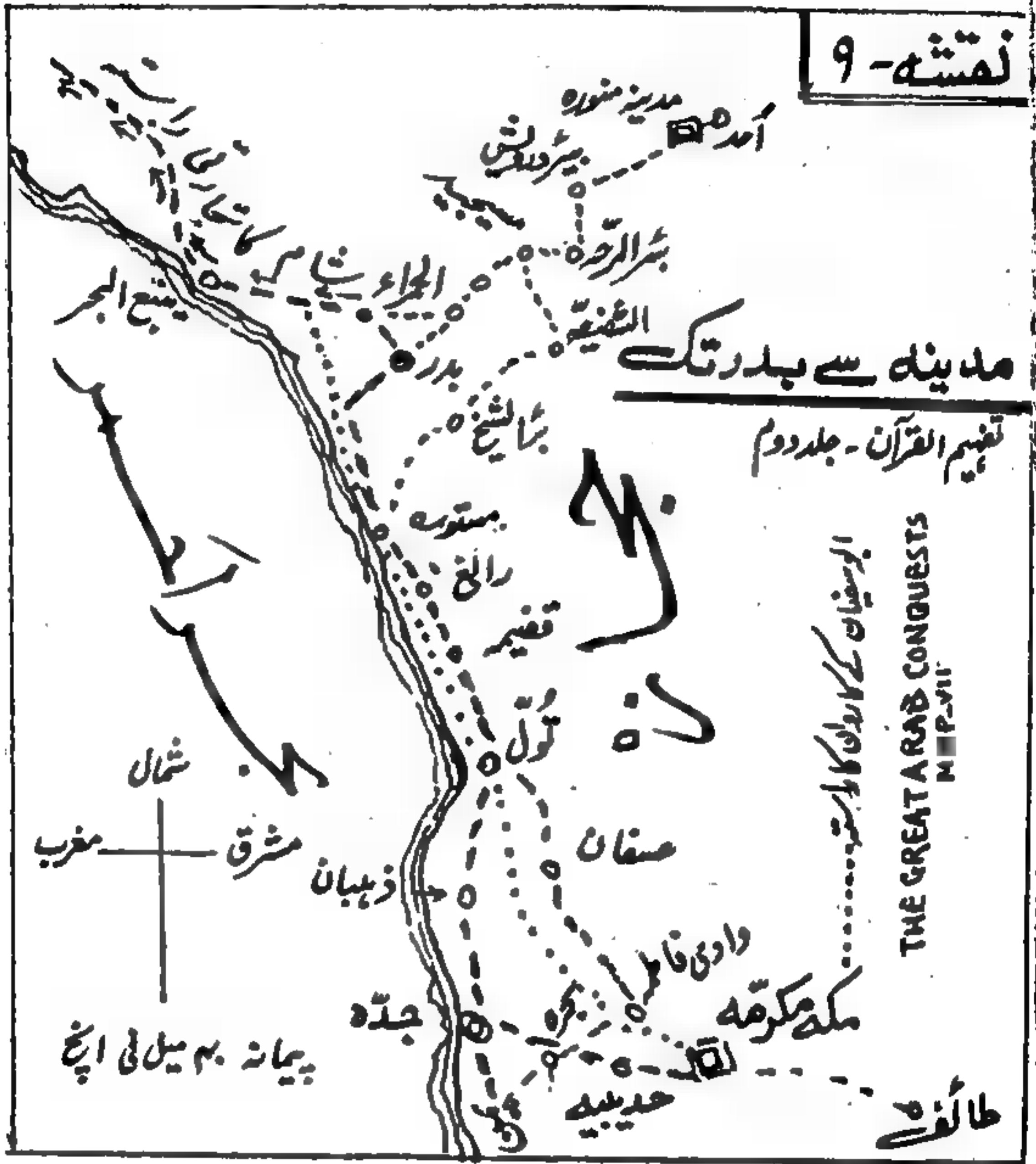
یہ الفاظ آپؐ نے حضرت جعفر طیارؓ کی جنگ موتہ میں شہادت کے موقع پر کہے۔ جن کے دونوں بازو دستم لے تھے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو پر عطا کر دیئے ہیں، اور وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں اسی سے انہیں جعفر طیار یا اڑنے والے جعفر کہا جاتا ہے۔ (حیات محمدؐ)

برداشت کرنے، یہاں تک کہ اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرنے میں اتنا زبردست کردار ادا کیا ہے کہ کسی فرمان امروز جاری کرنے، یا بہت زیادہ تربیت دینے یا دنیاوی انعام و اکرام کا لالچ دینے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت محمدؐ کے عربوں میں اس خیال اور نظریے نے قربانی کا ایک مثالی پیداکر دیا تھا۔ جواب بھی قائم ہے۔ وہ موت سے ڈرنے کی بجائے اس کو دنیاوی رنج و الم سے نجات کا ایک ذریعہ سمجھ کر اس کی تمنا کرتے ہیں۔

لیکن حضرت محمدؐ نے جنوری ۶۲۴ عیسوی کی اس صبح کو اپنے آپ کو صرف روحانی دینے تک ہی محدود نہ رکھا۔ آپؐ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی امداد کو موجود ہے لیکن آپؐ سمجھتے تھے کہ اللہ کی نصرت زیادہ موثر ہوگی اگر ہم بھی ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ صف آرا ہونے اور لڑنے کے لئے جو جگہ منتخب کی گئی وہ وادی بدر تھی۔ بدر ایک میدان ہے جس کے شمال اور مشرق میں عمودی پہاڑیاں ہیں۔ مغرب کی طرف ریت کے بڑے ٹیلے اور جنوب میں ایک نیچی اور پتھریلی ڈھلوان ہے۔ ایک چھوٹا سا پانی کا نالہ نامی میں شرقاً غرباً بہتا ہے جو یہاں وہاں اکٹھا ہو کر ابلتے چشموں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چشموں کو روک کر مسافروں نے حوض بنادئے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے ایک ایسے ہی حوض قریب اپنے لشکر کا پڑاؤ ڈالا جو دشمن سے قریب ترین تھا اور باقی حوضوں کا راستہ روک اس طرح آپؐ نے سارے پانی کو اپنے قبضہ لے لیا جو لڑائی ہو یا امن صحرا میں بے حد درکار رکھتا ہے۔ دن خاموشی سے گزر گیا۔ مگر کچھ قیدی جاسوسوں نے بتایا کہ دشمن کا لشکر چند میلے فاصلے پر آرام کر رہا ہے۔ انہوں نے لشکر کی تعداد کا اندازہ بھی بتا دیا۔ دشمن کی تعداد نے حضرت

لے ہجرت کا انیسواں مہینہ ۱۰ رمضان المبارک ۶۲۴ء یوم جمعہ بعض نے ۹ رمضان المبارک دو شنبے ایک دن لکھا ہے (طبقات ابن سعد) کثرت رائے کے مطابق جنگ بدر ۹ رمضان جمعہ کے روز ہوئی (نقشہ ۹) لے آنحضرتؐ نے یہ اقدام حضرت جابرؓ کے مشورے پر کیا تھا۔ لے بدر کے مقام سے قریشی لشکر کے دو غلام ہانکے آنحضرتؐ نے ان سے لشکر کی تعداد پوچھی تو صحیح نہ بتا سکے پھر آپؐ نے دریافت کیا کہ لشکر میں روزانہ کتنے ذبح ہوتے ہیں انہوں نے جواب دیا نو یا دس۔ اس سے آپؐ نے اندازہ لگا لیا کہ قریشی لشکر کی تعداد ایک

نقشہ - 9



بل نہیں کیا اور رات بھر کھجور کی ٹہنیوں سے بنی جھونپڑی یا ساٹھان میں عبادت کرتے
ہے جو آپ کے سپاہیوں نے آپ کے لئے پانی کے نزدیک بنادی تھی۔

جب آفتاب نے ابھر کر صحرا کو سنہرا بنا دیا تو کتے کا لشکر بھی ابو جہل کی قیادت میں وادی
داخل ہو گیا اور مسلمانوں سے ایک تیر کے فاصلے پر صف آرا ہو گیا۔ اس وقت کی عرب
ایشیاں ان بڑی اور خوزین جنگوں سے بالکل مختلف تھیں جو بعد میں مسلمانوں نے دنیا
فتوحات کے دوران لڑیں۔ یہ لڑائیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں اور جانے پہچانے لوگوں
میں ہوتی تھیں۔ اور ان کی نوعیت ابھی تک محاصرہ ٹرائے TROY کے مقابلوں کی سی
تھی۔ ابتدائی مرحلے میں دونوں طرف کے کچھ بہادر اپنی صفوں سے باہر نکلتے، دشمن پر بڑی
طنع کرتے۔ اپنے قائدین کے جنگی کارنامے بیان کرتے اور آخر میں دشمن کے لشکر سے
سی کو مقابلے کے لئے لڑتے۔ دوسرا مرحلہ ایک کا ایک سے مقابلہ ہوتا اور تیسرے مرحلے
میں عام حملہ ہوتا جس میں مل کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتے۔

بدھ کی جنگ بھی اسی مقبول عام دستور کے مطابق لڑی گئی۔

زرہ بکتر پنے ڈھالوں کی آڑ لے ہاتھوں میں تلواریں سنبھالے ابوسفیان کا خسر عتبہ
میں کا بھائی شیبہ اور ابوسفیان کا برادر نسبتی الولید نکل کر قریش کی صفوں کے سامنے کھڑے
ہو گئے اور اپنے مقابل میں کھڑے مسلمانوں پر لعن طعن کی اور خوب برا بھلا کہا۔

کافروں کا خون بہانے یا سیدھے جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونے کے شوق
میں تین مہنی نوجوان آگے بڑھے لیکن ان کو دیکھ کر کتے کے لوگوں نے چیخ کر کہا کہ وہ اتنا

۱۔ نقشہ نمبر ۱۰ ملاحظہ ہو۔

۲۔ ٹرائے TROY یونان کا ایک قدیم شہر جس کو فتح کرنے کے لئے عرصہ تک لڑائی جاری رہی۔ روزانہ چند
جانبار دولوں جانب سے نکلے اور مقابلے ہوتے اور واپس چلے جاتے۔ آخر کار چند جانبار لکڑی کے ایک بڑے گھوڑے
کے اندر بیٹھ کر شہر میں داخل ہوئے اور اس کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۳۔ شیبہ عتبہ کا بھائی اور ولید عتبہ کا لڑکا اور ابوسفیان کا برادر نسبتی تھا۔ (حیات محمد - سیرت النبی)

طویل سفر کر کے اس لئے نہیں آئے ہیں کہ وہ ان نوجوانوں کو قتل کر کے اپنی تلواریں کند کر دیں خصوصاً جبکہ ان سے ان کی کوئی پرغاش نہیں۔ وہ تو اپنے علم زادوں کے سر چاہتے ہیں جو مکہ کے غدار ہیں کیا وہ اتنی جرات کریں گے؟

یاد رہے کہ یہ جنگ خصوصی طور پر انتقام لینے اور خون کے بدلے چکانے کی جنگ تھی کیونکہ ان کے بدلے دانت ہی اس معاشرے کا مسلمہ اصول تھا۔ لڑائی کا سیاسی پہلو اس وقت تک منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ اگر بدلہ چکا لیا جاتا تو اس کے بعد لڑائی میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہتی اور بعض اوقات تو درمیان میں ہی جنگ بند کر دی جاتی تھی۔

اہل قریش کی طعنہ زنی پر حضرت علیؑ ابوش میں مسلم صفوں سے باہر نکلے۔ ان کا چار آئینہ اور خود دھوپ میں چمک رہے تھے۔ ان کے بالکل پیچھے پیچھے عبیدہ بن حارث، حضرت حمزہؓ کے ایک دوھیالی بھائی، اور حمزہؓ نکلے جنہوں نے شتر مرغ کا ایک پر اپنے چار آئینے میں لگا رکھا۔ یہ تینوں بہادر اس طرح حضرت محمدؐ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور قریش کی ہاشمی خوار بہانے کی خواہش بھی پوری کرتے تھے۔

تینوں مقابلے جتنی تیزی سے ہوئے اتنے ہی خونین بھی تھے۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؑ نے الولید کو قتل کر دیا۔ البتہ حضرت عبیدہؓ سخت زخمی ہو گئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ گریں حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؓ ان کو امداد کو پہنچ گئے۔ حضرت حمزہؓ عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس طرح چند ہی منٹ کے اندر ان کے تین نامور جنگجوؤں کو جہنم کا راستہ دکھا دیا گیا جس کا حضرت محمدؐ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ غصے میں دھاڑتے تین اور مکی ابو جہل کے پرچم تلے سے تیر کی طرح نکل کر مسلمان بہادروں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بھی اسلام کی تلواروں کی نذر ہو گئے۔ اس کے بعد تین اور نکلے اور ان کا بھی وہی حشر ہوا۔ قریش کچھ دیر کے لئے ٹھٹھک کر رہ گئے لیکن حضرت محمدؐ نے اس سے پورا پورا فائدہ

لے اہل قریش کے بیان کے مطابق یہ جنگ رجب کے مہینے میں عبداللہ بن جحش کے حملے اور عمر بن حنظلہ کے قتل کا بدلہ لینے کی جنگ تھی۔

ٹایا اور آپ کے ایک مختصر اور فوری حکم کے ساتھ آپ کے لشکر کی عام حملے کے لئے ٹوٹ پڑے۔
اب جنگ کا تیسرا مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ حالانکہ دشمن کی تعداد تین گنا سے بھی زیادہ تھی
لیکن حضرت محمدؐ کے دوراندیشانہ اقدام کے سبب مسلمانوں کو بڑی برتری حاصل تھی۔ کیونکہ پانی ان
لے ہاتھ میں تھا۔ اہل مکہ صحرائے عرب کی جھلسا دینے والی دھوپ میں لڑ رہے تھے اور اپنے سامان
سے لبرے ہوئے اونٹوں تک جائے بغیر جو بہت پیچھے تھے، پانی پی کر تازہ دم نہیں ہو سکتے
تھے۔ چند لوگ جو پیاس سے بیتاب ہو کر بدر کے چشمے تک پہنچتے وہ مسلمان تیر اندازوں کے تیروں
انسانہ بن جاتے۔

پہاڑی پر ایک طرف کھڑے حضرت محمدؐ نیچے لڑائی کا جائزہ لے رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ
آپ کے ساتھ تھے۔ عام حملہ ہونے تک تو آپ خاموش اور پرسکون تھے لیکن اب اچانک آپ
اس قدر جوش کی سی کیفیت طاری ہوئی کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو آپ کی
آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ آپ نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھائی اور دشمن کی طرف
چھال دی اور آپ نے جوش میں آکر کہا "اللہ کرے ان کی صورتیں مسخ ہو جائیں" اس کے بعد
آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے حفاظتی دستے کو ساتھ لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے
حضرت ابی بکرؓ آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔

جو لوگ معجزوں کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ اس وقت ایک مافوق الفطرت بات ظہور میں
آئی۔ پردوں کو پھٹ پھڑاتے اور چمکتی تلواریں ہاتھ میں لئے فرشتوں کی ایک جماعت حضرت محمدؐ کی
امداد کے لئے آگئی اور لڑتے ہوئے مسلمانوں میں شریک ہو گئی۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو گیا لیکن
جو کچھ ہوا وہ فرشتوں کو شامل کئے بغیر ہی کافی اہم ہے۔

جو نبی حضرت محمدؐ نے خاک کی مٹھی دشمن کی طرف پھینکی صحرا میں اچانک ایک سخت آندھی
اٹھی۔ یہ جھلسا دینے والی گرم ہوا حضرت محمدؐ کی عین پشت کی طرف سے آئی اور دہکتی آگ

۱۔ صاحب نجات محمدؐ نے لکھا ہے کہ آپؐ نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر قریش کی طرف پھینکیں اور فرمایا کہ
"شاهت الوجود" یعنی تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔

کے جھونکے کی طرح دشمن کی آنکھوں میں جا پڑی۔ تھکے ہارے، پیاسے اور مسلمانوں کی تلواروں کی بے پناہ کاٹ سے حوصلہ ہارے ہوئے قریش پہلے ہی بچاؤ کی لڑائی لڑ رہے تھے کہ اس آندھی رہا سہا حوصلہ بھی ختم کر دیا۔ کافروں کے لئے حضرت محمدؐ کی بددعاؤں اور دشمن کے خون کے پیاسے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے وقتاً فوقتاً آپؐ کے نعروں سے دشمن بوکھلا گیا، لیکن فوری طور پر ان کی صفیں نہ ٹوٹیں اس کا سبب ابو جہل کی موجودگی تھا۔

ابو جہل ہارنے ماننے والا آدمی نہ تھا۔ حضرت محمدؐ کی طرح نعرے لگاتا ہوا وہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار گھمسان کی لڑائی میں جا گھسا۔ مسلمانوں کے اکابر نے اسے دیکھ لیا اور اس کے گرد گھیرا تنگ کر لیا۔ بوڑھا ہو جانے کے باوجود وہ ابھی تک ایک مانا ہوا جنگجو تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے گھوڑے پر سے گرانے میں کامیاب ہوں اس نے تلوار کے پے درپے واروں سے اپنے کئی حملہ آوروں کو مار ڈالا۔ آخر کار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو زمین پر گرادیا اور اس کے سینے پر چڑھ کر لیکن اس کے باوجود وہ حضرت محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آیا اور اس کو سنا بند نہ ہوا جب تک کہ عبداللہؓ نے اس کا سر پکڑ کر تن سے جدا نہ کر دیا۔ پھر وہ یہ سر لے کر حضرت محمدؐ کے پاس پہنچے۔ آپؐ فتح کی یہ خون آلود نشانی دیکھ کر خوش ہوئے اور جنگ کے میدان سے پیچھے آکر گھوڑے سے اترے اور سجدے میں گر گئے اور بلند آواز سے فرمایا "لا الہ الا اللہ" ابو جہل اپنی سزا کو پہنچا اور اسی طرح اللہ کے باقی تمام دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔

اے نبی! محمدؐ میں ڈاکٹر محمد حسین بیگل نے لکھا ہے کہ ابو جہل کو معاذ بن عمرو بن جوح نے قتل کیا لیکن تاریخ طبری (جلد اول حصہ سوم) کے مطابق سب سے پہلے معاذ بن جوح نے ہی ابو جہل پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک وار سے اس کا ایک پاؤں مع نصف پنڈلی کے کاٹ دیا۔ ابو جہل گر پڑا۔ جواب میں عکرمہ بن ابو جہل نے حضرت معاذؓ کا بازو کاٹ ڈالا جو لٹکتا رہ گیا اور جسے آپؐ نے خود پاؤں تلے داب کر علیحدہ کر دیا۔ ابو جہل زخمی پڑا تھا کہ معوذہاں سے گزرے اور تلوار کا ایک اور وار کیا اور مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے لیکن جب لڑائی ختم ہونے پر رسول اللہ ﷺ میں ابو جہل کی تلاش کا حکم دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے پاس پہنچے تو اس میں اب بھی کچھ جان باقی چنانچہ آپؐ نے اس کا سر قلم کیا اور رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

قریش کے سپہ سالار کی موت کی خبر آنا فائز میں پھیل گئی اور دشمن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔
سینٹ کے اندر اندر اہل مکہ اپنی زریں اور تلواریں پھینک کر جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔
معاذہ اس تیزی سے بھاگے اور ادھر مسلمان اتنے تھک چکے تھے کہ بہت سے لوگ قید ہونے سے
نکلے۔

جنگی قیدیوں میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ کسی کا اس سے کوئی خاص جھگڑا نہ تھا سوائے اس
کہ بلالؓ بھی اس کے غلام ہوتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ مسلمان جو لڑائی میں فتح یاب
نے کے باعث ٹھنڈے پڑ گئے تھے اپنے سابق ہموطنوں سے مصروف گفتگو تھے کہ بلالؓ
سے گزرے جو نہی اپنے اذیت دہندہ امیہ پر نظر پڑی جس نے انہیں تنگ کر کے جان سے مار
لنے کے لئے صحرا کی سخت دھوپ میں ایک پتھر سے باندھ دیا تھا۔ آپ کو غصہ آ گیا اور تھکے ہوئے
اہیوں کو خطاب کر کے کہا کہ جب تک کافروں کا یہ سرغنہ زندہ ہے وہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔
یہ ضرور قتل ہوگا۔ بعض مسلمانوں نے اس نکی کی کچھ طرفداری کرنا چاہی لیکن بیٹیلے حبشی نے کہا ہرگز
میں ایک سپاہی نے امیہ کے کان میں کہا کہ بھاگ جاؤ تو بہتر ہے۔ اس نے کوشش بھی کی لیکن
بلالؓ بجلی کی طرح اس کے پیچھے لپکے۔ وہ زیادہ دور نہ بھاگ سکا۔ کیونکہ اب وہ ادھیڑ ہو چکا تھا اور
یاد ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے برخلاف بلالؓ پانچ وقت مسجد کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کے سبب
ٹپ نہیں ہوئے تھے۔ حضرت بلالؓ نے امیہ کو جالیا۔ کسی وقت کے ایذا رساں نے ایک خوفناک
خ مار مار لی بلالؓ کی تلوار جسم کے پار ہونے کے سبب اس کی آواز خون بہنے کی خرخر میں دب کر
ہ گئی۔ پرانا بدلہ چکا یا جا چکا تھا لیکن مکمل یقین حاصل کرنے کے لئے اسلام کے پہلے موذن نے

۱۔ "حیات محمدؐ کے مطابق حضرت بلالؓ نے امیہ بن خلف کو میدان جنگ میں ہی قتل کر دیا تھا کیونکہ بعض لوگ اسے
قتل کرنے کی بجائے گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ جنگ ختم ہونے پر میدان جنگ میں ہی حضرت
عبدالرحمن بن عوف نے جنہیں امیہ عبداللہ کہتا تھا۔ امیہ اور اس کے لڑکے کو پناہ میں لے لیا تھا لیکن حضرت بلالؓ
نے قسم کھائی کہ مشرکین کے اس سرغنہ کو ہرگز جیتا نہیں چھوڑنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے بھاگنا بھی چاہا تو لوگوں نے گھیر لیا
اور اسے اور اس کے لڑکے کو قتل کر دیا گیا۔

اپنے پرانے آقا کا سر کاٹ کر نئے آقا کے قدموں میں ڈال دیا۔

اس روز جو بہت سے بدلے چکائے گئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا اور یہ آخری بھی تھا حضرت محمدؐ نے اپنے سب مجاہدین کو اکٹھا کیا اور تمام لاشوں کو ایک جگہ جمع کرنے اور چھانٹنے کا حکم دیا۔ چونکہ گرمی بہت زیادہ تھی اس لئے انہیں جلد دفن کرنا تھا۔ مقتولین میں صرف چودہ مسلمان تھے اور ستر اہل مکہ۔ ان کے علاوہ چوبتر کی قیدی بنائے گئے تھے۔ مسلمانوں کو شہیدوں کے قاعدے کے مطابق دفن کر دیا گیا تاکہ ان کے جسم اپنی ارواح کے ساتھ جنت میں جا ملیں۔ البتہ مکینوں کے ساتھ کافروں سا برتاؤ کیا گیا اور ان سب کو ایک ہی قبر میں جہنم واصل ہونے کے لئے سپرد خاک کر دیا گیا۔

اب قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ سب کو تہ تیغ کر دیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ کا خیال تھا کہ اس ایک دن میں ہی ایک دوسرے کے کافی عزیز مارے جائیں گے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ بہت تھک جانے کے باعث زیادہ توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی تجویز قبول کر لی۔ صرف دو قیدیوں کو قتل کی سزا دی گئی۔ ان میں سے ایک شاعر تھا جو مکہ میں حضرت محمدؐ کے تبلیغ کے زمانے میں مسلسل آپؐ کی ہجو کہتا رہتا تھا۔ دوسرا ایک ایسا شخص تھا جس نے ایک روز حضرت محمدؐ پر اس وقت بزدلانا حملہ کیا جب آپؐ کعبہ کے باہر عبادت میں مصروف تھے۔ باقی قیدیوں کے بارے میں یہ طے پایا کہ جو بالکل غریب و نادار ہوں ان کو بلا قید یہ چھوڑ دیا جائے بشرطیکہ وہ حضرت محمدؐ کے خلاف آئندہ کسی لڑائی میں حصہ نہ لیں کی قسم کھائیں۔ جن لوگوں نے ایسی قسمیں کھائیں ان میں سے کچھ مسلمان بھی ہو گئے۔

صاحب استطاعت لوگوں کے لئے تین متبادل تجویزیں تھیں۔ یعنی یا تو وہ مسلمان ہو جائیں یا بدستور قید رہیں۔ یا زرقہ دے کر رہائی حاصل کر لیں۔ حضرت محمدؐ اور ان کے نائبین خوب جانتے

۱۔ نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط

۲۔ غریب لوگوں کے لئے زرقہ کا ایک بدلہ یہ بھی رکھا گیا تھا کہ اگر وہ پڑھے لکھے ہوں تو ہر ایک دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دے۔ باقی غریب لوگ بغیر قدیے کے آزاد کر دیئے گئے صرف صاحب استطاعت لوگوں سے قدیہ لیا گیا جو ایک ہزار تا چار ہزار درہم تھا۔

تھے کہ کون کون سے قیدی کتنی کتنی رقم ادا کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں میں جنہوں نے مفلسی کا سہارا لیا چاہا آپ کے چچا عباسؓ بھی تھے۔

حضرت عباسؓ ایک موقع پر دست شخص تھے۔ کچھ مزاحیہ صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ ان کے کردار کے مطالعہ سے ایک شخص پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قریش اور حضرت محمدؐ کے جھگڑوں میں وہ بے تعلق رہے وہ ان جھگڑوں کو ایک مقصدی نظر سے دیکھتے رہتے تھے اور اپنے آپ کو واقعات کے آثار چڑھاؤ کے ساتھ ڈھالتے رہتے تھے۔

وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ مدینہ سے آئے ہوئے لوگوں سے ملاقات کے لئے گئے تھے۔ آپؐ نے ان سے کہا تھا وہ ان لوگوں پر پوری طرح بھروسہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے بھتیجے کی ہر طرح حفاظت اور خبر گیری کریں گے لیکن جب موقع آیا تو یہ محبت اسی بھتیجے کے خلاف بدر کی لڑائی میں شامل ہونے سے نہ روک سکی اور نہ ہی آپؐ کو حضرت محمدؐ پر یہ سخت اعتراض کرنے سے روکا کہ ان کے ساتھ ایک عام قیدی کا سا سلوک کیوں کیا جا رہا تھا اور جب آپؐ کا زرفدیہ مقرر کر دیا گیا تو آپؐ نے اپنی غریبی کا شور مچانا شروع کر دیا۔

حضرت محمدؐ اپنے ان چچا کو بہت پسند کرتے تھے آپؐ کو ان کا ہر وقت کا بدلنا مزاج بھی چھا لگتا تھا۔ جب آپؐ نے اپنی مفلسی کا رونا رونا شروع کیا تو حضرت محمدؐ نے آپؐ سے برجستہ کہا ہو سکتا ہے کہ آپ واقعی تلاش ہوں لیکن وہ روپیہ کہاں ہے جو آپؐ اپنی بیوی کے نام جمع

لے یہ مصنف کی اپنی رائے ہے ورنہ حضرت عباسؓ ہمیشہ ہی اسخضورؐ سے محبت کرتے تھے اور آنخضورؐ بھی آپؐ کو بہت پسند کرتے تھے مگر کے قیام کے دوران وہ آنخضورؐ کو قریش کے منصوبوں اور تجاویز سے فائدہ بھیج کر مطلع کرتے رہے یہ علیحدہ بات ہے کہ قریش کے دباؤ کے سبب بدر کی جنگ میں قریش کے ساتھ شریک ہونا پڑا۔

لے تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے عرب و اسلام اور تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ جب حضرت عباسؓ نے زرفدیہ ادا کرنے سے معذوری کا اظہار کیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو روپیہ چلتے وقت بیوی کے پاس چھوڑ آئے ہیں کیوں نہیں منگوا لیتے۔ حضرت عباسؓ اس بات پر آپؐ کی رسالت کے قائل ہو گئے کیونکہ یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ تھی اور روپیہ منگا کر زرفدیہ ادا کر دیا گیا۔ حضرت عباسؓ کو اپنے علاوہ اپنے بھتیجوں یعنی عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔

کر آئے ہیں۔

ایک اور قیدی جس سے آپ کو ذاتی تعلق تھا آپ کا داماد ابوالعاص تھا۔ ابوالعاص کو خود تو حضرت محمدؐ سے کوئی کاوش نہیں تھی لیکن اسے یہ یقین نہ آتا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ قید ہونے کے بعد بھی اس کے یہ ہی خیالات تھے۔ بہر حال حضرت محمدؐ نے اسے بغیر قیدیہ دے رہا کر دیا لیکن وعدہ لے لیا کہ وہ اپنی بیوی (آپ کی صاحبزادی زینب) کو آپ کے پاس مدینہ روانہ کر دے گا۔ ابوالعاص اس پر رضامند ہو گیا۔ چنانچہ زیدؓ کو مکہ روانہ کر دیا گیا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ لے آئیں اس اثنا میں ابوالعاص یرغمال کے طور پر حضرت محمدؐ کے پاس رہا۔

قیدیہ کے معاملے میں دوسرے قیدیوں سے ان کی آمدنی کے مطابق سلوک کیا گیا۔ البتہ دشمن کے چھوٹے ہوئے ہتھیار بند رہیں اور اونٹوں کی تقسیم کے متعلق کچھ تھوڑا سا بحث مباحثہ ہوا۔ لیکن حضرت محمدؐ نے اس معاملے میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ اسی وقت مال غنیمت کی تقسیم کے طریقہ کے متعلق وحی نازل ہوئی جس پر اس وقت تک عمل ہوتا رہا جب تک اسلامی عساکر دنیا کی فتوحات کے لئے جاتے رہے۔

حضرت محمدؐ کی پہلی بڑی جنگ اس طرح اختتام پذیر ہوئی یہ ایک مکمل فتح تھی جس نے حضرت محمدؐ کو ایک مسلمہ قائم بنادیا۔ اس نے اسلام کو وہ عظمت بھی دی جس کی اب تک کمی محسوس کی جاتی رہی تھی۔ اس فتح نے دوسرے قبائل کو بھی ترغیب دی کہ وہ ایسے دین کو کیوں نہ اختیار

لے ابوالعاص کے قیدیہ میں جو زیورات دیئے گئے وہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھیجے تھے اور ان میں حضرت خدیجہؓ کا وہ ہار بھی تھا جو انہوں نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ یہ زیورات دیکھ کر آپ آب ویدہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا چاہوں اس اسیر کو رہا کر دو اور یہ زیورات بھی واپس کر دو۔ چنانچہ ابوالعاص کا قیدیہ صرف یہ بھٹیرا کہ وہ حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجے ابوالعاص اس پر رضامند ہو گئے اور حضرت زینبؓ مدینہ آ گئیں۔

لے وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ فَخَسَهُ وَاللَّيْلُ وَالْغَنِيمَةُ وَالْيَتْمَىٰ وَالْبَنُ
السَّبِيلُ..... اور جان بوجہ غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے
اہل قرابت کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ (سورہ انفال۔ رکوع ۵)

کر لیں جس میں جنگ میں بچ جانے والوں کو دنیاوی اور شہید ہو جانے والوں کو روحانی انعام و
 ارام ملتا ہے۔ اس سے خود حضرت محمدؐ کو بھی بہت زیادہ اطمینان قلب حاصل ہوا۔ اب آپؐ کو
 پہلے سے بھی زیادہ یقین حاصل ہو گیا تھا کہ آپؐ کا دین سچا ہے اور آپؐ شروع سے ہی حق پر تھے۔
 جنگ بدر حضرت محمدؐ کے ذہن میں ہمیشہ ایک مفتخر یاد کے طور پر جاگزیں رہی۔ آپؐ نے ان
 مین سوا فرد کو جو اس جنگ میں قریش سے لڑے تھے مسلمانوں میں من حیثیت الجماعت ایک
 خاص درجہ دے دیا۔ آپؐ کی زندگی میں اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی اکابر بدر کو اجازت تھی کہ
 اگر وہ کبھی سزا یا سزائش کے مستوجب ٹھہریں تو وہ اس کو کم کرانے کے لئے بدر کی لڑائی میں
 اپنی خدایات کا حوالہ دے سکتے تھے، اور وہ اس کے مستحق بھی تھے کیونکہ یہ وہی تھے جنہوں نے
 یہاد کے اس نئے ہتھیار کو سب سے پہلے ڈھالا اور اس کی آزمائش کی جس کے ذریعہ اسلام کو
 دنیا کے بہت سے ممالک میں پہنچا نا تھا۔ آنے والی صدیوں میں شامیوں، ایرانیوں، مصریوں،
 بربریوں، رومیوں، ہسپانویوں، ہندوستانیوں، چینیوں، ملایا والوں، روسیوں اور ترکوں کو
 وہی جنگی نعرہ سننا تھا جو پہلے پہل ان تین سو بہادروں کے گلوں سے اس وقت نکلا تھا جب
 انہوں نے بدر کے نالے پر پر جوش حملہ کیا تھا اور وہ نعرہ تھا "اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔"

گیارہواں باب

یہودی

(۶۲۳ عیسوی)

بہت کم لوگوں نے جنگ بدر کا حال سنا ہے۔ اس جنگ میں بظاہر کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں کہ وہ ایسا ضرور کریں۔ آج کے ایک سپاہی کی نظر میں اور اس وقت کے کسی ایرانی یونانی یا رومن ہمعصر سپاہی کی نظر میں بھی اس کی حیثیت ایک بڑی جھڑپ سے زیادہ نہیں اور اگر ساتویں صدی کے دور میں ایشیائے کوچک میں اخبارات بھی ہوتے تب بھی حضرت محمدؐ کی یہ فتح کوئی شہ سرخ نہ بناتی۔ لیکن پھر بھی اس چھوٹی سی فتح کے اثرات تاریخ اسلام اور ساری دنیا پر اتنے ہی اہم تھے جتنے کہ شہنشاہ قسطنطین کے ہاتھوں میلویا MELVIA کے پل پر میکسیٹس MAXENTIUS کی تباہی یا چالون CHALON کے مقام پر سفاک ہنوں کے بادشاہ اٹیلہ ATILIA کی شکست۔

قسطنطین اعظم۔ رومن شہنشاہ (۳۰۶ء تا ۳۳۷ء) ۳۰۶ء میں یارک میں تخت نشین ہوا اور سیزر (قیصر) ہونے کا

اعلان کیا۔ ۳۱۰ء میں شہنشاہ میکسلین کو شکست دی لیکن اس کا بیٹا MAXENTIUS، تا حال روم کا حکمران

تھا۔ ۳۱۲ء میں اسے روم کے نزدیک میلویا کے پل پر شکست دے کر سارے مغربی ممالک کا بلا شرکت غیرے

شہنشاہ بن گیا۔ اسی قسطنطین اعظم نے بعد میں عیسائیت اختیار کر کے اپنا دار الحکومت بازنطینہ میں بنایا اور

۳۳۰ء میں قسطنطینیہ کی بنیاد ڈالی۔ ۲۲ مئی ۳۳۷ء کو وفات پا گیا۔ (پیمبر زانسا ٹیکلو پیڈیا۔)

اٹیلہ۔ سفاک ہنوں کا بادشاہ جس نے روم اور مشرقی یورپ کو تباہ و تاراج کر ڈالا۔ بعد میں CHALON

کے مقام پر رومنوں نے اس کے اور مخالفین سے مل کر اس کو ۴۵۱ء میں شکست دی۔ (پیمبر زانسا ٹیکلو پیڈیا ۱۱۳ء)

قریش کے مقتولین کی تعداد، مال غنیمت اور ابو جہل کی موت ہی اس جنگ کے اہم نتائج نہ تھے اور نہ ہی اس جنگ کے سبب لوگوں کو لڑائی کی منصوبہ بندی اور جنگی چالوں کے کوئی نئے سبق ملے اور نہ ہی بہادری کے کوئی خاص کارنامے دیکھنے میں آئے لیکن اس کے باوجود اس فتح کی اہمیت اس قسم کے مادی فوائد سے بہت زیادہ تھی۔ اس کامیابی حضرت محمدؐ کو سانس لینے کا موقعہ فراہم کیا۔ اسی سبب آپؐ کو نہ صرف اپنے ساتھیوں سے بلکہ خود سے بھی یہ کہنے کا موقع ملا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔ حضرت محمدؐ کو حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی اور اب انہیں اس کی ہر وقت سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس سے بھی زیادہ جتنی کبھی کسی اور نبی کو ہوتی ہو گی۔

حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ پال عقوبت اور اذیتوں کے دوران ہی وفات پا گئے۔ وہ اس نازک مرحلے تک پہنچے ہی نہیں کہ ان کا مشن کسی حد تک کامیاب ہو جاتا اور پھر خود کو سچا ثابت کرنا پڑتا اور جس طرح مکہ سے ہجرت کرنے پر حالات نے حضرت محمدؐ کی موافقت میں پلٹا کھایا انہیں اس کی حسرت ہی رہی۔ اگر حضرت محمدؐ کو بدر کی لڑائی میں کامیابی نہ ہوتی اور وہ ہار جاتے تو ان کے لئے اپنے مشن کو جاری رکھنا بے حد مشکل ہو جاتا۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ خوب جانتے تھے کہ گو اس وقت آپؐ نے اپنے مضحکہ اڑانے والوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا ہے لیکن آپؐ کو اس پر قانع ہو کر بیٹھ جانا نہیں چاہئے اور اپنی اس کامیابی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور آگے بڑھتے رہنا چاہئے۔

البتہ اس فتح کی خوشی کی پہلی چند ساعات آپؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے انتقال نے غم آگئیں کر دیں۔ وہ جب سے حبش کی جلا وطنی سے واپس آئی تھیں کبھی اچھی نہیں رہیں۔ جنگ کی صبح کو وہ اتنی کمزور ہو چکی تھیں کہ ان کے شوہر حضرت عثمانؓ لشکر کے ساتھ جانے کی بجائے ان کے پاس ہی موجود رہے۔ ان کا دم تقریباً اسی وقت انہیں ہوا جب مسلمانوں کے عام حملے سے اہل قریش کی صفوں میں انتشار پیدا ہو چلا تھا۔

حضرت خدیجہؓ کے بچوں سے حضرت محمدؐ بہت پیار کرتے تھے۔ جہاں تک ان کا اولاد ہونے کا تعلق تھا آپؐ نے انہیں ہر معاملے میں بہت زیادہ پدرا نہ محبت اور پیار دیا جو عام طور پر مذہبی جنگیں لڑنے والے ایک شخص کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہوتا ہے۔ حضرت رقیہؓ

کے انتقال سے آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔ لیکن کچھ دن بعد ہی مکہ سے حضرت زیدؓ کے ساتھ آپ کی دوسری صاحبزادی حضرت زینبؓ کے آجانے سے اس کی کچھ تلافی ہو گئی۔ زیدؓ ایک اور خوشخبری بھی لائے کہ آپ کے چچا ابی لہب اپنے بھتیجے (حضرت محمدؐ) کی اس فتح کی خبر سن کر اس قدر برا فروختہ ہوئے کہ یہ خبر سننے کے چند گھنٹے بعد ہی مر گئے۔

حضرت محمدؐ نے بلا تامل سب کو یاد دلایا کہ آپ نے مصائب کے ابتدائی ایام میں ابی لہب کو کیا بددعا دی تھی اور بعد ازاں ایک مرتبہ پھر آپ نے بڑے معجزانہ انداز میں اسی پیشگوئی کو یاد دلایا جب ابی لہب کے بیٹے اور آپ کے سابق داماد عتبہ کو جس نے آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کو طلاق دے دی تھی، ایک کارواں کے ساتھ شام جاتے ہوئے شیر نے پھاڑ کھایا۔

اس طرح بیٹی کے صدمے کے علاوہ باقی ہر بات آپ کی موافقت میں جاتی معلوم ہو رہی تھی۔ آپ کے پیروکاروں کی جماعت قانع تھی۔ آپ نے اپنے دشمنوں سے ایک انتقام بھی لے لیا تھا اور مقامی قبائل کی نظروں میں آپ کا وقار بھی بہت بلند ہو گیا تھا۔ البتہ صرف ایک گروہ ایسا تھا جو آپ کی قدر دانی نہ کرتا تھا اور حقیقت میں اس کامیابی کی اہمیت کو گھٹانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا اور وہ یہودی تھے۔

اس کامیابی کو سراہنے کی بجائے یہودی اس فتح کو ایک غیر اہم سی بات کر کے بیان کرتے گھروں میں بھی اور باہر بھی۔ وہ وحی کے نزول کا بھی مذاق اڑاتے۔ مسجد میں داخلے کے لئے حضرت محمدؐ کی ابتدائی رواداری اور وسیع القلبی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ آپ کی عبادات اور خطبات میں موجود ربتے اور اس کی ہنسی اڑاتے۔ وہ قرآن کے مستند ہونے اور اس کی صداقت سے بھی انکار کرتے اور مقابلے میں انجیل پیش کر کے کہتے کہ قرآن کے اکثر احکام اس کی نقل ہیں۔ وہ آپ کی اور مسلمانوں کی سچو بھی لکھتے۔ چند عبرانی نوجوان تو اس سلسلے میں اتنے بڑھے کہ آپ پر پتھر بھی پھینکے اور کئی مرتبہ حملہ کر کے آپ کی جان تک لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

پھر انہوں نے ایک زیادہ سیدھے طریقے سے مسلمانوں پر یہ صاف صاف واضح کر دیا کہ

لے سورہ تبت ید ابی لہب و تبہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔

مدینہ میں اچھی خوشنودی حاصل کر کے ہی رہ سکتے ہیں۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی یودی بہت سے ساہوکاری اداروں کے مالک تھے اور سود پر روپیہ قرض دیتے تھے چنانچہ اب حالات مہاجرین کے حق میں موافق ہوتے دیکھے تو روپیہ وصول کرنے میں سختی کرنے اور بستی پر اتر آئے۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ یہودی اپنا وطن چھوڑ کر سینکڑوں میل دور یہاں کیا کر رہے تھے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں سے ان کی خصوصی دشمنی کی کیا وجہ تھی۔ اس کی وضاحت بہت سانا ہے۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہودیوں کو فلسطین سے نکالنے میں زیادہ تر برطانیہ وینسویا ہٹلر HITLER کا ہاتھ تھا۔ اس سے زیادہ غلط بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ قدیم زمانے سے یہودیوں کو اپنے ملک فلسطین سے دیں نکالا جاتا رہا ہے۔ جسے وہ نے شروع میں طاقت کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ قدیم زمانے میں یہودیوں کو ملک بدر کرنے والوں میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ ۲۲ ق۔ م کے قرب میں سارگون ثانی۔ ۵۸۶

۱۔ ابن سعود۔ شاہ نجد و حجاز (سعودی عرب)

۲۔ ہٹلر۔ اڈولف ہٹلر مشہور جرمن ڈکٹیٹر جس نے جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں وحشی طاقت سے برطانیہ کے علاوہ سارے یورپ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن روس پر حملہ کرنے سے اس کی متسی فوج تباہ ہو گئی اور اتحادیوں نے مل کر ۱۹۴۵ء میں اسے شکست دے دی۔ اس نے جرمنی سے یہودیوں کو نکال دیا تھا اور بہت سوں کو قتل بھی کر دیا تھا۔ موجودہ زمانے میں یہود دشمنی میں سب سے پہلے اس کا نام آتا ہے۔ اور اب اسرائیلی حکومت قائم ہو جانے اور عربوں کے علاقوں پر طاقت سے قبضہ کر لینے کے سبب عرب بھی ان کے دشمن ہیں۔

۳۔ ملاحظہ ہو نقشہ ۱۱

۴۔ سارگون ثانی SARGON II سلطنت سیریا (شام) کا حکمران۔ ۲۲ ق۔ م مسیح میں یہودیوں کو فلسطین سے نکال دیا۔ (چیمبرز انسائیکلو پیڈیا)

[illegible]

GREAT WORLD ATLAS

- ۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت
۲۰۰۰ ق۔ م
۲۔ ہجرت بنی اسرائیل بزمائے
حضرت یوسفؑ ۱۸۰۰ ق۔ م
۳۔ فلسطین کو واپسی بعید حضرت
موسیٰ علیہ السلام ۱۲۲۰ ق۔ م
۴۔ تلاقہ بابل میں حبلا وطنی بادشاہ
نخت نصر کے چہر میں۔ ۵۹۷ ق۔ م
۵۔ سائرس کے معاف کر دینے پر
وطن کو واپسی۔ ۵۳۹ ق۔ م
۶۔ بھارتیوں نے ۶۳ ق۔ م۔ رومن بادشاہ ٹائٹس
نے ۸۱ عیسوی اور ہندوستان نے ۱۳۵ عیسوی
میں یہودیوں کو فلسطین سے ملک بدر کیا۔

بنی اسرائیل کی مہاجرت اور یہودیوں کی جلاوطنیاں

بادشاہ بخت نصر۔ ۶۳ ق۔ م میں پونٹی، عیسوی میں ٹائٹس ۷۰ اور ۱۳۵ء
 زریان نے توان کو مکمل طور پر جلا وطن کر دیا تھا۔ آج دنیا کے دس لاکھ یہودیوں میں سے
 سے چھ لاکھ پچاس ہزار فلسطین میں ہیں۔

ہر اجتماعی سزا کے بعد معتوب یہودی مختلف ملکوں میں نکل گئے۔ بہت سے عرب کے
 ان علاقوں میں جا بسے۔ ٹائٹس کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی کے بعد یہودیوں کے
 قبیلوں یعنی بنی قینقاع، بنی قریطہ اور بنی نصر نے مدینہ پر جسے پہلے یثرب کہتے
 تھے، قبضہ کر لیا اور اسے اپنا زرعی مرکز یا قلعہ بنالیا۔ چنانچہ اسی وقت سے ان میں اور مقامی
 سیلوں بنی اوس اور بنی خزرج کے درمیان، جواب شہری بن چکے تھے، جھگڑا شروع ہو گیا

بخت نصر NEBUCHAD NASSAR سلطنت بابل کا ظالم بادشاہ۔ ۵۸۶ ق۔ م میں بیت المقدس
 اور اسرائیلیوں (یہودیوں) کا قتل عام کر کے انہیں نکال دیا۔ یہ لوگ بابل کے علاقہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔
 ان شاہ سائرس کے معاف کرنے پر ۵۳۹ ق۔ م میں دوبارہ گروہ درگروہ فلسطین واپس آکر بسے۔ نقشہ ۱۱
 (چیمبرز انسائیکلو پیڈیا)

پمپی POMPEY (۱۰۶ تا ۴۸ ق۔ م) شروع میں ایک رومن جنرل کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ بعد ازاں
 م میں سیزر اور CRASSUS کے ساتھ مل کر قدیم روم میں حکومت بنائی جو TRIUMVIR یا تین افراد
 کی کھلاقی تھی۔ اس نے بھی یہودیوں کو، فلسطین سے ویس نکالا دیا۔ (پیرز انسائیکلو پیڈیا ۱۹۶۳ء)
 ٹائٹس TITUS یہود دشمن رومن شہنشاہ (۷۰ تا ۸۱ء) جس نے یہودیوں کو شکست
 بیت المقدس فتح کر لیا اور اسے تباہ کر کے یہودیوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

(پیرز انسائیکلو پیڈیا)

ہیڈریان HEDRIAN ایک مشہور رومن شہنشاہ۔ ۱۱۷ء میں تخت نشین ہوا۔ ۱۳۵ عیسوی
 یہودیوں کو یحییٰ بن سائے اکھاڑ پھینکا اور ملک بدر کر دیا۔ (پیرز انسائیکلو پیڈیا)

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ ۱۹۵۲ء میں۔ یہودیوں کی یہ تعداد
 ۱۹۲۶ء کی ہے۔

ملاحظہ ہو نقشہ ۱، صفحہ

جو مسلسل چلتا ہی رہا۔ حضرت محمدؐ کی ہجرت سے چند سال پہلے یہ جھگڑا شدت اختیار کر
 نتیجہ کے طور پر 'بعث' کے مقام پر ان کے درمیان ایک خونریز لڑائی ہوئی۔ بعد ازاں رومی
 فریقوں نے آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ نظریوں کے ان بے کار اختلافات کو بھلا دینا مناسب
 اور رقابت اور انتقامی کارروائیاں ایک مشترکہ اعلیٰ اختیارات والا سردار مقرر کر لینے
 ہو سکتی ہیں۔ اس عہدے کے لئے جس عرب کو چاہا گیا۔ وہ یہی عبداللہ بن ابی تھا جو یہ
 کا طرفدار تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس کی سرداری کی توثیق ہو، حضرت محمدؐ اپنے بے
 سیر و کاروں کے ساتھ مدینے آگئے اور یہاں کی ہر چیز کو بدل کر رکھ دیا۔

عبداللہ شروع شروع میں اس رقابت کا صحیح اندازہ نہ کر سکا جو اس کے لئے
 بننے والی تھی کیونکہ نہ تو اسے حضرت محمدؐ پر کوئی یقین تھا اور نہ ہی ان کے دینی عقائد کی
 دل میں کوئی قدر تھی۔ اس لئے جو دل میں آتا کھلے بندوں کہتا۔ ادھر حضرت محمدؐ کا بھی
 متعلق ایسا ہی خیال تھا۔ آپؐ بھی اسی طرح عبداللہ کی صلاحیتوں کا پوری طرح اندازہ
 سکے اور چونکہ ابھی اس سے دشمنی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے آپؐ اپنے پڑوسیوں
 رکھنا ہی مناسب خیال کرتے تھے لیکن آپؐ کی یہ غلط فہمی اہل مکہ کے خلاف آپؐ کی
 کے چند ہفتوں بعد ہی دور ہو گئی۔

ایک روز آپؐ اپنے گدھے پر سوار شہر کے یہودی حصے سے گزرے۔ دیکھا کہ عبداللہ
 چند دوستوں کے ساتھ ایک کچی دیوار کے سایہ میں بیٹھا ہے۔ چنانچہ آپؐ بھی سواری
 ان لوگوں میں جا بیٹھے۔ رسمی سلام دعا کے بعد آپؐ نے ان کو دین اسلام کے متعلق کچی
 شروع کیا۔ عبداللہ اور اس کے ساتھی مکہ کے قریش کی طرح بد لگام جنونی اور کھرے
 اس لئے ختم ہونے تک آپؐ کی بات تحمل سے سنتے رہے لیکن اس کے بعد عبداللہ نے نہ
 صاف گوئی سے جواب دیا کہ جو کچھ آپؐ نے کہا وہ دلچسپ تو ضرور ہے لیکن بد قسمتی سے

عبداللہ بن ابی بن سلول کی رسول اللہؐ سے رقابت اور دشمنی کی ابتدا یہاں سے ہی ہوئی
 اس دشمنی کا سبب بڑا سبب تھا۔

ہے اور آپ کو مشورہ دیا کہ مناسب یہ ہی ہوگا کہ آپ شہر کے اپنے علاقے تک ہی محدود رہیں اور نام سے کام رکھیں اور یقین دلایا کہ اگر آپ اس پر کاربند رہے تو شہر کے اس حصے کے لوگ بھی نام سے غرض رکھیں گے۔ ✓

حضرت محمدؐ کو یہودیوں کے اس رویے سے نہ صرف کچھ پریشانی ہوئی بلکہ کچھ غصہ بھی آیا۔ اس کے باوجود آپ ان یہودیوں سے تعلقات ختم نہیں کرنا چاہتے تھے جنہوں نے عبداللہؐ کو اس طرح گفتگو کرنے کی جسارت دلائی تھی۔ درحقیقت آپ نے یہودیوں سے ایک معاہدہ راتھا جس کی رو سے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی طے پایا تھا کہ شہر کے تمام معاملات میں یہودی عمان، اسلام اور یہودیت پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور مشترکہ ان کے خلاف دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔

اس عہد نامے کی سب سے بڑی شق یہ تھی۔

”وہ یہودی جو ہمارے اس مشترکہ نظام میں ہمارا ساتھ دیں گے وہ ہمارے اپنے کی طرح ہماری امداد و استعانت کے برابر کے حقدار ہوں گے۔ مختلف قبیلوں کے یہودی رب میں سکونت پذیر ہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم متصور ہوں گے وہ اپنے ب پر اسی آزادی سے عمل پیرا رہیں گے جس طرح مسلمان۔ یہودیوں کے معاون اور حلیف

ڈاکٹر محمد حسین بیگل نے حیات محمدؐ میں اس معاہدے کا مکمل متن دیا ہے۔ اسی طرح کا ایک معاہدہ انصارِ ماجرین کے درمیان ہوا۔ ان معاہدوں سے نبی کریمؐ نے اہل مدینہ کو اختلافات کے باوجود متفق کر دیا اور نظام کے تابع کر دیا۔ بنی ادس، بنی عوف کے یہودیوں سے معاہدے کی ایک اور بڑی شق یہ تھی کہ وہ نہ لکھ اور ان کے حلیفوں کا ساتھ نہ دیں گے اور نہ انہیں پناہ دیں گے۔ شروع میں بنی قریظہ، بنی نضر بنی قینقاع اس معاہدے میں شریک نہ تھے لیکن کچھ دن بعد ایسا ہی ایک معاہدہ ان کے ساتھ بھی ہو گیا۔ یہ ایک بڑی سیاسی فتح تھی اور اس طرح مدینہ اور اس کے اطراف کے باشندوں کے لئے آپ امن و سلامتی مرکز و محور بن گئے۔

• حیات محمدؐ ڈاکٹر محمد حسین بیگل

بھی اس تحفظ اور آزادی کے حقدار ہوں گے۔

لیکن اس رعایت کے باوجود حضرت محمدؐ اس پر مصر تھے کہ آپؐ ہی وہ نبی ہیں جن سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ادھر یہودی اسی شد و مد سے اس بات کے منکر تھے اور وہ یہ کس طرح کہتے تھے جب تک کہ وہ یہ تسلیم نہ کر لیں کہ ان کی وہ بات غلط تھی کہ ان کا نجات دہندہ ان لوگوں میں سے ہوگا۔

بنی اسرائیل ایک خالص مذہبی حکومت کے قائل تھے۔ نظریاتی طور پر تو یہ حکومت تھی مگر عملی طور پر اس کے یہ معنی تھے کہ ایک ایسے شخص کی حکومت ہو جو اپنے لوگوں کو قائل کر سکے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور اس کے احکام کی صحیح ترجمانی کا اختیار اسی کو ہے۔ یہ بات کے قائل نہ تھے کہ کوئی عرب بھی ایسا ترجمان ہو سکتا ہے۔

یہودیوں کی اس ہیٹ دھرمی نے جو کسی قدر منطقی بھی تھی اور اس کے ساتھ عیسیٰؑ ابی کے غیر مصالحانہ رویے اور دوسرے لوگوں کی ہجو گوئی اور عام معاندانہ درشتی نے مل کر اور پرانے مدینہ میں کھلی مخالفت کی فضا پیدا کر دی تھی۔

پہلا باضابطہ اختلاف قبلہ کی سمت کی تبدیلی پر ہوا۔ قبلہ ایک ایسا طاق نما خلا یا گڑھ ہوتی ہے جو ریاضی کے اصولوں کے مطابق بڑی قطعیت سے کعبہ کی سمت کا یقین کرتا ہے جس کی طرف مسلمانوں کو نماز کے وقت لازمی طور پر رخ کرنا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی ہر مسجد بنانے میں سب سے پہلا تعمیری قدم قبلہ کا تعین ہی ہوتا ہے۔ صرف خانہ بدوش ہی ایسے ہوتے ہیں جو قبلہ کا کوئی نشان نہیں بناتے لیکن ان میں ایک خدا داد اور حیران کن صلاحیت ہے کہ نماز پڑھتے وقت وہ خود بخود اسی طرف رخ کر لیتے ہیں جو ان کے قبلے کا ہونا چاہیے۔ کئی مرتبہ میں ابراہیمؑ اور راتوں میں صحرا میں راستہ بھول جاتا۔ گو مجھے اپنے کیمپ کا معلوم ہوتا تھا لیکن رات کے وقت قطعیت سے سمت متعین کرنے کی کوئی صورت نہ تھی کسی عرب سے کہتا کہ قبلہ رخ کھڑے ہو جاؤ۔ میری رہائش سے قبلہ تقریباً بالکل مشرق میں

۱۔ یہودی یثرب، (مدینہ) کی قدیم آبادی میں رہتے تھے اور مسلمان انصار و مہاجرین نے مدینہ میں

نشان دہی پر میں سوار ہو کر روانہ ہو جاتا اور یقین کے ساتھ اپنے خیمے تلاش کر لیتا۔
 یہودیوں سے اختلافات بڑھنے سے پہلے حضرت محمدؐ کا قبلہ شمال میں بیت المقدس میں تھا۔
 جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں اس کی وجہ یہودیوں کی تائید یا ہمدردی حاصل کرنا نہ تھی۔ کیونکہ
 مقدس کی طرف منہ کر کے تو وہ مکہ کے درازیت میں بھی نماز پڑھتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ
 محمدؐ کے خیال کے مطابق بیت المقدس کئی توحید پرست مذاہب کا مرکز تھا اور ساری
 دس شہر تھا لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ یہودی حصے میں حالات کیا رخ اختیار کر رہے
 دل نخواستہ آپؐ کو یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑا کہ یہودی آپؐ سے کسی قسم کے تعاون کا کوئی ارادہ
 نہیں جتنا چاہتے تھے تو آپؐ نے بھی فیصلہ کر لیا کہ اب آپؐ کو بھی رخ پھیر لینا چاہئے۔

۶۲۲ عیسوی کے نومبر کی ایک صبح کو نماز کے دوران جب آپؐ دو سجدے بیت المقدس
 منہ کر کے کر چکے تھے تو آپؐ نے اچانک اپنا رخ شمال سے جنوب کی طرف بدل لیا۔ آپؐ
 یہی ساری جماعت نے بھی اپنا رخ تبدیل کر لیا۔ اس طرح مکہ اور حضرت ابراہیمؑ اور
 اسماعیلؑ کا کعبہ ایک مرتبہ پھر مہاجرین مکہ اور ان کے میزبان انصار مدینہ کے لئے مقدس
 بن گیا چنانچہ اس روز سے مراکش سے منگولیا تک کے تمام ممالک، براستہ عرب ہندوستان
 ہندویشیا کے قبلہ کا رخ مکہ کی طرف ہوتا ہے۔ نیویارک، زنجبار، سیرالیون، لندن تک کا
 دن میں پانچ مرتبہ صحرائے عرب کے اس مقدس شہر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا

یقت یہ ہے کہ عرصہ سے آپؐ کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ ابراہیمی کو اپنا قبلہ بنائیں لیکن حکم الہی کے منتظر
 ایک نماز کے دوران ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی: "فتد نریٰ تقلب وجہک فی السماء"
 . فتولوا وجہک شطرہ ۵ (سورہ بقرہ)

میری نے ابن اسحق کے حوالے سے لکھا ہے کہ مدینہ آنے کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان کے مہینے میں قبلہ بدل
 واقعی سے بھی یہی مذکور ہے کہ ۸ھ نصف شعبان میں سہ شنبہ (منگل) کے روز ظہر کی نماز کے دوران
 بل غل میں آئی اور آنحضرتؐ نے اپنا رخ شمال سے جنوب (کعبۃ اللہ) کی طرف کر لیا۔ یہ واقعہ مدینہ کے باہر
 مسجد میں پیش آیا۔ جسے اسی سبب سے مسجد ذو قبلتین کہتے ہیں۔

ہے۔ کتنا حیرت انگیز اور عظیم خیال ہے؟

کسی اور مذہبی پیشوا کو اپنے لوگوں کو اس طریقے سے متحد کرنے کا کبھی خیال نہیں آیا اور مذہب میں عبادت کی اتنی سخت تاکید ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دن کی ہر ساعت دنیا میں کسی نہ کسی جگہ مسلمان اپنی توجہ اور اپنی آنکھیں دیران سرزمین کے دھوپ پر اس مقدس مقام (کعبہ) کی طرف کئے ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگ، خصوصاً محققین کے پیشے سے تعلق رکھنے والے حضرات، ایسے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ مشرق سے مسلمانوں کا خاص مذہبی تعلق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مشرق اندر کوئی مذہبی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ مسلمان جہاں بھی ہے اس سے کس طرف ہے۔

اگر وہ صحرائے اعظم افریقہ کا خاند بدوش ہے تو وہ اپنا رخ عین مشرق کی طرف کر کے پڑھتا ہے۔ اگر وہ پیرس (فرانس) کا رہنے والا ہے تو نماز کے واسطے اس کے لئے صحیح جنوب مشرق ہوگی اور وہ اگر بحر ہند کے جزائر مالدیپ کا باشندہ ہے تو شمال مغرب، اور پاکستانی کے لئے عین مغرب۔ خود مکہ میں رہتے ہوئے سمت میں اختلاف ہوتا ہے۔ تمام کا رخ (خواہ وہ کعبہ کے کسی طرف ہوں) اندر کی طرف کعبے کی سمت ہوتا ہے۔ چنانچہ نو صبح اس صبح کو مسجد جنوب کی طرف کیا گیا۔ (کیونکہ کعبہ مدینے سے جنوب کی طرف ہے)۔

یہ خبر کہ حضرت محمدؐ نے باضابطہ طور پر یہودیوں سے مذہبی مصالحت کے متعلق ہر قسم کی توڑ لیا ہے بڑی جلدی پھیل گئی اور ماحول میں کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ حضرت محمدؐ اور آپؐ کے دوسری ایک طرف تیار ہو گئے اور عبداللہ بن ابی دوسری جانب، اور علیؑ قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوئے۔

لے مکہ مکرمہ میں کعبہ کے جتنے نزدیک ہوں اتنی ہی جلدی سمت میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے تاکہ نظریں اور کعبے سے نہ ہٹ جائیں۔ اسی لئے مسجد حرام میں کوئی صاف سیدھی نہیں بن سکتی۔ بعض اوقات تو کعبہ پر اپنا رخ موڑ کر کعبہ کی طرف کرنا ہوتا ہے اور نتیجے میں صاف سیدھی ہونے کی بجائے کعبہ کے گرد گول شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

رہیں کرنا پڑا۔ یہودیوں نے اشتعال دلانے میں پہل کی اور مسلمانوں نے جواب دینے میں۔
 عصماء بنت مروان نامی ایک عورت دین اسلام سے کاوش رکھتی تھی اور حضرت محمدؐ سے
 درپہ کیونکہ اس کے نزدیک آپؐ امن و سکون کو تباہ کر رہے تھے۔ وہ شاعری میں اچھا ملکہ
 رکھتی تھی۔ اس نے کچھ اشعار پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی ہجو میں لکھے۔ سامی نسل کے لوگ اشعار
 جلد یاد کر لیتے ہیں۔ چنانچہ عصماء کے اشعار جلد ہی ہی مدینے کی گلیوں اور باغات میں زبان
 ہو گئے اور چٹخارے لے کر پڑھ جانے لگے۔ مسلمان جواب کوئی استہزا برداشت کرنے کے
 نہ تھے سخت برہم ہوئے۔ ان کی برہمی پر عصماء اور اس کے ساتھی خوش ہوئے۔ پھر ان
 کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور اشعار میں ذاتی حملے کئے جانے لگے۔ حضرت محمدؐ کے دشمن ہرگز
 اس کے فدائی مسلمانوں کی تحقیر کے لئے نئے اشعار سننے کے لئے منتظر رہنے لگے۔ غالباً ان
 میں سے ایک یہ اونٹنی کا دودھ پینے والے (مسلمان) خون بھی بہا سکتے ہیں۔ چنانچہ انہیں
 نتیجہ جلد ہی معلوم ہو گیا۔

ایک رات جب عصماء اپنی اس دن کی ہجو یہ شاعری ختم کر کے اپنی چٹائی پر سو رہی تھی۔
 لی ایک مسلمان اس کے گھر میں چھپ کر داخل ہو گئے۔ عمیرؓ چونکہ نابینا تھے اس لئے
 رات کو نقل و حرکت کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ جب وہ عصماء تک پہنچے تو انہیں
 ہوا کہ اس کا بچہ بھی اس کی بغل میں تھا۔ بچے کو علیحدہ کر کے عمیرؓ نے اپنی تلوار سونپی ہوئی
 کے سینے میں اتنی طاقت سے بھونک دی کہ اس کی نوک پار ہو کر فرش میں گر گئی۔
 جب حضرت محمدؐ کو عمیرؓ کا کارنامہ معلوم ہوا تو آپؐ مسجد میں تشریف لائے۔ جماعت کو
 بلا کر تے ہوئے عمیرؓ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "اگر آپؐ لوگ کسی ایسے شخص کو دیکھتے
 تے ہیں جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اعانت کی ہے تو دیکھ لیں یہ موجود ہیں۔"
 یہودیوں کے خلاف آئندہ حکمت عملی کا واضح طور پر اعلان ہو چکا تھا۔ اب مسلمانوں کو
 دشمن کے آئندہ اقدام کا انتظار تھا اور اس میں دیر نہ لگی۔ ۱۰

عمیرؓ۔ ان کا پورا نام عمیر بن عوف تھا۔ نابینا نہ تھے مگر نظر بہت کمزور تھی۔ (حیات محمدؐ)

ایک اور بوڑھے شخص ابوانک کو بھی شاعری کا چمکہ تھا اور اس نے بھی حضرت محمدؐ اپنا موضوع سخن بنایا۔ یہ غلطی اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی اور عربوں کی طرح حضرت کو شعر گوئی سے کوئی لگاؤ نہ تھا اور ایسی نظمیں بھی جو آپؐ کے خلاف نہ ہوتی تھیں آپؐ کو دیتی تھیں۔ چنانچہ انگلستان کے بادشاہ ہنری دومؑ کی طرح آپؐ نے با آواز بلند پکارا۔ مگر کون مجھے اس شرعی اور بد قماش شخص سے نجات دلائے گا۔

وہاں نارمن سردار تو نہیں تھے جنہوں نے گرجا میں ہی ارج بشپ کا خون کر کے گرجا بے حرمتی کر دی تھی۔ البتہ کچھ ایسے ہی منچلے عرب ضرور تھے جو اس بوڑھے شاعر کے سینے پر اتار سکتے تھے۔

قتل کی ان وارداتوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے حامیوں کی اسلام دشمنی اور کینہ میں اور اضافہ کر دیا۔ اب یہودیوں کے دلوں میں دشمنی اور نفرت کے ساتھ ساتھ خوف بھی ہو گیا تھا لیکن اس سے حضرت محمدؐ کے خلاف ان کے رویے اور دشمنی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بنی قینقاع قبیلے کے یہودیوں نے ہجو مدینہ کے باہر ایک قصبے یا گڑھ میں رہتے تھے۔ کسی طرح مسلمان عربوں سے کئے ہوئے معاہدے کو توڑ دیا۔ حضرت محمدؐ ان کے اکابر کے پاس اور ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب سزا کے طور پر یا تو آپؐ کو اپنا پیغمبر تسلیم کر لیں یا پھر اس کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہودیوں نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ ان کے سردار نے کہا ”اے محمدؐ! کیا ہمارے لوگوں کو آپؐ نے اپنے جیسے لوگ سمجھا ہے۔ ابھی تک آپؐ کو صریحاً لوگوں سے ہی واسطہ پڑا ہے جو جنگی مہارت نہ رکھتے تھے اور اسی لئے آپؐ نے انہیں قتل کر دیا لیکن اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو اسرائیل کے خدا کی قسم آپؐ جان لیں گے کہ ہم لوگ مرد میدان ہیں۔“

لے ابوانک ایک اور چمکہ تھا اور رسول اللہ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتا تھا۔ سالم بن عمرؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ہنری دومؑ، شاہ انگلستان نے (۱۱۳۳ء تا ۱۱۸۹ء) گرجا سے اختلافات کی بنا پر کنسٹنٹن کے لاطینی تھامس بکیٹ THOMAS BACKET کو قتل کرا دیا تھا۔ یہ الفاظ ہنری دومؑ کے ہیں جو اس نے اپنے نارمن سرداروں کی موجودگی میں کہے تھے اور انہوں نے لاث پادری کو گرجا میں ہی قتل کر دیا۔

اس سرکشانہ انداز سے حضرت محمدؐ کو حیرت ہوئی لیکن فوری طور پر کوئی کارروائی نہ کی۔ آپؐ نے خیال کیا کہ یہ بہتر ہوگا کہ حملہ کرنے سے پہلے مزید اشتعال انگیزی کا موقع دیا جائے۔

۷۱ یودیوں نے اس مرتبہ بھی آپؐ کی تنبیہ کی کوئی پروا نہ کی۔ ایک مسلمان لڑکی بنی قینقاعؓ کی ایک دوکان میں بیٹھی ہوئی اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک بے فکرے اور لاابالی عبرانی نوجوان نے پیچھے سے آکر اس کا دامن اوپر اٹھایا اور اس کی چولی سے اٹکا دیا۔ آج کی طرح اس وقت بھی عرب عورتیں اپنی بھاری بھرکم تباؤں کے نیچے کوئی زیرجامہ نہیں پہنتی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ بے خبری میں اٹھ کر بازار میں آئی تو اس کے جسم کا پھپھلا حصہ عریاں ہو گیا اور باش لوگوں کی پھبتیوں اور گندے مذاق نے لڑکی کو شرم سے پانی پانی کر کے دوکان میں واپس بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اسی وقت ایک مسلمان جس نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تلوار کھینچ کر ہنسی ٹھٹھا کرنے والے یودیوں پر ٹوٹ پڑا اور ان میں سے ایک کو مار ڈالا لیکن اس سے پہلے کہ دوسرے پر وار کرے وہ خود بھی مارا گیا

۷۲ اب حضرت محمدؐ نے کوئی تامل نہ کیا۔ آپؐ نے اپنے تمام لوگوں کو اسی سفید پرچم تلے جمع کیا جس کے ساتھ آپؐ بدر میں لڑے تھے۔ اور انہیں لے کر یودیوں کے قلعہ پر پہنچ گئے بنی قینقاع قلعے کے اندر چلے گئے اور دروازے بند کر لئے حضرت محمدؐ نے ان کا محاصرہ کر لیا تاکہ انہیں بھوکا مارا جاسکے محاصرہ دو ہفتے جاری رہا۔ جونہی یودیوں نے ہتھیار ڈالے ان میں سے تقریباً چار سو افراد کو مشکیں کس کر قلعہ سے باہر لے آیا گیا اور پھر جبر کے ساتھ جس سے علیل جانے بعل کے چار سو سچاریوں کو ۹۰۰ ق. م میں کشون کی ندی کے کنارے قتل کر دیا تھا آپؐ نے ان قیدیوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ لیکن

۱۷ بنی قینقاع کے یودی زیادہ تر زرگری، سنار اور لوہار کا کام کرتے تھے۔

۱۸ طبری نے زہری سے روایت کی ہے کہ غزوہ قینقاع شوال ۸ھ میں ہوا اور یہ محاصرہ پندرہ شب جاری رہا۔

۱۹ علیل جانے والے علیل کے مطابق یہ بھی ایک بنی اور بادشاہ تھے جو بنی اسرائیل میں ہوئے۔

۲۰ بعل فلسطین کی ایک عبادت گاہ۔ بعل آفتاب کو کہتے ہیں یہ لوگ سورج کی پرستش کرتے تھے اور اسی نسبت سے

اس شہر کا نام بعلبک پڑا جو ابھی تک لبنان میں موجود ہے۔

دقتی طور پر آپ کے اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکی!

عبداللہ بن ابی کوجب معلوم ہوا کہ کیا ہونے والا ہے تو فوراً موقع پر پہنچ کر یہودیوں کی طرف سے دخل انداز ہوا۔ وہ اب بھی اتنا با اثر اور طاقتور تھا کہ حضرت محمدؐ نے اس سے کھلے مقابلے کو مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ ان معتبوب لوگوں کی جانبیں بچ گئیں! البتہ ان سب کو وہیں اور اسی وقت شہر بدر کر دیا گیا۔ وہ کچھ نر سے صحرا میں تارے مارے پھرتے رہے اور آخر کار شام کو ہجرت کر گئے۔ ان کی تمام املاک اور اثاثے حضرت محمدؐ اور ان کے لوگوں نے ضبط کر لئے۔ اس مالِ غنیمت میں سے آنحضرتؐ کے حصہ میں کچھ قدیم تلواریں، ایک بڑی کمان اور چاندی کا وہ چار آئینہ ملا جو شاہ ساؤل SAUL نے حضرت داؤد کو جالوت سے مقابلے کے لئے نکلنے وقت دیا تھا۔ حالانکہ اب سادہ لوح سے سادہ لوح عبرانی پر یہ اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ حضرت محمدؐ اب کوئی مزید گستاخی برداشت نہیں کریں گے لیکن ایک اور شاعر نے آپؐ کی ہجو لکھ کر غالباً یہ کوشش کی کہ شاید وہ پہلے دو مقتول شعرا سے کچھ آگے بڑھ سکے۔ اس ہجو گو کا نام کعب ابن الاشرف تھا۔

لے ہو سکتا ہے یہ بھی ایک وجہ ہو لیکن طبری نے عام بن عمرو بن قتادہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے آپؐ سے اگر درخواست کی کہ ان لوگوں نے مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ اس لئے میری طرح انہیں چھوڑیں چنانچہ آپؐ نے ان سب کی جان بخشی کر دی لیکن پورے قبیلہ کو جو سات سو افراد پر مشتمل تھا جلا وطن کر دیا گیا۔ (سیرت النبی)

لے ساؤل۔ قرآن کریم میں اس بادشاہ کا نام طالوت آیا ہے یہ ہی وہ بادشاہ تھے جنہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بحوالہ انجیل فلسطیوں کے لشکر کے نامی گرامی سپہان جالوت GOLIATH سے مقابلے کے لئے بھیجا۔ اور مقابلے پر جاتے وقت انہیں اپنا خود اپنی زرہ اور تلوار دی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سب کچھ دلا ہی چھوڑا اور اپنے گویے (فلاح) میں ایک چکنا پتھر رکھ کر مارا جو جالوت کی پیشانی کو پھوڑ کر اندر گھس گیا اور وہ مر گیا۔ حضرت داؤدؑ اور جالوت کے واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں بھی اسی طرح سے ہے۔

کعب بن الاشرف ایک مشہور شاعر تھا اور عربوں اور یہودیوں میں محترم شمار ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ سے خاص دشمنی تھی۔ ہجو کہتا تھا کہ جا کر بدر میں قریش مقتولین کے مرثیے لکھے اور آنحضرتؐ کے قتل کے منصوبے بنائے پھر مدینہ واپس آ کر فتنہ انگیزی کرتا رہتا تا آنکہ قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ربیع الاول ۳ھ کا ہے۔ (سیرت النبی)

کعب نے ان جذبات کی رو میں مزید بیوقوفی یہ کی کہ اس نے نہ صرف مکہ جا کر پہلے ہی غضبناک قریش کو بھڑکا دیا بلکہ مدینہ واپس آکر اس کے متعلق بڑی سختی بجا بگھاری۔ حضرت محمدؐ اس وقت مسجد میں تھے۔ جب آپؐ نے سنا کہ کعب مدینہ واپس آ گیا ہے آپؐ نے اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر اپنی دعائیں یہ الفاظ بھی شامل کر دیئے: "یا اللہ تو جس طریقے سے بھی مناسب سمجھے مجھے اشراف کے اس بیٹے سے نجات دلا۔"

جلدی ہی مسلمان نوجوانوں کی ایک ٹولی اللہ کا یہ کام کرنے کے لئے نکل کھڑی ہوئی اچھے خاصے جیلے بہانوں اور چاپلوسی کے بعد اور اس کی نئی بیوی کے متنبہ کرنے کے باوجود وہ اس بیوقوف کو اس کے گھر سے باہر لے آنے میں کامیاب ہو گئے۔ رات کا وقت تھا۔ اس بہانے سے کہ وہ خود بھی حضرت محمدؐ کے قتل کے درپے ہیں۔ چلتے چلتے اس کو پر رونق اور آباد گلیوں سے دور لے آئے۔ پھر اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر اس کا کٹا پھٹا سر حضرت محمدؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان کے اس کام کو بڑی گر بخوشی سے سراہا۔

دوسرے روز آپؐ نے اعلان کر دیا کہ ہر مسلمان کے لئے شریعت یہودی کو مارنا جائز ہے۔ اس فرمان سے اہل مسجد (مسلمان) بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد کسی یہودی کی جرأت نہ ہوئی کہ وہ غروب آفتاب کے بعد گھر سے باہر نکلے۔ آخر کار یہودیوں کا دند آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ قتل کی اس مہم کی وجہ دریافت کریں اور یہ بھی کہ اس کا مداوا کیا جاسکتا ہے۔

حضرت محمدؐ نے وضاحت سے بتایا کہ یہودی اپنے اوپر یہ آفتیں خود لائے ہیں۔ ان کی نظیں، ان کے تبصرے، ان کی پھبتیاں اور ان کی سنگ باری بلا کسی اشتعال کے تھے اور جو کچھ مسلمانوں نے کیا وہ تو جوابی کارروائی تھی۔ لیکن اگر یہودی معاہدے کی پابندی کرنے کے لئے تیار ہیں تو وہ اس کا بندوبست کر دیں گے کہ ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ چنانچہ ایک اور معاہدہ مرتب کیا گیا اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان عارضی طور پر کچھ دیر امن رہا۔

اے کعب کی طرف سے زیادہ فتنہ انگیزی کا خدشہ ہوا تو آنحضرتؐ نے بعض صحابہ سے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ بن مسعود نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے جا کر اس کو قتل کر دیا۔ (میرت النبی)

اس عرصہ کے دوران جس میں حضرت محمدؐ یہ اندرونی جھگڑے طے کر رہے تھے اور جس نے ۶۲۴ء کا زیادہ تر حصہ لے لیا، مدینہ کے باہر بھی آپؐ کی کچھ مصروفیتیں رہیں۔

۵ بدر کی شکست کی شرم نے ابوسفیانؓ کو تقریباً پاگل بنا دیا تھا۔ اس نے قسم کھالی تھی کہ جب تک وہ حضرت محمدؐ سے اس کا بدلہ نہیں لے لیتا تو وہ سر منڈائے گا، نہ خوشبو لگائیگا اور نہ ہی کسی عورت کے نزدیک جائے گا۔ اس سلسلے میں اس کا پہلا انتقامی اقدام یہ تھا کہ اس نے مدینہ پر چھاپے مارنا، کھجوروں کو کاٹنا، فصلوں کو جلا دینا اور آس پاس موجود مسلمانوں کو مار ڈالنا شروع کر دیا۔ گو حملہ آوراچھی طرح مسلح اچھے جانوروں پر سوار اور تعداد میں بھی کافی ہوتے تھے، وہ حضرت محمدؐ کے لوگوں سے کھل کر مقابلہ کرنے سے بچتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی انہیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت محمدؐ جو ابی کارروائی کے لئے آرہے ہیں جو آپؐ عام طور پر مدینہ کے نواح میں قریش کی موجودگی کے وقت ہی کرتے تھے، تو حملہ آور سر پر پیر رکھ کر مکہ کی طرف بھاگ جاتے تھے۔ اور بعض اوقات تو وہ اتنی سراسیمگی اور جلدی میں بھاگتے کہ مسلمانوں کو اونٹوں کی شکل میں کچھ نہ کچھ مال غنیمت ہاتھ آ جاتا۔

کچھ عرصے بعد ہی ابوسفیانؓ انداز ہو گیا کہ اس ٹھیکے سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔ اس سے حضرت محمدؐ کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ آپؐ کے چھاپہ مار دستے قافلوں کی تلاش میں مسلسل گشت کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ کچھ دیر بعد مکہ والوں میں اتنی جرات نہ رہی کہ وہ اپنا سامان تجارت شام کی منڈیوں یا شمالی ممالک میں بھیج سکیں۔ چند ماہ کے اندر اندر تجارت کا توازن اس حد تک خراب ہو گیا کہ ابوسفیانؓ کو کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرنا پڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ کچھ نہ کر سکا تو مکہ تباہ ہو جائے گا۔ اچانچہ اس نے ایک اتنا بڑا کارواں بھیجنے کا فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی مکہ سے نہیں گیا اور اس کو ایک قدیم متروکہ اور بے آب راستے سے روانہ کر دیا لیکن حضرت محمدؐ کے مستعد جاسوسوں نے یہ خبر فوراً اپنے صدر مقام کو پہنچا دی۔

اس مرتبہ اچھی طرح سے مسلح ایک سو سواروں کے چھاپہ مار دستے کی قیادت زید بن حارثہ کو سونپی گئی۔ زیدؓ بڑی خاموشی اور تیزی سے روانہ ہوئے اور چلتے قافلے کو جالیا۔ چند ہی لمحوں میں قافلہ تتر بتر ہو کر رہ گیا۔ جو قریش مارے جانے سے بچ رہے وہ بھاگ کھڑے

ہوئے اور زید اتنی بڑی غنیمت کے ساتھ مدینے لوٹے کہ اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کے ہاتھ نہ آئی تھی۔ چاندی کی سلاخوں، قیمتی کپڑے اور اونٹوں کے علاوہ ایک لاکھ طلائی دینار بھی تھے۔ ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ حضرت محمدؐ کو دولت ہاتھ لگی تھی۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کو جرنیل کے عہدے پر ترقی دے دی اور باقیماندہ لوگوں میں سے ہر ایک کو مناسب انعام و اکرام دیا۔ البتہ قریش کے حصے میں مایوسی ہی آئی۔ وہ افسردہ اپنے بتوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور حیران تھے کہ شیطان کی لائی ہوئی اس آفت سے کس طرح نجات حاصل کی جائے جو شاید تھوڑے دنوں تک کے کو ایک غیر اہم گاؤں بنا کر رکھ دے گی۔

حالانکہ شہر مکہ کے متعلق آپؐ کا ایسا کوئی خیال نہ تھا کیونکہ آپؐ کی لڑائی تو اس کے چند مکینوں سے تھی لیکن آپؐ نے ان پر واضح کر دیا کہ آئندہ ہر قافلے کے ساتھ اسی قسم کی جارحانہ کارروائی کی جائے گی جیسی زیدؓ نے کی ہے۔ حالانکہ آپؐ نے اس کا برسرعام اعلان نہیں کیا لیکن فوری طور پر آپؐ یہ ہی کچھ کر سکتے تھے۔ آپؐ ابھی تک اتنے طاقتور نہیں تھے کہ عام چڑھائی کر سکتے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے کچھ گھریلو مسائل بھی تھے۔

۱۔ حضرت عمرؓ کی لڑکی حفصہؓ کے شوہر جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ اس دوران آپؐ کی صاحبزادی اور حضرت عثمانؓ کی بیوی حضرت رقیہؓ فوت ہو گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ اگر حضرت عثمانؓ حفصہؓ سے شادی کر لیں تو شاید ان کے غم کا مداوا ہو جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کسی خاص وجہ سے اس کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ حضرت حفصہؓ کی خود سری اور مغلوب الغضب کا شہرہ سن چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے بڑی نرمی سے اس تجویز کے لئے معذرت کر لی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور انہیں بھی یہ پیش کش کی۔ لیکن انہوں نے بھی اسی سبب سے اتنی بڑی عزت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عمرؓ بھی اتنے ہی مغلوب الغضب تھے جتنا ان کی بیٹی۔ چنانچہ آپؐ کو طیش آگیا اور دراتے ہوئے حضرت محمدؐ کے پاس تشریف لے گئے اور ان دونوں حضرات سے بہت برا سلوک

۲۔ حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر کا نام خنیسؓ تھا۔ یہ سابقوں الاولوں میں سے تھے اور جنگ بدر میں اسلام کی خاطر رڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

کرنے کی دھمکی دی کیونکہ انہوں نے ان کی دامادی قبول نہ کر کے ان کی بے عزتی کی تھی۔
حضرت محمدؐ نے بڑی ہوشیاری سے اپنے دوست کا غصہ ٹھنڈا کیا اور کہا کہ ہو سکتا ہے
حفصہؓ کو ان دونوں سے زیادہ بہتر شوہر ملے اور آخر میں فیصلہ کن انداز میں کہا: ”عمرؓ درحقیقت میں
خود حفصہؓ سے شادی کر دیں گا۔“

پہلے چنانچہ آپؐ نے یہی کیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ کا بھی حضرت عثمانؓ سے
رشتہ طے کر دیا۔ چنانچہ ایک سہ پہر کو حضرت محمدؐ، حضرت عمرؓ کے داماد اور حضرت عثمانؓ کے خسر
بن گئے۔ پہلے ہی حضرت ابی بکرؓ کے داماد اور حضرت علیؓ کے خسر ہونے کے علاوہ ان نئے رشتوں
نے اسلام کے ان اکابر اور قائدین کو آپس میں پہلے سے بہت زیادہ مضبوط رشتوں میں منسلک
کر دیا۔ ا

صرف ایک شخصیت ایسی تھی جس کے لئے خاندانوں کے اس اتحاد میں کوئی مسرت نہ تھی
اور وہ تھیں حضرت عائشہؓ۔ ان کے نقطہ نظر سے یہ جدی اور سیاسی رشتے اس سے زیادہ کوئی معنی نہ
رکھتے تھے کہ حرم میں انہیں ایک رقیب سے واسطہ پڑے گا۔

حضرت حفصہؓ ابھی بیس سال کی ہوئی تھیں اور جسمانی طور پر جتنی پرکشش تھیں اتنی ہی خوبصورت
بھی تھیں۔ ادھر حضرت عائشہؓ ابھی صرف بارہ سال کی تھیں لیکن آپؐ نے ذہن اپنے سے بہت بڑی
عمر والوں کا پایا تھا۔ وہ بڑی حاضر جواب بھی تھیں اور خوش مزاج بھی۔ انہوں نے حضرت حفصہؓ کو
بہت جلدی سمجھ لیا۔ ان کے مزاج اور طبیعت سے واقف ہو گئیں۔ جب بھی موقع ملتا وہ ان کی
کمزوریوں کو حضرت محمدؐ کے سامنے ان کے خلاف خوب استعمال کرتیں۔ چند ہفتوں میں ہی حضرت
عائشہؓ اس طرف سے مطمئن ہو گئیں کہ نئی شادی کے باوجود ان کے شوہر حضرت محمدؐ اب بھی ان
سے اتنے ہی قریب تھے جتنے اس شادی سے پہلے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھ چکی تھیں کہ حضرت محمدؐ کو
حضرت حفصہؓ کا قرب تنوع تو ضرور مہیا کر سکتا تھا۔ لیکن وہ ان کی جگہ نہیں لے سکتیں۔

جب حضرت عائشہؓ کو اس طرف سے مکمل اطمینان ہو گیا تو آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے
محبت اور پیار کا رشتہ قائم کر لیا اور دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کی مخلص اور ہمدرد بن گئیں۔
درحقیقت حضرت عائشہؓ کو بعد میں کئی بار دخل دینا پڑا جب یہ دونوں نوجوان خواتین سیدھی

سادھی اور بوڑھی حضرت سوڈا کے سامنے اپنی جوانی اور زندہ دلی کا ضرورت سے زیادہ مظاہرہ کرتیں۔

تاریخ میں حضرت حفصہؓ کی شہرت زیادہ تر قرآن کریم کے پہلے قلمی نسخے کی محافظ کی حیثیت سے ہے۔ ان کے شوہر کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تجویز پیش کی کہ اس سے پہلے کہ حضرت محمدؐ نے جو کچھ بتایا یا لکھایا ہے بھلا دیا جائے قرآن مجید کا ایک صحیح ترین نسخہ تیار کرایا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کام کی تکمیل کرائی اور اس دستاویز کو حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کو اپنی لڑکی حضرت عائشہؓ کو کیوں نہیں دیا اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ غالباً آپؐ نے حضرت حفصہؓ کی تند مزاجی اور متلون طبیعت کو اس کام کے لئے زیادہ موزوں سمجھا۔ اس طرح حضرت حفصہؓ اس عظیم کتاب کی محافظ بن گئیں جو تیرہ صدیاں گزرنے پر بھی جوں کی توں موجود ہے۔

بشمول مسلمانوں کے صرف چند ہی لوگ ہیں جو تیزی سے حضرت محمدؐ کی تمام ازواج کے نام بتا سکیں لیکن پھر بھی غالباً حضرت سوڈا اور زینب بنت خزیمہ کے سوا، ان میں سے ہر ایک نے اسلام کی ترقی میں مختلف نوعیت اور اہمیت کے کردار ادا کئے ہیں۔

دوسری لڑائی

(غزوہ اُحد)

جنوری ۶۲۵ عیسوی

سے جنگ بدر کے پورے ایک سال بعد اہل مکہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اگر کھویا ہوا فتور حاصل کرنا ہے تو اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔ ان کا یہ اندیشہ کہ حضرت محمدؐ سے کسی اچھی بات کی توقع فضول ہے اب بھی سولہاں روح بنایا ہوا تھا۔ شروع شروع میں وہ آپؐ کو ناپسند کرتے تھے۔ پھر آپؐ سے نفرت کرنے لگے اور آپؐ سے خوف کھانے لگے تھے۔ مکہ میں اس خوف کے سبب زندگی اپنی دلکشی اور شادمانی سے محروم ہو گئی تھی اور چونکہ اہل مکہ ہمیشہ سے شان و شوکت اور رنگ رلیوں کے دلدادہ تھے اس کی بجالی کے لئے اس خوف و اندیشے کی جڑ کو ختم کرنا لازمی تھا۔

چنانچہ جنوری ۶۲۵ عیسوی میں ابوسفیان نے تین ہزار کا لشکر تیار کیا جن میں سے اکثر زبردہ پوش تھے اور دو سو گھوڑ سوار تھے۔ یہ رسالہ خالد بن ولید کی کمان میں تھا جو مستقبل میں لشکر اسلام کے ایک بہترین جنرل کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ قریب قریب قریش کے تمام اہم سرداروں نے اس لشکر کشی میں حصہ لیا۔ اس کے علاوہ قتل و خون کی دلدادہ پندرہ عورتیں بھی

لے ان میں سے چند عورتوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان۔

(۲) ام الحکیم بنت الحارث بن ہشام بن مغیرہ۔ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی۔

(۳) فاطمہ بنت الولید بن مغیرہ۔ زوجہ عدث بن ہشام اور حضرت خالد بن ولید کی بہن۔

اس لشکر میں اصرار کر کے شامل ہو گئی تھیں جو مسلمانوں سے انتقام لینے جا رہا تھا۔ ان عورتوں کی عزت نہ رہی اس لئے زمانہ ہندو تھی جو سردار لشکر ابوسفیان کی بیوی تھی اور جس کے باپ عتبہ کو حضرت حمزہؓ نے جنگ بدر میں قتل کر دیا تھا۔

ہند ایک خوبصورت، عباسی طبع، ذہین اور بے رحم عورت تھی۔ حضرت محمدؐ کے خلاف یہ انتقامی مہم زیادہ تر اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ اس نے اپنے خاوند ابوسفیان اور اپنے دیگر پرستاروں کو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس وقت تک ان سے کوئی علاقہ نہ رکھے گی جب تک کہ اس کے باپ کے خون کا بدلہ نہیں لے لیا جاتا۔ اور وہ اہل قریش کو جنگ بدر میں شکست کھانے کا طعنہ دینے سے بھی کبھی باز نہ آئی بلکہ یہاں تک ہوا کہ ایک حبشی غلام کو جس کا نام حبشیؓ تھا اور جو ایک ماہر نیزہ انداز تھا قول دیا کہ اگر وہ اس جنگ میں حضرت حمزہؓ کو مار ڈالے تو وہ اس کو آزاد کر دے گی۔ دوسری عورتیں بھی ہند کی طرح ہی خون کی پیاسی تھیں اور جب یہ لشکر کتے سے روانہ ہوا تو وہ شکریوں کے درمیان خوشی سے دف کی آواز پر اچھل اچھل کر ناچ

(۴) برزہ یابرہ - زوجہ صفوان بن امیہ بن خلف

(۵) ریطہ بنت منبہ - زوجہ عمرو بن عاص بن دائل

(۶) سلافہ بنت سعد - زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ

(۷) خناس بنت مالک والدہ مصعب بن عمیر - اپنے دوسرے بیٹے ابی عزیز کے ساتھ جنگ میں شامل ہوئیں۔

(۸) عمرہ بنت علقمہ بن حارث بن عبدمنہ - اس نے جنگ اُحد میں قریشی لشکر کی تقوڑی دیر کے لئے

علمبردار ماری بھی کی (تاریخ طبری - جلد اول - حصہ سوم)

لے طبری نے لکھا ہے کہ حبشیؓ بن مطعم کا غلام تھا اور بلا کا نیزہ انداز تھا۔ اس کا بچپا کبھی خطا نہیں کرتا تھا اسے خاص طور پر حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے کے لئے ساتھ لیا تھا کیونکہ حبشیؓ کے ایک عزیز کو بھی حضرت حمزہؓ نے ہی قتل کیا تھا۔ وہ حبشیوں کی طرح چھوٹا اور تلوار سے زیادہ تیز پھل والا حربہ یا نیزہ استعمال کرتا تھا۔

لے یہ مشرک خواتین ہند کی سرگروہی میں راستے میں اور جنگ کے دوران دف پر یہ اشعار گا کر جوانوں کا دل بڑھا رہی تھیں:

نحن بنات الطارق — ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔

غشی علی التارِق — ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں

ان تصبوا الغانق — اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی۔

او تدبروا انفارق — اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

سراق غیر و امق — اور اس جدائی کی ہمیں کوئی پروا نہ ہوگی۔ (طبری،

رسیرت النبی - علامہ شبلی، طبری - جلد اول - حصہ سوم)

رہی تھیں اور کعبہ کے ایک بٹ کی وجہ قریش نے ساتھ لے لیا تھا اور جو ایک اونٹ کی پشت پر تھا
تعریف کے گیت گاتی جا رہی تھیں۔

اس مرتبہ قریش نے اپنے اس شکر کی نقل و حرکت کے متعلق کسی رازداری سے کام نہیں لیا
یہ کوئی تجارتی قافلہ بھی نہیں تھا جس کے بچانے کی ان کو فکر ہوتی اور نہ ہی انہیں رات سے پہلے پہلے
شب بامشی کے لئے کسی محفوظ مقام پر پہنچنے کا خیال تھا۔ وہ سب ایک ہی مقصد لے کر روانہ ہوئے
تھے اور وہ تھا حضرت محمدؐ کی تلاش اور ان کا خاتمہ۔ وہ اپنی تعداد اور اسلحہ کی برتری کے پیش نظر
کہیں بھی اور کسی وقت بھی جنگ کر سکتے تھے چنانچہ اس دفعہ وہ قافلوں کے عام راستے سے
روانہ ہوئے جو سیدھا مدینہ کو جاتا تھا۔ یہ راستہ ابواسنے ہو کر گزرتا تھا جہاں حضرت محمدؐ کی والدہ حضرت
آمنہ مدفون تھیں۔ ہند نے کوشش کی کہ آپ کی قبر کی بے حرمتی کرے اور ہڈیاں نکال پھینکے۔ لیکن
ابوسفیان نے ایسا کرنے سے باز رکھا اور کہا کہ آمنہ تو اس وقت انتقال کر چکی تھیں جب اسلام
کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ اپنے بیٹے کے جرائم کی کسی صورت سے ذمہ دار نہیں ہو سکتیں
لیکن عجیب اتفاق تھا کہ اس دفعہ قریش نے جتنی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا
حضرت محمدؐ کے جاسوس بھی اس معاملے میں اتنے ہی غافل رہے۔ انہیں ابوسفیان کی اس خبر سے
ہم کا اس وقت تک بالکل پتہ نہ چلا جب تک کہ لشکر واقعی طور پر مکہ سے روانہ نہیں ہو گیا۔ مزید
براں یہ کہ اس کی خبر سیدھی مکہ سے آپ کو پہنچائی گئی حضرت عباسؓ کو جو بدر کی لڑائی میں زخم برداشت
دے کر آزاد ہوئے تھے، مدینے کے قیام کے دوران مسلمانوں کے بے پناہ جوش اور جذبہ کو دیکھنے

لے طبری نے ابن عباس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قریش اپنے ساتھ 'لات' و 'عزری' کو لائے تھے بعض نے ہبل لکھا ہے
کہ ابوا حضرت آمنہؓ کی وفات اور ذبوا میں ان کے دفن ہونے کا حال آپ دوسرے باب میں پڑ چکے ہیں۔
اس کتاب میں مصنف نے حضرت عباسؓ کو ہر جگہ ایک موقع پرست اور مصلحت اندیش فرد کی حیثیت سے پیش
کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ شروع سے ہی آنحضرتؐ کے موید و مددگار تھے۔ مکہ میں آپ کے قیام کا سبب یہ تھا کہ
آپ کے خلاف قریش کے عزام اور ان کی ہر قسم کی لقل و حرکت سے آپ کو مطلع کرتے رہتے تھے گویا ایک طرح سے آپ
مکہ میں آنحضرتؐ کے لئے خفیہ خبر رسائی کا ذریعہ تھے جو وقت کی بڑی ضرورت تھی فتح مکہ کے وقت جب آپ کو یہ یقین
ہو گیا کہ اب مکہ میں آپ کے مزید قیام کی ضرورت نہ ہوگی تو آپ مع اہل و عیال راستے میں آنحضرتؐ سے جاملے اور
علائیہ طور پر مسلمان ہو گئے اس نے شروع سے ہی آنحضرتؐ کی امداد اور اسلام کی پیش بہا خدمات انجام دیں۔

کافی موقع ملا تھا اور ان کا پہلا خیال کہ ان کے بھتیجے حضرت محمدؐ ایک دن دنیا کے چار مشہور لوگوں میں سے ہوں گے اور مستحکم ہو گیا تھا۔ گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی مدینے میں ضرورت سے زیادہ اہم کو پسند کیا تھا لیکن انہوں نے ابوسفیان کی سرکردگی میں قریشیوں کے لشکر بھیجنے کے سلسلہ میں کسی مشورے میں حصہ نہیں لیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اہل قریش کا لشکر جمع ہو گیا ہے، ردوانگی کے لئے تیار ہے تو انہوں نے ایک تیز رفتار شتر سوار قاصد کو مدینے بھیج دیا تاکہ وہ ان کے بیٹے کو خبردار کر دے۔ قاصد نے حضرت محمدؐ کو قبا کے ایک باغ میں پایا۔ یہ اچانک خبر سن کر آپؐ حیران ہو گئے اور فوراً مدینہ واپس آ گئے۔ آتے ہی اپنے اصحاب حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، حمزہؓ اور علیؓ کو بلا دیا۔ آپؐ نے عبداللہ بن ابی کو بھی بلایا۔ گواہ یہودیوں سے آپؐ کے تعلقات دوستانہ نہیں تھے ایک دوسرے کی مخالفت میں سرگرم تھے لیکن چونکہ اب مدینہ شہر کو بیرونی حملے کا خطرہ درپیش تھا اس لئے حضرت محمدؐ نے مناسب سمجھا کہ مدینہ کی مخالفت یہودی جماعت کے سربراہ کو بھی اس جنگی شورے میں شریک کر لیا جائے۔

عمر سیدہ لوگوں نے جن میں خود حضرت محمدؐ بھی شریک تھے فیصلہ کیا کہ اتنی بڑی طاقت سے قابضی کے لئے معقول ترین تجویز یہ ہوگی کہ شہر کی چار دیواری کے اندر رہ کر دشمن کا انتظار کیا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ اور حمزہؓ اس تجویز کے خلاف تھے۔ جب نوجوانوں کو معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ میں یہاں ہورہا ہے تو انہوں نے بھی شوریٰ کے جواں سال ارکان کی تائید کی۔ ان میں سے بہت سے بڑے جنگ میں شرکت کر چکے تھے اور کچھ حال ہی میں حضرت زیدؓ کی سرکردگی میں قریش کے چار تہ قافلوں کے خلاف کامیاب مہم میں حصہ لے چکے تھے۔ وہ ان دونوں مقابلوں میں سے کسی کو بھی خطرناک مہم نہیں گردانتے تھے اور سب ہی ان کی کامیابی سے مطمئن تھے۔ بلکہ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم چار دیواری کے اندر بیٹھ کر دشمن پر پتھر پھینکتے رہے جو اتنی دور سے چل کر ہم سے لڑنے کی غرض سے آ رہا ہے تو تمام عرب والے ہمیں بزدل سمجھیں گے اور ہمارا مذاق اڑائیں گے۔

نوجوانوں کا یہ مطالبہ اتنی شدت اختیار کر گیا کہ حضرت محمدؐ نے اپنی صاحب ترائے کے خلاف

لے قبا۔ مدینہ کی نواحی بستی اور نخلستان۔ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ نے پہلے یہاں ہی قیام کیا تھا۔

ان کی تجویز پر، جو آپ کے نزدیک نہایت غیر دانشمندانہ طریقہ کار تھا، کار بند ہونے کا فیصلہ کر لیا اور جمعہ روز صبح کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں اس کا اعلان کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ لوگوں کو یہ تنبیہ کی کہ اگر فتح چاہتے ہو تو دین پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اس کے بعد آپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں آرام کے لئے چلے گئے۔

اس اثنا میں حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ نے مدینہ سے جہاد کے لئے لوگوں کو اکٹھا کیلئے سا مشکل سے ایک ہزار تھے جن میں دو سو کے پاس زرہ تھی اور پہلی جنگ کی طرح صرف دو گتے تھے۔ مگر کے پوری طرح مسلح لشکر کے مقابلے میں اسے کوئی معقول فوج نہیں کہا جاسکتا۔ فیصلہ ہو چکا تھا اور اب پیچھے ہٹنے کا سوال نہ تھا۔ لہذا مدینہ میں رہ کر دفاع کرنے کی ایک دوسری کوشش کرتے ہوئے آپ نے لشکر کی کمان سنبھال لی۔

حضرت محمدؐ جب اپنے حجرے سے باہر نکلے اور مسجد کے میدان میں موجود لشکر کا معائنہ کیا تو آپ ایک پر رعب شخصیت معلوم ہو رہے تھے۔ آپ نے سینے اور پشت پر چکدار چارہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ بائیں طرف چمڑے کی بیٹی سے ایک تلوار لٹک رہی تھی۔ ہاتھ میں کمان سر پر ایک لمبی نوک والا خود تھا اور اس کے گرد آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ شاخے پر لٹکی ہوئی ڈھال آپ کے اسلحہ کی تکمیل کر رہی تھی۔ یہ اطمینان کر کے کہ ہر شخص موجود تھا آپ ایک سفید پرچم مصعب ابن عمیرؓ کے ہاتھ میں دیا اور خود ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اس کے ایک مرتبہ پھر آپ کعبہ کے بتوں کے مقابلے میں خدائے برتر کا لوہا منوانے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔

ان ایک ہزار لشکریوں میں تین سو یہودی اور غیر مسلم عرب بھی عید اللہین ابی کی سرکلی میں شامل تھے۔ مدینہ سے باہر نکل کر آپ ایک جگہ رُکے اور با آواز بلند اعلان کیا کہ آپ نہیں

لے بعض روایات کے مطابق آپ کے ساتھ اس وقت پچاس گھوڑے تھے لیکن بعد کے حالات سے معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے اور اسی پر اجماع ہے۔ ایک گھوڑا آپ کا اور ایک آپ کے

کا۔ (طبقات ابن سعد)

ہتے کہ اس لشکر میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور بھی شامل ہو۔ عبداللہ نے اس بات کا بڑا برا
ایا اور اس سے پہلے کہ لڑائی شروع ہو وہ اپنے آدمیوں کو لے کر مدینے واپس چلا گیا۔ اس
رح حضرت محمدؐ کے لشکر کی تعداد صرف سات سو رہ گئی یعنی اہل مکہ کے لشکر کے مقابلے میں
بہت کم تھا۔

مکہ کے لشکر سے جنگ کرنے کے لئے آپؐ نے اپنی سپاہ کے لئے کوہ احد کی ڈھلوان کو
بننا۔ جبل احد حضرت ہارون علیہ السلام کے مدفن ہونے کے سبب بڑی تاریخی اہمیت کا
مال تھا۔ اس پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر پتھر کی ایک قبر یا نشان اس ہستی کی یادگار تھا
س کی معاونت کے بغیر حضرت موسیٰؑ فرعون جیسے جابر بادشاہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔
احد ایک دہشت ناک جگہ تھی اور جو خوریز معرکہ وہاں ہونے والا تھا اس کی غمازی کرتی
تھی اصل میں احد کوئی پہاڑ کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ ایک بہت بڑی اور بے آب و گیاہ چٹان
ہے جو صحرا میں ابھرا آئی ہے جہاں گھاس کی سبز پتی تو درکنار توئی کا نٹے دار جھاڑی بھی نہیں
ہوتی۔ اس پہاڑ پر کوئی جانور بھی نہیں پائے جاتے اور نہ ہی کسی پرندے کی چھپا ہٹ سائی
یتی ہے اگر وہاں پر زندگی کا کوئی نشان ملتا ہے تو وہ خارشیت والی بڑی چھپکلیاں ہیں۔
س ویران اور تپتے ہوئے احد کے سامنے ہی وہ چیل میدان تھا جہاں سے قریشی لشکر کے حملے
کی توقع تھی۔

حضرت محمدؐ نے اپنے آدمی اونچی سطح پر متعین کئے کیونکہ یہ جگہ ایسے دشمن کا جو تعداد میں زیادہ
تھا مقابلہ کرنے کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ احد کی عمر دمی چٹان آپؐ کی پشت کی محافظ تھی۔ آپؐ

نے بقول ڈاکٹر ہیگل (حیات محمدؐ) میدامیر علی اور دیگر مورخین آپؐ مدینے سے سات سو مجاہدین کا ہی لشکر لے کر نکلے
تھے مدینہ سے باہر عبداللہ بن ابی تین سو یہودیوں اور غیر مسلم عربوں کے ساتھ آیا اور شامل ہونا چاہا لیکن آپؐ نے
انکار کر دیا۔ طبری نے واقعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عبداللہ مقام شیخین سے اپنے گروہ کو لے کر واپس آگیا
اس بنا پر کہ حضرت محمدؐ نے شہر بند ہو کر دفاع کرنے کی بات نہیں مانی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آپؐ نے ابن ابی کے
لشکر کو شامل نہ کیا کیونکہ آپؐ مسلمانوں کے علاوہ اور کسی کو ساتھ نہیں لینا چاہتے تھے۔

۳۰۲ جبل احد مدینہ کے شمال میں دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے۔ جنگ کی صف آرائی کے لئے نقشہ ۱۲ ملاحظہ ہو۔

نے اپنے شمشیر زن سپاہیوں کو کندھے سے کندھا ملا کر اس طرح کھڑا کیا کہ وہ لشکر قریش کے حملے کو ایک دیوار کی طرح روک سکیں۔ پاس ہی کے ایک بلند ٹیلے (جبل رماۃ) پر جو قلب کے مورچوں سے ذرا پیچھے تھا۔ اپنے تیراندازوں کو متعین کیا۔ آپ نے ان کو سخت احکام دیئے کہ وہ ان کے حکم کے بغیر کسی حال میں بھی اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ انہیں ہر حال میں اپنی جگہ پر رہنا تھا اور اسلامی لشکر کے بازوؤں کو بچانا تھا۔ آپ اس ہدایت پر بے حد متصر تھے کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ ایک رسالے کے بغیر وہ کتنے غیر محفوظ اور ہر وقت دشمن کے حملوں کی زد پر تھے۔ آپ نے خالد کے تیزی سے حرکت کرنے والے سوار دستے کا خطرہ بھی محسوس کر لیا تھا۔ البتہ آپ کو اتنا یقین تھا کہ آپ کی فوج کا حوصلہ قریشی لشکر سے زیادہ تھا اور یہ کہ اگر آپ کی ہدایت کی پوری تعمیل کی گئی تو ان کا یہ حوصلہ دشمن کی دیگر تمام برتریوں کی کمی پوری کر دے گا۔

جس وقت آپ اپنے لشکر کو صف آرا کر رہے تھے۔ قریشی لشکر بھی پہاڑی کے نیچے میدان میں پہنچ گیا تھا۔ دونوں لشکروں نے آمنے سامنے مورچے جمائے اور عربی طرز کی لڑائی کا پہلا مرحلہ شروع ہو گیا۔ بگیوں کے ساتھ جو بہت سی عورتیں آئی تھیں وہ اپنے دف لئے مسلمانوں کی ہتک اور توہین کر رہی تھیں۔ پھر ہند کی باری آتی جو اونٹ پر رکھے ہوئے ہبل کے گرد ناچتی اور پھر سب مل کر جنگی ترانے گاتیں۔

لڑائی کا پہلا مرحلہ شروع ہوا تو قریشی لشکر کا موروثی پرچم بردار طلحہ سب سے آگے بڑھا اور مقابل کے لئے لٹکارا۔ جو نہی وہ ابوسفیان کی صفوں سے آگے بڑھا حضرت محمد کے لشکر سے حضرت علی آگے۔ دونوں نبرد آزما لشکروں کے درمیانی میدان میں آمنے سامنے ہوئے اور بغیر کسی تہدید یا بات چیت یا رجز خوانی کے مقابلہ شروع ہو گیا۔ طلحہ اور علی اکابر کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی اکی تلوار صبح کی دھوپ میں چمکی اور قریشیوں کے علمدار کا سر اس کے شانوں سے علیحدہ

۱۔ نقشہ نمبر ۱۲

۲۔ ہبل کعبہ کا ایک بڑا اور مشہور بت تھا۔ جسے قریش ساتھ لائے تھے۔ دوسری روایات کے مطابق ہبل کی بجائے "لات" اور "عزنی" کے بت ساتھ تھے۔

ہو کر اچھلا اور ریت پر دوڑ تک لڑھکتا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت محمدؐ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور جواب میں تمام مسلمانوں نے جو بے چینی سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔

طلحہ کے قتل ہونے پر اس کا بھائی عثمانؓ مکے کے لشکر سے نکلا اور حمزہؓ پر حملہ کرنے کے لئے تیزی سے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ خود اپنے اور چار آئینے میں شتر مرغ کا دہی پر لگائے (جو انہوں نے بدر کی لڑائی میں بھی لگایا تھا) کھڑے پر شکوہ معلوم ہو رہے تھے۔ اسلام کی تلوار ایک مرتبہ پھر چمکی اور ایک مرتبہ پھر ایک لگی کا بے سر جسم زمین پر گرنے سے پہلے لڑکھڑا رہا تھا۔ عثمانؓ کو قتل کرتے ہی حضرت حمزہؓ نے باواز بلند رجز پڑھا۔ "میں اس کا بیٹا ہوں جسے حاجیوں کو پیانی پلانے کی سعادت حاصل تھی۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔" بعد ازاں طلحہ کے خاندان کے دوسرے افراد باری باری اپنے عزیزوں کا بدلہ لینے کے لئے آئے لیکن ہر دفعہ حضرت علیؓ یا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں ان کے سر لڑھکتے دیکھے گئے۔

اب آفتاب کافی بلند ہو چکا تھا اور دھوپ کی تیزی کے سبب خون کی بو ہوا میں ملنا شروع ہو گئی تھی۔ ادھر مسلمان مجاہد اپنی صفوں میں بے چین ہو رہے تھے۔ ان کے بہادروں کی کامیابی نے ایک اور بدر کا نقشہ جمادیا تھا۔ چنانچہ حضرت محمدؐ انہیں ان کی صفوں میں زیادہ دیر نہ روک سکے اور نعرے لگاتے ہوئے وہ بندی پر قائم شدہ مورچوں سے نکل کر نیچے کی طرف بڑھے اور جنگجو مینڈھوں کی طرح وہ قریشیوں سے ٹکرائے۔ قریشیوں کی صفیں ڈگدگائیں اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ مسلمانوں کی جانبازی کے آگے دشمن کی اسلحہ اور تعداد کی برتری کچھ کام نہ آئی۔ خالد کے سوار بھی کام ہو کر رہ گئے۔ جب بھی وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتے حضرت محمدؐ کے ماہر انداز میں متعین شدہ تیر اندازان کے گھوڑوں کو چھید کر رکھ دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لڑائی ختم ہو گئی اور باری جا چکی ہے لیکن حقیقت میں ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور کامیابی ابھی بہت دور تھی۔

چند سال بعد تو اسلامی فوجوں کو نہ صرف اچھی قیادت مل گئی بلکہ سپاہ میں بڑا نظم و ضبط پیدا ہو گیا تھا جس پر نازک ترین حالات میں بھی بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ حکم دینے کے بعد اس کی تعمیل یقینی تھی لیکن ۶۲۵ء میں یہ نظم و ضبط موجود نہ تھا۔ عرب کبھی کبھی اپنی روایات کے تحفظ یا بدلہ لینے کے لئے لڑتے تھے لیکن ان کی لڑائی کا سب سے بڑا محرک لوٹ مار ہوتا تھا

یہ ہمیشہ سے کرتے آئے تھے اور اب اس بات سے منع کرنے یا اسلام کی خاطر چند فوجی لڑپیں لڑ لینے سے ان کی فطرت فوری طور پر نہیں بدل سکتی تھی۔ حضرت محمدؐ نے اپنی جگہ انتخاب جوانوں کی تعداد، اسلحہ اور تیز نقل و حرکت کے ذرائع (رسالے) کی کمی پوری کرنے لئے کیا تھا۔ اگر آپؐ کی ہدایات پر پوری طرح عمل ہوتا اور لڑائی آپؐ کی ہدایات کے مطابق ہی جاتی تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اس لڑائی میں بھی آپؐ ہی کی جیت ہوتی لیکن اگر فتح یاب نہ ہو سکے تو اس کی ساری ذمہ داری آپؐ کے اپنے لوگوں پر آتی ہے جن کا رویہ اس لڑائی میں نہایت غیر ذمہ دارانہ رہا۔

جو نہی مسلمانوں نے قریش کے قلب میں شکاف ڈال دیا تو دوائیں اور بائیں بازو کے دستے اپنے آپ کو سمیٹنے لگے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اپنی ہلاکت آفریں تلوار کے ساتھ ہر جگہ جو دتھے چنانچہ جلدی ہی دشمن اپنے پڑاؤ سے بھی پیچھے ہٹ گیا۔ مسلمانوں کے لئے غنیمت حاصل کرنے کے اس نادر موقع سے فائدہ نہ اٹھانا بہت مشکل تھا چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ غلبے اور برتری سے پورا فائدہ اٹھاتے انہوں نے خیموں کو لوٹنا شروع کر دیا دھڑیلے پر سے اندازوں نے دیکھا کہ نیچے کیا ہو رہا ہے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے اور ان کے اٹھتی بیش قیمت غنیمت اکٹھی کر رہے ہیں۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ حضرت محمدؐ کا نشانہ تھا اگر ایسا ہی تھا تو وہ پیچھے کیوں رہیں۔ ان کے سامنے ایک ایسا منظر تھا کہ جس سے ایک عام فوجی کو نہیں روک سکتا تھا۔ چنانچہ پیچھے دیکھے بغیر وہ بے ترتیبی سے نیچے میدان کی طرف دوڑے اور بغیر دم لئے لوٹ مار میں شریک ہو گئے۔

خالد بن ولیدؓ نے کوئی باقاعدہ فوجی تربیت حاصل نہیں کی تھی لیکن ان میں حضرت محمدؐ کی طرح فوجی قیادت کی ایک پیدائشی اور فطری صلاحیت تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک جنگجو اور

لے تیر انداز حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی کمان میں تھے۔ لوٹ مار شروع ہوئی تو آپؐ کے بار بار روکنے کے باوجود مرنے والے لوگ آپؐ کے ساتھ ٹھہرے باقی سب چلے گئے۔ ابن جبیرؓ ان چند تیر اندازوں (ایک روایت کے مطابق مرنے والوں کے ساتھ آخر دم تک لڑے اور شہید ہو گئے۔ تاریخ طبری۔ طبقات ابن سعد جزو ثانی)

دیر شہ سوار تھے اور نیزے اور تلوار کو اسی مہارت سے چلا سکتے تھے جس طرح وہ اپنی فوج لڑا سکتے تھے۔ جنگ کے دوران ان کی نگاہ ہر وقت تیر اندازوں پر رہی اور جب بھی ان کی سے ذرا تساہل دیکھتے وہ ان سے قریب ہونے کی کوشش کرتے جب انہوں نے دیکھا کہ تیر انداز نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے اور اسلامی سپاہ کے بازو اور عقب پر حملے کا راستہ کھل گیا ہے تو انہوں نے ذرا توقف نہ کیا۔ اپنے دستوں کو لے کر پلٹے اور مسلمانوں کی غیر منضبط صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ جتنا اچانک اور حیران کن تھا اتنا ہی شدید اور طوفانی بھی تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی سارا نقشہ پلٹ گیا۔ یا تو مسلمان لڑائی جیتنے کے بعد خوشی خوشی مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے اب خالد کے نیزہ بردار سواروں نے ان کو چھید کر رکھ دیا اور وہ ایک پچھتے چلاتے زخمیوں کے گروہ میں تبدیل ہو کر رہ گئے تھے۔

حضرت علیؑ اور حضرت عمرؓ نے ان بکھرے دستوں کو مجتمع کرنے کی لا حاصل کوشش اسی طرح حضرت محمدؐ اور حضرت ابو بکرؓ نے اللہ تعالیٰ کے احکام سنا کر ان کا حوصلہ بڑھانے کوشش کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مسلمانوں کو ایک طرف سے خالد کے سوار نیزوں پر چھید رہے تھے تو دوسری طرف دشمن کے پیدل دستے تھے جو میدان میں واپس آگئے اور انہوں نے مسلمانوں کو تلوار کی بار بار پر رکھ لیا تھا۔ اس وقت ان کو اگر کوئی فکر تھی تو صرف یہ کہ اس جہنم زار سے کیسے نکلا جائے۔ جلدی ہی ان کے قائدین کی آوازیں بھی کہیں ڈوب گئیں وحشی، ہند کا خرید کردہ قاتل، موقع کی تلاش میں تھا کہ وہ حضرت حمزہؓ کو قتل کرے آزادی حاصل کرے۔ چنانچہ جب خالد بن ولید نے اپنے سواروں کے ساتھ چکر کاٹ کر حملہ کر دیا حضرت حمزہؓ اس وقت ایک مٹی کو جس کا نام سباع یا سباع تھا۔ "او ابن نختانہ" کہہ کر لٹکا دیے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے "او ام النار" کے بچے سباع" کہہ کر دو مرتبہ تلوار گھما کر اس پر حملہ کیا اس کو زمین پر گرادیا لیکن اس کا سر اس کے جسم سے بالکل علیحدہ نہیں ہوا اور آپ اس کا سر اپنے لئے جھکے۔ جوہنی۔ جھکے وحشی نے ابو قریب ہی تاک میں تھا، اپنا ہاتھ بلند کیا اور پورے طاقت سے اپنا برچھا حضرت حمزہؓ پر پھینکا حضرت حمزہؓ ابھی اٹھ ہی رہے تھے کہ برچھا ان کے کمر میں زڑ سے ذرا نیچے پیوست ہو کر پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ لڑ کھڑائے اور گر پڑے۔ آپ نے

کی کوشش کی لیکن خون فوارے کی طرح نکل کر ریت پر بہ رہا تھا۔ اور جلدی ہی آپ کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ حمزہؓ فوت ہو چکے ہیں۔ تو وحشی دبے پاؤں اٹھا۔ اپنا نیزہ آپ کے جسم سے کھینچ کر نکالا اور ہند کو مزدہ سنانے چل دیا۔

ہند اس وقت ان لوگوں کو بڑھا داسے رہی تھی جو مسلمانوں کی فتح کو تیزی سے شکست فاش میں تبدیل کر رہے تھے۔ وحشی کو دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی کہ کیا کہنے آیا ہے۔ اس کے حسین چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وحشی غلام کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ وہاں پہنچی جہاں مسلمانوں کے ممتاز سردار حضرت حمزہؓ چکدار آئینہ پینے اور شتر مرغ کا پر لگائے خون میں نہائے پڑے تھے۔ خوشی میں اس نے ایک پیچ ماری اور آپ کے سینے پر سوار ہو گئی اور نوحہ شروع کر دیا۔ اس نے جوش کینہ میں آپ کے کان چیر ڈالے، ناک کاٹ لی۔ اور آپ کی آنکھیں نکال ڈالیں پھر خنجر آپ کے پہلو میں اتار دیا اور آپ کا کلیجہ نکال لیا جو تاحال گرم تھا اور اس میں اپنے دانت گاڑ دیئے۔ اس وقت تک بچے کچھے مسلمان جاچکے تھے اور صرف شہدا کی لاشیں بڑی ہوئی تھیں۔ جب دوسری عورتوں نے دیکھا کہ ہند کیا کر رہی ہے تو دیکھا دیکھی انہوں نے بھی (دستور کے مطابق) مردہ جسموں کا مشلہ کرنا شروع کر دیا اور ان کی ناکیں بکان اور انگلیاں کاٹ کر گلے کے بار بنالئے۔ اس اثنائے حضرت محمدؐ کی اپنی خطرناک صورت حال اور زیادہ مایوس کن ہونے لگی۔ خالد کے سواروں کے سخت اور بچے تلے حملوں نے آپ کے لشکر کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ صرف حضرات عمرؓ علیؓ ابو بکرؓ اور چند دوسرے رفقاء ہی اپنے قائد کے گرد کھڑے رہ گئے تھے۔ آپ اپنی اور اپنے نصب العین کی حفاظت کے لئے تیر چلاتے رہے یہاں تک کہ آپ کی کمان ٹوٹ گئی۔ دشمن کا ایک لشکر مٹی اُحد کی ڈھلوان پر بالکل اس چٹان پر پہنچ گیا جہاں آپ دفاع کر رہے تھے لیکن اس سے پہلے کہ وہ آپ پر حملہ کرے آپ نے جلدی سے اپنے محافظ کانیزہؓ لے کر حملہ آور کی گردن میں اتار دیا۔ اتنے ہی میں چند اور قریشی آپ پر حملہ کے لئے بڑھے۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو مارنے کے لئے سو مرتبہ مرنے کے لئے تیار تھے اور اگر وہاں پر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی تلواریں نہ ہوتیں تو انہیں کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ ہوا میں ہر طرف تیز۔ نیزے اور پتھر تیر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت محمدؐ کے بھی ایک پتھر آگیا۔ پہلے منہ پر پھر ایک طرف چہرے پر۔ یہ پتھر اتنے زور سے لگا کہ آپ کے خود کی

ایک کڑی آپ کے رخسار کے اندر گھس گئی اور ایک اور پتھر نے آپ کی پیشانی کو بری طرح زخمی کر دیا۔ ایک اور لگی عبداللہ ابن قمیہ، جو مسلمانوں کا دشمن تھا اور جس نے مسلمانوں کے علمبردار مصعب بن عمیر کو شہید کیا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی آنکھ بچا کر آگے بڑھ آیا اور حضرت محمد صلعم پر تنگی تلوار لے کر ٹوٹ پڑا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس اب اسلام کا خاتمہ ہے لیکن طلحہ بن عبداللہ جو شروع میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے داماد بھی تھے، بجلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے آقا کے آگے آگئے اور وار کو اپنے اوپر لے لیا۔ اس دھکے سے حضرت محمدؐ گر پڑے اور بیہوش ہو گئے۔ ابن قمیہ کو اپنے اس حملے کی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اصل میں کیا ہوا۔ وہ پلٹا اور پہاڑی پر سے نیچے کی طرف دوڑتے ہوئے چلا یا کہ اس نے (نعمہ باللہ) حضرت محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس خبر نے مسلمانوں کی شکست کو مکمل تباہی سے بچا لیا۔ کیونکہ ایک طرف تو یاقیناندہ مسلمانوں نے مایوس ہو کر جوابی حملے کی تمام کوششوں کو ترک کر دیا تھا اور دوسری طرف اہل قریش کو مزید قتل و غارت سے روک دیا۔ بدر اور دوسری

اے طبری نے ابو جعفر کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے سامنے کے چوکے میں سے نیچے کے دانت ٹوٹ گئے۔ آپ کے ہونٹ پھٹ گئے۔ رخسار اور بالوں کی جڑ کے پاس سے پیشانی زخمی ہوئی۔ آپ کو عقبہ بن ابی وقاص نے زخمی کیا تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کے سامنے کے دانت ٹوٹے۔ خون آپ کے چہرے پر بہ رہا تھا۔ آپ اسے پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس قوم نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگین کیا ہو کیونکہ فلاح پا سکتی ہے مگر اس حال میں بھی انہیں فلاح کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ یہاں پر ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے یَسْ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ کی آیت نازل ہوئی (یعنی اس معاملے میں تمہارا کوئی دخل نہیں)۔

اے حضرت طلحہ نے وار اپنے ہاتھ پر روکا جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں لیکن پھر بھی تلوار کا اچھتا ہوا دار آپ کے سر اور پہلو کے بائیں حصہ پر پڑا اور ہلکا زخم آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مصعبؓ ابن عمیرؓ کی شکل رسول اللہ سے بہت ملتی جلتی تھی چنانچہ ابن قمیہ نے ان کو شہید کرتے ہی چلا چلا کر یہ اعلان کرنا شروع کر دیا تھا کہ نعمہ باللہ! نے آنکھوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس غلط خبر سے مسلمانوں کی صفوں میں مایوسی اور افراتفری پھیل گئی اور جنگ ہر کوئی دلچسپی نہ رہی بلکہ اپنی اپنی جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ طبقات ابن سعد۔ طبری۔ حیات محمد۔ سیرت ابنی

لڑائیوں کی طرح عربوں کی اس جنگ کا محرک بھی انتقام لینا اور بدلے چکانا تھا۔ ابوسفیان مکہ سے اس لئے آیا تھا کہ حضرت محمدؐ سے بدلہ لے اور یہ کہ اس کی بیوی ہند کی آرزو کہ حضرت حمزہؓ مارے جانیں پوری ہو جائے۔ چونکہ اب دونوں مقاصد پورے ہو گئے تھے۔ اس لئے لڑائی جاری رکھنے کا اب کوئی جواز نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکریوں کو اکیلے دو کیلے مسلمانوں کا تعاقب کرنے سے روکا اور انہیں جھنڈے تلے از سر نو منظم کیا۔

حضرت محمدؐ صرف بیہوش ہوئے تھے۔ گو طلحہ زخمی تھے لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مل کر اپنے قائد کو اٹھایا اور چٹانوں کے درمیان ایک محفوظ شگاف میں لے گئے جہاں ان کے کچھ ساتھیوں نے بھی پناہ لے ہوئی تھی۔ جو نہی ان لوگوں نے دیکھا کہ ان کے آقا حضرت محمدؐ زندہ ہیں ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا مل گیا۔ اور اگر آپؐ کی طرف سے تھوڑی سی حوصلہ افزائی مل جاتی تو وہ پھر لڑائی جاری رکھنے کو تیار تھے لیکن حضرت محمدؐ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ پچھلے ایک گھنٹے کے دوران آپؐ موت کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور مزید قریب پہنچنے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ علاوہ ازیں غالباً آپؐ یہ بھی جانتے تھے کہ آپؐ کے لوگ بکھر چکے ہیں اور اب آپؐ کے پاس کوئی معتد بہ فوج نہیں رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ آپؐ اُتارہ قدم اٹھانے کے لئے کوئی فیصلہ کریں آپؐ اپنے حواس مجتمع کرنا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی تھی کہ آپؐ کے رخسار میں گڑھی ہوئی خود کی زنجیر کی کڑھی، جو سخت تکلیف دیر ہی تھی، نکالی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنی ڈھال میں کچھ پانی لائے اور کڑھی نکالنے کا تکلیف دہ عمل شروع ہوا۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی یہاں تک کہ شروع میں ایمان لانے والوں میں سے ایک صحابی حضرت ابو عبیدہؓ (یہ جنگ بدر میں شہید ہونے والے ابو عبیدہؓ نہیں تھے) نے لوہے کی کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا تب کہیں جا کر آپؐ کے چہرے کے گوشت کے اندر گڑھی ہوئی کڑھی باہر نکلی۔

جو نہی یہ جراحی ختم ہوئی اور آپؐ کے زخموں پر پٹی باندھ دی گئی حضرت محمدؐ نے ایک نیا خود سر پر رکھا اور نیچے میدان کی طرف دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ابوسفیان اور اس کا عملہ مسلمان شہداء کی لاشوں کی بغور پڑتال کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون کون

سے مشہور مسلمان مارے گئے لیکن یہ دیکھ کر انہیں یابوسی ہوئی کہ سوائے حضرت حمزہؓ اور مسعوب بن عمیرؓ کے حضرت محمدؐ کے خاص صحابیوں میں سے اور کسی کی لاش ان میں نہ تھی اور حضرت محمدؐ کا تو کہیں نشان نہ تھا۔

کچھ دیر بعد ابوسفیان نے ڈھلتی دھوپ میں جبل احد کی چمکتی اطراف پر نظر دوڑائی تو کچھ افراد کو چٹانی شگاف کے باہر کھڑے دیکھ کر زور سے آواز لگائی: "کیا تم میں محمدؐ۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں؟" حضرت محمدؐ نے اپنے ساتھیوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا جب کوئی جواب نہ ملا تو اس نے کہا: "چلو اچھا ہوا کہ یہ سب ہی مر گئے اور ہیں ان سے نجات ملی۔"

فاروق اعظم اس طعنہ کو برداشت نہ کر سکے اور حضرت محمدؐ کے اشارہ کا خیال نہ کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور جوابی ہانک لگائی: "ہرگز نہیں۔ ہم سب زندہ ہیں اور تم میں سے ہر شخص سے لڑنے کو تیار ہیں۔" اور پہاڑی پر موجود سارے مسلمان لڑنے کے لئے مستعد ہو گئے لیکن سب حیرت میں رہ گئے جب قریشی سردار نے اس چیلنج کو نظر انداز کر دیا اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے جوانوں کو اکٹھا کر کے حملہ کرتا ابوسفیان نے جواب دیا۔

"ہم نے آج بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ یہ پہل کی کرامت ہے۔ پہل ہمارا ہے تمہارا نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "اللہ ہمارا ہے تمہارا نہیں۔"

ابوسفیان نے کہا: "ہم ایک سال کے بعد پھر بدر پر ملیں گے۔"

حضرت عمرؓ نے چیلنج قبول کرتے ہوئے کہا: "انشاء اللہ"

طعنہ زنی ختم ہوتے ہی ابوسفیان نے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور مخالف سمت یعنی

مکہ کی جانب کوچ کر دیا۔

جونہی قریش لشکر کا آخری سپاہی نظروں سے اوجھل ہوا حضرت محمدؐ اپنے حفاظتی دستے

کے ساتھ بڑی احتیاط سے پہاڑ سے میدان میں اترے مبادا دشمن کی یہ ایک اور چال ہو لیکن

لے سیرۃ النبی کے مطابق ابوسفیان نے عربی کا نام لگایا تھا۔ (لنا العزى ولا عزى لکرم) حضرت عمرؓ کا جواب تھا: "واللہ مولانا ولا مولیٰ لکم"۔

بیچنے کے لئے کہ آپ کے کون کون سے ساتھی اسلام کی راہ میں کام آئے آپ بڑے بے چین تھے
مزید انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اپنے محبوب چچا حمزہؓ، بہادر مصعبؓ ابن عمیر اور بہت سے دوسرے
اہل لاشیں دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان لاشوں میں سے نہ کسی
چھوا جائے اور نہ ہی اٹھایا جائے بلکہ جہاں وہ شہید ہوئے ہیں وہاں ہی ان کو دفن کیا جائے تاکہ
ان کے مزارات رہتی دنیا تک ان کی وفاداری اور جاں نثاری کی شہادت دیں۔

حضرت محمدؐ کے جاں نثار ساتھیوں کی ستر سے زائد قبریں آج بھی انہی جگہوں پر دیکھی جاسکتی
ہیں جہاں وہ آج سے ایک ہزار تین سو ستر سال سے کچھ زیادہ عرصہ پہلے مکہ کے قریشیوں کے
زوروں اور تلواروں کا نشانہ بنے تھے۔ وہ کوئی شاندار قبریں نہیں ہیں بلکہ لال پتھر کے ٹکڑوں کے
پوٹے چھوٹے ڈھیر ہیں۔ بہادر شہیدوں کے سر ہانے اور پائنتی کی سمت متعین کرنے کے لئے
دونوں سروں پر ناتراشیدہ دھاریدار پتھر نصب ہیں۔ صرف حضرت حمزہؓ کا مقبرہ پر شکوہ ہے جو
بمسجد بھی ہے، جو تراشیدہ پتھر سے بنائی گئی ہے۔ اس کا ایک مینار بھی ہے اور اس میں ایک
تند بھی ہے جس کے سایہ میں ایک سیاہ پتھر کے بڑے سے ہلاک کے نیچے حضرت حمزہؓ آرام فرما
ہیں۔ ان کے بازو میں کسی خاص وجہ سے عبداللہ بن جحشؓ کی قبر بھی ہے۔ یہ وہی عبداللہ ہیں۔
جنہوں نے حضرت محمدؐ کے مکہ سے مدینہ آنے کے بعد پناہ کے مہینہ میں مکہ کے قافلے پر حملہ کیا تھا۔
شہدائی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد حضرت محمدؐ نے رات میدان جنگ میں گزار دی۔ زندہ
بچ نکلنے والے مجاہد بھی واپس آچکے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ مرد اور عورتیں، جن میں حضرت
فاطمہؓ زہرا بھی شامل تھیں، مدینہ سے آگئے تھے تاکہ حضرت محمدؐ صلعم کی وفات کی افواہ کی تصدیق

لے حضرت حمزہؓ اور عبداللہ بن جحشؓ کی قبروں پر اب قبے یا گنبد نہیں ہیں بلکہ ان دونوں حضرات کی قبریں بالکل برابر
بار ایک کھلے اور پارک نما میدان میں ہیں جن کے گرد کافی وسیع احاطہ ہے اور جنگلا لگا ہوا ہے۔ عبداللہ بن جحشؓ
بھی جنگ احد میں شہید ہوئے۔ آپ حضرت حمزہؓ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور ایک ہی میدان میں شہید ہوئے۔
مسجد اب علیحدہ ہے۔ اسے یہ بات مصنف کے ۱۹۵۲ء میں پاکستان میں چھپنے والے ایڈیشن کے پیش نظر
لکھتے وقت کی ہے۔

ہو سکے۔ آپ کو موجود پاکران کی پریشانی دور ہو گئی لیکن آپ نے انہیں خبردار کیا کہ جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ قریش کے دل میں کیا ہے اور وہ کوئی مزید کارروائی تو نہیں کریں گے۔ لشکرانہ ادا نہ کیا جائے۔ کیونکہ جتنا کچھ آپ اسے جانتے تھے آپ کو ڈر تھا کہ ابوسفیان اپنے لشکر کو از سر نو درست کر کے مدینہ پر حملہ نہ کر دے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں روک سکتا۔

لیکن ابوسفیان نے حملہ نہیں کیا۔ مکہ والوں کا مدینہ والوں سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ ان دشمنی تو حضرت محمد صلعم اور ان کے رشتہ داروں سے تھی جنہوں نے مکہ کے تقدس کو پاٹنا لیا۔ حضرت حمزہؓ سے وہ نمٹ چکے تھے۔ اگلی دفعہ وہ حضرت محمدؐ، حضرت عمرؓ یا ابو بکرؓ میں سے کسی پر قابو پاسکتے تھے۔ مزید برآں وہ مدینے کے شہر میں اپنی سپاہ لے کر داخل ہونے کے خیال کو اٹھائے بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ مبادا انہیں گھیرے میں لے لیا جائے اور وہ اپنے مرکز سے کٹ رہ جائیں۔ پھر وہ بہت تھکے ہوئے بھی تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اونٹوں کو بار کیا اور آہستہ آہستہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اسی وقت حضرت محمد صلعم بھی اپنی بچی کھچی مختصر سی فوج کو لے کر مدینے واپس آ گئے۔ شہر گلیاں عورتوں کے بین سے گونج رہی تھیں جن کے شوہر باپ۔ بیٹے یا بھائی اس لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ آپ نے انہیں ایسا کرنے سے روکا۔ اور سیدھے اپنے مکان پر پہنچے جہاں عائشہؓ تھیں۔ اور حضرت سوداؓ آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ انہوں نے نہایت آرام سے آپ کے زخم صاف کئے۔ کھانا پیش کیا اور صاف کپڑے بدلوائے، اس وقت آپ نے بہت بات چیت کی۔ آپ تھکے ہوئے تھے اور بڑی تکلیف محسوس کر رہے تھے لیکن آپ ہرگز بدلے یا یوس نہیں ہوئے تھے۔ کئی گھنٹے گہری نیند کے بعد آپ پھر تازہ دم ہو گئے اور دوبارہ ہتھیار لگائے۔

لے آنحضورؐ کا خیال بالکل درست تھا جیسا کہ بعد کے واقعات بتاتے ہیں ابوسفیان مدینہ سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر رواجہ کے مقام پر ٹھہر کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا اور اگر آپ اس کا تعاقب نہ کرتے اور وہ مسلمانوں کے جوش و جذبے سے خوفزدہ نہ ہو جاتا تو پلٹ کر بے خبری میں مدینے پر حملہ کرنا یقینی تھا۔

۱۔ بلالؓ کو بلا کر آپؐ نے حکم دیا کہ لوگوں کو مسجد میں بلانے کے لئے اذان دیں۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے اور نماز ختم ہو گئی تو آپؐ نے اعلان کیا کہ آپؐ فوری طور پر قریشیوں کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں اور ابھی لوگوں کی حیرانی دور نہ ہونے پائی تھی کہ آپؐ اُحد لڑنے والی سپاہ کے باقی ماندہ مجاہدین کو لے کر شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔

جنگ کے دوسرے روز رات کا اندھیرا ہوتے ہوتے اسلامی لشکر نے قریش کی فوج کو جالیہ پہاڑ کے قریب کے لشکر سے کچھ فاصلے پر پھٹرنے کا حکم دیا اور رات کو پڑاؤ کیا جب تاریکی پھیل گئی تو آپؐ کے حکم سے دشمن کے کیمپ کے متوازی اونچی ٹیکریوں پر سینکڑوں جگہ پڑاؤ کی آگ روشن کی گئی۔ نتیجہ بالکل آپؐ کی منشاء کے مطابق نکلا۔ ابوسفیانؓ یہ سمجھا کہ حضرت محمدؐ نے مدینہ سے مزید فوج اکٹھی کی ہے اور اب وہ اُحد کا بدلہ لینے آ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ ڈیرہ ڈنڈا اٹھا کر جنوب کی سمت بیزی سے روانہ ہو گیا اور جب تک مکہ نہ پہنچ گیا اور تفصیل کے اندر داخل نہ ہو گیا اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھا۔ جب آپؐ مطمئن ہو گئے کہ آپؐ کی چال پوری طرح کامیاب ہو گئی ہے تو آپؐ پلٹے اور تیزی سے مدینہ آ گئے اور لوگوں کو باور کرا دیا کہ اہل قریش اب بھی اتنے ہی بزدل ہیں جتنا کہ جنگ بدر میں تھے۔ غالباً یہ کارنامہ حضرت محمدؐ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ آپؐ نے یہ

۲۔ عام روایات کے مطابق ریشم بن ابی ہریرہؓ آپؐ کو مدینہ سے نکلے اور جنگ اُحد، شوال ۳ھ بروز ہفتہ ہوئی لیکن طبری نے عکرمہ بن ابی جہل سے بھی ایک روایت کی ہے کہ جنگ ۱۵ شوال کو ہوئی اور ۱۶ شوال کو آنحضرتؐ قریش کے تعاقب میں نکلے۔ دن وہی ہفتہ کا تھا۔

۳۔ طبری اور علامہ شبلی کے بیان کے مطابق آپؐ نے صرف حمراء الاسد تک تعاقب کیا جو مدینہ سے آٹھ میل ہے اور تین روز وہاں قیام کیا کیونکہ ابوسفیانؓ تھوڑے ہی فاصلے پر رواحہ یارو حایں مقیم تھا اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا لیکن جب اسے عبدالغزاؓ سے آنحضرتؐ کے تعاقب اور تیاری کے متعلق معلوم ہوا تو فوری طور پر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آنحضرتؐ بھی مدینہ واپس آ گئے۔ آپؐ کے اس تعاقب اور حوصلے نے قریش کو دل شکستہ کر دیا اور وہ مرعوب ہو کر مکہ چلے گئے۔

۴۔ آپؐ نے قریش کے لشکر کے نزدیک پہنچ کر پانچ سو جگہ پڑاؤ کی آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ (طبقات ابن سعد)

قدم اٹھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ آپ کو انسانی نفسیات کو سمجھنے اور اس کے مطابق لوگوں سے کام لینے کا کتنا زبردست ملکہ حاصل تھا۔

حضرت محمدؐ کو اُحد پر بڑی بڑی ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ گو اس میں ان کی اپنی کوئی غلطی نہیں تھی اور یہ آپؐ کے احکام کی نافرمانی کا نتیجہ تھا لیکن بہر صورت آپؐ ہار گئے تھے اور لوگوں کی نظروں میں بحیثیت پیغمبر آپؐ کا وقار کچھ گر گیا تھا اور اگر آپؐ شکست تسلیم کر لیتے تو مزید گرنے کا احتمال تھا چنانچہ آپؐ نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پہلے کہ عورتیں ان کے سپاہیوں کے گرد جمع ہو کر بے سرو پا باتیں بنائیں آپؐ نے ان کو صف آرائی کا حکم دے دیا حالانکہ آپؐ زخمی تھے، جسم میں اکڑاؤ تھا بہت تھکے ہوئے تھے اور آپؐ کی عمر بھی چھپن سال کی ہو چکی تھی لیکن آپؐ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اس طرح روانہ ہوئے گویا آپؐ کسی ہارے ہوئے اور پست ہمت دشمن کے تعاقب میں جارہے ہوں یہ ایک بے مثال جنگی چال اور شاندار نفسیاتی فن تھا جو ایک تباہ شدہ فوج کا حوصلہ بحال کرنے کے لئے کسی بڑے سے بڑے جنرل کے ذہن میں بھی شاید ہی کبھی آیا ہو۔

چنانچہ جب آپؐ مدینہ لوٹے تو نہ آپؐ نے آرام کیا اور نہ ہی کسی شکست خوردگی کا مظاہرہ کیا بلکہ اس کے برخلاف آپؐ نے ایک تحکمانہ بلکہ تہدید آمیز رویہ اختیار کیا۔ شکرانے کی غائز پر ہی آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور تقریر کی۔ آپؐ نے لوگوں کو بتایا کہ اُحد میں جو کچھ ہوا اس کی سبب یہ ہے کہ ابھی آپ لوگوں نے اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرنا نہیں سیکھا۔ اگر آپؐ یہ سمجھ لیتے کہ میرے احکام اللہ تعالیٰ کے احکام تھے اور اگر آپ ان کی پوری تعمیل کرتے تو یقینی طور پر فتح آپؐ کی ہی ہوتی۔ بالکل اسی طرح جیسے بدر میں ہوا تھا۔ آپؐ نے کچھ توقف کیا اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ اہم پیغام سنایا جو اس سے پہلے کبھی پیش نہیں کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کتنی بھی امداد کیوں نہ کرے۔ میری حیثیت آپؐ ہی کی طرح کے ایک انسان سے زیادہ کچھ نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا ایک ترجمان اور پیغمبر منتخب کیا ہے لیکن اس سے میں الوہیت کا حامل اور لافانی نہیں ہو گیا۔ آپؐ نے ایک مرتبہ پھر ان سے درخواست کی کہ وہ اس حقیقت کو جان لیں کیونکہ جنگ کے میدان میں دیکھا گیا کہ جو

موت کی افواہ پھیلی تو آپ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ
 مجھے موت بھی آجائے تب بھی آپ کے نصب العین میں کوئی فرق نہیں آنا چاہئے۔ آخر کبھی نہ کبھی تو
 موت آنی ہے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا آپ لوگ جو یہاں جمع ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے
 امت کا وعدہ صرف اس وقت تک کیا ہے جب تک آپ کا قائد اور اللہ کا رسول زندہ ہے۔ آخر
 مایکوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔“

پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا وہ حکم سنایا جو قرآن کریم کی تیسری سورۃ میں موجود ہے۔
 ”وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وسیجری اللہ
 الشاکرین“

جمہ ۶ اور محمد تو ایک رسول سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر
 چکے ہیں پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں۔
 اور جو کوئی پھر جاوے گا الٹے پاؤں وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ ایمان
 لانے والوں اور شکر کرنے والوں پر یقینی طور پر انعام کرے گا۔“
 خطبہ ختم کر کے حضرت محمد منبر سے اترے اور آہستہ آہستہ لوگوں کی خاموش صفوں میں سے
 نذرے۔ ایک سال پہلے یہ لوگ بڑا مال غنیمت ہاتھ لگنے کی خوشی منا رہے تھے لیکن آج وہ زیادہ
 بخیدہ تھے لیکن شاید یہ جان کر دل میں زیادہ خوش ہوں گے کہ خواہ مال غنیمت ملے یا نہ ملے وہ
 اب ایک ایسے قائد کے ساتھ ہیں جو کبھی ان کی سبکی یا بے عزتی نہیں ہونے دے گا۔

تیرھواں باب

مدینہ کا محاصرہ

غزوہ خندق - ذیقعد ۵ ہجری - مطابق ۶۲۷ عیسوی

مدینہ کے پس منظر میں حضرت محمدؐ عورتوں میں گھرے نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود
کی حاکمانہ اور روحانی زندگی پر خواتین کا کوئی اثر نہ تھا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کا آپؐ پر کافی
تھا، آپؐ ان کی صحبت میں خوش رہتے تھے اور وہ آپؐ کے لئے باعث آرام و سکون بھی تھیں
لیکن انہیں آپؐ کے سیاسی، انتظامی یا دینی معاملات میں کوئی دخل نہ تھا۔ ۶۲۶ء اور ۶۲۷ء
میں شادیوں کے اس تسلسل سے نہ تو حضرت محمدؐ نے خواتین کے خیال کو اپنے اوپر غالب آنے
اور نہ ہی ان کے باعث آپؐ کے مزاج یا طبیعت میں کوئی کمزوری واقع ہوئی جب بھی ضرورت
پڑتی آپؐ ہر وقت اپنے لوگوں کی قیادت تنظیم اور حوصلہ بڑھانے کے لئے موجود رہتے۔
۶۲۷ء میں خبر ملی کہ اہل مکہ پھر لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ بدر پر اپنا مقصد حاصل

لے جنرل گلبن نے اپنی کتاب THE GREAT ARAB CONQUESTS (عربوں کی عظیم فتوحات) میں فروری ۱۹۰۷ء
لکھا ہے۔ طبقات ابن سعد جز ثانی اور سیرۃ النبی جلد اول میں لکھا ہے کہ غزوہ خندق ذیقعد ۵ھ میں ہوا۔ سیرۃ
کے بیان کے مطابق جنگ احزاب میں مدینہ کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ جاری رہا اور اس کے فوراً بعد مسلمانوں نے بنو قریظہ کو پچیس
یا تقریباً ایک ماہ محصور رکھا۔ طبقات میں بھی دونوں غزوات کی مدت تقریباً ڈیڑھ دو ماہ کے لگ بھگ لکھی ہے لیکن ساتھ ہی
دثوق سے لکھا ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ ۵ھ کو یہودیوں (بنو قریظہ) کی گردنیں ماری گئیں اور اس غزوہ سے فارغ ہو کر
نے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو قربانیاں دیں۔ ان بیانات کے مطابق ان غزوات میں ڈیڑھ دو ماہ سے کم عرصہ نہیں لگا اور اس
غزوہ خندق ۸ ذیقعد کی بجائے نصف شوال کے بعد کے ایام میں شروع ہونا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جنرل
کی یہ ایک تصحیح ہے کہ عرب مورخین تاریخوں کے تعین میں کبھی صحت اور یقین سے کام نہیں لیتے۔ اسی لئے بعد
مورخین اور سیرت نگاروں نے بھی صرف مدینہ یا سال ہی لکھا ہے۔ (مترجم)

تھے لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ حضرت محمدؐ سے اپنے جھگڑے کو بھول گئے تھے پچھلی سردیوں
 بوسفیان ایک بڑا لشکر تیار کرنے میں مصروف رہا تھا۔ اتنا طاقتور کہ کامیابی یقینی ہو جائے۔ اس
 اپنے ساتھ بنو غطفان کو بھی ملا لیا تھا جو صحرائے عرب کا ایک مشہور جنگجو قبیلہ تھا۔ اور بنو نضیر
 دی قبیلہ جسے آپؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا، کے ان لوگوں کو بھی اپنا حلیف بنا لیا تھا جو
 میں جا بے تھے۔ آگے اپنی باری میں ان لوگوں نے دوسرے یہودیوں کو اپنے ساتھ شامل کر
 فاتا کہ وہ ملک کو اس یہود دشمن اور تباہی لانے والے مصلح دین سے نجات دلا سکیں 'نور بالہ'
 سرے خانہ بدوش گروہ بھی جن پر مسلمانوں نے حملے کئے تھے، قریش کے جھنڈے تلے جمع
 کئے چنانچہ جب ابوسفیان نے مکہ سے باہر لشکر کو آراستہ کیا تو اسے معلوم ہوا کہ تعداد دس ہزار
 پہنچ گئی تھی۔ تقریباً ہر شخص کے پاس اس کا اپنا اونٹ تھا۔ تین سو گھوڑے سوار تھے۔ اور
 دسے چند ہی ایسے لوگ تھے جن کے پاس زرہ نہ تھی جب ابوسفیان نے آنکھوں میں ان چکا
 پیدا کرنے والی صفوں میں گشت لگایا تو بڑا فخر اور اعتماد محسوس کیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں
 نیا ہی میں صرف میدان جنگ میں ان سے ڈبھیر کی دیر تھی لیکن حقیقت میں یہ ہی وہ بات تھی جس
 حضرت محمدؐ بچنا چاہتے تھے۔

حضرت محمدؐ کے لشکر کی تعداد بھی اب بڑھ کر تین ہزار تک پہنچ گئی تھی لیکن اب بھی آپؐ کے
 اسلحہ کی بڑی کمی تھی۔ آپؐ کا رسالہ نہ تو تربیت یافتہ تھا۔ اور نہ ہی تعداد میں پچاس سواروں سے

حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کے لئے قریش کو یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سرداروں نے آمادہ کیا جنہیں آنحضرتؐ نے ان کی عمدہ شکیں
 بسبب مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا اور وہ خیبر میں جا بے تھے۔ قریش کو اس نے بعد پلچ دے کر بنو غطفان کو بھی ساتھ
 لایا۔ بنو غطفان کے حلیف تھے اور بنو سعد یہودیوں کے۔ اور بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی۔ اس طرح مسلمانوں کی
 مالت فوج میں قریش کے علاوہ بنو نضیر، بنو غطفان، بنو اسد اور بنو سلیم کے لشکر شامل تھے جن کی تعداد دس ہزار تھی۔
 اس کے علاوہ مدینہ کا یہودی قبیلہ بنو قریظہ بھی عین جنگ کے دوران حجازی بنو خطیب، سردار بنو نضیر کی سازش سے ہڈکنی
 رکے دشمنوں سے مل گیا اور ہیر دنی حملہ آوروں کے علاوہ مسلمانوں کو اس اندرونی دشمن کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ ابوسفیان
 اس ساری فوج کا سپہ سالار تھا۔ (سیرت النبی - جلد اول)

زیادہ تھا۔ شروع میں دو کے مقابلے میں اب پچاس سوار ہو جانے لگے تو بڑی بات تھی لیکن صرف کافی نہ تھا۔ ابھی سارے لشکر کی سواری کے لئے اونٹوں کی بڑی کمی تھی۔ ان خامیوں کے علاوہ مسلمانوں کے خلاف ہو جانے کی صورت میں وہاں پر عبداللہ بن ابی مسلمانوں کی پشت میں چھرا گھونڈنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ اور ان یہودیوں کے متعلق جو مدینہ میں رہ گئے تھے یہ شک نہ کرنے کا تو سوال نہ تھا کہ وہ حضرت محمدؐ سے کئے ہوئے عہد پر قائم رہیں گے۔

علاوہ ازیں کچھ لوگوں کے تحت الشوریہ میں احد کی شکست فاش کی یاد ابھی تک تازہ اور اس سبب سے کچھ پشت جو صلی تھی۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر مدینہ سے باہر جا کر اپنے بہت بڑے اور بہتر طور پر مسلح لشکر سے مقابلہ کرنا سراسر بیوقوفی تھی۔ اس کی متبادل صورت یہ کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے لیکن یہ بھی اتنا آسان نہ تھا۔

شہر کے بیرونی کنارے پر کافی دور تک مکانات ایک ہی قطار میں ایک دوسرے سے اس قدر ملے ہوئے تھے کہ یہ ایک نہ ٹوٹنے والی فصیل کا کام دیتے تھے۔ شمالی راستوں کی حفاظت عمودی چٹان کی ایک دیوار کر رہی تھی۔ بنو قریظہ یہودیوں کا واحد قبیلہ جو اب مدینہ میں رہ گیا تھا حضرت محمدؐ کے لیے اس کا محافظ تھا۔ ان کے پاس ایک چھوٹا مگر مضبوط قلعہ بھی تھا جسے سرکے بغیر دشمن شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا وہ اس کا دفاع کریں گے۔ حضرت محمدؐ کو اس کا صحیح علم نہ تھا۔ ایسا قیاس کرنے پر مجبور تھے اور آپؐ انہیں یہ ہی تاثر دینا چاہتے تھے کہ آپؐ کو ان پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت فوری مسئلہ شہر کی جنوب اور جنوب مشرقی اطراف کا تھا جو غیر محفوظ تھیں اور جس طرف کے بازار اور گلیاں شہر کے بیرون میں باغات تک چلے گئے تھے۔ شہر کا یہ حصہ ایک زوردار حملے سے بچا جاسکتا تھا اور اس طرح باقی اطراف کی حفاظتی تدابیر بیکار ہو کر رہ جاتی تھیں۔

اور یہ حضرت سلمان فارسیؓ تھے جنہوں نے اس مشکل مسئلہ کو حل کر دیا جو عربوں کو بھیر پریشان

لے بنو قریظہ کا آنحضرتؐ سے معاہدہ تھا۔ اس لئے یہ لوگ بنو قیناع اور بنو نضیر کے جلاوطن ہو جانے سے بھی تاحال مدینہ میں رہائش پذیر تھے

لے لادنے کی چٹانی دیواریں مشرق اور مغرب کی طرف تھیں لے اصل میں شمالی اطراف کھلی تھیں اور ادھر ہی خندق بنائی گئی۔ (نقشہ ۱۳) اور ادھر ہی سے حملہ ہوا۔

رہا تھا۔ سلمان پہلے ایک عیسائی غلام تھے جنہیں شروع میں ایک یہودی مدینہ لے آیا تھا۔ اسلام آنے کے سبب آپ کو غلامی سے نجات مل گئی اور آپ حضرت محمدؐ کے ایک جاں نثار پیرو بن گئے۔ بنانچہ جب آپ کو یہ موقع ملا کہ ان احسانات کے عوض جو اسلام نے آپ پر کئے تھے، آپ کوئی خدمت بحالائیں تو آپ نے بلا پس و پیش ایک تجویز پیش کی۔ اپنے ملک (ایران) میں بھی اور عراق میں آپ کو منع بند اور محصور ہو کر لڑنے کا تجربہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ کے لئے یہ تجویز کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ شہر کے کھلی طرف ایک چوڑی اور گہری خندق کھود لی جائے۔

بظاہر یہ ایک بڑی آسان اور سادہ سی تجویز تھی اور یہ تجویز کوئی بھی بتا سکتا تھا لیکن عربوں کے لئے جو ہمیشہ سے دست بدست جنگ کے عادی تھے یہ ایک بالکل نئی بات تھی اور لڑنے کا یہ ایک ایسا انوکھا اور غیر معمولی طریقہ کار تھا کہ آپ کے رخصتا کا پہلا رد عمل یہ تھا کہ ایسا کرنا بزدلی ہوگی لیکن حضرت محمدؐ اپنے شہر کے بچاؤ کے لئے ہر ممکن تدبیر پر غور کرنے کے لئے مجبور تھے۔ آپ شہر کا دفاع بہت موثر طریقے سے کرنا چاہتے تھے اور چونکہ حالات کے پیش نظر یہ ہی ایک تجویز تھی جو معقول نظر آتی تھی اس لئے آپ نے اسے اختیار کر لیا۔

البتہ وقت بہت کم تھا۔ اہل قریش مکہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ گو لشکر کی تعداد زیادہ ہونے کے سبب ان کی رفتار سست تھی لیکن مدینہ کے حفاظتی مورچے چند روز کے اندر اندر تیار ہو جانا ضروری تھے۔ نہ کھدائی کا سامان موجود تھا اور نہ ہی کوئی انجنیئر اور نہ ہی ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے کبھی کوئی ایسا کام کیا ہو۔ خندق کی کھدائی کے متعلق اگر کوئی کچھ جانتا تھا تو وہ صرف سلمان تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دکھایا۔

حضرت محمدؐ کی رہنمائی میں کام شروع ہو گیا۔ سلمان ہدایات دیتے تھے اور ساتھ ساتھ مشورے دیتے اور درستی بھی کرتے جاتے تھے۔ ادھر حضرت محمدؐ بڑے زور شور سے خندق کھودنے، کدال چلانے اور مٹی باہر نکالنے کے کام میں ہمہ تن مصروف تھے۔ آپ کی کمرنگی تھی۔ بال شاؤں پر لہرا رہے تھے۔ ڈاڑھی سینے کو چھو رہی تھی اور آپ الفاظ سے، اشعار سے اور خود کام کرنے کی مثال پیش کر کے اپنے لوگوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ آہستہ آہستہ مدینہ کی غیر محفوظ اطراف میں ایک گہری اور اتنی چوڑی خندق بھری گھوڑا نہ کو دیکے بنتی چلی گئی اور جب ابوسفیان کے پہلے مخبر سپاہی قریب کی پہاڑیوں پر نمودار ہوئے

تو خندق تیار ہو چکی تھی۔

حضرت محمدؐ اور آپ کے صحابہ نے اپنے آپ کو مسلح کیا اور تین ہزار سپاہ کو لے کر خندق کے پیچھے مورچے سنبھال لئے۔ اشد ضرورت کے لئے نئے قائم شدہ سوار دستے کو قلب لشکر میں بطور محفوظ دستہ رکھا گیا اور اس سے پہلے کہ دشمن مدینے کے میدان میں نمودار ہو مخا فظین حملہ روکنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

قریش نے بھی شہر کے دفاع کے اس نئے طریقہ کار کے متعلق کبھی نہیں سنا تھا جس طرح مسلمان ایک ہفتہ پیشتر اس سے لاعلم تھے۔ چنانچہ مدینے کی سپاہ کو کچلنے کے لئے وہ پورے لشکر کے ساتھ بڑھتے چلے آئے جو دیکھنے میں ان کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ وہ حیران رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا راستہ ایک خندق نے روک لیا ہے جس کے پیچھے سے مسلمان تیر انداز بالکل قریب سے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گئے اور ان کے تیروں کی زد سے کافی دور اپنے پرے جمائے۔

چند روز تک دونوں لشکر ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ قریش نے جنگ کا یہ نیا طریقہ کار اختیار کرنے پر مسلمانوں پر بڑی طعنہ زنی اور دشنام طرازی کی اور اسے مردانگی کے خلاف بتایا۔ مسلمان ان باتوں کا جواب تیروں کی بارش اور سنگباری سے دیتے رہے لیکن کسی طرف سے اصل

لے طبقات ابن سعد (جز ثانی) میں ابراہم بن عاذب سے روایت کی گئی ہے اور شبلی بھی سیرت النبی میں یہ ہی لکھتے ہیں کہ اعراب میں رسول اللہؐ مٹی ڈھورہے تھے۔ شکم مبارک پر گرد پڑی ہوئی تھی اور آپؐ اشعار پڑھ رہے تھے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ عجیب منظر تھا۔ جاڑے کی راہیں تھیں اور تین تین دن کے فاقے لیکن آپؐ مہاجرین و انصار کے ساتھ مٹی خندق سے باہر پھینک رہے تھے اور وہ لوگ جوش محبت میں کہتے جاتے تھے۔
نَحْنُ الَّذِي بَالِغُوا مُحَمَّدًا - عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا

اے آنحضرتؐ نے خندق کے حدود خود قائم کئے۔ داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں کو دس دس گز زمین کھدائی کے لئے تقسیم کی۔ خندق کی گہرائی پانچ گز تھی۔ تین ہزار افراد نے بیس دن میں تیاری کی۔ (سیرت النبی) چوڑائی کے متعلق کہیں واضح طور پر نہیں لکھا گیا لیکن صرف چند چٹانی جگہوں کو چھوڑ کر ساری خندق اتنی چوڑی تھی کہ گھوڑے نہیں کود سکتا تھا اور ناقابل تسخیر تھی (مصنف) (نقشہ ۱۳) صاحب "حیات محمد" لکھتے ہیں کہ رات دن کی مسلسل محنت سے مسلمانوں نے خندق کی کھدائی پھر روزیں مکمل کر لی تھی۔

مطانی کی نوبت نہیں آئی۔

ابوسفیان نے جیسے توقع تھی کہ وہ حضرت محمدؐ کو ایک دن میں شکست دے دے گا اور دس روز کے اندر اندر مکہ واپس پہنچ جائے گا اس تاخیر پر بہت ہیچ و تاب کھایا۔ اس نے اپنے معاونین کو یقین دلایا تھا کہ انہیں بہت جلد اور بغیر کسی دقت کے ال غنیمت ملے گا اور اب وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس تعطل کی ساری ذمہ داری اس پر ڈالی جا رہی ہے۔ وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اس کی صفوں میں بے اطمینانی اور پست حوصلگی پھیلنا شروع ہو گئی ہے اور اگر ایک مرتبہ اس بے اطمینانی نے قدم بٹالے تو فوج کا وہ حصہ جو صرف لوٹ میں حصہ بٹانے کے خیال سے ساتھ آگیا تھا اپنی چوگا ہوں کو وٹ جائے گا اور وہ حضرت محمدؐ کے جھگڑے کو فراموش کر دیں گے۔

چونکہ خندق واضح طور پر ناقابل تسخیر تھی اس لئے اب حملے کے لئے کوئی اور طریقہ کار اختیار کرنا ضروری تھا۔ حضرت محمدؐ کا سب سے کمزور مورچہ آپ کے عقب میں یہودیوں کا قلعہ تھا۔ کیونکہ اگر زریش کسی صورت سے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملا لیں تو خندق کی اہمیت ختم ہو جاتی تھی۔

شروع شروع میں تو یہودی ابوسفیان کی کسی تجویز یا ترغیب کو سننے کو تیار نہ ہوئے لیکن کچھ دیر بعد سمجھوتہ ہو گیا۔ اور وہ کسی مناسب موقع پر مسلمانوں سے بدعہدی کرنے پر رضامند ہو گئے۔ جلدی ہی یہ خبر حضرت محمدؐ تک بھی پہنچ گئی۔ آپؐ فوراً سمجھ گئے کہ اس فداکاری کے سبب آپؐ کے اپنے لئے اور آپؐ کی سپاہ کے لئے صورت حال کس قدر خراب ہو جائے گی۔ آپؐ نے فوراً اپنے بیٹن کو بلایا اور بتایا کہ صورت حال کیا ہو گئی ہے۔ کیونکہ کسی کے پاس کوئی قابل عمل تجویز نہ تھی اس لئے آپؐ ہی بولتے رہے۔ آپؐ نے کہا کہ مکہ کے لشکر میں غطفانی لوگ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

لے قلعہ بنو قریظہ (نقشہ ۱۳)

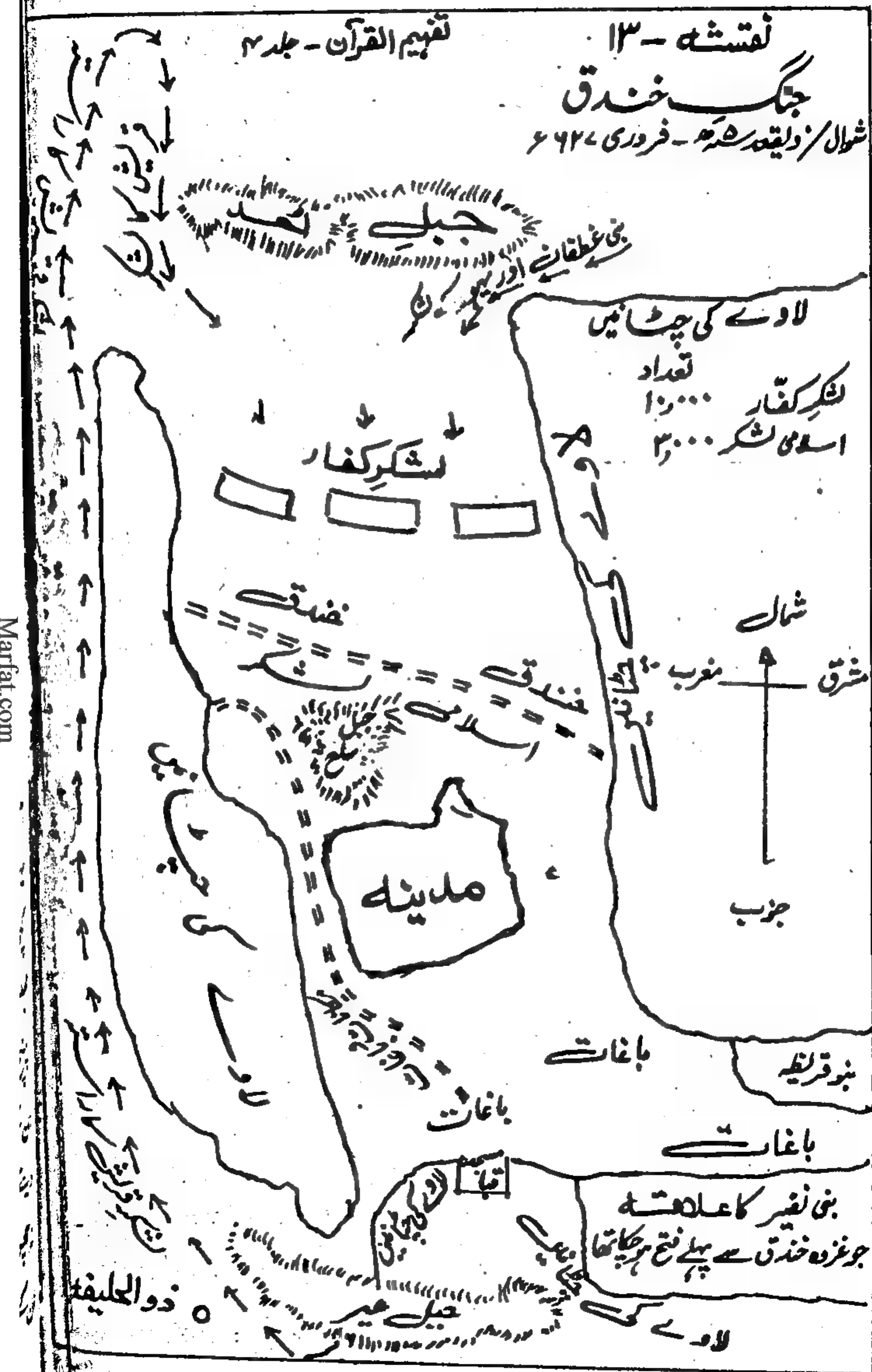
ابوسفیان نے بنو نضیر وہ یہودی قبیلہ جو مدینے سے جلا وطن کر دیا گیا تھا کے سردار حنی بن اخطب کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا۔ بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے شروع میں طے سے انکار کیا لیکن بعد میں حنی بن اخطب کی باتوں میں اگر عہد شکنی کو تیار ہو گیا۔ (طبری) معاہدہ توڑ کر یہودی بھی قریش کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا جن میں مسلمان عورتیں اور بچے پناہ گزین تھے۔ (سیرت النبی)

نقشہ - ۱۳

جنگ خندق

شوال / ولیمہ شہید - فروری ۱۹۷۷ء

تفہیم القرآن - جلد ۴



اس لئے یہ مناسب ہوگا کہ ان کو مدینہ کی کھجوروں کی فصل کے تیسرے حصے کا لالچ دے کر ابو سفیان سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ تجویز کو خاموشی سے سنا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت محمدؐ نے کھلے طور پر وقت کی بجائے کسی اور ذریعہ سے صورت حال کو قابو میں لانے کی تجویز کی تھی۔ مدینہ کے قبیلے بنی ادس کے سردار سعد بن معاذؓ نے بولنے میں پہل کی اور دریافت کیا: ”آپؐ یہ تجویز اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں یا یہ صرف آپؐ کا اپنا خیال ہے؟“ چونکہ آپؐ کے اپنے خیال میں بھی یہ تجویز زیادہ معقول نہ تھی اس لئے آپؐ نے فرمایا: ”اگر یہ حکم الہی ہوتا تو میں آپؐ لوگوں سے مشورہ نہ کرتا۔ بہر حال ہم ایک آفت میں گھر گئے ہیں اور یہ اس سے بچ نکلنے کا ایک راستہ ہے۔“

سعدؓ نے اپنا سر نفی میں ہلایا اور بلند آواز سے کہا ”یا رسول اللہ جب ہم عطفاتیوں کی طرح بت پرست تھے اس وقت بھی وہ ہم سے مدینہ کی کھجور بغیر قیمت ادا کئے نہ لے سکے تو کیا اب جبکہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور آپؐ کی قیادت میں ہیں انہیں یہ مفت دے دیں گے، خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اور اگر وہ ہماری کھجور حاصل کرنے کے درپے ہی ہیں تو وہ صرف تلوار کے ذریعہ ہی لے سکتے ہیں۔“

سعدؓ سے کسی نے اختلاف نہ کیا اور اس طرح یہ تجویز مسترد ہو گئی۔ سعدؓ نے مزید کہا — بنو قریظہ کی غداری ابھی تک صرف ایک افواہ ہے۔ میں خود اور میرا قبیلہ بہت سالوں تک ان یہودیوں سے کاروبار میں شراکت کرتے رہے ہیں اور کبھی کوئی شکایت کا موقعہ نہیں آیا۔ اس لئے کچھ اور کرنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ بنو قریظہ کا عندیہ معلوم کیا جائے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ جنگی مجلس سے باہر نکل آئے اور سوار ہو کر اپنے سابقہ شرکاٹے کار یہودیوں سے ملنے چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر ان کے اکابر کو اپنے طور پر دوستانہ بات چیت کے لئے بلایا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ ان کے جواب سے ان تمام باتوں کی تصدیق ہو گئی جس کا حضرت محمدؐ کو ڈر تھا۔ حضرت سعدؓ کو جواب دیئے بغیر انہوں نے عہد شکنی کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ انہوں نے کہا: ”محمدؐ کون ہوتے ہیں اور پیغمبر خدا ہے کون جس کی ہم اطاعت کریں؟ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ یا عہد و پیمان نہیں ہے۔“

حضرت سعدؓ حضرت محمدؐ کے بیڈ کو ارٹھ کی طرف لوٹ آئے اور سوچ رہے تھے کہ ان کے

عطفانیوں کو کھجور کا لالچ دینے کی تجویز کا مذاق اڑانے میں کہاں تک معقولیت تھی۔ ادھر یہودیوں نے جو جواب دیا وہ جتنا غلط تھا اتنا ہی باغیانہ تھا لیکن اس قسم کی باتیں سوچنے سے اس وقت مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوگا۔ بہر حال ان باتوں پر سوچ بچار کرنے کا ان کے پاس وقت نہ تھا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ اگلی صفوں میں لڑائی کا غلغلہ تھا اور پچھل چلی ہوئی تھی۔

شہر حوالے کرنے کے لئے بنو قریظہ کے فیصلے کے انتظار کے دوران ہی ابوسفیان نے خندق پر ایک بڑا حملہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ تین قریش جنگجو حکمران بن ابوجہل، حضرت خدیجہؓ کے ایک چچا عمرو بن عبدود، اور نوفل جو جنگ بدر سے پہلے پناہ کے مہینے کے دوران عبداللہ بن جحش کے حملے کا نشانہ بننے والے مشہور قافلے کے سالار تھے، اپنے گھوڑے کودا کر ایک جگہ سے خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے کچھ اور لوگ بھی خندق کے اس طرف آگئے تھے۔ یہ حضرت محمدؐ اور ان کے لوگوں کے لئے بڑا نازک لمحہ تھا اور یہ شکست کا موجب بھی ہو سکتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ ہر اس پھیلے حضرت علیؑ اور چند دوسرے شمشیر زنیوں نے حملہ آوروں کو ان کے دوسرے ساتھیوں سے علیحدہ کر کے زرخ میں لے لیا۔ اسی وقت حضرت محمدؐ نے خطرے کی جگہ ملک بھیج دی۔ طرفین میں ذرا خاموشی رہی۔ اس کے بعد عمرو اور اس کے ساتھیوں نے ایک سے ایک کے مقابلے کا مطالبہ کیا۔

حضرت علیؑ فوراً آگے بڑھے اور عمرو کے مقابلے میں آگئے۔ جب بوڑھے جنگ آزمانے دیکھا

لے طلحات ابن سعد میں لکھا ہے کہ یہ لوگ حکمران بن ابوجہل، عمرو بن عبدود، نوفل بن عبداللہ، ضرار بن الخطاب (حضرت عمرؓ کے بھائی) اور مسیرہ بن ابی دہب تھے۔ عبدود کی عمر نوے سال ہو چکی تھی لیکن بہادری اور شجاعت میں ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس کو حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ علامہ شبلی نے سیرت ابنی میں اس معرکے کی پوری تفصیل دی ہے۔

لے جوہنی قریش کے کچھ سوار خندق پار کر کے مسلم صفوں کی طرف بڑھے۔ حضرت علیؑ نے چند مسلمانوں کو لے کر فوراً خندق کے اس حصے پر قبضہ کر لیا جہاں سے انہوں نے گھوڑے کودائے تھے اور ان کا واپسی کا راستہ بند کر دیا اور ان کو گھیرے میں لے لیا۔

کہ اس کے مقابلے میں کون ہے تو وہ ہنستا۔ وہ علیؑ کو بچپن سے جانتا تھا اور ابھی تک انہیں بچہ ہی سمجھتا تھا۔ لیکن علیؑ بالکل نہ ڈرے۔ اور علیؑ دشمن پر جھپٹے جواب گھوڑے سے اتر کر ان کا منتظر تھا۔ اس نے بھاری بھر کم زرہ پہنی ہوئی تھی اور اس کی سفید ڈاڑھی چار آہٹنے پر لہر رہی تھی۔ کافی عمر ہونے کے باوجود وہ ابھی تک ایک نامی گرامی شمشیر زن گنا جاتا تھا۔ حضرت علیؑ نے جلد ہی یہ بات بھانپ لی کیونکہ بھرپور حملوں اور اپنی تیزی اور پھرتی کے باوجود اس نے آپؐ کو قریب نہ پھٹکنے دیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ ہار جائیں گے۔ جلدی ہی آپؐ اس کے تاہڑ توڑ اور بجلی ایسی تیزی کے حملوں کو روکتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ شیر عربؐ (حضرت علیؑ) کا خاتمہ قریب ہے لیکن اس نازک لمحہ میں کہ حضرت علیؑ اپنے بچاؤ کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہے تھے۔ عروہ نے محسوس کیا کہ کوئی اس کی پشت سے حملہ کر رہا ہے اور اس نے سر گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اس میں شاید ایک لمحے سے زیادہ نہ لگا ہو لیکن حضرت علیؑ کے لئے یہ بہت کافی تھا آپؐ فوراً جھپٹے اور جھک کر اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی ایک ٹانگ کاٹ ڈالی۔ نامور قریش ایک لمحہ ٹھٹکا اور ایک ٹانگ پر لڑکھڑاتے ہوئے علیؑ اور اس کے خاندان کو بڑا کھلا کہا۔ پھر اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کو اٹھا کر اپنی پوری طاقت سے حضرت علیؑ پر دے مارا۔ یہ اس کا آخری وار تھا۔ اس ضرب سے علیؑ اس ہو کر رہ گئے لیکن دوسرے ہی لمحے آپؐ سنبھل گئے اور اپنی تلوار عروہ کے جسم میں اتار دی۔

اسی اثنائیں دوسرے مقابلے بھی ہو رہے تھے۔ سعد بن معاذ زخمی ہو گئے۔ اور نوفل بن عبد منافؓ پیچھے ہٹتے ہوئے خندق میں جاگرا۔ حضرت خدیجہؓ کے ایک اور بھتیجے حضرت زبیر بن عوامؓ اس کے پیچھے خندق میں کودے اور اس کا سر کاٹ لیا۔ عکرمہ بن جحش کا ایک زخم کھا کر خندق کے دوسرے کنارے واپس جانے میں کامیاب ہو گیا۔ دوسرے لوگوں میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ زخمی کر رکھے گئے۔ بہر صورت مدینہ کی لڑائی کے اس واحد دست بدست معرکے میں مسلمان فتح یاب رہے۔

بایں ہمہ ابوسفیانؓ اس سے مایوس نہیں ہوا۔ اس کے خیال میں اگر چند لوگ خندق پار

کر سکتے تھے تو باقی بہت سے بھی کر سکتے تھے چنانچہ اس وقت سے اس نے دن اور رات مسلمانوں کی صفوں پر مسلسل حملے جاری رکھے۔ کبھی رسالے کے کچھ سوار خندق کے تنگ حصے پر لیٹ کر رہتے۔ کبھی کچھ تیر انداز رات کے اندھیرے میں بڑھ کر خندق کے کسی اور حصے پر پہنچ جاتے اور دشمن کی صفوں پر تیر اندازی کرتے اور اس سے پہلے کہ کوئی جوابی کارروائی ہو وہاں سے پیچھے ہٹ جاتے۔ خندق کے کنارے کہیں نہ کہیں مسلسل طور پر کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ دفاع کرنے والوں کو نماز پڑھنے کا وقت بھی نہ ملتا تھا۔ اس سے حضرت محمدؐ کو بہت پریشانی ہوتی تھی اور جب بھی موقع ملتا آپؐ جتنے آدمی بھی اکٹھے ہو سکتے جمع کرتے اور مورچوں کے پیچھے نماز ادا کر لیتے لیکن اس پر بھی نماز بہت مختصر کرنا پڑتی اور کمر لگائے لگائے ہی ادا کی جاتی۔ چنانچہ اعصاب پر ضرورت سے زیادہ بوجھ اور کھچاؤ اثر دکھانے لگا۔ سپاہ میں تھکاوٹ کے آثار نظر آنے لگے اور ایسا دکھائی دیتا تھا کہ اگر مکے والوں اور ان کے معاونین نے اپنے یہ پریشان کن حربے جاری رکھے تو مسلمان اتنے تھک جائیں گے کہ لڑنے کے قابل ہی نہ رہیں گے۔ علم قادیان کے لئے معتب سے یہودیوں کا خطرہ ایک اضافی پریشانی تھی۔ اب تک بنو قریظہ نے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ایک ایسے مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ کوئی بڑا خطرہ مول لئے بغیر لڑائی میں شریک ہو جائیں۔ ان کی یہ احتیاط ہی حضرت محمدؐ کو بچا گئی۔

چونکہ خندق کے دونوں طرف کے لوگ ایک ہی علاقے سے تعلق رکھتے تھے، کسی کی کوئی مخصوص وردی نہ تھی اور یہ کہ سب کے سب ایک ہی زبان بولتے تھے، جاسوسوں کے لئے کسی شبہ کے بغیر ادھر سے ادھر جانے آنے میں کوئی وقت نہ تھی۔ حضرت محمدؐ نے اس سے فائدہ

لے بڑے معرکے کے دن تو سارا دن نماز پڑھنے کا موقع نہ ملا اور رات کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں یکے بعد دیگرے قضا پڑھی گئیں۔ (طبقات ابن سعد - جز ثانی)

۲۔ سیرت النبی کے مطابق بنو قریظہ نے جنگ میں علانیہ شرکت کی اور ان قلعوں کا محاصرہ کر لیا جن میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے پناہ لئے ہوئے تھے اور ابوسفیان اور اس کے لشکر کے فرار کے بعد اپنے قلعہ میں واپس چلے گئے کیونکہ اب مسلمانوں سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

فانے کا فیصلہ کیا۔ اپنے صحابہ سے مشورہ کئے بغیر آپ نے کچھ لوگوں کو بنو قریظہ اور ابوسفیان سپاہ کے درمیان بد اعتمادی اور شکوک پیدا کرنے کے لئے بھیجا۔ اس کام کے انجام دینے کا ریکہ جتنا آسان تھا اتنا ہی موثر بھی تھا۔

بنی قریظہ کو خبردار کر دیا گیا کہ وہ پہلے اس کا تو اطمینان کر لیں کہ آیا واقعی ابوسفیان کی نیت ان سے اچھا سلوک کرنے کی ہے یا نہیں۔ اگر انہوں نے اس معاملے میں احتیاط نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اکیلے رہ جائیں۔ اور اہل مکہ تماشہ دیکھتے رہیں۔ جاسوسوں نے انہیں سمجھایا کہ عقیلندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں جو پھر واپس ہو سکے ابوسفیان سے ضمانت کے طور پر یہ غمالوں کا مطالبہ کریں۔

اسی طرح ابوسفیان اور اس کے جرنیلوں کو مشورہ دیا گیا کہ بنی قریظہ کا حضرت محمدؐ سے بد عہدی لانے یا ان کا ساتھ چھوڑنے کا کوئی ابادہ نہیں۔ اگر ان کو لڑنے کا حکم دیا جائے تو وہ اس سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لیں گے اور وہ ان سے ضرور یہ غمال طلب کریں گے۔ شکوک و بہات کے یہ بیج بو کر جاسوس مسلم کمیپ میں واپس آگئے اور ان کے پھوٹنے کا انتظار کرنے لگے۔

اب ہر بات حضرت محمدؐ کے ہاتھ میں تھی چنانچہ ابوسفیان نے یہودی سبت (ہفتہ سینچر) کے دن بڑا حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور جب بنو قریظہ سے امداد کی درخواست کی گئی تو انہوں نے

یہ یہ نعیم ابن مسعود ایک عطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے قریش اور یہودیوں سے علیحدہ علیحدہ باتیں کیں اور دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور شکوک پیدا کر کے پھوٹ ڈال دی۔ اور دونوں کا اشتراک پارہ پارہ کر دیا۔ (سیرت النبی)

سبت Sabbath یا ہفتہ کا دن یہودی کے ہاں مقدس ہوتا ہے اور وہ کوئی کام نہیں کرتے مذہبی طور پر اس روز لڑنا بھی منع ہے۔ اس لئے یہودیوں نے اس روز قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے اور لڑنے سے انکار کر دیا۔

جواب میں کہلا بھیجا کہ یہودیوں کے لئے سبت کے دن لڑنا منع ہے اور اس پیغام کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی بھیجی کہ اپنے سابقہ حلیفوں کے ساتھ لڑنے سے پہلے وہ چند اہل مکہ کو بطور پرغمال اپنے پاس رکھنا چاہیں گے۔

ابوسفیان پر اس مطالبے کا اثر ایسا ہوا جیسے اس پر برف کا پانی انڈیل دیا گیا ہو۔ اس نے عمل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے لشکر کے عقب اور بازوؤں کو دغا باز یہودیوں کے امکانی حملے اور محفوظ رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ اس نے اپنے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ اب مدینہ والوں کو شکست دینے کے لئے توقع سے کہیں زیادہ وقت لگے گا اور اس طرح پست حوصلگی خندق کے اس طرف کے مسلمانوں سے اہل قریش والے کنارے کی طرف منتقل ہو گئی۔ بیکٹوں کی تکالیف میں اضافہ کرنے کے لئے موسم بھی ان کے خلاف ہو گیا۔ سردیوں پر صحرا میں سخت سردی پڑتی ہے اور مدینہ جیسی جگہ پر خاص طور سے کیونکہ وہ سطح سمندر سے بلندی پر واقع ہے جنوری اور فروری کے مہینوں میں چراگاہیں پالے کے سبب ختم ہو جاتی ہیں اور خانہ بدوش لوگ عرب کے نسبتاً گرم علاقوں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اسی لئے مکانات کی موجودگی اور مدنی میزبانوں کی تواضع کے باوجود مکہ کے مہاجرین کے لئے مدینہ کی آب و ہوا سے موافقت پیدا کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اہل مکہ رقریش جو باہر میدان میں خیمہ زن تھے موسم سے متاثر ہونے لگے وہ بیمار پڑ گئے اور ان کے جانور مرنے لگے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہو رہی تھی جس سے انہیں متوقع مال غنیمت حاصل کرنے کی امید بندھتی۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔

یہ ایک بڑی تیز اور سرد بارش تھی۔ یہ اس قسم کی بارش تھی جو چراگاہوں کے لئے تو مہربانی کرتی ہے لیکن ان انسانوں اور جانوروں کے لئے مصیبت بن جاتی ہے جنہیں اس برستے میں رہنا پڑے خواہ وہ بارش تھوڑی دیر ہی کیوں نہ رہے۔ بارش کے ساتھ ہی سرد اور بچ کوئی والی ہوا چلنی شروع ہو گئی جو ہر روز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور سردی ہی اس نے ایک زوردار جھکڑ کی شکل اختیار کر لی۔ تند ہوا جھاڑیوں میں سیٹیاں بجاتی اور درختوں میں چھتی چٹکھاتی گزر رہی تھی اور ان کے تنوں کو اتنا جھکا دیتی تھی گویا یہ کھجور کے درخت نہیں بلکہ بانس ہیں۔ اہل قریش نے اپنے خیموں کی رسیاں کھول دیں اور دھب کر اندر بیٹھ گئے۔ بارش

کے سبب ان کی آگیاں بجھ گئی تھیں۔ ان کا کھانا بھیگ گیا تھا۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئی تھیں۔
 درتیز اور سرد ہوا بدن کو بچ کئے دے رہی تھی۔ یہ ایک ایسی صورت حال تھی جسے کوئی عرب
 بھی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا اور جب ہوا کے ایک تیز جھونکے نے ایک غمہ اکھاڑ
 پھینکا اور وہ ہوا میں اڑ گیا اور جانوروں میں بھاگ پڑا گئی تو ابوسفیان کے لشکر والے بھی اپنے
 مایہ ناز نصب العین کو بھول گئے اور رات کے اندھیرے میں صحرائیں فاش ہو گئے۔
 ان کے جاتے ہی طوفان بھی ختم ہو گیا۔ کیونکہ جب صبح ہوئی تو آفتاب صاف نیلے آسمان سے مدینے
 کے شہر اور اس کے میدانوں پر ضیا پاشی کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے سوندھی سوندھی گرم ہوا میں اطمینان
 کا سانس لیا لیکن جب انہوں نے خندق کے پار نظر دوڑائی تو ان کا یہ اطمینان پہلے حیرانی اور پھر
 جوش مسرت میں بدل گیا۔ ان ہزاروں افراد میں سے جنہوں نے اپنے اونٹوں، گھوڑوں، اگدھوں
 اور خچروں کے ساتھ ان پر حملہ کیا تھا چند گرے ہوئے غیموں اور کچھ مردہ جانوروں کے سوا وہاں پر کچھ
 نہ بچا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ پھر ایک معجزے نے اسلام کو بچا لیا تھا۔
 اسی وقت اذان کی آواز بلند ہوئی اور اس نے حیرانی سے ملی جلی آوازوں کو دبا دیا اور مکہ کی
 طرف رخ کر کے ساری سپاہ نے یک زبان ہو کر "اللہ اکبر" کہا۔ پھر ہر ایک نے اپنے ہاتھ جوکانوں

لے ابوسفیان نے اپنے لشکر والوں سے کہا: "رسد ختم ہو چکی ہے۔ موسم کا یہ حال ہے۔ یہود نے ساتھ چھوڑا ہے
 اب محاصرہ بے کار ہے۔" (سیرت النبی)

بارش اور آندھی کے طوفان سے قریش میں اذیت فری مچ گئی۔ خود ابوسفیان اپنے اونٹ پر پاؤں کی رسی
 کھولے بغیر سوار ہو گیا اور جب اونٹ تین پیروں پر کودا اور آگے نہ بڑھ سکا تو پاؤں کی رسی کھولی گئی۔ قریش کا لشکر
 بڑی تیزی سے بھاگا۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کے تعاقب سے بچنے کے لئے عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کو دوسو
 سواروں کے ساتھ لشکر کے پچھلے حصہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔

۳۔ محاصرہ تقریباً ایک ماہ رہا۔ (سیرت النبی)

۴۔ فجر کی نماز سورج نکلنے سے بہت پہلے ہوتی ہے۔ لیکن مصنف نے کئی جگہ یہ غلطی کی ہے کہ فجر کی نماز سورج
 نکلنے کے بعد دکھائی ہے۔

تک بند کئے تھے۔ نیچے کر لئے اور سینہ پر ہاتھ باندھ لئے اور اپنے سپہ سالار اور اللہ کے نبی کی امامت میں بڑے خشوع و خضوع سے صبح کی نماز ادا کی۔

”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ - وَبِحَمْدِكَ - وَتَبَارَكَ اسْمُكَ - وَتَعَالَى جَدُّكَ - وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ“

بڑی باتاعدگی اور وقوف سے انہوں نے رکوع و سجود کئے۔ ان کی آوازوں میں دل کے اتار چڑھاؤ تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم کی۔ آہستہ آہستہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے ہتھیار سنبھالے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ لیکن ابھی مشکل سے انہوں نے ہتھیار اتارنا شروع کئے ہی ہوں گے کہ گھنیرے کھجور کے درمیان سے جو ہوا میں لہرا رہے تھے دوسری بار حضرت بلالؓ کی آواز گونجی۔ یہ عام آواز تھی۔ یہ تو صف بندی کا حکم تھا، ایک لمحہ تو مجاہدوں نے خیال کیا کہ شاید ابوسفیان نے کوئی چلی۔ تلواریں اور نیزے سنبھالے اور تیزی سے مسجد کی طرف پلکے۔

یہاں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت محمدؐ اور ان کے جنرل ابھی تک زرہ پوش اور مسلح تھے۔ ان کے برابر میں حضرت علیؓ کا جتنی پرچم لئے کھڑے تھے۔ سواروں کے ساتھ ان کے گھوڑے بھی موجود تھے جو نہی سالاروں نے اپنے اپنے دستوں کی حاضری کی رپورٹ پیش کی حضرت نے کوہِ کا حکم دے دیا۔ فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے آپؐ آگے آگے روانہ ہوئے۔ آپؐ کو لے کر چلے لیکن واپس خندق کی طرف نہیں بلکہ بنی قریظہ کے قلعہ کی جانب۔

جو نہی یہودیوں نے مسلمانوں کو دیکھا وہ سب حیران ہو گئے کہ ان کے آنے کا مقصد کیا ہے۔ قلعہ میں داخل ہو کر انہوں نے دروازے بند کر لئے۔ اور ایک

لے خندق سے سپاہ ہٹاتے وقت آنحضرتؐ نے بھی اسید بن حضری کی سرکردگی میں دو سو مسلمانوں کو خندق پر سخت کے لئے چھوڑا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد خالد بن ولیدؓ نے پلٹ کر حملہ کیا۔ وحشی بھی ساتھ تھا جس نے اپنے ہاتھ سے طفیل ابن النعمان کو شہید کیا۔ تھوڑی دیر مقابلہ ہوا لیکن پھر یہ لوگ واپس چلے گئے اور قریش کے لشکر کے ساتھ چلے۔ (طبقات ابن سعد - جزو ثانی)

لے شروع ہو گیا۔ شاید اس دفعہ بھی یہودیوں نے قلعہ میں رسد کا ذخیرہ اکٹھا نہیں کیا تھا۔ اس
 وہ جلدی ہی بھوکوں مرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ایک وفد حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ صلح کی
 شرائط معلوم کی جاسکیں۔

اُنہوں نے بتایا کہ بنو قریظہ نے بہر طور اُن سے کئے ہوئے معاہدے کو توڑ دیا اور علانیہ دشمن سے
 ساز باز کر لی اور یہ کہ پیرت دعا بازی ہی نہیں بلکہ کھلی غدار ی اور بغاوت تھی۔ حضرت محمدؐ نے اپنی
 شرائط بتائیں کہ اگر یہودی اپنا مذہب چھوڑ دیں اور انہیں اپنا پیشوا تسلیم کر لیں تو ان سے کوئی
 بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ نہ ہی ان کے خلاف کوئی جوابی کارروائی کی جائے گی اور نہ ہی انہیں کوئی
 سزا دی جائے گی۔ یہودیوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا اور وفد قلعہ میں واپس چلا گیا۔ محاصرہ
 جاری رہا۔

آخر کار یہودیوں کے پاس ہار اُسنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا ورنہ وہ بھوکوں مر جاتے۔

۱۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ بنی قریظہ کا محاصرہ پچیس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ عاجز
 آ گئے۔ ابن اسحق کے بیان کے مطابق پچیس راتیں۔ ابن اسحق ہی کا بیان ہے کہ بنی قریظہ کا واقعہ (قتل)
 ذی قعدہ کے آخر یا شروع ذی الحجہ میں ہوا۔ تاریخ طبری۔ جلد اول۔ حصہ سوم)

۲۔ بنو قریظہ مقابلے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے صلح جوئی بیکار تھی۔ حضرت علیؓ جب ان کے قلعوں کے پاس
 پہنچے تو علانیہ آنحضرتؐ کو گالیاں دیں۔ (سیرت النبی)

۳۔ جب یہودیوں پر یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہؐ بغیر فیصلہ کن لڑائی کے واپس نہ ہوں گے تو ان کے سردار
 کعب بن اسد نے ان کے سامنے تین باتیں رکھیں۔

(۱) حضرت محمدؐ یقینی طور پر نبی مرسل ہیں اس لئے ہم اسلام اختیار کر لیں۔ اس طرح جان و مال بھی محفوظ

رہے گا۔ (۲) ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو خود قتل کر دیں اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اور لڑ کر جان دے دیں

(۳) آج سنت (ہفتہ) کے دن مسلمان ہماری طرف سے غافل ہوں گے۔ اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر دیا جائے۔

لیکن یہودیوں نے ایسا بات بھی نہ مانی۔ آخر کار ہتھیار ڈالنے پر اسے اس شرط پر کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ

کر دیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ (تاریخ طبری۔ جلد اول۔ حصہ سوم)

انہوں نے کہا کہ وہ اسلام اختیار کر لینے کے علاوہ ہر شرط مان لیں گے اور درخواست کی کہ کسی غیر خاص شخص کو حکم مقرر کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ ان کے سابقہ حلیف بنو ادس کے سردار اچھے ثالث ثابت ہوں گے۔ حضرت محمدؐ نے یہ بات منظور کر لی اور کہا کہ کسی مخصوص شخص تجویز کریں۔ یہودیوں نے بلاتامل سعد بن معاذ کا نام لے دیا۔

سعدؓ شکر میں موجود نہ تھے۔ جو زخم انہیں خندق کی لڑائی میں لگا تھا۔ زہر آلود ہو گیا تھا۔ وہ گھر پر ہی آرام کر رہے تھے۔ وہ سخت تکلیف میں تھے اور چل پھرنے سے تھکے۔ بہر حال جب حضرت محمدؐ کا بلاوا پہنچا کہ وہ آئیں اور اپنا فیصلہ سنائیں تو انہوں نے خود کو اٹھوا کر ایک گدھے سوار کرایا جس پر کبل اور گدے بچھا دیئے گئے تھے۔ راستے کے ہچکولوں نے ان کے مزاج اور طبیعت کو اور زیادہ منقبض کر دیا۔ بنی قریظہ کے قلعہ تک پہنچنے تک ان کا رویہ یہودیوں کے خلاف بڑا ہوا ہو گیا تھا۔ کیونکہ ایک طرح سے وہ ہی ان کے ان زخموں کا سبب تھے۔

اب شام ہو رہی تھی۔ کھجوروں کے سائے قلعہ کے سامنے والے میدان میں لمبے ہو کر پھیلے پھیلے سانپوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ مکانات کی دیواروں پر زرد دھوپ پھیل رہی تھی۔ مسلمان سپاہیوں کے ہتھیاروں پر چمک پیدا کر رہی تھی جو منظم صفوں میں پرے جمائے کھڑے تھے۔ ان سے کچھ آگے حضرت محمدؐ چار آئینہ لگائے خود پسینے اور پہلو میں تلوار لگائے کھڑے تھے۔ آپؐ سے ذرا پیچھے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ تھے۔ دوسرے اکابر ان سے ذرا اور پیچھے تھے۔ ان کے آگے سلمہ۔ قالینوں اور دوسرے گھریلو سامان کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جو یہودی اپنے گھروں سے لائے تھے اور فاتحین کے سامنے ڈال دیئے تھے۔ دائیں اور بائیں اطراف میں خود یہودی کھڑے تھے۔ ایک طرف کمر کے پیچھے ہاتھ بندھے مرد اور دوسری جانب عورتیں اور بچے تھے۔ مرد خاموش تھے کیونکہ جانتے تھے کہ ناراض کئے جانے پر حضرت محمدؐ بہت سختی اختیار کر لیتے تھے۔ وہ جنگ کے دوران غداروں کے مرتکب ہوئے تھے اور وہ کسی رعایت کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ صرف ایک امید بندھ

لے طبری نے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے صحن ہی میں ایک خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ آپؐ ان کی دیکھ بھال کر سکیں اور وہ وہاں تھے۔ (طبری)

فی کہ شاید سعد بن معاذ گذشتہ رفاقت اور پرانے تعلقات کا کوئی لحاظ کر لیں۔ عورتیں بھی کوئی بحث و
میس نہیں کر رہی تھیں۔ وہ تو اپنے خاندانوں، بھائیوں اور بیٹوں کے لئے دردناک انداز میں
روئے جا رہی تھیں۔ جنہیں مسلمانوں کی تلواروں نے ان سے جدا کر دیا تھا۔

سعد بن معاذ کو سہارا دے کر گدھے سے اتارا گیا اور وہ لنگڑاتے ہوئے وہاں تک پہنچے
جہاں حضرت محمدؐ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے رسمی سلام پیش کیا اور پھر یہودیوں
کی طرف دیکھا۔ آخری دفعہ وہ جب یہودیوں سے ملنے آئے تھے تو انہوں نے ان کو بُری طرح
دھتکار دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ پیغمبر خدا ہوتے کون ہیں اور وہ ان کی اطاعت کیوں کریں اور
جب انہوں نے رسول اللہؐ کے سامنے ان کی نیک نیتی کی ضمانت دی تھی تو یہودیوں نے ایک
طرح سعدؓ کو بیوقوف بنوایا تھا۔ حضرت سعدؓ نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر یہودیوں سے یوں
مخاطب ہوئے: کیا آپ لوگ خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد کرتے ہیں کہ میں جو بھی فیصلہ کروں
وہ آپ کو منظور ہوگا۔

یہودیوں نے سر جھکا کر رضامندی دے دی۔ سعدؓ نے پھر توقف کیا اور پھر مسلمانوں کو حیرانی
میں ڈالنے اور یہودیوں کو سراسیمہ کرنے والا یہ فیصلہ دیا۔

”میرا فیصلہ یہ ہے کہ تمام یہودی مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں

لے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ کو رسول اللہؐ کے پاس لے جا رہے تھے تو آپؐ کی قوم نے ان سے اپنے
حلیفوں (بنو قریظہ) کے ساتھ نرمی اختیار کرنے کی سفارش کی۔ لیکن حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ سعدؓ کا اب وہ
وقت آ گیا ہے کہ اسے اللہ کی مدد میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ لوگوں نے اس
سے اندازہ لگا لیا آپؐ ان کے قتل کا فیصلہ دیں گے۔ (طبری)

لے طبری نے لکھا ہے کہ پھر حضرت سعدؓ نے مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور جو لوگ اس سمت میں ہیں یعنی
مسلمان، ان کو بھی منظور ہوگا۔ تو خود رسول اللہؐ نے جواب دیا ہاں یہیں بھی منظور ہوگا۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں
فریقوں کی رضامندی لے کر فیصلہ دیا۔ سچے مولانا شبلی نے سیرت النبیؐ میں لکھا ہے کہ فیصلہ یہ تھا کہ لڑنے والے یہودی
مرد قتل کر دیئے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔

کو غلام بنا لیا جائے اور مال و اسباب لشکر میں تقسیم کر دیا جائے۔“

یہ فیصلہ سن کر مسلمانوں کی صفوں میں ایک بے یقینی کی دبی دبی آواز پیدا ہوئی۔ اسی دم یہودیوں کی طرف سے خوف کی ایک چیخ سنائی دی۔ وہ گھٹنوں کے بل گر گئے اور رحم کی بھیک مانگی۔ وہ روئے اور چلائے اور اپنے بال نوچنے لگے لیکن کسی نے توجہ نہ کی۔ حضرت محمدؐ کی طرف سے فوری کارروائی کے چند مختصر احکام ملے۔ عورتوں اور بچوں کو گھسیٹ کر ایک طرف کر دیا گیا اور مردوں کو کھینچ کر دوسری طرف لے جایا گیا۔ سعدؓ کو دوبارہ گدھے پر سوار کرا کے ان کے گھر پہنچا دیا گیا۔

رات کے وقت مسلمانوں نے پھر ایک خندق کی کھدائی شروع کر دی۔ یہ خندق اتنی گہری اور لمبی تو نہ تھی جتنی مدینہ کے دفاع کے لئے کھودی گئی تھی لیکن اس میں زیادہ مردوں کو دفن ہونا تھا۔ صبح ہوتے ہی قتل شروع ہو گیا۔ اپنے غلے کے لوگوں کے درمیان حضرت محمدؐ ایسی جگہ بیٹھے تھے جہاں سے وہ قتل کی کارروائی دیکھ سکیں۔ قتل کی اصل کارروائی حضرت علیؓ اور زبیرؓ کے حکم پر ہو رہی تھی۔ ایک وقت میں چھ یہودیوں کو اس باڑے سے نکالا جاتا جہاں انہوں نے رات گزاری تھی۔ خندق کے کنارے ان کو جھکا کر ان کے سر قلم کر دیئے جاتے تھے اور ان کے جسم تیار شدہ خندق میں ڈھکیل دیئے جاتے۔ سارا دن گردنیں ماری جاتی رہیں۔ یہاں تک کہ ہوا میں بھی خون کی بدبو سراپت کر گئی اور جب سورج مغرب کی جانب ڈوب رہا تھا۔ اور نخلستان کی جانب سے ہوا چلی اس وقت بھی قتل جاری تھا۔ اور اندھیرا ہو جانے پر بھی بند نہ ہوا۔ مشعلوں کی روشنی میں مسلمانوں کی تلواریں چمکتیں اور ایک اور یہودی کا سر لڑھک جاتا۔ آخر کار جب آخری یہودی خندق کی نذر ہو گیا تو حضرت محمدؐ اپنی قیام گاہ پر واپس گئے۔ آپؐ اپنے ساتھ ایک خوبصورت یہودی عورت ریحانہ کو بھی لے گئے۔ اس کے تمام مرد رشتہ دار

لے ریحانہ کے متعلق تین روایتیں ہیں۔

(۱) آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہیں۔ (ابن مندہ)

(۲) آپؐ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کی پیش کش کی لیکن انہوں نے شادی سے انکار کیا اور آپؐ کی کنیز کی

جہنیت سے رہنے کو ترجیح دی۔ (ابن اسحق)

(۳) آنحضرتؐ نے ان کو مختار بنا دیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپؐ نے ان سے نکاح کیا۔ اور یہ

زیادہ صحیح ہے۔ (دافتی)

امام زہری نے بھی زوجیت ہی کی تائید کی ہے لیکن ہمارے نزدیک پہلی روایت محقق ہے۔ (سیرۃ النبی)

اس روز کے قتل عام میں مارے گئے تھے۔ حضرت محمدؐ نے اسے شادی کی پیش کش کی تاکہ اس کا غم غلط ہو جائے لیکن یہ اس نے منظور نہ کیا۔ اس نے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جانے سے بھی انکار کر دیا آخر کار وہ آپؐ کی کینز بن کر آپؐ کی خدمت میں رہی لیکن وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہی۔ وہ غالباً آٹھ سو بیویوں کے قتل عام کے صدمے سے نہ سنبھل سکی۔ حضرت عائشہؓ نے جو غالباً اس روز وہاں موجود تھیں، ایک مرتبہ کہا کہ جو کچھ انہوں نے اس روز دیکھا، اس کی ہیبت وہ کبھی نہ بھلا سکیں۔

اس فیصلے کا دینے والا بھی آخر اپنے انجام کو پہنچا۔ سعد بن معاذ گدھے کی سواری برداشت نہ کر سکے۔ ان کے زخم پھر کھل گئے اور زہر سرایت کر گیا۔ غالباً جس وقت آخری یہودی قتل ہو رہا تھا خود سعد بھی چل بسے۔ ان کے آخری الفاظ مذہب اسلام پر ان کے یقین کی تصدیق کرتے ہیں۔

”السلام علیک یا رسول اللہ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔“

یہودیوں کا اتنی بڑی تعداد میں قتل عام فطری طور پر حضرت محمدؐ پر ایمان لانے والوں اور منکروں کے درمیان ایک مابہ النزاع مسئلہ بن گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ مذہب کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو جاتے ہیں تو جنونی بن جاتے ہیں اور اپنے مذہب سے اختلاف کرنے والوں کو قتل کر ڈالنا اچھا سمجھتے ہیں۔ اور عام طور سے ان کو بہت بے رحمی سے اور بہت بڑی تعداد میں مار ڈالتے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ کی پیدائش کے فوراً بعد ۳۰۰ سال قبل مسیح کے لگ بھگ حضرت داؤد علیہ السلام نے عمانیوں کو شکست دی اور شہر ربہ RABBACH کو تاراج کر دیا۔ سیمونؑ کی دوسری کتاب کے بارہویں باب میں یہیں بتایا جاتا ہے۔

”وہ (حضرت داؤد) ان لوگوں کو جو اس شہر کے اندر تھے باہر نکال لائے اور

لے کر ارباب سیر نے مقتولین کی تعداد چھ سو لکھی ہے لیکن صحاح میں چار سو ہے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس نے قلعہ پر سے ایک بڑا پتھر گرا کر ایک مسلمان کو شہید کر دیا تھا۔ (سیرت النبی) طبری نے مسلمان کھنڈ بن سویدا اور عورت کا نام نبانہ بتایا ہے۔

ان کو آروں، لمبی میخوں والے سہاگوں HARROW اور لوہے کی کلہاڑیوں سے

چروا دیا اور انہیں اینٹ کے بھٹوں میں سے گزرنے کا حکم دیا۔

اسی طرح بادشاہ ساؤل نے اس سے چند سال پہلے، مذہب سے زیادہ اپنی ذاتی دشمنی کے سبب، حضرت داؤد کو پروہتوں کے شہر ناب NOB کو بھیجا جنہوں نے وہاں کے مردوں عورتوں اور دودھ پیتے بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

درحقیقت اگر مدینے کے یہودی اس معاملے پر ذرا غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت محمدؐ نے بھی بلا کم و کاست انہی ہدایات پر عمل کیا تھا جو خود ان یہودیوں کے لوگوں نے وضع کر کے دترونومی DEUTRONOMY کے بارہویں باب میں درج کی تھیں۔

اور وہ یہ تھیں۔

”اور جب تم کسی شہر سے لڑنے کے لئے اس کے نزدیک پہنچو تو ان کو امن و صلح

لے HARROW مٹی کے بڑے ڈھیلوں کو توڑنے اور ہل چلانے کے بعد زمین کو ہموار کرنے کا آلہ کشادہ زی۔ قدیم زمانے میں بڑی بڑی آہنی میخوں والے دھننی سہاگے جرموں کو سزا دینے اور ان کو چروانے کے لئے ان پر پھروا دیتے تھے۔ یہاں وہ ہی سہاگے مراد ہیں۔

لے بادشاہ ساؤل SAUL اقرآن مجید میں اس بادشاہ کا نام طاوت آیا ہے اور جالوت GOLIATH فلسطین کا نامی گرامی پہلوان تھا جسے حضرت داؤد نے مارا تھا۔

سے مولانا شبلی نے سیرت النبی میں لکھا ہے کہ عام معاملات میں جب تک قرآن پاک میں کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا اسٹھ تورات کے احکام پر ہی عمل کرتے تھے مثلاً قبلہ نماز۔ رجم۔ قصاص وغیرہ میں جب تک خصوصی احکام نہ آئے آپ نے تورات کے احکام پر ہی عمل کیا۔ حضرت سعدؓ کا یہ فیصلہ بھی تورات کے احکام کے عین مطابق تھا یعنی لڑنے والے مرد قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال اسباب غنیمت قرار دیا جائے اور یہ فیصلہ کوئی نیا یا حیران کن نہ تھا خود یہودی بھی یہی کرتے تھے چنانچہ رسول اللہؐ نے بھی فرمایا سعدؓ تم نے یہاں سانی فیصلہ کیا یہ اشارہ تورات کی طرف ہی تھا (سیرت النبی جلد اول) طبری نے بھی یہی لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ”سعدؓ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا“ کہ دترونومی پر پانا عہد نامہ کتاب استثنام تورات کی کتب خمسہ میں سے پانچویں کتاب۔

کی پیش کش کرو۔ اگر وہ تمہاری صلح کا جواب صلح میں دیں اور تم پر شہر کے دروازے کھول دیں تو یہ ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ بھی اس میں ہیں وہ سب تمہارے غلام اور حلیف بن جائیں اور تمہاری اطاعت کریں لیکن اگر وہ تم سے صلح نہ کریں اور تمہارے خلاف جنگ کریں تو تم اس شہر کا محاصرہ کر لو اور جب خداوند اور تمہارا رب وہ شہر تمہیں فتح کر دے تو تم وہاں کے ہر مرد کو تہ تیغ کر دو اور عورتیں بچے اور جانور اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہو اس شہر میں ہو یہاں تک کہ مال غنیمت بھی سب تمہارا ہو گا۔“

حضرت محمدؐ تاریخ میں مذکور کسی ایسے مذہبی پیشوا سے زیادہ سخت گیر نہ تھے جسے اپنی اطاعت کا لوہا منوانا پڑا ہو اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت حضرت محمدؐ کے لئے یہ کتنا اشد ضروری تھا کہ کسی کو آپؐ کی حاکمیت کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رہے۔

حضرت محمدؐ اس وقت عرب میں یکہ و تنہا تھے اور سب آپؐ کے مخالف تھے ایک ایسے ملک میں جس کا رقبہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تہائی کے برابر تھا اور جس کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ تھی۔ آپؐ کی اپنی ریاست اس وقت سنٹرل پارک سے زیادہ بڑی نہ تھی اور اپنے مشن کی تکمیل کے لئے آپؐ کے پاس صرف معمولی اسلحہ سے بیس تین ہزار سپاہ تھی اگر آپؐ کمزوری دکھاتے یا غداروں کو سزا نہ دیتے تو اسلام ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ یہودیوں کا یہ قتل ایک سخت اقدام ضرور تھا لیکن مذہب کی تاریخ میں نیا نہ تھا۔ اور مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بھی جائز تھا چنانچہ اس واقعہ کے بعد سے عرب قبائل اور اسی طرح یہودی بھی آپؐ سے اختلاف کرتے وقت کافی سوچ بچار کرنے لگے تھے۔ کیونکہ بدیہی طور پر آپؐ ہر بات اپنی مرضی کے مطابق چاہتے تھے۔

حضرت عائشہ کا ہار

عام خیال کے برعکس عرب عورتیں گھریلو معاملات میں بہت دخل رکھتی ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ حرم کی چار دیواری میں بند ہونے یا الگ تھلگ خیموں میں رہنے کے سبب وہ مردوں کے آرام کا خیال رکھنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکتی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ مرد اس قسم کا خیال رکھتے ہوں لیکن جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے عورتوں کے متعلق مردوں کی قیاس آرائیاں غلط ہوتی ہیں۔

عرب عورتیں اپنی مغربی بہنوں جیسی آزادی نہ رکھتے ہوئے، حاسدانہ چشمکوں کو بھڑکانے گھر سے بھاگ نکلنے یا جذبات کو ابھارنے والے لباس پہننے کے مواقع نہ رکھتے ہوئے بھی اپنے شوہروں پر پوری طرح قابو رکھتی ہیں۔ انہیں رام کر لیتی ہیں۔ اور انہیں ایسے طریقوں سے بیوقوف بناتی ہیں جو خود کسی طرح جادوگری سے کم نہیں ہوتا۔ عرب کے لوگ اپنی ان پردہ نشین خواتین کی اپنے مغربی بھائیوں کی اکثریت کے مقابلے میں زیادہ عزت کرتے ہیں اور ان کا کہیں زیادہ خیال رکھتے ہیں حالانکہ دراصل مغربی لوگوں کو اپنی خواتین کی نگرانی کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت محمدؐ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ آپؐ کو بھی گھر کا بڑا خیال تھا۔ اور آپؐ اپنی بیویوں کی، جو مسجد کے گرد جھونپڑیوں میں رہتی تھیں، بڑی عزت و تکریم کرتے تھے۔ آپؐ کہا کرتے تھے کہ عورتیں مردوں کا نصف نواں یا جڑواں حصہ ہیں۔ ایک مسلمان کو اپنی بیوی سے کسی صورت میں بھی نفرت نہیں کرنی چاہئے اگر اسے اپنی بیوی کی ایک عادت اچھی نہیں لگتی تو اس کی دوسری اچھی عادتوں سے تو خوش ہونا چاہئے۔

مدینہ میں آپ کی ازواج نے آپ کی ذات سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کے سبب آپ کو بھی اوروں کی طرح کسی حد تک بیوقوف بنا دیا یا نہیں اس کا ایک واقعہ کے علاوہ کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ملتا اور وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ پر ایک مرتبہ بتان لگایا گیا لیکن یہ بھی شک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت محمدؐ جب کسی سفر یا چھاپہ مارم پر جاتے تو ہمیشہ اپنی ایک ازواج کو ساتھ لے جاتے وہ ٹوکری کی سی بناوٹ کے ایک کھٹولے میں، جسے محمل یا ہودج کہتے ہیں سفر کرتے اس پر شاخوں سے گتھا ہوا ایک ٹھکانا سائبان ہوتا اور یہ سارا ہودج اونٹ کے کوبان پر باندھ دیا جاتا تھا۔ اس ہودج میں بیٹھنے والی سواری بالکل چھپی ہوئی ہوتی تھی اور جب تک سائبان کو نہ اٹھایا جائے یہ نہیں معلوم کیا جاسکتا تھا کہ اس کے اندر کوئی ہے یا نہیں۔

حضرت محمدؐ نے قبیلہ بنی مصطلق کے خلاف سرکوبی کی مہم سر کر لی تھی۔ وہاں سے آپؐ نے اپنی آنکھوں میں بیوی حضرت جویریہؓ حاصل کی تھیں اور مدینے کی طرف اپنی سپاہ، اونٹوں اور غنیمت کے ساتھ واپس آ رہے تھے۔ گھر کی طرف آخری منزل کی مسافت لمبی تھی۔ اس لئے علی الصبح ہی پڑاؤ اٹھا کر کوچ کرنا تھا۔ جوہنی انہیں جگایا گیا حضرت عائشہؓ اٹھ کر ذرا دور ایک نشیب کی طرف حواج ضروری کے لئے چلی گئیں۔ اتنے آپ واپس آئیں آپ کا خیمہ اکھاڑا جا چکا تھا اور آپ کا اونٹ محمل سمیت آپ کے انتظار میں تھا۔ آپ محمل میں بیٹھنے ہی لگی تھیں کہ آپ نے دیکھا کہ اپنا گلے کا ہار کہیں گرا آئی تھیں۔ کسی کو بتائے بغیر آپ فوراً اس کی تلاش کے لئے واپس دوڑیں۔ منہ اندھیرے پتھروں اور جھاڑیوں میں نشیب کے ہار کا تلاش کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ وہ صبح کی روشنی پھیل چکی تھی۔ وہ اس کو گلے میں پہن کر کارواں کی طرف آئیں لیکن کارواں جا چکا تھا اور وہاں پر اس کے تھوڑی دیر پہلے ہونے کے نشان بس اتنے تھے کہ پڑاؤ کی بجی کچی

لے یہ مہم بنو مصطلق کے خلاف تھی اور اس غزوہ میں حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔

لے غزوہ بنی مصطلق وہ میں ہوا اسے غزوہ مرہیج بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک چشمہ تھا اور یہاں ہی بنو مصطلق سے جنگ ہوئی تھی۔ اس غزوہ میں مال غنیمت کے علاوہ بنی خزاعہ کے بہت سے مرد و عورتیں قیدی بنے۔ قبیلے کے سردار حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ بھی ان ہی میں تھیں جو رسول اللہؐ کی زوجیت میں آ گئیں اس شادی کے سبب مسلمانوں نے بنی مصطلق کے سارے قیدی رہا کر دیئے یہ علاقہ مکہ کے قریب ہے۔

آگ وہاں موجود تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے بار برداری کے ذمہ دار ساربانوں نے یہ یقین کر کے کہ خرم خاتون سوار ہو گئی ہوں گی محل کو اونٹ پر بار کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کا قد چھوٹا اور جسم ہلکا پھلکا تھا اس لئے کسی کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ آپ اس کے اندر ہیں بھی یا نہیں۔ جب کارواں روانہ ہوا تو یہ لوگ بھی ایک بے سوار اونٹ کو لے کر اس کے ساتھ چل دیئے۔

حضرت عائشہؓ کچھ دیر کھڑی دیرانے کے خلاؤں میں جھانکتی رہیں۔ صبح صادق اب دن کے اجالے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور سورج اب اپنی سفید روشنی اور چمکا چوند کرنے والی کرنیں پھترتی زمین پر ہر سو پھیلا رہا تھا۔ دور تک اپنے لوگوں یا اپنے کارواں کا کوئی نشان نہ دیکھ سکیں۔ آپ نے مایوسی میں اپنے شانے سکڑے اور بیٹھ گئیں۔ ہر اس اور پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور دوڑ کر کارواں کو جا پکڑنے کی کوشش کرنا بھی بے سود تھا جہاں ان کو آخری مرتبہ دیکھا گیا تھا۔ وہاں ہی بیٹھ کر انتظار کرنا زیادہ مناسب تھا تا کہ جب بھی ان کے لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ محل خالی ہے تو وہ ان کی تلاش میں یہاں آجائیں۔ جب دن گرم ہو گیا تو آپ کو اونٹ نگہ آنے لگی۔ چنانچہ اپنی چادر اوڑھ کر آپ ایک بول کی جھاڑی کے نیچے سمٹ کر لیٹ گئیں اور بلدی ہی آنکھ لگ گئی جب آپ کی آنکھ کھلی تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا اور اب آپ وہاں اکیلی نہیں تھیں۔

ایک قد آور تیز رفتار سانڈنی کی پشت پر بیٹھا ایک نوجوان ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی آنکھیں ملیں اور اٹھ بیٹھیں۔ نوجوان نے اونٹ کو بٹھایا اور صفوان ابن معطل کے نام سے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت عائشہؓ کے بیان کی رو سے انہیں اپنا تعارف کرانے کی ضرورت پیش نہ آئی غالباً صفوان آپ کو دیکھ کر پہچان گیا تھا کیونکہ اس نے آپ کو عائشہؓ بنت ابی بکرؓ کہہ کر مخاطب کیا۔ صفوان نے دریافت کیا کہ وہ عرب کے اس صحرا میں بیٹھی کیا کر رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے واقعہ

لے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مجھے بیٹا دیکھ صفوان میرے پاس آئے وہ بھی کسی ضرورت سے شکر سے پیچھے رہ گئے تھے مجھے دیکھ کر (جنگل کے خیال سے) انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور دریافت کیا کہ اے زوہر رسول آپ کیسے پیچھے رہ گئیں ہیں اپنی چادر میں لپیٹی ہوئی تھی۔ میں نے ایک لفظ نہ کہا۔ انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب کر دیا اور کہا آپ اس پر سوار ہو جائیں اور خود ہٹ گئے میں سوار ہو گئی پھر انہوں نے اونٹ کی نیل پکڑی اور تیزی سے روانہ ہو گئے۔ (طبری)

بیان کیا۔ صفوان ہنسا۔ پھر آپ کو مدینہ لے جانے کے لئے اپنی ساندنی پیش کی۔ حضرت عائشہؓ نے قبول کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو سوار کرایا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

اس دوران میں مسلمانوں کا قافلہ یہ جانے بغیر کہ حضرت عائشہؓ اس میں نہیں تھیں چلتا رہا۔ ان کے موجود نہ ہونے کا علم پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب اونٹ کو حضرت محمدؐ کے دروازے پر بٹھانے پر محمل خالی پایا گیا۔ اسی وقت ہنگامہ شروع ہو گیا۔

شتر بانوں نے، جن کو پورا یقین تھا کہ وہ پڑاؤ سے حضرت عائشہؓ کو لے کر چلے تھے، جنوں کو ان کی غیبت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ چونکہ راستے میں قافلہ کہیں نہ ٹھہرا تھا، اس لئے اس بات کو مان لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ حضرت محمدؐ، جو ان توہمات کے قائل نہ تھے، ابھی ان کی تلاش کے لئے ایک جماعت تیار کر ہی رہے تھے کہ مدینہ کی تنگ گلیوں میں سے ایک اونٹ برآمد ہوا جس کے آگے آگے ایک نوجوان چل رہا تھا اور اس کی پشت پر سپیدہ سحر کی طرح خوبصورت عائشہؓ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اونٹنی گھر کے دروازہ کے سامنے بیٹھی اور حضرت عائشہؓ اتر کر گھر میں چلی گئیں۔

حضرت محمدؐ اپنی چیمٹی بیوی کو بخیریت دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ آپؐ نے بغیر کچھ پوچھے گچھے انہیں خوش آمدید کہا۔ جہاں تک آپؐ کی ذات کا تعلق تھا بات ختم ہو گئی تھی اور یہ شاید بالکل ہی ختم ہو جاتی اگر عبداللہ بن ابی اسے درمیان سے نہ اچک لیتا۔

میرے عرب دوستوں میں سے کبھی کوئی نہ بتا سکا کہ عبداللہ بن ابی کی شکل و صورت کیسی تھی۔ اور نہ ہی جو کتابیں میں نے پڑھیں ان میں کہیں اس کا حلیہ دیا ہوا ہے۔ لیکن وہ نقیبی طور پر ایک ناپسندیدہ کردار ہو گا۔ دھوکے باز۔ شرارتی، بد لحاظ، بے مروت اور بزدل۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کردار میفسٹوفیلز MEPHISTOPHELES ایباگو IAGO اور یاربہیپ URIAH HEEP اور

لے MEPHISTOPHELES۔ گوٹے کے فاسٹ FAUST کا شیطان جو لوگوں کو درغلا کر ادرت کر خوش ہوتا تھا۔

لے ایباگو IAGO شکسپیر کے ڈرامے OTHELO (وہ قہیلو) کا بدی کا کردار۔ وہ او قہیلو کے منصب اور

اور اقتدار سے جلتا ہے اور او قہیلو کو اس کی بیوی DESP. MONA سے بدظن کر کے دونوں کی زندگی

تلخ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ او قہیلو اپنی بیوی کو بے وفا سمجھ کر مار ڈالتا ہے۔

لے URIAH HEEP چارلس ڈکنز کے مشہور ناول ڈیوڈ کوپرفیلڈ DAVID COPPERFIELD کا متضنی کردار۔

یا تاریخ یا ناول کے دوسرے بدی کے کرداروں جیسا ہوگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ حضرت محمد کو سنا کر ہی خوش ہوتا تھا۔ چنانچہ جو بہی اس نے سنا کہ حضرت عائشہؓ غیر معمولی حالات میں مدینے پہنچی ہیں اس نے فوراً اس پر داستان طرازی شروع کر دی۔ واقعات کی جانچ پڑتال کئے بغیر اس نے فوراً یہ بہتان تراشا کہ صفوان حضرت عائشہؓ سے محبت کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس کے لئے حضرت عائشہؓ کو الزام نہیں دیتا۔

البتہ صرف چند لوگوں نے ہی اس گپ میں عبداللہ کی تائید کی۔ ان ہی میں ایک حضرت زینب بنت جحشؓ (آنحضورؐ کی ایک بیوی) کی بہن حمہ تھیں۔ یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کی شادی حضرت محمدؐ سے کرائی ہے۔ حضرت زینبؓ نے کوشش کی کہ کہیں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور حضرت محمدؐ سے تقرب حاصل کر کے حضرت عائشہؓ کی جگہ لے لیں۔ اب تک وہ اپنی اس کوشش میں ناکام ہو چکی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی یہ رسوائی ان کے لئے ایک اچھا موقع تھا۔ گو وہ دل سے حضرت عائشہؓ کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھیں اور جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے خلاف اس اتہام پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن جب عبداللہ ابن ابی نے ان انواہوں کے لئے مواد فراہم کیا اور ان کی بہن حمہ انہیں پھیلانے کے لئے موجود تھیں تو آپؐ نے بھی جوہر ہاتھ مارنے دیا۔ اس طرح حرم کے اندر اور باہر انواہیں پھیلتی رہیں اور مدینے میں ہر ایک کی زبان پر حضرت عائشہؓ اور صفوان ابن معطل کے متعلق ایک نئی کہانی تھی اور یہ بات بڑھتی رہی۔ اور جیسا کہ ایسے معاملات میں اکثر ہوتا ہے شوہر کو سب سے بعد میں پتہ چلا۔ چنانچہ جب آپؐ کے کانوں تک یہ باتیں پہنچیں تو سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔

حضرت محمدؐ کو حضرت عائشہؓ سے محبت تھی۔ حضرت خدیجہؓ سمیت، لیکن ایک مختلف نظریے سے آپؐ حضرت عائشہؓ کو اپنی دوسری تمام خواتین سے زیادہ چاہتے تھے جو آپؐ کی شریک زندگی بنیں۔ اس لئے آپؐ کو اس کا یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ کس خاتون جو ہمیشہ سے آپؐ کی اتنی اچھی رفیقہ اور آپؐ کی بیوی بھی تھیں آپؐ کو جان بوجھ کر دھوکا دے سکتی تھیں۔ درحقیقت جو باتیں آپؐ کو بتائی جاتی تھیں انہیں سن کر بہت پریشان تھے لیکن آپؐ حضرت عائشہؓ پر بلا واسطہ الزام نہ لگا سکتے تھے البتہ آپؐ نے ان

لے یہ مصنف کا اپنا خیال ہے۔ اس نے یہاں واقعہ کو رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔

سے علیحدگی اختیار کر لی۔

حضرت عائشہؓ نے، جن کو خود بھی حضرت محمدؐ سے بید لگاؤ تھا محسوس کیا کہ اب آپؐ کچھے کچھے بہتے ہیں، فوری طور پر تو اس کا سبب معلوم نہ کر سکیں لیکن جب ان کو اصل وجہ معلوم ہوئی تو اس بھوئی مہمت پر بڑا طیش آیا۔ آنسو بہاتے ہوئے انہوں نے اپنی پاکدامنی کی قسم کھائی اور اسی وقت اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ ان کی والدہ اور بہن نے انہیں تسلی دی اور یقین دلایا کہ ان کی خوبصورتی کے سبب ان کے حاسدوں نے یہ بہتان تراشا ہے اور اگر وہ بدلہ لئے بغیر کچھ دیر انتظار کریں تو سب ٹھیک ہو جائیگا۔

حضرت ابو بکرؓ خاموش تھے۔ حضرت محمدؐ نے ان سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اپنے کمرے سے باہر نکلنا بند کر دیا۔ اور قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتے۔ حضرت محمدؐ نے حضرت عمرؓ سے بھی اس معاملے میں کوئی مشورہ نہیں کیا تھا۔ آپؐ کو غالباً ڈر تھا کہ عمرؓ اخلاقی اصولوں میں بڑے سخت ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ طلاق یا کسی اور سخت اقدام کا مشورہ دیں۔ البتہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔

حضرت علیؓ بھی عورتوں کے طرفدار نہ تھے۔ وہ تو ایک مسلمان مجاہد تھے اور وہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ عورتیں ان کے سپہ سالار کی زندگی میں اتنا عمل دخل حاصل کر لیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت محمدؐ کو جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ ساری ہی عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور حضرت عائشہؓ بھی ان سے کچھ مختلف نہیں۔ اس دوران میں صفوان بھی سارے مدینہ میں قسمیں کھا کھا کر یہ یقین دلاتے پھر رہے تھے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے متعلق کبھی اس قسم کا خیال تک نہیں کیا اور انہیں صحرا میں ایک مرتبہ دیکھنے کے علاوہ اور کبھی نہیں دیکھا۔

بالآخر حضرت محمدؐ اس نتیجہ پر پہنچے کہ غلطی خود آپؐ کی اپنی ہے جب تک آپؐ تذبذب کا شکار رہیں گے یہ بہتان تراشی جاری رہے گی۔ اب یہ آپؐ کا فرض تھا کہ حضرت عائشہؓ کے حق میں یا ان کے خلاف کوئی فیصلہ کریں۔ چنانچہ جنگ کے حالات کی طرح آپؐ نے فوراً ایک فیصلہ کن انداز اختیار کر لیا۔ چنانچہ دوسری نماز میں اپنے خطبے میں یہ سرزنش شامل کر دی۔

”اے لوگو! دوسروں کو اس کا کیا حق ہے کہ میرے اہل خانہ کے معاملات میں دخل دے کر مجھے پریشان کریں اور ان کو بلا وجہ بدنام کریں۔ حالانکہ میں نے کبھی ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی اور پھر تم لوگوں نے صفوان پر بھی بہتان باندھ دیا ہے حالانکہ

میں نے اس میں بھی کبھی کوئی برائی نہیں دیکھی :

یہ کہ گراپ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ وہ اس وقت اپنے والدین کے ہاں تھیں۔ آپ ان کے پاس چٹائی پر بیٹھ گئے اور اس طرح بات شروع کی۔

”اے عائشہؓ تم نے سن لیا ہے کہ لوگ تمہارے متعلق کیا کہتے ہیں۔ اللہ سے ڈرو کیونکہ اگر واقعی تم قصور وار ہو تو اللہ کی جناب میں توبہ کرو۔ وہ مالک حقیقی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے :

حضرت عائشہؓ نے ایک لمحہ توقف کیا کہ شاید ان کے والدین ان کی طرف داری میں کچھ کہیں لیکن جب وہ خاموش رہے تو آپ مشتعل ہو گئیں اور حضرت محمدؐ سے کہا کہ انہیں کسی بات کی توبہ نہیں کر اور اس کے متعلق خود ان (حضرت محمدؐ) سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ وہ بڑے جوش اور شدت سے چلی گئیں اور پھر زار و قطار رونے لگیں۔

حضرت محمدؐ نے ان کی باتیں سنیں لیکن روتی دھوتی بیوی کی کوئی تشفی نہ کی۔ آپ انہیں بر نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر آپ آپس بھرنے لگے۔ اور جلدی ہی آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور پرگر گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو چادر اڑھادی۔ کچھ دیر تک آپ پر درے کی سی کیفیت رہی۔ عائشہؓ نے بھی رونا دھونا بند کر دیا اور زور زور سے سانس لیتے شوہر کی طرف دیکھتی رہیں۔ پھر آپ نے حضرت محمدؐ نے چادر اتار پھینکی اور کھڑے ہو گئے۔ آپ کی آنکھیں جوش مسرت سے چمک رہی تھیں۔ آپ نے بلند آواز سے کہا : عائشہؓ مبارک ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے گناہ قرار دے دیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے آپ گھر سے باہر چلے گئے۔ مسجد کے سامنے کھڑے ہو کر آپ نے ایک وحی کے نزول کا اعلان کیا۔

وَالَّذِينَ يُرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (سورة النور)

ترجمہ : وہ جو شادی شدہ عورتوں پر عیب لگاتے ہیں اور اس کے لئے چار گواہ نہیں لاتے ان کی سزا انتی کوڑے ہے۔ اور اس کے بعد ان کی شہادت قبول نہ کرو۔ کیونکہ وہ لوگ نافرمان اور بے حکم ہیں۔

چند منٹ تک آپ بولتے رہے اور مشتبه بدکاری کے متعلق شرعی ضابطوں کی وضاحت کرتے
 ہے۔ یہ ضابطے بعد میں بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن کی چوتھی اور پانچویں سورتوں میں جگہ پا گئے۔
 ساری بات ختم کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جو سزا ابھی ابھی مقرر کی گئی ہے اس کی حد حسان
 بن ثابت، جمنہ بنت جحش اور ابوبکرؓ کے ایک دوست مصطل پر جاری کی جائے کیونکہ انہوں نے حضرت
 عائشہؓ کے متعلق جھوٹی افواہ پھیلانے میں تعاون کیا ہے۔ اس سزا کا کسی نے بھی برا نہ منایا۔ اور
 حضرت محمدؐ کے متعلق حضرت حسان کی عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بعد ازاں انہی حسان بن ثابتؓ
 نے حضرت عائشہؓ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جس میں ان کی ستودہ صفات کی تعریف کی۔
 البتہ عبداللہ بن ابی کو جو دراصل سارے فساد کا ذمہ دار تھا کچھ نہ کہا گیا چونکہ وہ مسلمان نہ تھا
 اس لئے اس پر قرآنی احکام کا اطلاق نہ ہوتا تھا۔ اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے باوجود اب بھی حضرت
 عبداللہؓ سے کھلا جھگڑا مول لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے کبھی اس سے انتقام کبھی نہ لیا۔
 بعد اللہ آپؐ سے پہلے فوت ہو گیا لیکن اپنی زندگی کی طرح مرتے دم تک حضرت محمدؐ کے پہلو کا کاٹا بنا رہا۔
 بدکاری اور عیب لگانے کی سزا کے متعلق وحی کے نزول کے سبب حضرت محمدؐ نے شادی اور طلاق
 کے متعلق بھی قوانین وضع کئے۔

زمانہ ماقبل اسلام میں ایک عرب کے لئے شادی کا مقصد صرف لڑکے پیدا کرنا ہوتا تھا کیونکہ
 اگر جانوروں کی گلہ بانی کے لئے مرد نہیں ہوں گے تو خانہ بدوش قبیلہ ختم ہو جائے گا۔ صحرا نورد قبائل میں
 عورت کا کوئی درجہ یا حیثیت نہ تھی۔ ایک مرد اپنی استعداد کے مطابق کتنی ہی بیویاں رکھ سکتا تھا۔ سب
 سے بڑے لڑکے کو باپ کے چھوٹے سے موٹے گلوں اور خمیوں کے ساتھ اس کی بیوہ عورتیں بھی وراثت
 میں ملتی تھیں۔ بیٹے اور سوتیلی ماں میں زن و شو کے تعلقات نہ صرف جائز سمجھے جاتے تھے بلکہ لازمی ہوتے
 تھے۔ مگر بدکاری اور عیاشی بالکل اسی پیمانے پر تھی جو کبھی سدوم اور غمرہ میں ہوتی تھی اور عصمت فروشی

لے حسان بن ثابتؓ۔ برگزیدہ صحابی اور اسلام کے مشہور ادب بے بدل شاعر۔

لے سدوم بحیرہ مردار کے کنارے قدیم عرب کا ایک شہر جہاں حضرت لوط علیہ السلام کے زمانے میں لواطت حد کو پہنچی ہوئی تھی۔
 حضرت لوط کی بد دعا سے اس شہر کو عذاب نازل ہوا اور تباہ ہو گیا۔ انگریزی لفظ Sodomist اس لفظ سدوم سے
 ہی مشتق ہے۔

لے غمرہ۔ یہ بھی قدیم عرب کا ایک شہر تھا جہاں بدکاری بہت زیادہ تھی۔

بے عزتی نہیں سمجھی جاتی تھی۔

حضرت محمدؐ نے آہستہ آہستہ یہ سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ آپؐ نے ہر محترمہ کو شادی کرنے کا ویلا تحفیہ اس کے کہ وہ امیر ہے یا غریب۔ آپؐ نے شادی کو اچھے معاشرے کی بنیاد قرار دیا اور بدکاری اور فحاشی اور اس قسم کی اور باتوں کی جو گھریلو نظام کو کمزور کرنے والی ہیں مذمت کی۔ قرآن میں لکھا ہے۔

”اللہ نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ساتھ رہو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی۔“
اور اپنے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ تمہاری بائیں اور بیٹیاں اور خالائیں ہیں۔ کامل ترین مسلمان وہ ہے جس کا کردار اچھا ہے اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں سے سب سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔“

آپؐ نے فرمان جاری کر دیا کہ آئندہ سے شادی کے لئے کسی مذہبی رسم کی ضرورت نہیں ہوگی یہاں ایک مرتبہ صحرا پھر قرون اولیٰ کے مسلمانوں پر اثر انداز دکھائی دیتا ہے۔ آپؐ جانتے تھے کہ بدوی لوگ شادی کرنے کے لئے صحرا میں کسی مولوی کو نکاح پڑھانے کے لئے اور کسی مسجد کو شادی کی رسم ادا کرنے کے لئے کہاں تلاش کر سکیں گے۔ چنانچہ مرد اور عورت کو شادی کے بندھن میں متحد کرنے کے لئے کسی درمیانی شخص یا کسی مقدس جگہ کی ضرورت کو ختم کر دیا گیا۔ صرف جس چیز کی ضرورت رہ گئی وہ متعلقہ فریقین میں ایک تحریری معاہدہ (نکاح) تھا۔ اس معاہدے میں سب کچھ ہوتا ہے یعنی مرد کی طرف سے دیا جانے والا مرد اور عورت کا جہیز اور یہ بھی کہ طلاق کی صورت میں ان اشیاء کے متعلق کیا کیا جائے گا۔ اس طرح ان قوانین نے عرب میں عورت کی وقعت اس وقت کے مغربی ممالک کے مقابلے میں زیادہ بلند کر دی۔ درحقیقت آج بھی ایک مسلمان مرد کو اپنی بیوی کی جائیداد پر اتنے حقوق نہیں ہیں جتنے اکثر یورپین ممالک میں شوہر کو ہیں۔ اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے عورت کو اپنی ملکیت کے حقوق میں شوہر سے قطعی آزاد اور خود مختار بنا دیا تھا۔

ایک مرتبہ پھر قرآن میں ہم پھر پڑھتے ہیں۔

تَوَالِئْنَ نِسَاءً صَدَقْتِهِنَّ عَقْلًا ۝
 طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا
 لَوْ هُنَّ مَرِيَّاتٌ (سورة النساء)
 اور اسی سورۃ میں آگے آتا ہے۔

یٰۤاَيُّهَا النَّصِيبُ مَا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
 نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝
 (سورة نساء)

مردوں کو حصہ ہے اس میں سے جو ان کے والدین اور
 قریبی رشتہ دار چھوڑیں اور اسی طرح عورتوں کو حصہ
 ہے اس میں سے جو ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار
 چھوڑیں۔ یہ حقوراً ہو یا زیادہ ان کو مقرر حصہ ملتا ہے۔

جہاں حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو بت پرست اور مشرک عورتوں سے شادی کرنے کے لئے منع
 یا وہاں یہودی یا عیسائی رابل کتاب عورتوں سے شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں بتایا۔ اس
 تصدیق قرآن سے ہوتی ہے۔

”اور تمہیں اجازت ہے کہ ایمان والی نیک عورتوں سے شادی کرو اور

ان نیک عورتوں سے بھی جن پر تم سے پہلے اللہ کی کتاب نازل ہوئی۔“

آپؐ نے اس کا بھی واضح طور پر حکم دیا کہ ایک مسلمان کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں
 رکھنے کی اجازت نہیں۔ یہ بات کہ آپؐ خود اس تعداد سے آگے کیوں بڑھے اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ
 آپؐ اولادِ نبیہ کے خواہشمند تھے اور کچھ اس کا سبب سیاسی تھا۔ حضرت محمدؐ کی بیویوں میں سے
 صرف حضرت عائشہؓ ہی کنواری تھیں ورنہ باقی تمام ازواج یا تو مطلقہ تھیں یا بیوہ اور ان تمام میں
 سے پانچ کے علاوہ باقی سب معمولی شکل و صورت کی تھیں۔

حضرت محمدؐ نے طلاق کے متعلق بھی بڑے واضح قوانین وضع کئے۔ طلاق کو بھی آپؐ اتنا ہی
 ناپسند کرتے تھے جتنا تعداد ازواج کو، لیکن آپؐ جانتے تھے کہ یہ بھی ان ہی باتوں میں سے ایک ہے
 جو ناگزیر تھیں۔ البتہ طلاق پانے والی خاتون سے اچھا سلوک کرنے پر آپؐ نے بڑا زور دیا۔ قرآن کی
 دوسری سورۃ میں ہم یہ احکام دیکھتے ہیں۔

اطلاق مرثن فامساک بمعروف
او تسريح باحسان ولا یحل لکم
ان تاخذو مما اتیموهن شیاً

طلاق ہے دوبار تک۔ پھر ہے رکھنا موافق دستور کے
رخصت کرنا اچھائی سے اور تم کو روانہ نہیں کہ تم جو کچھ
ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔

..... سورة بقرہ

جب کوئی شخص ان احکام کو اور اسی قبیل کے اور بہت سے احکام کو پڑھتا ہے جو حضرت
نے اپنی زندگی میں وضع کئے تو اسی ضمن میں آپ کو بدنام کرنے والوں کی بے انصافیوں پر حیران
جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ عورت کے متعلق اسلام کی تعلیمات کی دل کھول کر بدگوئی
اور مسلمان عورت کو دنیا کی دوسری عورتوں کی نظروں میں ذلیل اور بے عزت کر کے خوش ہوتے
گو ان کے سبب آپ کو پریشانی بھی اٹھانی پڑی۔ لیکن حرم کی چشمکوں اور رشک و حسد کے واقعات
کے باوجود حضرت محمدؐ عورتوں اور ان کی ہر طرح کی باتوں سے غلط اٹھاتے تھے۔ آپ ان سے مجبور
بھی کرتے تھے لیکن اس کے علاوہ وہ آپ کو اچھی بھی لگتی تھیں اور ان کی عقل و دانش کی قدر بھی
تھے۔ آپ ہر گز یہ نہیں چاہتے تھے کہ عورتیں پھر کم و بیش اسی غلامی کی حالت میں آجائیں جس میں
چند سال پہلے تک تھیں۔ البتہ صرف ایک معاملے میں آپ نے ان سے سختی روا رکھی تھی اور وہ یہ
آپ نے کبھی ان کی بے جا ناز برداری نہ کی اور نہ سر چڑھایا۔ آپ کی حرم کی زندگی اسی قدر متواضعانہ
درویشانہ تھی جتنا آپ کے جانشینوں نے چند صدیوں بعد اسے عیاشی اور تن آسانی میں بدل دیا
مگر آپ اپنی جسمانی ضروریات کا کافی خیال رکھتے تھے۔ یعنی آنکھوں میں سرمہ ڈالتے تھے۔
پر عطر ملتے تھے اور جب بال سفید ہونا شروع ہوئے تو خضاب بھی استعمال کرتے تھے اور اپنے
ہاتھوں اور پیروں کی نگہداشت بھی کرتے تھے لیکن آپ کا کھانا پینا اور رہن سہن کا طریقہ بالکل
سادہ تھا۔ کھجور، روٹی، دودھ اور کبھی کبھی گوشت کی عام خوراک میں کوئی تنوع نہ تھا۔ البتہ
موسم میں لکڑی اور تر بوڑھی کھانے میں شامل ہو جاتے تھے لیکن اس کے علاوہ عام طور پر اور کوئی
نادر چیزیں نہیں ہوتی تھیں۔ بارش کے پانی کو آپ دیگر تمام مشروبات پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ ہمیشہ
اپنے ہر کھانے میں کسی نہ کسی کو، جو بھی وہاں موجود ہوتا، شریک کر کے خوش ہوتے تھے۔ صرف لہسن
اور پیاز ایسی چیزیں تھیں جنہیں آپ پسند نہ کرتے تھے۔ کھانا آپ چٹائی پر بیٹھ کر کھاتے تھے جیسا کہ

اس عرب میں دستور ہے اور ہر کھانا انگلیوں سے نوش جان کرتے تھے۔ کھانا شروع کرنے سے آپ یہ دعا پڑھتے۔

”خداوند!۔ اس میں برکت عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر اشیاء کھانے کو دے۔“
 اگر دسترخوان پر دودھ بھی ہوتا تو آپ ان الفاظ کا اضافہ کر دیتے۔ ”اور اس میں اضافہ فرما۔“
 بلکہ آپ کا خیال تھا کہ دودھ ہی ایسی شے ہے جس میں غذائیت اور مشروب دونوں موجود
 اور نئے آنے والوں کو بتاتے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوتا ہے جو کھانے اور پینے کے بعد اس
 شکر ادا کرتے ہیں۔“

ان گھریلو اور قانون سازی کے معاملات کے علاوہ آپ اپنے جانوروں کی تعداد بھی بڑھاتے
 تھے۔ دودھ دینے والی اونٹنیوں کے علاوہ آپ کے پاس دو تیز رفتار سانڈیاں بھی تھیں۔ ان میں
 ایک مشہور القصورہ تھی جس پر سوار ہو کر آپ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے اور ایک اس سے
 زیادہ تیز و العدبہ تھی۔ آپ کے پاس خچر اور گدھے بھی تھے اور جوں جوں وقت گزرتا گیا گھوڑے
 اس میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے بعض کو آپ اپنے رسالے کے سواروں کے ساتھ خود سوار ہو کر
 لاتے تھے۔ عربوں کی گھوڑ دوڑ عام طور پر لمبی اور نامہوار زمین پر ہوتی ہیں۔ کوئی اپنی باگ نہیں کھینچتا
 ہر ایک جیتنے کا عزم لئے ہوتا ہے۔ حضرت محمدؐ نے بھی اکثر اوقات ان دوڑوں میں حصہ لیا۔ تادان
 کی عمر ہو جانے کے باوجود آپ اپنی سپاہ کے بہت سے سواروں سے زیادہ اچھے شہ سوار تھے۔
 آپ کے پاس مدینہ میں کئی جائیدادیں تھیں۔ ان میں سے ایک بنی نضر یہودی قبیلہ سے
 بط کی گئی تھی۔ ایک دوسری آپ کو ایک یہودی مسمیٰ مقیرش نے دی تھی۔ یہ شخص کبھی مسلمان
 نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا قدردان تھا اور آپ سے اپنی عقیدت کے نشان کے طور پر آپ کو کچھ دینا
 ہوتا تھا۔ چنانچہ جب وہ فوت ہوا تو حضرت محمدؐ نے اسے مسلمانوں کے قبرستان کے باہر بالکل نزدیک
 دفن کرایا۔

مولانا شبلی نے سیرت النبی میں اس یہودی کا نام مخیرقی لکھا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس نے یہ باغ اُحمر کی جنگ کے موقع
 پر آپ کو ہبہ کیا تھا۔ آپ نے یہ باغ اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا تھا۔

حضرت محمدؐ کے رہائشی مکانات کوئی نمود و نمائش نہ رکھتے تھے۔ مسجد کے نزدیک موجود مکانات کہنے میں اضافے کے باعث بڑھا لیا گیا تھا۔ اب بھی وہ چھوٹے کمرے پر مشتمل تھے جن کو کھجور کی شاخ سے بنی ہوئی ٹیٹوں پر گارا لپیٹ کر ایک دوسرے سے جدا کیا ہوا تھا۔ دروازوں کے پردے بالوں سے بٹے کبل کے ہوتے تھے۔ کمرے کے اندر چٹائیاں یا دریاں اور چند بھس بھرے گدے تھے۔ دیواروں پر کوئی آرائش نہ تھی۔ اور صحن کے لئے کبل مفقود تھے جب سردی زیادہ ہوتی کمرے کے مابین ایک اور سوزنی یا چادر اوڑھ لیتے۔

حضرت محمدؐ کا ذاتی تعیش کا سامان لے دے کر ایک بلور کا پانی پینے کا کٹرا، جس پر چاندی جاں تھا۔ ایک مٹی دانا بنے کی، سلاچی رہا تھ دھونے کا پیالہ نابرتن، اور ایک ہاتھی دانت کا کھڑک تھے۔ آپؐ کے پاس چند غلام بھی تھے۔ جو آپؐ کی بیویوں کا ہاتھ بٹاتے تھے جو گھر کا کام کاج اکثر خود کرتی تھیں۔ آپؐ کے ایک نجی معتمد سیکرٹری بھی تھے جن کا نام زید بن ثابت تھا۔ مدینہ میں شروع شروع میں حضرت محمدؐ نے چند عبرانی (یہودی) ملازم رکھے تھے جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے لیکن جب آپؐ کا یہودیوں سے اختلاف بڑھ گیا تو آپؐ نے ان کی جگہ اچھے پڑھے عرب رکھ لئے۔ یہ زیدؓ ہی تھے جنہوں نے قرآن کے بھرے ہوئے مسودات کو اکٹھا کر کے کتاب مقدس (قرآن) موجودہ شکل دی۔

جو شخص کبھی عرب میں نہ رہا ہو اس کے لئے آپؐ کی بیویوں کی اس مشقت بھری زندگی کا حرم کی روایتی زندگی کے مقابلے میں یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ وہ صحرا کے لوگ تھے اور یہ کہ صحرا کے لوگ دنیا کے دوسرے تمام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ صحرائین لوگوں کے لئے کھانا ایک معمول کی بات نہیں۔ درحقیقت اصل خانہ بدوش زندگی میں صرف ایک وقت ہی کھانا کھاتے ہیں۔ یعنی رات کو سونے سے پہلے اور ان کے دسترخوان وسعت کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ وہ سال کیسا گزرا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ لیجئے کہ بار کیسی ہوئی۔ اچھی چرائی جانوروں اور شکار کے متعلق نظریے میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود گوشت ان کے لئے ایک عیاشی سے کم نہیں اور روز میر نہیں آتا۔ صحرائے عرب کے بادیہ میں صرف زندہ رہنے کے لئے کھاتے ہیں۔

البتہ مقیم عرب یعنی شہری لوگ جو نخلستانوں کے قصبوں میں رہتے ہیں نسبتاً آرام میں رہتے ہیں
 کیونکہ وہ اناج کی کمی کھجور اور سبزیوں سے پوری کر لیتے ہیں لیکن انہیں بھی صحرائیوں کے مقابلے میں
 اس سے زیادہ اور کوئی نعمت میسر نہیں آتی۔ کیونکہ ان کا انحصار بھی بارش پر ہی ہوتا ہے جس کے سبب
 صحرائیوں کو بھیڑیں اور ازل و فرودخت کرنے اور روپیہ کمانے کے قابل ہوتے ہیں جو وہ شہروں میں
 خرچ کرتے ہیں۔

صحرا کے لوگ دوسری جگہ کے لوگوں سے کسی بات میں بھی نہیں ملتے۔ یہ عرب ہو یا لیبیا یا افریقہ کا
 صحرائے اعظم ان لوگوں کی بود و باش اور رہن سہن کے طریقے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ صدیاں گزرنے
 کے باوجود ان طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور کوئی تبدیلی ہو بھی نہیں سکتی جب تک کہ کوئی
 موجود مصنوعی بارش کا طریقہ ایجاد نہ کرے۔

چنانچہ یہ حسین خواتین جن پر حضرت محمدؐ کا حرم مشتمل تھا۔ یہ ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسی عظیم ہستیاں،
 یہ بہادر سپاہی اور کھجور کی کاشت کرنے والے لوگ کفایت شعاری کی زندگی اس لئے نہیں گزارتے
 تھے کہ ان کے کفایت شعار پیشوانے انہیں ایسا کرنے کے لئے مجبور کر دیا تھا بلکہ اس لئے کہ ایسا کرنا صحرا
 کے لوگوں کی سرشت میں داخل تھا۔ یہ ان کا دستور تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود بنالیا تھا اور
 اللہ تعالیٰ نے جہاں ان کو وجہ وفات کی پھلوں سے بھری وادیوں اور دریائے نیل (مصر) اور دریائے
 سندھ (ہندوستان) اور دریائے دادا (کبیر) دہپانوی زبان میں اس کے معنی بڑا دریا یا دریائے کبیر ہے)
 ایک حکمران بنانے کا وعدہ کر لیا تھا وہاں ان کی صحرائی زندگی کو تبدیل نہیں کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہونے
 والے خلفاء توان علاقوں میں جا بسے جہاں خوراک اور پانی کی بہتات تھی وہ طرح طرح کی نعمتیں کھا کر بوٹے
 ہو گئے لیکن ان کے عوام، وہ لوگ جو حقیقی معنوں میں اسلام پھیلانے والے تھے، اسی طرح سادہ زندگی
 گزارتے رہے جس طرح ان کے پیشوانے گزار رہی تھی۔

ایک امریکن یا انگریز یا جاوی مسلمان حضرت محمدؐ کی زندگی میں ایک طرح کی قدامت محسوس کرتا ہے۔
 ایسے ہی جیسے آج کل کی کشتی میں لنگر لگا ہوا اور اس کا اتباع اتنا ہی ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے جیسے
 حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ایک عام عیسائی کے لئے لیکن ایک عرب کے لئے زندگی گزارنے کا صرف یہ ہی
 ایک راستہ اور طریقہ ہے جو وہ جانتا ہے۔

قرآن

اگرچہ اس کتاب میں قرآن کے بہت سے حوالے دیئے گئے ہیں لیکن اب تک اس کے اصل مضمون
 مافیہ اور دین اسلام میں اسکے مقام کے متعلق نہ تو کہیں غور کرنا مقصود رہا اور نہ ہی اس سے بحث کی گئی ہے۔
 قرآن ایک معرکہ آرا صحیفہ ہے۔ یہ حضرت محمد کو منعکس کرتا ہے بلکہ درحقیقت یہ ہی محمد ہے۔
 لیکن مسلمانوں یا اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے سوا بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو یہ جانتے ہیں
 قرآن کیا ہے؟ انگریزی۔ فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں اس کے بہت سے اچھے ترجمے ہونے لگے
 باوجود مغرب کے لوگوں میں سے شاید ہی کچھ لوگ ہوں جنہوں نے اس کو پڑھا ہو۔ میں نے بعض لوگوں
 بھی کہتے سنا ہے کہ یہ حضرت محمد کے عہد کی تاریخ ہے۔ بعض کے نزدیک یہ اسی طرح کے اقوال کا ایک
 مجموعہ ہے جسے کنفیوشس سے منسوب کیا جاتا ہے یا یہ اسلامی قوانین کی ایک کتاب ہے یا انجیل کے
 لفظی مفہوم۔ یہاں تک کہ حضرت محمد کے بعض مغربی سوانح نگار بھی اس کتاب کے مثبت تجزیے
 وضاحت سے پہلے ہی کرتے نظر آتے ہیں جو درحقیقت سارے اسلام کی بنیاد ہے۔
 چنانچہ جو کچھ مشرقی علماء اس ضمن میں پہلے لکھ چکے ہیں اس پر مزید تبصرے کا اضافہ کئے

لے کنفیوشس (۵۵۱ تا ۴۷۹ ق م) چین کا ایک عظیم مفکر اور دانشور اور دنیا کے ایک بڑے مذہب کا بانی۔ اس
 ہاں مافوق الفطرت قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی تعلیمات عام عقل اور سمجھ بوجھ پر مبنی تھیں اور انسانیت کی ترقی
 اور بلندی اس کا نصب العین تھا۔ (ریسرز انسائیکلو پیڈیا)

یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ قرآن اصل میں کن نظریات کی ترجمانی کرتا ہے۔

قرآن لفظ قرأء سے لیا یا بنایا گیا ہے جس کا مطلب پڑھنا یا بلند آواز سے زبان سے دہرانا سنانا ہے۔ گو اب ساری کتاب کو بھی القرآن کہا جاتا ہے لیکن شروع میں ہر وحی کو قرآن کہتے تھے۔ قرآن میں ۱۱۴ سورتیں یا ابواب ہیں جن میں طویل ترین سورۃ البقرہ میں ۲۸۶ اور سب سے چھوٹی میں تین آیات ہیں۔ ہر سورۃ کا ایک عنوان ہے جو سورۃ کی عبارت کے شروع یا اس کے قریب وجود کسی لفظ یا فقرے سے لیا گیا ہے لیکن کسی سورۃ کے مضمون کا اس کے عنوان سے مطابقت کرنا ضروری نہیں۔

مثال کے طور پر چوتھیں سورۃ (سورۃ روم) کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَدْنٰى اِلَیْہِ الْاَسْرَافُ....." جس میں بادشاہ فارس کے ہاتھوں ۶۱۵ عیسوی میں رومیوں کی شکست کا حوالہ ہے لیکن چند آیات کے بعد اس سورۃ میں رومیوں کا مزید ذکر نہیں ملتا۔ طویل ترین سورۃ ہجود دوسری سورۃ ہے، البقرہ کہلاتی ہے لیکن اس سورۃ کا اس جانور (گائے) سے کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ اس کا صرف ایک موقع پر ذکر آتا ہے جہاں حضرت موسیٰ نے کتاب تعداد و استثنائیں، اس کی قربانی کے لئے حکم دیا ہے۔ نویں سورۃ (سورۃ توبہ) کے سوا ہر سورۃ کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے الفاظ ہوتا ہے۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور رحم والا ہے) اکثر و بیشتر آیات کے آغاز میں قُلْ رکہ دو اسے محمدؐ کے تاکید کی لفظ کا اضافہ ملتا ہے

لہ سورۃ روم۔ یہ تیسویں سورۃ ہے۔ چوتھیں نہیں۔ غالباً مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس میں رومیوں کی شکست کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ روم ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ رومی جلد غالب آئیں گے۔ یہ دونوں واقعات رسول کریم کے زمانے میں پیش آئے۔ انگریز ترجمانوں نے رومیوں کو یونانی لکھا ہے۔

لے پرانے عہد نامے رتوریت کے ترجمے میں OF NUMBERS اور DEUTRONOMY کو کتاب تعداد اور کتاب استثنائیں کہتے ہیں۔ کتاب استثنائیں وہی قوانین دہرائے گئے ہیں جو کتاب خروج میں مذکور ہو چکے ہیں۔

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مسلم عقیدے کے مطابق قرآن کی ہر سطر پیغام الہی ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت پر نازل ہوئی۔

مثال کے طور پر ایک سوچو دھویں سورۃ کے الفاظ یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝

مَلِكِ النَّاسِ ۝ إِلٰهِ النَّاسِ ۝

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

الَّذِیْ یُؤْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝

مِنْ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

کہ دوزاے محمدؐ میں پناہ چاہتا ہوں لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی چھپ کر دوسرے ڈالنے والے کے شر سے اور اس کے خلاف جو بڑے خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں جنوں اور انسانوں میں سے۔

(سورۃ والناس)

اُن چند موقعوں پر جب اہل قریش نے حضرت محمدؐ کی باتیں سنیں تو انہوں نے کہا کہ یہ قرآن اتنا فصیح و بلیغ ہے کہ وہ آپؐ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے جواب دیا کہ ان کا کہا پسح بھی تھا اور غلط بھی کیونکہ اللہ کے سوا ایسا کلام کوئی اور کہہ ہی نہیں سکتا۔

چنانچہ چھبیسویں سورۃ (سورۃ شعراء) کی ایک سوبانوے آیت میں لکھا ہے۔

وَإِنَّهُ لَنَزْلٌ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

نَزَلَ بِرُوحِ الْاَمِیْنِ ۝

عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝

بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝

اور یہ قرآن اتنا ہے جہاں کے رب نے

اور یہ روح الامین (حضرت جبریلؑ)

اسے لے کر اترے تیرے دل پر تاکہ تو

لوگوں کو ڈر سناوے صاف اور کھلی

عربی میں۔

(مکوع ۱۱)

چنانچہ یہ وحی آپؐ پر مکہ اور مدینہ میں وقتاً فوقتاً حضرت جبریلؑ کے ذریعہ نازل

ہوئی جو نہی وحی نازل ہو چکتی آپؐ اسے لکھا دیتے تھے۔ صرف کاغذ جیسی اشیاء

یا تختوں پر ہی نہیں بلکہ جو چیز بھی اس وقت دستیاب ہوئی۔ اس لئے قرآن کا پہلا نسخہ بھیڑ کے شانے کی ہڈیوں، سیپیوں، لکڑی اور پتھر کے ٹکڑوں اور چمڑے کی چوڑی پٹیوں پر لکھا گیا تھا اور بعض آیات تو کھجور کی بھدی شاخوں اور چمڑے کے چھوٹے بڑے ٹکڑوں پر لکھی گئی تھیں۔

حضرت محمدؐ کی وفات کے ایک سال بعد حضرت عمرؓ کے مشورہ پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو ان تمام آیات کو اس طرح مجتمع کرنے اور اس کی ترتیب و تدوین کرنے کا حکم دیا کہ وہ آسانی سے پڑھی جاسکیں۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی اور ان آیات کو بھی شامل کر دیا جنہیں لکھوانے کی بجائے حضرت محمدؐ نے اپنے بعض صحابہوں کو حفظ کرا دیا تھا۔ البتہ حضرت زیدؓ نے آیات کو کسی خاص طریقے پر ڈھالنے یا ان کے درمیان وضاحت اور ربط پیدا کرنے کے لئے فقروں کا اضافہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ انہوں نے ناسابل یقین حد تک محنت اور لگن سے کام کیا۔ چنانچہ جب قرآن کی تدوین ختم ہوئی تو اس صحیفہ نے ایک ایسی کتاب کی شکل اختیار کر لی جو واقعی طور پر اپنے مصنف اور خالصتاً مصنف کی ہی تصنیف معلوم ہوتی تھی۔

قرآن کا یہ نسخہ وہی نسخہ تھا جو حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دیا گیا اور جسے قرآن مجید کا صحیح ترین اور مستند نسخہ قرار دیا گیا۔

بہر حال اس اعلان پر سختی سے عمل نہیں کیا جاسکا اور جلدی ہی قرآن کے ان نسخوں

۱۔ SCROLL AND TABLETS اس وقت تک کاغذ موجود نہیں تھا اس لئے چمڑے، بھیڑ

بکریوں کی کھالوں اور ہڈیوں پر لکھا گیا تھا۔ بہت سی آیات اونٹ کی ہڈیوں پر محفوظ کر لی گئی تھیں SCROLL کا لفظ غالباً اس لئے استعمال کیا ہے کہ کھالوں کے پارچے لکھنے کے بعد لپیٹ لئے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے ہاں جو قرآنی سورۃ دیکھی وہ بھی ایک بھیڑ کی کھال پر لکھی ہوئی تھی۔

۲۔ قرآن پاک کی ترتیب بعینہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ ہر وحی کے نزول کے بعد آپ ہدایت فرما دیا کرتے تھے کہ اسے قرآن پاک میں کس موقع پر شامل کیا جائے۔ حضرت زیدؓ کی تدوین بالکل اسی ترتیب کے مطابق ہوئی ہے۔

میں تبدیلیاں نظر آنے لگیں جو بڑھتی ہوئی اسلامی دنیا میں مختلف جگہ موجود تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں صورت حال اتنی خراب ہو گئی کہ حذیفہؓ نے جو ایک مشہور مسلمان جنرل تھے اور جنہیں مہات کے سلسلے میں شام، آرمینیا اور عراق جانا پڑا یہ رپورٹ بھیجی کہ اگر فوری طور پر کوئی سخت قدم نہیں اٹھایا گیا تو مسلمانوں میں بھی قرآن کی عبارت کے متعلق اتنے ہی اختلافات ہو جائیں گے جیسے عیسائیوں میں انجیل کے متعلق موجود تھے۔

حضرت عثمانؓ نے فوراً زید بن ثابتؓ کو بلا یا جو اب ادھیڑ ہو چکے تھے اور حکم دیا کہ وہ تین قریشی عالموں کو اپنے ساتھ لے کر حضرت حفصہؓ کے صندوق میں محفوظ مستند قرآنی نسخہ کی ایک باضابطہ نقل تیار کریں۔ یہ نسخہ اہل مکہ کی زبان میں تیار کیا گیا جس کو عرب کی خالص ترین زبان کہا جاتا تھا اور اس طرح نادانستہ طور پر مکہ کی زبان کو مستند اور معیاری قرار دیا گیا۔ آج بھی اپنی وسیع سلطنت کے مختلف حصوں میں رہنے والے عربوں اور دنیا کے دوسرے حصوں کے بہت سے مسلمانوں کے درمیان مکہ کی یہ بولی اور زندہ زبان باہمی رسل و رسائل کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ بات کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔

جب قرآن کا یہ مستند نسخہ تیار ہو گیا تو باقی تمام نقول رجن میں کوئی اختلاف پایا جاتا تھا، جلادی گئیں۔ ان کی جگہ نئے نسخے تیار کر لئے گئے اور یہ ہدایت کر دی گئی کہ اس میں ہرگز کسی قسم کی کمی بیشی نہ کی جائے۔ اس ہدایت پر بڑی فرض شناسی سے عمل کیا گیا اور آج بھی بلا شک و شبہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیائے اسلام میں جہاں بھی مسلمان ہیں اور قرآن پڑھا جاتا ہے وہ قرآن حضرت حفصہؓ کے مستند قرآنی نسخے کی من و عن نقل ہے۔ درحقیقت اب بھی ایسے مسلمان موجود ہیں جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کی وفات کے پندرہ سال بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جاری کردہ قرآنی نسخے کی چند نقول اب بھی موجود ہیں۔ گو ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسے غلط کہا جائے لیکن میری کسی ایسے عرب سے ملاقات نہیں ہوئی جس کی نظر سے کوئی ایسا نسخہ گزرا ہو۔ قرآن کا قدیم ترین قلمی نسخہ جسے کسی

قرآن پاک کے اس نسخہ کی زبان ادا الفاظ دی ہیں جو وحی کے ذریعہ محفوظ پیمانہ ہوئے۔

اسی باقاعدہ مرتب فرست کتب CATALOGUE میں شامل کیا گیا ہو تو یہ صدی
یسوی کا ہے۔ یعنی حضرت محمدؐ کی وفات سے دو سو سال بعد کا۔ بہر حال یہ بات پرانے نسخوں
کے متلاشی لوگوں کے سوا اور کسی کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل اہم بات یہ ہے کہ
قرآن ہی صرف ایسی کتاب ہے جس کی عبارت بارہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے پر بھی بغیر
کسی اضافے اور تحریف کے جوں کی توں موجود ہے۔ نہ تو یہودی مذہب میں اور نہ ہی عیسائیت
میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس کی ذرا سی بھی ملتی چلتی مثال پیش کر سکے۔

قرآن کی عبارت کے تاحال بے رد و بدل رہنے کے خلاف صرف ایک ہی بات جاتی ہے
وہ یہ ہے اس کی ترتیب کی خامی۔ کچھ حد تک یہ خامی دور بھی کر دی گئی ہے۔

جہاں رسول اللہؐ کے صحابیوں کی بیان کردہ روایات سے یہ اشارے ملتے ہیں کہ آپؐ تمام
رحی اور آیات کو ان کی نزول کی تاریخ کی بجائے ان کے مضمون اور موضوع کے مطابق ترتیب
دیتے کے خواہشمند تھے وہاں چند مشرقی علماء نے جن میں یورپین اور ایشیائی دونوں شامل ہیں،
مختلف زبانوں میں ایسے قرآن شائع کئے ہیں جن میں سورتیں نزول کے اعتبار سے صحیح ترتیب
میں ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی ترتیب تمام وجوہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس میں انہیں کافی
محنت و کاوش کرنا پڑی ہے۔ کیونکہ دوسری رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ قرآن میں عملی طور پر کوئی
تاریخی یا دوسرے مشہور نشانات نہیں ملتے۔ خود حضرت محمدؐ کا نام سارے قرآن میں صرف پانچ
مرتبہ آیا ہے اور آپؐ کے ہمعصروں کے متعلق صرف دو حوالے ملتے ہیں۔ سورتوں کے نزول
کی تاریخ کا اندازہ صرف ان کے لہجے اور انداز سے ہوتا ہے۔

شروع زمانے کی سورتوں پر خصوصیت سے شاعرانہ انداز غالب ہے۔ آیات میں اثر
آفرینی ہے اور قدرتی مناظر کا ذکر زیادہ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی حق کا مخلص متلاشی
یا کسی نظریہ کا داعی اپنے خیالات کو ایسے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو لوگوں کو

لے ہماری نظر سے ایسے کوئی نسخہ نہیں گزرے اور کم از کم ہندوستان میں ایسے کسی قرآن کا پتہ نہیں چلتا۔
ہو سکتا ہے یورپ یا برطانیہ کی لائبریری میں ہوں۔

ہمنا بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ دل کش ہو۔ پس منظر اور مستعمل الفاظ سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ ایک صحرا نشین گلہ بان، ایک نظریہ پرست انسان، ایک شاعر یا پھر ایک نبی ہو سکتی ہے۔

پھر حبیب حضرت محمدؐ کے اختیار و اقتدار کا آغاز ہوتا ہے تو سورتیں خبردار کرنے کا لہجہ اختیار کر لیتی ہیں۔ عبارت زیادہ سادہ، مبنی بر حقیقت اور احکامات سے متعلق ہو جاتی ہے یہ ایک ایسے مبلغ کی زبان معلوم ہوتی ہے جس کا مشن لوگوں کو تبدیل مذہب کی ترغیب دینا ہو اور جوں جوں اسلام ترقی کرتا ہے سورتوں کی ہیئت بھی بدلتی جاتی ہے۔ مکہ کا مبلغ بتدریج ایک قانون ساز، جنگی قائد اور مطلق العنان حکمران بن جاتا ہے اور لوگوں سے اطاعت و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا خواہاں ہوتا ہے۔ سورتوں میں سے شاعرانہ تخیل بڑی حد تک کم ہو کر منظم میں چلا جاتا ہے۔ اب کبھی کبھی ایسی آیتیں نازل ہوتی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے انعامات اور اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کا ذکر کرتی ہیں۔ درحقیقت جوش و جذبہ سے سرشار ایک تجارتی گماشتہ سے ترقی کر کے عرب کے حکمران بن جانے والے شخص کے ذہن کا تدریجی ارتقاء ان تاریخ وار مرتب سورتوں سے زیادہ کہیں نظر نہیں آتا۔ وہ سورتیں، اس موضوع پر والیئر کی رائے کی نفی کرتی ہیں اور گوٹے کے اس خیال کو صحیح ثابت کرتی ہیں۔

”جتنی مرتبہ بھی ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو پہلی مرتبہ تو یہ مایوس کر دیتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، ہجرت میں ڈال دیتا ہے اور آخر میں تعریف کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔“

مزید برآں ان لوگوں کو جو قرآن کو پڑھنے میں اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قرآن کے نزول کا منشاء ہی یہ ہے کہ اس کو پڑھا جائے۔ یہ پڑھنے اور سننے کے لئے ہی آیا ہے۔ پھر اس کی شہادت بھی موجود ہے کہ حضرت محمدؐ اس کے پڑھنے کے صحیح طریقے پر بہت زور دیتے تھے۔ آپؐ نے بار بار فرمایا: ”اچھی قرأت یا خوش الحانی جاد“

لے والیئر VOLTAIRE اٹھارویں صدی کا ایک مشہور انقلابی فرانسیسی مفکر۔

لے مشورجر من فلسفی اور مفکر شاعر مشرق علامہ اقبال بھی اس کے کلام سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔

کا اثر رکھتی ہے۔ آج بھی ایسا ہی ہے۔ عرب کے مدرسوں میں بچوں کو قرآن حفظ کرایا جاتا ہے۔ اکثریت اس کو یاد رکھتی ہے۔ میرا صحرانشین دوست مدنی قرآن کو جہاں سے بھی کہا جاتا سنا سکتا تھا۔ میں خود قرآن کو اتنی اچھی طرح نہیں جانتا تھا کہ اس کی صحت کو جانچ سکوں لیکن یہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اس کو پورا قرآن حفظ تھا۔ بعض اوقات میں نے دیکھا ہے کہ مسجد میں نماز کے دوران جب بھی امام کوئی آیت غلط پڑھے تو مقتدی فوراً ٹوک کر رست کر دیتے ہیں۔

ایک شخص قرآن کی عبارت کو بڑی آسانی سے ایک بڑے خطیب کے برجستہ اور الہانہ خطبات کو مختصر نویسی میں لکھی ہوئی سطور سے مشابہت دے سکتا ہے۔ عین اسی طرح جیسے مقرر کے تمام جذبات، تقریر کے سیاق و سباق اور موقع و محفل پسلی خطوط میں موجاتے ہیں۔

اگرچہ یہ کوئی بڑا نقصان بھی ہو تب بھی ترجمے سے قرآن کے حسن و خوبی میں بڑی کمی آ جاتی ہے۔ اپنے اسلوب بیان اور مضمون کے علاوہ قرآن کی خوبی بڑی حد تک حسن الفاظ میں مضمر ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے عام لاطینی زبان میں لکھی انجیل VULGATE ^۱ ملکہ ایلزبتھ کے عہد کی انگریزی میں ترجمہ ہو جانے سے نئے عہد نامے کی لاطینی زبان کی مٹھاس اور شیرینی بھو بیٹھتی ہے، یا پرانے عہد نامے (توریت) کے جیمز اول کے عہد کے مستند انگریزی ترجمے

۱۔ یہ تقریباً تمام اسلامی دنیا میں ہی ہے خصوصاً عرب ممالک، ترکی، برصغیر پاک و ہند ملائیشیا اور انڈونیشیا میں اور عمان کے مہینہ میں تراویح میں حفاظ سارا قرآن سناتے ہیں بلکہ ایک رات میں سارا قرآن سنانے کے لئے شیعہ بھی منعقد کئے جاتے ہیں۔ (۲) ولگیت VULGATE سینٹ جیروم کی چوتھی صدی عیسوی کی عام اور رد زمر لاطینی میں لکھی ہو انجیل ولگیت کہلاتی ہے جو بڑے تاثر کی حامل شمار ہوتی ہے۔ (۳) ایلزبتھ۔ انگلستان کی ملکہ ایلزبتھ اول (سترھویں صدی) کے زمانے میں انجیل کا پہلی مرتبہ باضابطہ انگریزی ترجمہ ہوا۔

(۴) جیمز اول۔ شاہ انگلستان جو ملکہ ایلزبتھ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں پرانے عہد نامے کا ترجمہ ہوا جو دکش اور مستند شمار ہوتا ہے۔

کے علاوہ دوسرے تمام تراجم ایک بار بار دہرائی جانے والی تاریخ اور قوانین کا مجموعہ بن گئے ہیں قرآن بھی عربی سے کسی اور زبان میں ترجمہ ہو جانے کے سبب اپنی ترتیل کا وجدانی زیر و بم کو بیٹھتا ہے جس شخص نے کسی عرب کو اپنے اثر آفریں سخن میں قرآن پڑھتے نہیں سنا یا کسی مسیحی کے منارے سے اذان کی سحر انگیز آواز نہیں سنی۔ یہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا کہ قرآن کے انگریزی فرانسیسی اور جرمن ترجمے اصل میں کسی چیز سے محروم ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے شکسپیر کا کسی غیر زبان میں ترجمہ یا ویگنیر کا اطلالی زبان میں۔

کیا قرآن کی سورتوں اور آیات کو شاعری کہا جاسکتا ہے۔ یہ اپنا اپنا خیال ہے۔ یقینی طور پر عرب کے قصیدہ کی طرح کی شاعری تو نہیں ہے جو زمانہ ماقبل اسلام کی شاعری کی بہترین مثال تھی۔ البتہ یہ سورتیں بڑی جاذب، دلکش اور ولولہ انگیز ہیں اور اطلالی زبان طرح الفاظ خود بخود قافیوں میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔

سورۃ التکویر (۱۰۱) کا پہلا نصف حصہ جو درج ذیل کیا جاتا ہے جب عربی زبان میں تلاوت کیا جائے تو اپنے اندر اتنی گونج اور عظمت رکھتا ہے کہ شاہ جہیز کے عہد کی انجیل کے کسی حصے میں بھی ایسی کوئی مثال ملنا مشکل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

جب سورج کو تہ کر دیا جائے گا یعنی اس کی روشنی اور تمازت ختم کر دی جائے گی۔

وَ اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ

اور جب ستارے گر پڑیں گے یا میلے ہو جائیں گے

۱۔ پرانا عہد نامہ توریت و زبور پر مشتمل ہے۔ نئے عہد نامے میں حضرت عیسیٰ کے حالات اور ان کی تعلیمات ہیں۔
۲۔ شکسپیر انگلستان کا مشہور ڈرامہ نگار۔ اس کے منظوم ڈرامے اور زبان انگریزی ادب کا مستند اور نادر نمونہ ہیں۔

۳۔ ویگنیر WAGNER ایک جرمن نغمہ نواز اور موسیقی اور ڈرامے میں ایک نئے طرز کی ہم آہنگی کا موجد۔

وَإِذَا الْجِبَالُ مَسِيرَتٌ ۝۱۰

اور پہاڑ چلائے جائیں گے اور روئی کے گالوں

کی طرح اڑتے پھریں گے۔

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۱۱

اور چبائی بچے والی اونٹیاں چھٹی پھریں گی (اور کوئی

ان کا رکھوالا نہ ہوگا)

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝۱۲

اور جب جنگل کے جانور (خوف کے مارے) اکٹھے ہو جائیں گے

وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۱۳

اور جب سمندروں کا پانی کھولنے لگے گا۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝۱۴

اور جب روہیں اپنے جہموں سے مل جائیں گی (مرد بھی اٹھیں گے)

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ ۝۱۵

اور جب جیتی بیٹی کے گارے جانے پر پوچھا جائیگا

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝۱۶

کہ کس گناہ پر ماری گئی۔

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۷

اور جب اعمال نامہ پیش کیا جائے گا۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝۱۸

اور جب آسمان سے ہر چیز پھٹنے کی طرح اتار لی جائیگی

وَإِذَا الْجَبَابِيزُ سُفِرَتْ ۝۱۹

اور جب دوزخ کی آگ بھرد کاٹی جائے گی۔

وَإِذَا الْجَنَّةُ أَذْلَفَتْ ۝۲۰

اور جب جنت نزدیک آجائے گی۔

عَلِمْتَ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ ۝۲۱

تو ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے دنیا میں

کیا اعمال کئے تھے۔

اتفاق سے اس سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت کے آخری دو لفظوں کی مناسبت سے

سورۃ تکوید ہے جس کے معنی یقیناً یا تہ کرنا ہے۔

ان شاعرانہ صفات کے باوجود قرآن مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور مدنی ضوابط کا

ایک مجموعہ اور اجتماعی عبادات اور دعائیں اور قدیم مذہبی واقعات و قصص کی کتاب ہے اور

یہ سب کچھ ایک ہی کتاب میں ہے۔ ایسی آیتیں بھی ہیں جو خصوصیت سے توبہ و استغفار

منافقوں کو برا بھلا کہنے ان پر لعنت و ملامت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے پر جلال

مظاہرے متعلق ہیں۔ اس (قرآن) میں معرفت الہی کی روح بھی ہے جس نے عربوں پر

حیرت انگیز اثر کیا۔ اس نے سیدھے سادے گلے بانوں، تاجروں اور عرب کے خانہ بدوشوں کی کایا پلٹ کر کے ان کو جنگجو مجاہدوں، سلطنتیں قائم کرنے والوں، بغداد، قرطبہ اور دہلی جیسے شہروں کی تعمیر کرنے والوں، عالموں، حکمرانوں اور ریاضی دانوں میں تبدیل کر دیا۔ بلاشبہ وہ شبہ یہی کتاب تھی جس کے سبب ان لوگوں نے ایرانیوں اور رومنوں سے زیادہ بڑی دنیا فتح کر ڈالی۔ اور اس کے لئے انہوں نے اپنے پیشروؤں کی ہر صدی کے مقابلے میں صرف دس سال لئے۔ گو فونیقی ان سے زیادہ دور تک گئے تھے اور انہوں نے ہر اس جگہ جہاں تجارت تھی اپنے پاؤں مضبوطی سے جمائے اور یہودی بھی باہر کے ممالک میں گئے لیکن پناہ گزین ہو کر یا قیدی بن کر۔ لیکن ان کے برخلاف یہ عرب اپنی اس کتاب کے ساتھ حکمران بن کر پہلے افریقہ گئے اور پھر یورپ میں در آئے۔

جب ۶۵۰ء میں مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے اور معاویہ بن ابوسفیان سالار افواج شام کو حضرت علیؑ کے بہادری کے ہاتھوں شکست ہونے لگی تو اس نے مقدس کتاب (قرآن) کی اسی روحانی خاصیت کا سہارا لیا تھا۔ لڑائی تقریباً ختم ہو چکی معلوم ہوتی تھی اور شامیوں کے قدم اکھڑ گئے تھے کہ انہیں اپنے نیزوں پر قرآن بلند کرنے کا حکم دیا گیا جو نبی حضرت علیؑ کی فوج نے یہ دیکھا تو انہوں نے اپنی تلواریں نیچی کر لیں اور لڑائی سے ہاتھ روک لیا اور لڑائی کا فیصلہ ثالثی کے ذریعہ کرنا پڑا۔

آج بھی جب کوئی رباط (مراکشی) یا آگرے (ہندوستان) کا قاضی (مسلم مجسٹریٹ) شرع محمدی میں کوئی ایسا فیصلہ تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہے جو اس کے سامنے پیش ہونے والے مقدمے پر منطبق ہو سکے تو وہ قرآن کو سر پر رکھ لیتا ہے اور اس کی روحانی رہبری میں عقل انسانی اور موجودہ قانون کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے۔

دنیا کی آبادی کا سا تو ان حصہ اپنے سارے کام اس کتاب کے احکام کے مطابق کرتا ہے۔ کوئی شخص تا حال اس کی کوئی معقول وجہ نہیں بتا سکا۔

تخلیق کائنات، حضرت آدمؑ کا جنت سے اس دنیا میں آنا، حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ کی دعوت حق، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوب علیہم السلام اور دوسرے نبیوں

ذکر اس میں موجود ہے۔ یہودیوں کا منتخب امت قرار دیا جانا، حضرت موسیٰ کے قوانین اور قاعدے
نبروں اور نبیوں اور خاص طور پر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے حالات پہلی مرتبہ اس کتاب
تاریخ کی حیثیت سے درج کئے گئے ہیں۔

پہلے جہاں تک عہد نامے کا تعلق ہے۔ قرآن حضرت عیسیٰ کے مسیح موعود تسلیم کئے جانے
میں متفق ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ کا معجزاتی طور پر روح القدس کے دم سے رحم مادر میں آنا بھی تسلیم
کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریم کی پاک پیدائش، حضرت یوحنا کی پر اسرار ولادت اور حضرت
عیسیٰ کے پیشرو کی حیثیت سے ان کا کردار بھی تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں کا حضرت عیسیٰ
کو پیغمبر ماننے سے انکار، آپ کو اذیتیں دینا اور پھر آپ کو سولی پر چڑھانے کا ذکر بھی اس میں
موجود ہے اور آخر میں قرآن میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے جسم سمیت مرنے سے پہلے
آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور یہ کہ وہاں پر وہ خدائے تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان رابطے
کا کام کریں گے۔ (سورہ ۳-۴)

جہاں قرآن میں انجیل میں سے ایک قول من وعن ملتا ہے یعنی :-
”میرے نیک بندے اور صالح لوگ ہی زمین کے وارث ہوں گے۔“

PSALMS زبور

وہاں بہت سی آیات ایسی بھی ہیں جن کے الفاظ ”پرانے عہد نامے“ کی بہت سی آیات
ورق ورق سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں۔

بعض مثالیں درج ذیل ہیں :-

انجیل :- ”تو دلائے گا جان کے بدلے جان، دانت کے بدلے دانت، داغ کے بدلے داغ“

حضرت مریم کی پیدائش۔ عیسائیوں میں عقیدہ ہے کہ حضرت مریم بھی حضرت عیسیٰ کی طرح پاک طریقہ سے پیدا ہوئی تھیں
اور اس عقیدے کو عقیدہ حمل بے گناہ یا FREE OF ORIGINALISM کہتے ہیں۔

یوحنا JOHN THE BAPTIST قرآن میں ان کا نام حضرت یحییٰ آیا ہے، حضرت عیسیٰ کے ہم سن اور

دست راست تھے حضرت عیسیٰ کی نبوت کی تبلیغ کرتے تھے اور آپ کی زندگی میں ہی قتل کر دیئے گئے ان کی پیدائش بھی قرآن کی
دوسرے ایک معجزہ تھی کیونکہ یہ اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت زکریا سو سال کے تھے اور فرشتے کی بشارت سے پیدا ہوئے تھے۔

اور زخم کے بدلے زخم "۔

قرآن :- ہم نے حکم دے دیا ہے کہ وہ دیں گے جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بھی قصاص لیا جائیگا۔

انجیل :- تو خاک ہی ہے اور خاک کی طرف ہی لوٹ جائے گا۔

قرآن :- ہم نے تجھے مٹی سے ہی پیدا کیا اور اسی کی طرف لوٹا دیں گے۔

دونوں پیغمبروں میں تیسری مماثلت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کا شروع کا پیر منہ اور ماحول بڑی حد تک ایک جیسا تھا۔ جہاں حضرت عیسیٰؑ ایک بھیڑ کے گلے سے بچھڑ جانے کا افسوس اور اس کے دوبارہ پالینے کی خوشی کا ذکر کرتے ہیں وہاں حضرت محمدؐ ایک گناہگار کی توبہ کی قبولیت کو ایک صحرائنشین کی اس خوشی سے مشابہت دیتے ہیں جو اسے اپنی کھوئی ہوئی بھینس کے مل جانے سے ہوتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت محمدؐ کی یہودی اور عیسائی صحیفوں سے واقفیت کے اسباب پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ انجیل کے ایک عربی ترجمے کو ورقہ بن نوفل سے نسبت دی جاتی ہے لیکن اس بات کی معمولی سی بھی شہادت نہیں ملتی کہ حضرت محمدؐ نے کبھی اسے دیکھا ہو۔ اس سلسلے میں آپؐ کی ورقہ سے بات چیت صرف مذہب کی عام باتوں تک محدود رہی اور اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ورقہ آپؐ کے حضرت جبرئیلؑ کے لائے ہوئے پیغامات کو کوئی شکل دینے سے پہلے ہی فوت ہو گئے اور اس سے تو بہت پہلے کہ آپؐ قرآن مرتب کرتے، پرانے عہد نامے کا سب سے پہلے عربی ترجمہ جو ہمارے علم میں ہے حضرت عیسیٰؑ کے نو سو سال بعد اور حضرت محمدؐ کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد وجود میں آیا۔ اور نئے عہد نامے (انجیل) کا باضابطہ عربی ترجمہ تو اس کے بھی تقریباً دو سو سال بعد ہوا۔ عرب لوگ حیران کن حد تک یادداشت کے حامل ہوتے ہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ حضرت محمدؐ نے سفر کے دوران سنی ہوئی باتوں کو ذہن میں محفوظ رکھا ہو یہ ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوتی ہے لیکن صرف یہی اس کی ایک قابل قبول توجیہ ہو سکتی ہے ورنہ پھر بصورت دیگر بلاچوں و چرا اسے خالصتاً الہامی اور اللہ کا کلام تسلیم کر لینا ہوگا۔

ان لوگوں کے فائدے کے لئے جو قرآن کے الفاظ اور اس کے موضوعات کے متعلق کچھ جاننا
 چاہتے ہیں۔ جے ایم۔ روڈویل J.M. RODWELL کے ترجمے سے یہاں وہاں سے چند
 بیانات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

انیسویں سورۃ (اس کا نام سورۃ مریم ہے اور کسی حد تک اپنے موضوع کے مطابق ہے) +
 اس میں حضرت مریم کے پاک حمل کا ذکر ہے (

واذکرفی الکتاب مریم ذالک عیسیٰ بن مریم

نیہ یسترون ؕ (رکوع ۱۰ - سورہ مریم)

”اور اس کتاب میں ذکر کر دو حضرت مریم کا جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر مشرق
 کی طرف چلی گئیں اور ان کی نظروں سے چھپنے کے لئے ایک پردے کے پیچھے ہو گئیں اور ہم نے
 پناہ فرشتہ (جبریل) اس کی طرف بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔
 ”اس (مریم) نے کہا۔ میں تجھ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور اگر تجھے
 اس کا خوف ہے تو میرے پاس سے چلا جا۔

”فرشتے نے جواب دیا۔ میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ایک پیغامبر ہوں تاکہ میں تجھے
 ایک بیٹا دوں۔“

”اس نے کہا۔ میرے رٹ کا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک نہیں اور
 میں بدکار کبھی نہ تھی۔

”وہ بولا۔ اسی طرح ہو گا۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور ہم
 اسے بنائیں گے ایک نشانی بنی نوع انسان کے لئے اور رحمت اپنی جانب سے۔ اور اس کا
 ہونا ٹھیک چکا ہے۔“

”پھر اس نے حمل قبول کر لیا اور اس کو لے کر دو ایک طرف چلی گئی اور پھر لے آیا اس
 کو وضع حمل کا درد ایک کھجور کے تنے کی جڑ میں۔

”اور اس نے کہا۔ کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور ہو جاتی بھولی بھری۔“
 ”پھر آواز آئی اس کو اپنے نیچے سے۔ غم نے کھا۔ تیرے رب نے تیرے قدموں کے نیچے

ایک چشمہ بہا دیا ہے۔ اس کھجور کو اپنی طرف ہلاتا کہ اس سے پکی کھجوریں تجھ پر گریں۔ پھر انہیں کھا پانی پی۔ اور بچے سے) اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ اور اگر کوئی مرد نظر آئے تو کہہ دے۔
 ”میں نے مانا ہے رحمن کا ایک روزہ اور میں آج کسی سے بات نہ کروں گی۔“
 ”پھر اپنے بچے کو اٹھائے ہوئے وہ اپنے لوگوں کے درمیان آئی۔“

”انہوں نے کہا۔ اے مریم تو نے تو یہ کام کیا طوفان اٹھانے والا۔ اے بارون کی بہن تیرا باپ بڑا آدمی نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔“
 ”اس پر اس (مریم) نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

”وہ بولے! ہم اس سے کیونکر بات کریں کہ وہ ابھی بیگورے میں ہے اور بچہ ہے۔“
 ”بچہ بولا۔ میں بندہ ہوں اللہ کا۔ مجھے اس نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔“ اور بنایا ہے مجھے برکت والا جس جگہ میں ہوں اور حکم دیا ہے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا جب تک میں زندہ رہوں اور تاکید کی ہے، اچھے سلوک کی اپنی ماں سے۔ اور نہیں بنایا مجھ کو مغرور اور شفی اور سلامتی ہوئی مجھ پر جس روز پیدا ہوا۔ جس روز مجھے موت آئے گی اور جس دن میں دوبارہ جلا جاؤں گا۔

”اور یہ ہے عیسیٰ ابن مریم کا صحیح اور سچا احوال جس کے متعلق وہ تجھ سے جھگڑتے ہیں۔“

تیسری سورۃ (اس سورۃ کا عنوان ”آل عمران“ یا عمران کی اولاد ہے۔ لیکن ان عمران کا ان سے کوئی تعلق نہیں جنہیں حضرت محمد ﷺ حضرت مریم کا والد کہتے ہیں۔ ان آیات کے مخاطب یہ ہیں اور عیسائی ہیں)

یا اہل الکتاب لم تحاجون فی
 ابراہیم..... اولاً تعقلون

اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کے متعلق تو یہ
 اور انجیل تو اس کے بعد آئیں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے

(دکوع ۷)

۱۔ یہودی اور عیسائی حضرت ابراہیم کے متعلق جھگڑتے تھے یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ چنانچہ ان قرآنی آیات میں معاملہ صاف کر دیا گیا۔
 مصلح قرآن۔

اب کیوں جھگڑتے ہو جس کے متعلق تمہیں خبر نہیں
اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

..... فلم تحاجون فیما لیس
لکم بہ علم ۛ واللہ اعلم و

انتم لاتعلمون ۛ (رکوع ۷)

ماکان ابراہیم یہودیاً و

لانصرانیاً.....

واللہ ولی المومنین ۛ

(رکوع ۷)

ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو
سب کچھ چھوڑ کر صرف مسلم تھے اور نہ تھے شرک
والے لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو
تھی جو اس کا اتباع کرتے تھے۔ اور اس نبی کو اور
ایمان والوں کو۔ اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا۔

دوسری سورۃ۔ یہ اقباس اس طویل ترین اور مشہور سورۃ سے ہے جس کا عنوان البقرہ
ہے۔ یہ آیات مذہب میں ظاہری رسوم کو غیر ضروری قرار دیتی ہیں۔ ان کا فوری تعلق
بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دینے سے ہے)

لیس البتران تولو وجوہکم

قبل المشرق.....

واللہ لہم المتقون ۛ

(رکوع ۲۲)

نیکی یہی نہیں کہ منہ کر لو اپنے مشرق کی طرف یا مغرب
کو۔ لیکن اصل نیکی وہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر
آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور
نبیوں پر اور دسے مال اس کی محبت میں ناتے
والوں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو اور راہ کے ضرورت مند
مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور غلاموں کو آزاد کرانے
کے لئے اور قائم کر نماز اور ادا کرے زکوٰۃ اور پورا
کرنے والا ہو اپنے عہد اور اقرار کا اور ٹھیکرنے والا
تکلیف اور سختی میں اور لڑائی و جہاد میں یہ وہی
لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ اور وہی ہیں جو اللہ سے
ڈرتے ہیں۔

ساقویں سورۃ۔ اس کا عنوان الاعراف ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں شیطان

کا جنت سے نکالے جانے اور حضرت آدمؑ وحواءؑ کا آسمان سے زمین پر اتارے جانے کا ذکر ہے۔

فوسوس لهم الشیطن یسیدی

لہما موری

قال فیہما تحیون وفیہما تموتون

منہا تخرجون ۵

(سورہ الاعراف رکوع ۲)

پھر یہ کیا ان کو شیطان نے تاکھو لے ان کو جو
ڈھکے تھے ان سے ان دونوں کے عیب۔ وہ بولا

تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے اس لئے
منع کیا ہے تاکہ تم نہ ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ

چھینے والے۔ اور اس شیطان نے ان کے سامنے

قسم کھائی کہ میں تمہارا بھلا چاہنے والا ہوں پھر

یہ کیا ان کو فریب سے۔ پھر جب چکھا دونوں

نے درخت کھل گئے ان پر ان کے عیب اور

لگے ڈھانپنے اپنے جسم بہشت کے پتوں سے

اور پکارا ان کو ان کے رب نے۔ میں نے منع نہ

کیا تھا تم کو اس درخت سے اور کہا نہ تھا کہ تم

کو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے صریح۔ وہ بولا

اے رب ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر تو نہ

بخشتے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جائیں گے

نامراد اور تباہ حال حکم ہوا تم اُترو یہاں سے۔

آج سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہوئے۔ تم

کو زمین پر پھیرنا ہے اور رہنا ہے ایک مدت

تک اور کہا تم جیو گے اسی میں اور اسی میں تم

مرد گے اور اسی سے تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے

چوبیسویں سورۃ۔ اس کا نام سورہ نور ہے۔ نیچے دی ہوئی تین آیتوں سے عربی

زبان کا شاندار زیروں کا کھانا مقصود ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالَهُمْ كَسْرَابٍ

يَعَّةٍ يَحْسِبُهُ الظَّالِمَانُ مَاءً ۖ

ثُمَّ إِذَا جَاءَهُمْ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَ

بَدَأَ اللَّهُ عِنْدَهُ ثَوْقَهُ فِصَالَهُ ۖ

بِاللَّهِ سَرِيعَ الْحِسَابِ ۝ (رکوع ۵)

لِظُلُمَاتٍ فِي بَحْرِ لُجِّي يَغْشَاهُ

.....

وَرَأٰ فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ ۝

(رکوع ۵)

.....

لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَرْجِي السَّمَاءَ

.....

يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۖ

يَقْلِبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۖ

أَن فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي

الْأَبْصَارِ ۖ

(رکوع ۶)

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

اور جو لوگ منکر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے

صحرا میں سُیراب کہ پیاسا جانے اس کو پانی بیاں

تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو

پایا اپنے پاس پھر اس کو پہنچا دیا اس کا حساب

اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

یا جیسے اندھیرے گھرے سمندر میں چٹھی آتی

ہے ایک لہر دوسری لہر پر۔ اس پر گھرے بادل

کے اندھیرے ہیں۔ ایک پر ایک۔ اور جب کوئی

نکالے اپنا ہاتھ تو وہ اسے سمجھاتی نہ دے اور جس

کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی۔

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

.....

خیال ہے کہ ان چند منتخب اقتباسات سے قرآن کے بہت سے مختلف مضامین اور موضوعات

لے مصنف نے قرآن کی مندرجہ بالا آیات پکھال PICKTHAL اور روڈ ویل RODWELL

کے انگریزی تراجم سے لی ہیں۔

کے متعلق کچھ نہ کچھ پتہ چل گیا ہوگا۔ اور اس سے حضرت محمدؐ کی افتاد طبع کا بھی کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ یہ بات بڑی حیران کن معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ یہ سب کچھ کس طرح جانتے تھے۔ یہ سب کچھ آپؐ کے ذہن میں کس طرح آیا اور ایسی غنائیہ اور مقضیٰ نشر لکھنا آپؐ نے کہاں سے کیا حضرت محمدؐ کی پرورش، آپؐ کا ماحول اور آپؐ کے ابتدائی مشاغل اس کتاب میں بیان کئے جا چکے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بات بھی اس کی نشان دہی نہیں کرتی کہ آپؐ کسی وقت ایک مذہبی اور اخلاقی قوانین کے صحیفے، قدیم مذہبی عقائد اور رانیا اور گزری قوموں کے قصے کے ایک مجموعے اور عبادات کی ایک کتاب کے مصنف ہوں گے۔ اور پھر یہ سب کچھ ایک بڑی دلکش زیر و بم رکھنے والی اور گونج دار عربی میں ہوگا۔ غالباً یہ سب کچھ الہامی تھا۔

حضرت محمدؐ فرمایا کرتے تھے کہ قدرت کے خزانے میں ان سے بھی زیادہ بڑے معجزے جواب تک دکھائے جا چکے ہیں۔ اور قرآن خود ایک معجزہ ہے۔ غالباً آپؐ صحیح فرماتے تھے انجیل بہت سے لوگوں کی کوششوں سے لکھی گئی اور ایسا کرنے میں انہیں صدیاں لگ گئیں لیکن حضرت محمدؐ نے قرآن تنہا لکھا اور ایسا کرنے میں آپؐ کو صرف بیس سال لگے۔

حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد لوگ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کرتے تھے: "ہیٰ رسول اللہ کے اسوہ حسنہ کے متعلق کچھ بتائیں؟"

حضرت عائشہؓ کا جواب ہوتا: "آپؐ لوگوں کے پاس قرآن ہے کیا آپؐ لوگ عربی اور عربی پڑھنا نہیں جانتے؟"

۱۔ بعض مسلمانوں کی طرح مصنف کا بھی یہ خیال ہے کہ وحی کے نزول کے بعد آنحضورؐ سے اپنے الفاظ لکھا دیا کرتے تھے لیکن اسلامی عقائد کی رو سے قرآن خالص الہامی صحیفہ ہے۔ رسول اللہؐ نے نہیں لکھا بلکہ جو وحی اور احکام الہی جبرئیلؑ لاتے تھے آپؐ اسے من و عن فوراً لکھا دیتے تھے۔ قرآن اور حدیث کی زبان اور انداز بیان میں فرق اس کا ایک بڑا ثبوت ہے۔ سورہ والنجم میں قرآن کہتا ہے: "وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحیٰ" یعنی رسول اللہؐ مرنے سے کچھ نہیں کہتے مگر وہی جو حکم انہیں پہنچتا ہے۔

وہ کہتے ہیں۔ "جی ہاں۔ درست ہے۔ آپ فرماتیں۔" تو پھر مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔ کیونکہ

قرآن ہی رسول اللہ کا اسوہ حسنہ ہے۔"

حضرت محمدؐ کے کردار کا تجزیہ کرنے، آپؐ کی کامیابی کا صحیح اندازہ لگانے اور آپؐ کی فوری در صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت کو سمجھنے کے لئے قرآن کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

سولہواں باب

صلح حدیبیہ

(۶۲۸ عیسوی)

حضرت محمدؐ کو مکہ سے ہجرت کئے ہوئے چھ سال گزر چکے تھے۔ ہجرت کے وقت آپؐ کی حیثیت ایک بے خانماں ~~عرب~~ کی سی تھی اور آپؐ یہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آپؐ زندہ بھی سکیں گے لیکن اب آپؐ عرب میں نسبتاً ایک اہم شخصیت شمار ہوتے تھے۔ مدینہ اب آپؐ کا تو اس کے علاوہ بہت سے قبیلے جو ارد گرد کے علاقوں میں اپنے جانور چراتے تھے آپؐ کو اپنا حاکم کرتے تھے۔ البتہ بعض قبائل نے ابھی تک ایک مرکزی حکومت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے سے عرب ذہنیت قائم رکھی ہوئی تھی۔ کچھ قبیلے ابھی تک مخالف تھے اور معاندانہ کارروائیاں کرتے رہتے تھے اور ایسے سب قبیلوں کے ساتھ حضرت محمدؐ نے ایک ہی حکمت عملی اختیار کی ہوئی یعنی طاقت۔ اب آپؐ کے پاس گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ایک مختصر سی لیکن تیزی سے حرکت کرنے والی فوج بھی تھی۔ مخالفین اس بات سے واقف تھے اور وہ اپنی معاندانہ کارروائی کو "مارو اور بھاگو" والے حملوں تک ہی محدود رکھتے تھے۔

۶۲۷ء کی خزاں میں اس قسم کے دو حملوں کے سبب حضرت محمدؐ کی شہرت اور وقار کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ پہلے میں عیینہ بدوؤں کے سردار نے مدینہ کے نخلستان پر حملہ کرنے کی جرات اور حضرت محمدؐ کی دودھ دینے والی ذاتی اونٹنیوں کے ایک گلے کو گھیر لیا تھا۔ انہوں نے چرواہے کو مار دیا اور عورتوں کو اٹھا کر لے گئے۔ گو حضرت محمدؐ نے تین سو سواروں کو تعاقب میں بھیجا لیکن لوٹے ہوئے مال میں سے صرف نصف ہی واپس مل سکا اور وہ حملہ آوروں کے خلاف کوئی

نقامجی کارروائی بھی نہ کر سکے۔ دشمن کے اس حملے میں صرف ایک فرد بچا جس نے اس واقعہ کی
دسنائی۔ وہ ایک چرواہے کی بیوی تھی اور کسی نہ کسی طرح اپنے اونٹ سمیت بچ کر نکل آئی تھی۔
وہ گھر پہنچی تو اس نے شکرانے کے طور پر اپنے اونٹ کو قربان کرنا چاہا۔ حضرت محمدؐ نے منع
کر کہا کہ وہ اس اونٹ کو کیوں ذبح کرتی ہے۔ جس نے اس کی جان بچائی عورت یہ بات
جانتی تھی۔ چنانچہ اونٹ کی جان بچ گئی۔

حضرت محمدؐ جانوروں کی قدر کرتے تھے۔ گو آپ مقررہ اوقات پر قربانی دیتے تھے لیکن آپ
نے مارنے کی خاطر مارنا پسند نہ کرتے تھے اور زندہ جانوروں کو تکلیف دینا بہت بُرا سمجھتے تھے۔
دنیا کی ایک بڑی پرانی رسم تھی جسے نئے دین سے خارج نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اس کے
نے ہوئے بھی حضرت محمدؐ اس کے متعلق دکھاوے اور ریاکاری کے قائل نہ تھے۔ جانور کو آخری
پلگانے سے پہلے رسمی کلمے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے آپؐ نے الفاظ اس طرح بدل دیئے
م اللہ۔ اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ تجھے صبر عطا فرمائے اس تکلیف پر جو اس نے تیرا مقدر کر دیا ہے۔
آپؐ نے یہ اصول بنادیا کہ آپؐ کے اپنے جانوروں اور دوسرے ان جانوروں سے بھی جو
کی خدمت میں ہوں برابر تاؤ نہ کیا جائے۔ بڑی شکل سے آپؐ نے اونٹ کو اس کے مالک
برسے باندھ کر مرنے کے لئے چھوڑ دینے کی رسم کو ختم کیا۔ زندہ پرندوں کو نشانہ بازی کی مشق
لئے استعمال کرنا بھی ممنوع قرار دے دیا۔ اسی طرح آپؐ نے اس مکھیوں کی بہتات والے
میں گھوڑوں کی ایال اور میں کاٹنے سے بھی منع فرمایا۔ جب کبھی آپؐ لوگوں کو گدھوں اور
میں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ لا دے دیکھتے تو آپؐ انہیں گرفتار کر لیتے۔ البتہ کتا ایک ایسا
ور تھا جسے آپؐ پسند نہ کرتے تھے اور غالباً یہ صحیح بھی تھا کیونکہ صحرا کے کتے کھیلے اور وحشی
نور ہوتے ہیں جنہیں کوئی پالنا پسند نہیں کرتا۔

آپؐ نے ایک فاحشہ کا قصہ سنایا۔ اس کا گزر ایک کنویں کے پاس ہوا ایک کتا پیاس سے
رہا تھا۔ اس عورت نے اپنا ایک جوتا اتارا اور اپنے ٹپکے یا کمر بند کے سرے سے باندھ کر کتے کے
نے پانی نکالا۔ اس نیکی کے سبب اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

حضرت محمدؐ نے فرمایا یہ سچ ہے کہ چوپایوں سے اچھا برتاؤ کرنے اور انہیں پانی پلانے کا بھی

ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح ہر زندہ جانور سے اچھا سلوک کرنے کا بھی ثواب ہے۔

قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نظر میں جانوروں اور انسانوں کی جانیں ایک ہی جیسی ہیں قرآن کہتا ہے: ”کوئی جانور بھی روئے زمین پر ایسا نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا پرندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی مخلوق نہ ہو جیسا انسان“ اور سب کو اپنے خالق کی طرف لوٹ جانا ہے۔“

اور جب بھی کہیں کوئی مسلمان کسی بیمار جانور سے کام لیتا نظر آ جاتا ہے تو دس میں سے صورتوں میں وہ کسی ایسے علاقہ کا باشندہ ہوتا ہے جس پر کسی مغربی طاقت کی حکومت ہوتی ہے یعنی جہاں پر اسلام دب کر رہ گیا ہے ورنہ ایک سچا عرب اپنے گھوڑے اور اونٹ کا اتنا ہی خیال رکھتا ہے جتنا اپنے کنبے کے افراد کا۔ اس میں کچھ منفعتی پہلو بھی ہے لیکن زیادہ تر بے زبان جانوروں کی طرف اس طبعی میلان کا اثر ہے جو اس نے بانی اسلام درشتہ میں پایا ہے۔

اپنے لوگوں کے لئے حضرت محمدؐ کے پسندیدہ احکام میں سے ایک یہ تھا: ان بے زبان جانوروں کے متعلق خدا سے ڈرتے رہو اور ان پر صرف اس وقت سواری کرو جب یہ سواری قابل ہوں اور جب وہ تھک جائیں تو ان پر سے اتر آؤ۔“

دوسرا حملہ جس سے حضرت محمدؐ کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے متزلزل ہو جانے کا خطرہ نہ ہو گیا تھا، عطفانیوں نے کیا جو ایک بار مدینہ کے محاصرے (جنگ خندق) میں آپؐ کے خلاف حقہ لے چکے تھے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت پر بے خبری میں حملہ ہوا۔ مسلمانوں کی شکست ہو گئی اور بہت سے مارے گئے۔ اس دفعہ بھی جوانی کا ردائی محدود رہی اور صرف جانوروں کے ریوڑ، نیچے اور گھریلو سامان ہی ہاتھ آیا اور دشمن کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ قبیلوں کا ایک دوسرے پر حملہ کرنا عرب کی ایک ایسی رسم تھی جو حضرت محمدؐ سے بہت پہلے سے رائج تھی اور بہت بعد تک جاری رہی اور اب بھی جاری ہے مصنف کے قیام کے دوران پہلی جنگ عظیم کے بعد اور یہ صرف اس وقت رکتی ہے کہ یا تو کوئی کافر حملہ کرے یا پھر حملہ آور بیرونی ہو۔ بہر حال اس وقت تو وہ متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسے نکال دیتے ہیں لیکن اس کے فوراً بعد وہ اندر سر نو پھر اپنے حملے شروع کر دیتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک بڑی غیر معقول بات ہے اور ایک دوسرے کی چیزیں چرانے یا پھین لینے کے مترادف ہے۔

اس کا کیا کیا جائے کہ یہ ان کی روزی کا ایک ذریعہ اور اب بھی جاری ہے۔

ستمبر ۶۲۷ء میں مکہ اور مدینہ والوں میں ایک مرتبہ پھر جھڑپ ہو گئی۔ یہ خیال کر کے کہ حضرت اپنے مقامی جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اہل قریش نے ایک بہت زیادہ مال و متاع والا ان کا رواں ساحل کے ساتھ ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت محمدؐ کو بھی پتہ چل گیا۔ ایک ری عقاب کی طرح آپؐ کا ایک طوفانی دستہ اہل مکہ پر جا پڑا اور بڑی مقدار میں چاندی اور نٹ لے کر مدینے لوٹا۔ قیدیوں میں آپؐ کا داماد ابوالعاص بھی تھا۔

خیال رہے کہ ابوالعاص جنگ بدر میں بھی قیدی بن چکا تھا اور اپنے زرفدیہ کے طور پر بیوی زینبؓ و حضرت محمدؐ کی صاحبزادی کو مدینے بھیجنا پڑا تھا۔ زیدؓ بن حارثہؓ مکہ جا کر بچے کو لے آئے تھے۔ لیکن مکہ سے روانہ ہونے سے قبل بعض اہل قریش نے جن کے دل بدر کی شکست ابھی کھٹک رہی تھی ان سے کچھ بدسلوکی کی تھی جس سے ان کا اسقاط ہو گیا۔ حضرت زینبؓ اس کے بعد صحیح طور پر کبھی نہ پیپ سکیں۔ اس کے بعد سے وہ اپنے کی سرپرستی میں تھیں۔ اب ساڑھے تین سال بعد ابوالعاص ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے دل میں قید ہو گیا تھا۔

گو ابوالعاص ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن رشتہ داریوں کا تقاضا تھا کہ اسے مسلمان بنانا چاہئے تھا۔ حضرت محمدؐ کے داماد ہونے کے علاوہ حضرت خدیجہؓ اس کی خالہ بھی تھیں۔ اس رشتہ سے وہ آپؐ کا بھانجا بھی لگتا تھا۔ بعد میں وہ رشتہ میں اور قریب آ گیا یعنی اس کی حضرت علیؓ کی دوسری بیوی بنیں اور یہ کہ وہ مذہب کے معاملے میں اختلاف رکھتا تھا۔ اس کا سبب وہی تھا جو اکثر خاندانوں میں ہوتا ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود اس نے اپنے ہرے رشتہ دار یعنی خالو اور خسر (حضرت محمدؐ) کی عزت و تکریم میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ جس رات مسلمان حملہ آور مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینے لوٹے ابوالعاص کسی سی طرح قید سے باہر نکل آیا اور حضرت زینبؓ تک پہنچ گیا۔ وہ اپنے شوہر کو دیکھ کر بہت ریش ہوئیں۔ انہیں گھر آنے پر خوش آمدید کہا اور دوسری صبح کو اپنی چھت پر چڑھ کر اعلان دیا کہ وہ اپنے قیدی شوہر کو پناہ دے رہی ہیں۔ حضرت محمدؐ کو اعلان سننے پر ہی اس واقعہ

کا پتہ چلا۔ بلا تامل آپ نے اس معاملہ کو مسجد میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ ہر ایک ابو العاص
 آزاد کرنے پر متفق ہو گیا۔ مسلمانوں کی اس فراخ دلی سے ابو العاص اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اپنے
 معاملات نمٹانے کے لئے مکہ گئے اور فارغ ہو کر مدینہ واپس آ گئے جہاں وہ مسلمان ہو گئے۔ اب
 زینبؓ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں جن کی وفات کا حضرت محمدؐ اور ان کے شوہر کو بہت
 ہوا۔ بایں ہمہ آپ کو اس بات سے ضرور سکون تھا کہ حضرت خدیجہؓ کا ایک عزیز آپ کے پاس
 اور ان کے مسلمان ہو جانے نے اس زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا تھا جو آپ قریش کے
 اہستہ اہستہ تنگ کر رہے تھے۔

یہ اس سال کے آخر کا ذکر ہے کہ ہم پہلی مرتبہ حضرت محمدؐ کے بیرون عرب ممالک میں سیا
 سفارتیں بھیجنے کا ذکر سنتے ہیں۔ آپ نے ایک سفیر کو دوستانہ پیغام لے کر باز نطینہ کے روم
 شہنشاہ ہرقل HERACLIUS کے دربار میں بھیجا۔ البتہ آپ کا سفیر شام سے آگے نہ بڑھ سکا
 کیونکہ رومن گورنر نے اس کا وہاں پر ہی ایک سفیر کی شان کے مطابق استقبال کیا اور تحائف
 دے کر وہاں ہی سے واپس کر دیا۔ گورنر یہ سمجھ نہ سکا کہ وہ سفیر کس کی نمائندگی کر رہا تھا اور نہ
 وہ ایک لمحہ کے لئے یہ خیال کر سکا کہ وہ دن دور نہیں جب اس کے شہنشاہ کو بھی اس غیر معروف
 عرب کی خدمت میں سفارتیں اور وفود بھیجنے پڑیں گے۔ لیکن آپ کے سفیر کی عزت و تکریم سے
 حضرت محمدؐ کو مطمئن کر دیا کیونکہ یہ اس بات کا کھلا اظہار تھا کہ آپ اس چھ سال کے عرصہ میں
 کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔

اور غالباً یہ اندازہ کر لینے کے بعد کہ آپ کی قسمت آپ کو کس بلندی پر لے جانے والی
 آپ نے اس معاملہ پر بڑی سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا جو کچھ دیر سے آپ کے زیر غور تھا
 یعنی فتح مکہ۔

ہجرت کا چھٹا سال قریب الختم تھا لیکن اپنے جدی شہر مکہ کو کسی ترغیب سے حیات
 کی توقع تاحال اتنی ہی دور تھی جتنا پہلے تھی۔ لڑائی بھڑائی اور حملوں نے مسلمانوں اور اہل قریش
 کے درمیان اختلافات کو اور سنگین بنا دیا تھا۔ ابوسفیان اب بھی حضرت محمدؐ سے دشمنی اور اسلام
 مخالفت میں اتنا ہی سخت تھا جتنا کہ وہ مسلمانوں کو ایذا میں پہنچانے کے دور میں تھا۔ اس

اس ہند اس کی بیوی خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل اور عمرو بن العاص اور دوسرے تمام قریش
 باہر اس کے معاون تھے۔ دوسری متبادل صورت یہ تھی کہ تمام فدائے فوج پر لگا دیئے جائیں اور
 کہ کوہِ بدر شمشیر فتح کر لیا جائے لیکن اگر اس میں کامیابی ہو بھی جائے تب بھی مقدس شہر کو تباہ
 کرنا آپ کی فطرت کے خلاف تھا اور ایسی فتح شاید مستقل فتح بھی ثابت نہ ہو۔ لے دے کر صرف
 ایک ہی حل رہ جاتا تھا اور وہ یہ کہ صلح کر لی جائے لیکن اس کے لئے باعزت طریقہ کیا ہو۔ ایسا
 کیونکر کیا جائے۔ پھر حضرت محمدؐ کے ذہن میں ایک نہایت اچھی تدبیر آئی کہ کیوں نہ اپنی سپاہ کو بغیر
 ہتھیاروں کے لے کر کعبہ کے حج میں شرکت کی جائے۔ اور اگر حرمت کے زمینوں میں لیا گیا جائے
 تو حملہ کیا جانے کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا تھا اور شاید اس طرح کسی فریق کے ہتھیار ڈالے
 بغیر مکہ واپس لیا جاسکے۔

جوہنی آپؐ نے اس تجویز کے متعلق فیصلہ کر لیا آپؐ نے اپنے جرنیلوں سے اس کا ذکر کیا۔
 ان کا رد عمل متفقہ طور پر تجویز کی موافقت میں تھا۔ پھر آپؐ نے کچھ مقامی قبیلوں کو بھی شامل
 کر لینے کا خیال ظاہر کیا۔ صرف چند لوگ ہی ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے ورنہ اکثریت نے محتاط رہ
 اختیار کیا اور شامل نہ ہوئے۔ اگر غنیمت ملنے کی توقع ہوتی تو شاید ضرور ساتھ دیتے لیکن یہ
 نوٹ مار کرنے والی جماعت نہ تھی۔

فروری ۶۲۸ عیسوی تک سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ پندرہ سوارائین قاعدے

لے حقیقت یہ ہے کہ ایک دن علی الصبح آنحضرت صلعم نے اصحاب کو تازہ بشارت سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ ہم غنیمت
 انشاء اللہ اپنے سروں کے بال منڈوا کر امن و سلامتی سے بلا خوف و خطر حرم کی حدود میں داخل ہوں گے چنانچہ آپؐ
 نے ذی قعد کے مہینہ میں عمرے کیلئے تیاری کی۔ احرام باندھا اور قربانیوں کے جانور ساتھ لئے۔ آپؐ ذی قعد میں
 روانہ ہوئے اور ہجرت کا پچھٹا سال قریب الختم تھا۔ (حیات محمدؐ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ اس خیال
 سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، آنحضرتؐ نے حج کی بجائے عمرے کا احرام باندھا۔

سے حیات محمدؐ تاریخ طبری اور اکثر دوسری روایات کے مطابق تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ صرف کسی کسی
 نے پندرہ سو لکھا ہے۔

کے مطابق سفید کپڑے کی دو بے سلی چادروں میں ملبوس اپنے اونٹوں سمیت مدینہ کے باہر جہاز ہو گئے۔ ان کے پاس نیام شدہ تلواریں اور تیر و کمان تو تھے لیکن وہ جنگ کے لئے مسلح نہ تھے اور سلسلہ میں آپ نے صرف ایک ہی احتیاطی قدم اٹھایا اور وہ یہ تھا کہ آپ نے بیس سواروں کا ایک جاسوسی دستہ جائزہ لینے کے لئے آگے بھیج دیا تھا تاکہ دشمن کی طرف سے کسی رکاوٹ یا خلل اندازی کا خطرہ ہو تو وہ خبردار کر دیں۔ حضرت عائشہؓ یا حفصہؓ اس مہم میں آپ کے ساتھ نہ تھے۔

زائرین کے اس قافلے میں آپ کی ازواج میں سے صرف حضرت اُمّ سلمہؓ ہمراہ تھیں۔ دیکھنے میں یقینی طور پر یہ ایک بڑا شاندار نظارہ ہو گا۔ کہ بے شمار لوگ مدینہ کے چھوٹے مو کھجوروں کے سامنے جمع تھے۔ ان میں مکہ کے ہاجرین بھی تھے جو اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ آئے تھے اور اس میں وہ مدینے والے بھی تھے جنہوں نے ایک نصب العین کی خاطر اتنا بڑا کیا تھا۔ اپنے برف جیسے رسوماتی لباس (احرام) میں وہ صف در صف اونٹوں پر تہن کر رہے ہوئے تھے۔ کوئی زرہ یا خود دھوپ میں نہیں چمک رہا تھا۔ بلکہ تلواریں بھی ہر شخص کی بائیں ران کے نیچے چھپی ہوئی تھیں۔ مجمع کے ایک بازو کی طرف ستر بے سوار اونٹ تھے۔ یہ سب قربانی جانور تھے اور رسم کے مطابق ان کی گردنوں میں ہار پڑے ہوئے تھے۔ ان قربانی کے اونٹوں میں ستم ظریفی کے طور پر ابو جہل کی وہ اونٹنی بھی تھی جو بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھی۔ حضرت محمدؐ نے اپنی ساندھی القصوہ کی پشت پر سوار ہو کر صفوں میں گشت کیا یہ وہی القصوہ تھی جو آپ کو مصائب کے اس دور میں مکہ سے مدینہ لائی تھی۔ جب آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے صرف ایک پرانے وفادار دوست ہی ساتھ تھے۔ اب اس مجمع میں بہت سے نئے چہرے تھے لیکن ایسے بھی تھے جو اسلام کے آغاز میں ہی ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ، قوی

لے تلوار رکھنے کی ہر مسافر کو اجازت تھی تاکہ اپنی حفاظت کر سکے۔ نیام شدہ تلوار جنگی ہتھیاروں شمار نہ ہوتی تھی اس قافلے میں کسی کے پاس تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ دوسرے مورخین نے بھی یہی لکھا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے تلوار رکھنے کی عام اجازت تھی اس لئے اسے ران کے نیچے چھپانے کا سوال مصنف نے اس سلسلہ میں کسی مآخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ (مترجم)

حضرت عثمانؓ، شیر عرب علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت بلالؓ اور غزوات بدر، احد اور خندق
نبرد آزما۔ ان لوگوں کی طرف حضرت محمدؐ خاص طور پر بڑے فخر سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ انہی کی
ملت تھا کہ آپؐ کے سامنے آج یہ بڑا مجمع یہ ثابت کر رہا تھا کہ آپؐ کی تبلیغ رائیگاں نہیں گئی۔
سفر کی ابتدائی منزلیں بغیر کسی واقعہ کے گزر گئیں۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر ایک لمبا قیام کیا۔
مذاہبین غسل وغیرہ سے فارغ ہو لیں۔ پھر آپؐ روانہ ہو گئے اور چند روز بعد بیتک اللہم بیتک
میں حاضر ہوئے۔ اسے اللہ میں حاضر ہوں کی تلبیہ بلند آواز سے کہتے ہوئے آپؐ مقدس سرزمین
میں داخل ہو گئے جس نے مکہ کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔

اس مرحلہ پر یہ پرامن ماحول مکدر ہو گیا۔ خبر آئی کہ حضرت محمدؐ کے دعوے کتنے ہی پرامن
بیوں نہ ہوں۔ اہل قریش ان پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہیں علاوہ انہی یہ کہ خواہ حضرت محمدؐ اپنے
عزائم میں پر خلوص ہی کیوں نہ ہوں ابوسفیان نے یہ طے کر لیا تھا کہ آپؐ کو یا آپؐ کے ساتھیوں کو
سی صورت میں بھی مکہ میں داخل نہیں ہونے دے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خالد بن ولید اور عکرمہ
بن ابوجہل کو مکہ کے لڑاکا سوار رسالے کے ساتھ جنگ کے لئے مسلح کر کے شہر سے باہر بھیج دیا
گیا ہے۔

آپؐ نے جلدی سے ایک فیصلہ کیا جہاں آپؐ کا اہل قریش سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
وہاں آپؐ اس مہم کو ترک کرنے والے بھی نہیں تھے۔ اندھیرا ہوتے ہی آپؐ نے اصل راستہ چھوڑا
اور اپنے لوگوں کو لے کر ایک سخت ناہموار پہاڑی راستے سے روانہ ہوئے۔ اور
حدیبیہ کے مقام پر خالد کے لشکر کے عقب میں دوبارہ اصل راستے پر ایسی جگہ نکل آئے جو مکہ سے تین میل

لے ذوالحلیفہ۔ مدینہ منورہ سے چھ یا سات میل کے فاصلے پر مکہ کی طرف ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ذوالحلیفہ کے مقام
پر حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کو مشورہ دیا کہ دشمن کے علاقہ میں بغیر ہتھیاروں کے جانا مناسب نہیں۔ چنانچہ مدینہ سے
مزید تلواریں۔ تیرکمان اور جانور منگائے گئے جو لشکر سے علیحدہ اور پیچھے رہے۔ مدینہ سے حج کے لئے جانے
والے لوگ۔ یہاں سے ہی احرام باندھتے ہیں۔ (نقشہ ۱۳)
لے خالد بن ولید کے رسالے کی تعداد دو سو سوار تھی۔

کے فاصلہ پر تھا۔ یہاں آپ نے اپنا پڑاؤ ڈالا۔ یہاں پانی کی قلت تھی لیکن آپ کے لوگ ایسی مہارت عادی تھے۔ اس لئے انہوں نے جلد ہی بند کنوؤں کے گڑھوں کو کھود کر پانی نکال لیا۔ اس فارغ ہو کر وہ وہاں جم گئے اور انتظار کرنے لگے کہ اب قریش آئندہ کیا قدم اٹھاتے ہیں۔ ہر شخص چوکنہ اور مستعد تھا اور خالد اور ان کے رسالے کے دوبارہ آجانے کی صورت میں فوراً کارروائی کے لئے ہمہ تن تیار تھا۔ بہر حال قریش نے جب یہ دیکھا کہ حضرت محمدؐ تو مکہ کے بالکل قریب ہی پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے خالد کو واپس بلا لیا اور کچھ دنوں تک خاموشی رہی۔

حضرت محمدؐ کے سپاہیوں نے آپؐ کی ہدایات کے تحت گلے بانوں اور مقامی لوگوں کو بھی جدیدیہ پر صرف یہ دیکھنے نکل آئے تھے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہ تاثر دیا کہ حضرت محمدؐ صرف عمرے نیت سے ہی گئے آئے تھے۔ جب قریش نے اس بیان میں صداقت محسوس کی تو انہوں نے یہ دہ کرنے کے لئے کہ حضرت محمدؐ کے دل میں کوئی اور بات تو نہیں اپنے سفیر اور ایچی بھیجنے شروع کر دی۔ آپؐ نے ان کے تمام شکوک کا نفی میں جواب دیا اور ہر ایک کے سامنے اپنے پرامن مقاصد دہرائے۔ ابوسفیان کے داماد عروہ بن مسعود نے حضرت محمدؐ کو دھکیا دینے اور مسلمانوں کو مشتعل کی کوشش کی۔ اس نے آپؐ کے لوگوں کو حج کے لباس میں ہونے کا مذاق اڑایا اور انہیں یقین دہرایا کہ اس کے خسر ابوسفیان کا اس بہیر و بنگاہ کو مکہ کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دینے کوئی خیال نہیں۔ درحقیقت وہ خود اتنا مشتعل ہو گیا تھا کہ اس نے حضرت محمدؐ کی ڈاڑھی کو

لے جدیدیہ جہرہ روڈ پر مکہ سے کوئی سات آٹھ میل ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ آپؐ اس راستے سے جدیدیہ کے آخر میں پرثمیہ المسرار کے مقام پر نکل آئے تھے جو مکہ سے اتنا قریب تھا کہ خالد کے دستے کو مکہ کی حفاظت کیلئے واپس پڑا۔ (۲) باتوں کے دوران ایک دوسرے کی ڈاڑھی کے ہاتھ لگانا یا اسے پکڑنا عروب کا دستور تھا لیکن یہاں معاملہ اختلاف اور اشتعال کا تھا۔ عروہ نے کئی مرتبہ مشتعل ہو کر آنحضرتؐ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن مغیرہ بن شعبہ جو آپؐ کے قریب ہی کھڑے تھے ہر بار تلوار کے قبضہ سے اس کا ہاتھ جھٹک دیتے تھے اور کئی مرتبہ دھکی دی کہ وہ ہاتھ ہٹالے ورنہ یہ ہاتھ پھرواپس نہیں جائے گا۔ عروہ مسلمانوں کی اس عقیدت اور جان نثاری سے بہت متاثر ہوا اور آپؐ سے جا کر کہا کہ وہ قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھ چکا ہے لیکن جو عقیدت و احترام رسول اللہؐ کا ہے وہ ان بادشاہوں کی نصیب نہیں۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

واستعجاب کی ایک چیخ بلند ہوئی اور سینکڑوں ہاتھ سفید کپڑوں کے نیچے چھپی ہوئی تلواروں تک
گئے۔ عروہ نے یہ دیکھا تو داڑھی چھوڑ دی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے
پر ہو کر مکہ واپس چلا گیا۔

مکہ پہنچ کر اس نے حضرت محمدؐ کے بارے میں دوسرے ایلچیوں کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق
آپؐ ان چند سالوں کے اندر اندر اتنے بدل گئے ہیں کہ آپؐ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ اور یہ
لہانوں میں رنغوز بالند اس بے وقعت مبلغ کی ایک شہنشاہ کی طرح عزت کی جاتی ہے۔ آپؐ
لگاتے ہیں اور یہ کہ اس صاف ذہن مذہب میں اُس بے یار و مددگار اور خوابوں کی دنیا میں بسنے
والے اس شخص کی ذرا سی بھی مشابہت نہیں پائی جاتی جسے گھوڑے عرصہ پہلے مکہ سے نکال دیا۔
اس نے کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ (مسلمان) اس پانی کے ایک پیالے کے لئے کیوں
یتے ہیں جس سے ان کے قائد نے غسل کیا ہو۔ وہ اسے پیتے ہیں اور زخموں پر لگاتے ہیں۔
ان نظروں میں بروہ چیز متبرک ہو جاتی ہے۔ جو حضرت محمدؐ کے جسم سے چھو جائے۔

جو کچھ عروہ نے بتایا واقعی ایسا تھا یا نہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ یہ رسم حضرت محمدؐ کے
ادے میں بعض لوگوں میں ابھی تک جاری ہے۔ آغا خانؒ کے غسل کا پانی مذہبی طور پر محفوظ
لیا جاتا ہے۔ پھر اسے بوتلوں میں بند کر کے دنیا کے تمام ممالک میں ان کے عقیدتمندوں کو بھیجا
ہے۔ آغا خان خواہ لندن کے رٹز میں غسل کریں یا نیویارک کے سینٹ رگیس یا مونٹی کارلو
ڈی جنو میں ان کا صابن آلودہ پانی اسی طرح سے محفوظ کر لیا جاتا ہے جس طرح سے ۶۲۸
حضرت محمدؐ کے غسل کا پانی۔

بہر حال ایک انسان کی اتنی قدر افزائی اور عزت اہل قریش کے لئے ایک اچنبھے کی بات تھی۔

آغا خان۔ مسلمانوں کے اسماعیلی فرقہ کے امام اور مذہبی پیشوا۔

لے تے ہوٹلوں کے نام ہیں۔

مے مونٹی کارلو۔ جنوبی فرانس کی چھوٹی سی آزاد ریاست جو سیر تفریح جوئے خانوں اور عیش پرستی کا مرکز ہے۔

مے رابوڈی جنو۔ RIO DE JANEIRO جنوبی امریکہ کے بڑے ملک برازیل کا ایک مشہور شہر۔

مے مونٹی کارلو۔ جنوبی فرانس کی چھوٹی سی آزاد ریاست تاکو کا شہر جو سیر تفریح جوئے خانوں اور عیش پرستی کا مرکز ہے۔

اور وہ اس سے بہت متاثر ہوئے۔ لیکن بایں ہمہ وہ آپ کے سامنے نہیں جھکے۔ وہ کچھ خوفزدہ ضرور تھے کہ نہ معلوم حضرت محمدؐ کیا کر گزریں لیکن زیادہ تر اس وجہ سے بھی نہیں جھکے کہ وہ ان کے سامنے اپنی بے عزتی اور سبکی نہیں چاہتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے انہیں ہمیشہ مدینے سے دور رکھا۔ جب انہوں نے آپ کے خلاف دس ہزار کا لشکر لے کر چڑھائی کی تھی تو ان کو بیوقوف بنایا۔ چنانچہ اب یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ کو ایک ایسی جمعیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے دیا جائے جو بظاہر تو غیر مسلح تھے لیکن حقیقت میں تو وہ فوج تھی۔

چنانچہ مسلمانوں کے لشکر میں ایک پیغام بھیجا گیا کہ اگر حضرت محمدؐ اس دفعہ واپس چلے جائے تو وہ اگلے سال آکر عمرہ کر سکتے ہیں۔ حضرت محمدؐ نے جواب دیا کہ وہ اس تجویز کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے تیار ہیں اور یہ کہ انہیں مزید تفصیلات بھی درکار ہیں۔ اس کے جواب میں بڑی ہوئی اور ایک تعطل سا پیدا ہو گیا۔ کعبہ کے گرد اہل قریش بحث تمحیص میں مصروف تھے۔ کوئی کا کوئی زیادہ جوشیلا رکن کہ اٹھا کہ مکہ سے باہر نکل کر حضرت محمدؐ پر حملہ کر کے انہیں بھگا دیا جائے۔ لیکن جب ان کی نظریں ان پہاڑیوں کے دامن کی طرف جاتیں جہاں مسلمانوں کے پڑاؤ کی روشن تھیں تو وہ سوچ میں پڑ جاتے۔ آخر کار اگلا قدم حضرت محمدؐ نے ہی اٹھایا۔

آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ ایک وفد لے کر اہل قریش کے پاس جائیں۔ پھر بچکچا کر مکہ آپ کے دشمنوں سے بھرا پڑا تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے پاس کسی نہ کسی کے قتل کے قصے کا بہانہ موجود تھا۔ بات حضرت محمدؐ کی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا دیا۔

حضرت عثمانؓ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اول تو یہ کہ وہ کئی سال سے مکہ سے باہر تھے۔ ان سے پہلے کہ اصل جھگڑا شروع ہو وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور ان سے اہل قریش کا کوئی ذاتی یا مذہبی جھگڑا بھی نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ خود بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح ابوسفیان سے ان کی رشتہ داری بھی تھی۔ چنانچہ وہ بلا کسی حیل و حجت اور بڑی سہی سے مکہ چلے گئے۔ جہاں ان کے رشتے کے ایک بھائی ملے۔ اور ان کے ضامن بن گئے۔ بہر حال

لے ان کا نام ابان بن ساعد تھا۔ انہوں نے قریش کے سامنے اپنی شرائط پیش کرنے تک حضرت عثمانؓ کی

ہاں جا کر ان کو معلوم ہوا کہ اہل قریش حضرت محمدؐ کے اس سال مکہ میں داخلے کے بعد مخالف تھے۔
 پھر حضرت عثمانؓ بھی اسی طرح داخلے کے لئے صدر پر اڑے ہوئے تھے اور اس طرح بات چیت طول
 بڑھ گئی اور کئی رات دن چلتی رہی۔

اس تاخیر سے پڑاؤ میں مسلمانوں میں تشویش شروع ہو گئی۔ جلدی ہی ایک انوار اڑی کہ
 حضرت عثمانؓ قتل کر دیئے گئے۔ حضرت محمدؐ نے تمام حجاج کو جمع کیا اور ایک بول کے پیر کے سایہ
 میں کھڑے ہو کر آپؐ نے سب سے حلف لیا کہ اگر خدا نخواستہ عثمانؓ کو کچھ ہو گیا تو وہ ان کے خون کا بدلہ لیں
 گے چنانچہ پندرہ سو افراد ایک ایک کر کے آگے بڑھے اور آپؐ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر جان نثاری کی
 قسم کھائی لیکن اس سے پیشتر کہ جلد بازی میں بوئی قدم اٹھایا جاتا حضرت عثمانؓ آگے۔ وہ قریش کے خیالات
 تبدیل کرنے میں ناکام رہے تھے لیکن وہ اپنے ساتھ ایک شخص کو لے آئے تھے جس کو اہل قریش نے
 صلح کی شرائط طے کرنے کے متعلق کلی اختیار دیا تھا۔ اس کا نام سہیل بن عمرو تھا۔

سہیل سے حضرت محمدؐ مکہ کے ابتدائی ایام سے واقف تھے کیونکہ مصائب کے دور میں یہ مسلمانوں
 کی مخالف جماعت کا ایک فرد تھا۔ وہ جنگ بدر میں قید کر لیا گیا تھا اور بھاگ نکلنے پر پھر کڑ لیا گیا تھا۔
 حضرت محمدؐ نے اس کی جان بچائی تھی اور اس کے زرفدیہ آنے تک اسے پابہ زنجیر کر کے اپنے گھر میں
 رکھا تھا لیکن دونوں ایک دوسرے کو پسند نہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ سہیل اس وقت قریش کا با اختیار
 نمائندہ تھا اور جو کچھ وہ طے کر لیتا اس کی توثیق ہو جاتی تھی۔

بڑی بحث و تمحیص کے بعد صلح کی جو شرائط طے ہوئیں وہ یہ تھیں۔

حضرت محمدؐ اور ان کے لوگ فوری طور پر مدینے چلے جائیں گے۔ آئندہ سال وہ واپس آسکیں گے
 اور ان کو تین دن تک کا وقت دیا جائے گا جس میں وہ کعبہ کے گرد ضروری مناسک ادا کر سکیں گے۔

پناہ میں لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قریش نے آپؐ سے اچھا سلوک کیا اور کعبہ کا طواف کرنے کی بھی پیشکش کی لیکن آپؐ
 نے انکار کر دیا کہ وہ رسول اللہؐ کے بغیر اکیلے طواف نہیں کریں گے۔

۱۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ بعد میں اس کے متعلق ایک وحی بھی نازل ہوئی۔
 لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ..... فَتَحَا قُرَيْبًا (سورہ فتح)

ان ایام میں اہل قریش شہر خالی کر کے شہر یناہ کے باہر خیموں میں قیام کریں گے۔ زائرین اپنے ساتھ نبیام شدہ تلوار کے علاوہ جس کی مسافروں کو ذاتی حفاظت کے لئے رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور کو ہتھیار نہیں لائیں گے اور اس تاریخ (مارچ ۶۲۸ء) سے مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال کے لئے عارضی صلح رہے گی۔ اس عرصہ میں مکہ اور مدینہ کے قافلے ایک دوسرے کے علاقوں سے بحفاظت گزر سکیں گے۔ اس دوران مکہ کا کوئی شخص اپنے خاندان والوں کی مرضی کے خلاف مسلمان ہونے کی غرض چھپ کر مدینہ جائے گا تو اسے مکہ واپس بھیجنا ہوگا۔

یہ صلح کی بڑی بڑی شقیں تھیں۔ جو نہی چھوٹی تفصیلات بھی طے پاگئیں تو حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے بلایا گیا اور حضرت محمدؐ نے لکھنا شروع کیا۔ مسلمانوں کی عام رسم کے مطابق آپؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتدا کی۔ سہیل نے حضرت علیؓ کو دیہیں روک دیا اور کہا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو ان القاب سے خطاب کرتے کبھی نہیں سنا اور وہ اسے پسند نہیں کرتا۔ اس لئے حضرت محمدؐ سے کہا کہ ابتدا دستور کے مطابق کی جائے یعنی بِسْمِکَ اللّٰہُمَّ تیرے نام سے۔ اے اللہ! حضرت محمدؐ نے لکھنا شروع کیا۔ تیرے نام سے اے اللہ۔ صلح کی یہ شرائط طے پائی ہیں محمد رسول اللہ اور.....“

اس مرتبہ سہیل اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ ناراض تھا۔ کچھ حیران اور کچھ مرعوب۔ چھ سال سے بھی کم عرصے پہلے جس شخص کے سر کی قیمت لگ چکی ہو۔ اس کا اتنی خود اعتمادی ہے۔ باغابطہ طور پر یہ لقب اختیار کر لینے کی گستاخی کرنا ناقابل یقین تھا۔ چنانچہ اس کے باوجود کہ اس کے گرد کندھے سے کندھا ملائے کھڑے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس تلوار موجود تھی۔ اس نے کہا:-

اے ابن سعد کے مطابق یہ معاہدہ صرف دو سال کیلئے ہوا تھا۔ سیرۃ النبی میں مدت معاہدہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ دیگر شرائط یہ تھیں کہ اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ مکہ کے مسلمان مکہ میں رہیں گے اور قبائل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کر لیں۔ اس شرط کے علاوہ باقی تمام شرائط مسلمانوں کے خلاف جاتی تھیں اور محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی ہے۔

”اگر میں آپ کو اللہ کا رسول مانتا تو میں آپ سے کبھی نہ لڑتا۔ اس وقت اس

اختلافی بات کو درمیان میں لانے کی بجائے عرب کے دستور کے مطابق آپ کا اپنا
نام اور والد کا نام لکھا جانا چاہئے۔“

موجودہ تاریخ میں ایک پچھل سی مچ گئی لیکن حضرت محمدؐ نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور جلدی
سے لکھوایا۔ ”محمد بن عبد اللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان“

جب حضرت علیؓ لکھ چکے اور دستاویز کی ایک نقل بھی تیار کر لی گئی تو دونوں نمائندوں نے
اپنے دستخط کئے۔ نیچے گواہوں کے دستخط ہوئے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، سلمانوں کی طرف اور جو طیب

بن عبد العزیٰ اور مقراض بن حفص اہل قریش کی جانب سے۔ نیچے یہ بھی لکھا گیا کہ اس دستاویز
کے کاتب علیؓ تھے۔ پھر مٹی کی بنی ہوئی مہریں لگائی گئیں۔ اصل دستاویز حضرت محمدؐ نے رکھ لی۔

اور نقل مکہ کے محافظ خانے میں رکھنے کے لئے سہیل کے حوالے کر دی گئی۔

اس سے فارغ ہو کر مکہ کے سفیروں نے قدیم عرب کے دستور کے مطابق مسلمانوں کو سلام
میا اور اپنے کل کے دشمنوں کی روایتی سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اپنے شہر تک واپس چلے گئے۔

لیکن جب مسلمان یہ رسمی دعائیہ الفاظ ادا کر رہے تھے تو ان کے الفاظ میں کوئی خلوص نہ تھا۔

تاریخ کی اکثریت اور حضرت عمرؓ خصوصی طور پر اس بات پر سخت رنجیدہ تھے کہ حضرت محمدؐ
اہل قریش کے سامنے تقریباً ہر بات میں جھک گئے تھے۔ یہ بات ان کے لئے حیران کن تھی کہ ان

کا قائد جو اہل قریش سے شکست کھانے کے باوجود ان کا فوری تعاقب کرنے سے ڈرانہ جھجکا۔

آئی بڑی مسافت طے کرانے کے بعد آج ان کو منزل کے سامنے روک دے۔ اور یہ اس سے بھی

زیادہ ناقابل یقین تھا کہ وہ مکہ کے سفارتی نمائندے کے سامنے اپنے آپ کو اتنا گرا دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ

لے علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آپؐ نے حضرت علیؓ کا حکم دیا کہ اچھا

”محمد رسول اللہ کے الفاظ مٹا کر صرف ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دو تو آپؐ نے جوش و محبت و عقیدت

میں ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے رسول اللہ کے الفاظ خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیئے اور

اس کی بجائے ”ابن عبد اللہ“ لکھوایا۔

کو اس کے صحیح نام سے مخاطب نہ کر سکیں اور خود اپنا لقب بھی استعمال نہ کر سکیں۔ محض اس لئے یہ ایک کافر کا مطالبہ تھا۔ حضرت عمرؓ کا رنج و تعب اتنا بڑھا کہ وہ کہہ اٹھے ”کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟“

اس بات کا برا نہ مناتے ہوئے آپؐ نے جواب دیا ”ہاں۔ میں ہوں“ جب حضرت عمرؓ اصرار کیا کہ آپؐ کے بیجا طور پر اتنا جھک جانے سے اس کا یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ وقت اس کو ثابت کر دے گا کہ جو کچھ آپؐ نے کیا وہ درست اور دانشمندی مبدئی تھا۔

حضرت عمرؓ کو اس سے اطمینان نہ ہوا۔ انہوں نے جا کر حضرت ابی بکرؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابی بکرؓ جو حضرت محمدؐ کو ہر ایک سے زیادہ بہتر طریقہ پر جانتے تھے، اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہ ضرور سچی ثابت ہوگی۔ حضرت عمرؓ کا پارہ چڑھنا شروع ہو گیا۔ ابی بکرؓ کے بعد وہ اور دوسرے مسلمانوں کے پاس گئے کہ دیکھیں ان کا اس کے متعلق کیا خیال تھا۔ ان کا خیال بھی حضرت ابی بکرؓ ہی تھا۔ دین اسلام کے شروع ہونے کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں میں بغاوت کے آثار نظر آئے۔ حضرت محمدؐ نے تمام زائرین کو ہدایات جاری کیں کہ وہ اپنا سر منڈائیں، قربانی کریں اور جہاں ہیں وہاں ہی عمرے کے تمام مناسک ادا کر لیں۔ زائرین نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ مرتبہ حکم دینے کے باوجود تعمیل نہیں ہوئی۔ صورت حال اتنی خراب ہو گئی تھی کہ حضرت محمدؐ کو اس سے پہلے بھی پیش نہیں آئی تھی۔ ان باتوں پر سوچ بچار کرنے کے لئے آپؐ اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ یہاں حضرت ام سلمہؓ اپنی عورت کی فطانت کام میں لائیں اور آپؐ سے کہا۔

”آپؐ پندرہ سو افراد کو ایسا کام کرنے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے جو وہ نہیں

لے علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں صحیح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپؐ کے تین مرتبہ بار بار کہنے کے باوجود شکستہ کے سبب کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ لیکن جب بعد میں آپؐ کو قربانیاں کرتے دیکھا اور یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوگی تو ایک ایک کر کے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ قربانیاں کیں۔ بال منڈوائے اور احرام اتارا۔

لے طبری اور علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ کو یہ مشورہ دیا کہ آپؐ کسی سے کوئی لفظ نہ کہیں۔

جائیں۔ خود اپنی قربانی کریں اور مناسک ادا کریں اور سر منڈا کر احرام اتار دیں۔

کرنا چاہتے۔ لیکن آپؐ انگوٹوں کی حماقت کا احساس تو ضرور دلا سکتے ہیں۔ آپؐ جاہل
اور ضروری مناسک ادا کریں۔ اکیلے ہی اپنی قربانیاں کریں لیکن ایسی جگہ جہاں
آپؐ کو سب دیکھ سکیں۔“

حضرت محمدؐ اس مشورہ کی نہ کو پہنچ گئے اور اس پر عمل کیا۔ صاف سمجھرا احرام باندھا اور خمیہ
سے باہر صحرا کی اجلی دھوپ میں نکل آئے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے جو نیچے وادی میں چمک رہا تھا۔
آپؐ نے سر منڈایا اور ناخن لئے۔ بعد ازاں آپؐ اس جگہ گئے جہاں قربانی کے جانور، جن کی
گردنوں میں شوخ ہار لٹکے تھے، کھڑے تھے سب سے پہلے آپؐ نے ابو جہل کے اونٹ کو لیا اس
کی دونوں ٹانگیں باندھیں اور اس کے سر میں پشت کی جانب سے اپنی تلوار بربادی۔ اسی بے نیازی
کے ساتھ آپؐ قربانی دعاؤں اور سجدہ و سجدہ میں مصروف رہے۔

بول کے نیچے بیٹھے سپاہی اپنے قائد کی طرف بڑی خفگی اور بیزاری کے عالم میں دیکھ رہے
تھے۔ شاید وہ اس انتظار میں تھے کہ ان کو کوئی حکم دیا جائے گا لیکن جب حضرت محمدؐ نے ان کی طرف
کوئی توجہ ہی نہ کی اس طرح گویا ان میں سے کوئی دہاں تھا ہی نہیں اور تمام مناسک اکیلے ہی
ادا کر لئے تو ان لوگوں کی بے اعتنائی دم توڑ گئی جب آپؐ نے مخصوص دعائیں ختم کر لیں اور بلند آواز
سے اللہ تعالیٰ کے ان الطاف اور مہربانیوں کا شکر ادا کیا، جن سے اُس نے آپؐ کو اس روز نوازا تھا۔
تو آرام سے بیٹھے لوگوں میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ ایک لمحہ کی طوفانی خاموشی کے بعد ان کے گلوں
کی گھرائیوں سے ایک چیخ نکل گئی اور فوراً ہی بعد سب کے سب اپنے سر منڈا رہے، بلکہ وہ
ایک دوسرے کا سر منڈا رہے تھے۔ اتنی تیزی سے کہ اکثر دلوں کے سروں پر چر کے لگ گئے اور
چند ہی لمحوں بعد پڑاؤ میں اونٹوں کی بلبلاہٹ کا شور برپا تھا۔ کیونکہ وہ بدحواسی میں قربانی کر
رہے تھے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔

حضرت محمدؐ نے یہ سب کچھ اس طرح دیکھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ جب تمام رسومات مکمل

اے مصنف نے یہ غلط لکھا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے قربانی کی جاتی ہے پھر سر منڈا کر یا بال کترا
کر احرام اتارا جاتا ہے۔

ہو گئیں تو آپؐ نے پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا۔ آپؐ القصوہ پر سوار ہوئے اور واپس مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کوئی بات نہ کی۔ کیونکہ ان سے کرنے والی کوئی بات تھی ہی نہیں۔ آپؐ جانتے تھے کہ آپؐ نے جو کچھ کیا وہ درست تھا اور آپؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ صلح اس بات کو ثابت کرے گی حقیقت یہ ہے کہ یہ صلح حضرت محمدؐ کی سیاست اور تدبیر کا ایک عظیم شاہکار تھی۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی جب سہیل آپؐ کے سامنے کھڑا تھا تو شاید اس کے علاوہ کسی اور نے حضرت محمدؐ کی طرح گزشتہ واقعات پر غور نہ کیا ہو۔ اسی طرح ان دو حضرات کے علاوہ شاید ہی کسی کو وہ مار پیٹ، پتھروں کا برسواؤ۔ رات کو جان بچا کر نکلنے اور غار میں پناہ لینے کے واقعات یاد ہوں۔ جیشہ کو ستر افراد کی جلا وطنی کی مصیبتیں بھی کسی کو یاد نہ تھیں۔ اس وقت ادران و نول کے حالات کا تقابل ناقابل یقین اور ایک معجزے سے کم نہ تھا اور اس بات کا تو تصور تک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کہ اہل قریش آپؐ سے کسی طرح کا معاملہ یا صلح کرنے کو تیار ہو جائیں گے، آپؐ کو توجہ سے قابل شخصیت سمجھیں گے اور آپؐ کو عرب کی ایک قوم کا حکمران تسلیم کر لیں گے لیکن اپنی اس

لے اس صلح کے دور رس اثرات یہ تھے۔

- (۱) آپؐ کو مسلمانوں کا قائد اور حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ کل تک آپؐ کے سر کی قیمت لگ رہی تھی اور آج ایک قوم کے قائد کی حیثیت سے صلح کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔ (۲) اسلام کی ایک مستقل دین کی حیثیت مان لی گئی۔ (۳) ایک عرصہ کے لئے قریش کے حلوں اور پیش قدمیوں سے اطمینان ہو گیا۔ (۴) بنو خزاعہ فوراً آپؐ کے حلیہ پہن گئے اور دوسرے قبائل نے آپؐ کو اپنا قائد تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ (۵) اب کفار کا مدینہ میں آنا جانا شروع ہو گیا اور لوگ اسلام اور مسلمانوں سے متاثر ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ دو سال میں مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بڑھ کر دس ہزار سے زیادہ ہو گئی۔ حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن عاص اس صلح کے فوراً بعد ہی مسلمان ہو گئے۔ (۶) مکہ کے لوگوں کی اکثریت اب یہ سمجھنے لگی تھی کہ آپؐ شروع سے ہی صحیح راستے پر تھے اور انہوں نے آپؐ پر بہت زیادتیاں کی تھیں۔ (۷) ایک سال بعد آپؐ کو عمرہ کرنے کا موقع مل گیا جو پہلے ناممکن تھا۔ (۸) کچھ عرصہ بعد مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ جانے کی پابندی بھی خود قریش نے ہٹا دی۔ یہاں دو حضرات سے مراد غالباً خود نبی کریمؐ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔

ذاتی کامیابی کے علاوہ جو آپ نے ان لوگوں کے خلاف حاصل کی تھی، جنہوں نے آپ کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کی قسمیں کھائی تھیں، آپ نے اس صلح کے ان دور میں نتائج کا بھی صحیح اندازہ کر لیا تھا جو کوئی اور مسلمان نہ کر سکا۔ آپ چھوٹی چھوٹی باتوں اور غیر ضروری تفصیلات پر حجت کرنے والے نہ تھے۔ اگر سہیل کی چھوٹی ذہنیت ایک ایسے شخص کا، جو کچھ عرصہ پہلے ایک سفری گماشتہ تھا، ایک بڑا لقب اختیار کر لینے کے خلاف تھی تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرنے کے لئے مسلمانوں کے ایک مخصوص کلمہ سے ایک قریشی برہم ہوتا تھا تو یہ اتنی بڑی بات نہ تھی کہ اس کی وجہ سے صلح کی بات چیت کو ہی ختم کر دیا جائے۔

زیادہ اہم بات یہ تھی کہ آپ کو مکہ میں آنے جانے کی کھلی اجازت مل جائے۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ جس دن بھی آپ کو اور آپ کے لوگوں کو مقدس شہر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی تو پھر وہاں پر مستقل قدم جانے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔ اور اسی وقت سے آپ یہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہو جائیں گے کہ کعبہ میں کون عبادت کر سکتا ہے اور کون نہیں اور یہ بھی کہ آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو کس طرح خطاب کیا جائے۔

سب سے بڑی بات جو آپ نے اہل مکہ سے کی گئی، اس صلح میں پیش نظر رکھی یہ تھی کہ مقامی قبیلوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ اس معاملہ میں بھی آپ کا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔ اس صلح نامے پر دستخط ہونے کے چند روز کے اندر اندر جس کے سبب آپ کے اپنے لوگ اس قدر برا فردختہ ہو گئے تھے، اور دگر کے قبیلوں کے سردار آپ کے سامنے حلف و فدا داری اٹھانے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ حضرت عمرؓ حیران رہ گئے۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر اتنے لوگ مسلمان ہو گئے جتنے پچھلے چھ سال میں بھی نہ ہوئے تھے۔

بہر حال اس کا اطمینان دلانے کے لئے کہ آپ کی سپاہ کے ذہنوں میں اس سلسلہ میں کوئی شک و شبہ نہ رہے کہ آپ نے سہیل کی شرائط صلح قبول کر کے عین دانشمندی کا ثبوت دیا تھا حضرت محمدؐ پر ایک وحی نازل ہوئی جس نے آپ کے اس درست اقدام کی توثیق کر دی۔ یہ وحی قرآن کریم

لے اس قرار داد پر دستخط ہوتے ہی قبیلہ بنی خزاعہ فوری طور پر نبی کریمؐ اور مسلمانوں کا حلیف بن گیا۔

کی اثر تالیسریں سورۃ الفتح میں مذکور ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝

.....

وَنُصْرًا كَثِيرًا ۝

..... (رکوع - ۱)

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ

إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

..... وَاشَاهِبَهُمْ فَتَحًا قَرِيبًا ۝

(رکوع - ۳)

جلد ہوتے مالی فتح۔

لیکن اگر اس مقدس معاہدے کو ایک بڑی کامیابی نہ بھی سمجھا جائے تب بھی صلح نامہ کی وہ شرط کی رو سے مسلمان ہو جانے والے قریش مکہ کو واپس کئے جانے تھے۔ آزمائش میں پوری نہ اتری خود اہل قریش نے ختم کر دی۔

ایک نوجوان مکی جس کا نام ابوبصیر تھا اپنے خاندان والوں سے چھپ کر مدینہ پہنچا تاکہ مسلمان ہو جائے۔ اس کے پیچھے پیچھے ہی اس کے والدین کے نمائندے بھی پہنچ گئے تاکہ اس کو واپس لے جائیں حالانکہ آپ دل سے نہ چاہتے تھے لیکن آپ اپنی تحریر کے خلاف کچھ نہ کر سکتے تھے اور اسے ان کے حوالے کرنا پڑا۔ لیکن راستے میں ابوبصیر اپنے نگہبانوں پر غالب آگیا۔ اس نے ایک کومارٹھ اور دوسرے کومدینہ کی طرف بھگا دیا اور خود خون آلود تلوار لے کر ابوبصیر تک بے نیام تھی، حضرت محمد کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ یہاں آکر اس نے عرض کیا کہ آپ نے تو اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا، اپنا ہر پورا کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں آتی حضرت محمد نے کچھ دیر سوچا۔ پھر آپ مسکرائے اور بغیر کسی کو مخاطب کئے فرمایا: "کتنا غضب کا لڑا کا ہے۔ کاش اس کے

لے سورہ فتح آپ پر مکہ سے واپسی پر رستے میں نازل ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ اور دیگر اصحاب بالکل مطمئن ہو گئے کہ یہ معاہدہ واقعی عظیم فتح تھی۔ (سیرۃ النبی)

کچھ لوگ ہوتے۔“

یہ کہہ کر آپ نے جو ان کو رخصت کیا۔ البتہ ابو بصیر کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ آنحضرت کا ان غلط سے کیا مطلب تھا۔ اس کے پانچ مکی دوست مدینے میں تھے۔ اس نے ان سب کو اکٹھا کیا اور منقر صلاح مشورے کے بعد انکو کئے صحرائیں چلا گیا۔ چند ہی دنوں میں انہوں نے شام کے اس کاروانی راستے پر اپنا تسلط جمایا جو سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔

چونکہ اہل قریش اور مسلمانوں میں ان دنوں صلح تھی۔ تجارتی کارواں آ جا رہے تھے۔ قیمتی تجارتی سامان سے لدے اونٹ اور خچروں کی لمبی لمبی قطاریں مکہ سے باہر جا رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت ہاشم اور عبدالمطلب کا زمانہ پھر سے لوٹ آیا ہے لیکن یہ دور زیادہ دیر نہ رہا۔ ابو بصیر ان کی تاک میں تھا۔

جلد ہی کچھ اور مکی نوجوان مسلمانوں کو جو معاہدے کے سبب مدینہ نہیں جاسکتے تھے معلوم ہو گیا کہ بحیرہ قلزم کے ساتھ جانے والے راستے پر کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ وہ بھی مکہ سے نکل کر ابو بصیر کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ زیادہ دیر نہ لگی کہ مکہ کے قافلوں کے لئے سفر کرنا ناممکن ہو گیا اور ان دنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو گیا۔ جتنا مدینے والوں سے کھلی لڑائی کے زمانے میں تھا اور اس صورت میں اہل مدینہ اور ان کے قائدین کو الزام بھی نہیں دیا جاسکتا تھا۔

آخر کار صورت حال اتنی خراب ہو گئی کہ اہل قریش کا ایک وفد حضرت محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے کچھ تامل کیا اور کہا کہ اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ اس پر اہل قریش نے اور زیادہ شد و مد سے التجا کی۔ بہر حال آخر میں آپ رضامند ہو گئے لیکن اس شرط پر کہ مسلمان ہو جانے والے مکیوں کو مدینہ میں پناہ نہ دینے والی شق معاہدے میں سے

لے کر مسلمان جو مدینہ نہیں جاسکتے تھے اور مکہ میں عذاب میں گھرے ہوئے تھے اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ اور قریش کے تجارتی کاروانوں کا راستہ مسدود کر دیا۔ یہاں تک کہ قریش مجبور ہو کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مکہ کے مسلمانوں کے مدینہ نہ جانے کی شرط معاہدے سے خارج کرنے کے لئے خود مستعد ہوئے۔

قلمزن کر دی جائے۔ اہل قریش نے یہ بات منظور کر لی۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر حضرت محمدؐ
یہ ثابت کر دیا کہ آپؐ اتنے ہی بڑے مدبر بھی تھے جتنے بڑے سیاستدان اور جرنیل۔

کارواں لوٹنے والوں کو فوراً مدینہ واپس بلا لیا گیا۔ ابوبصیرؓ کے سوا اور سب واپس آئے
یہ خوش تدبیر نوجوان ایک مہم میں ایسا زخمی ہوا کہ پھر اچھا نہ ہو سکا۔ البتہ جان آفریں کو جان
کرنے سے پہلے اسلام کی خدمات بجالانے کا صلہ اسے حضرت محمدؐ کی جانب سے تحسین و آفرین
اور شہادت و جنت کی بشارت کی شکل میں مل گیا۔

جہاں حضرت محمدؐ کو اس قابل سالار کے وفات پا جانے کا افسوس ہوا وہاں آپؐ عام صدمہ
سے ضرور مطمئن ہو گئے۔ درحقیقت ہر کام اب اتنے آرام و سکون سے ہو رہا تھا کہ خود آپؐ
اس کی توقع نہ تھی اور یہ بھی امید تھی کہ انشاء اللہ اگلے سال آپؐ مکہ میں ہوں گے۔ وہاں کچھ
ہو سکتا ہے۔ اس اثنا میں آپؐ کو بہت کچھ کرنا تھا تا کہ حالیہ کامیابیوں کو استوار و مستحکم کر لیا جائے
آپؐ کو ابھی دو تین چھوٹے معاملے ان لوگوں سے بھی طے کرنے تھے جن کو ابھی تک آپؐ
کا رسول تسلیم کرنے کا ہوش نہیں آیا تھا۔

لے قریش ابوبصیرؓ کی جماعت کی کاروائیوں سے خوفزدہ ہو گئے اور مسلمانوں کو مکہ میں روک رکھنے کو اپنے لئے
خطرناک سمجھنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرتؐ کو لکھ بھیجا کہ آپؐ مسلمانوں کو مدینہ بلا لیں اور اس شق کو بند
سے قلمزن تصور کریں۔ (حیات محمدؐ)

سفارتیں عزوہ خبر

(۶۲۸ عیسوی)

حضرت محمدؐ اسلامی سلطنت کی عظمت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔ آپؐ کے دور حیات میں کوئی ایسے یقینی آثار نہ تھے جس سے آپؐ کو یہ خیال ہو سکتا کہ کبھی اتنی زبردست سلطنت بن سکے گی لیکن آپؐ کو اس کا یقین ضرور تھا۔ آپؐ کو اس بات کا یقین بالکل اسی طرح تھا جیسے آپؐ کو اپنے روحانی پیغامات اور وحی پر اس وقت بھی یقین تھا جب آپؐ کا ساتھ دینے والے تعداد میں صرف پارتھے۔ آپؐ کی حدیبیہ سے واپسی پر حبیب افراد اور قبیلوں نے تیزی سے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو آپؐ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب وہ دن دور نہیں جب دنیا اسلام کے نظریہ کے پھلنے پھولنے کے لئے سازگار ہو جائے گی۔ یہ درست تھا کہ اس وقت بھی چند مقامی گروہ ایسے تھے جنہوں نے آپؐ کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن ایسے لوگوں سے آپؐ بخوبی نمٹنا جانتے تھے۔ اب آپؐ کی توجہ کامرکزہ قومیں تھیں جو آپؐ کی موجودہ قلمرو سے باہر تھیں۔ آپؐ کا خیال تھا کہ ان قوموں کو مسلمان بنانے کے لئے صرف تھوڑی سی ترغیب اور تبلیغ کی ضرورت تھی۔

اس خیال کے پیش نظر سفیروں کا انتخاب کیا گیا تاکہ وہ جا کر ان لوگوں کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کریں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت محمدؐ کے سفر اکو بھی اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی طلاق لسانی عطا فرمادی تھی جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے پینٹیکوسٹ (توبہ کے دن) کے

۱۔ پینٹیکوسٹ FLUTE COST یا توبہ کا دن۔ یہ ایک یہودی تیوار تھا جو ایسٹر کے سات ہفتے کے بعد منایا جاتا تھا۔ (جیمز رڈکشنری)

یتو ہار پر اپنے آپ کو مختلف زبانوں میں تقریر کرنے پر قادر پایا تھا۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہوا ہو۔
حضرت محمدؐ نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ آپؐ نے اپنے سفیرانِ لوگوں میں سے چنے جو کبھی تاجر رہ چکے
اور اس غرض سے دوسرے ممالک میں جایا کرتے تھے۔ وہ ان ممالک کی رسومات اور دستور
کو بھی جانتے تھے اور اگر ایسے نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ جیسے مرتبہ کے لوگ بھی صحرا کے
پہچانے ماحول سے باہر چلے جانے پر اجنبیت محسوس کرتے۔ یہ لوگ یونانیوں اور منوں اور
کو اپنی بات سمجھانے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔

اپنے سفر کو سفارتی نشان کے طور پر دینے کے لئے حضرت محمدؐ نے چاندی کی ایک
بڑی ہیریا تمغہ بنوایا جس پر "مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللّٰهُ" کے الفاظ کندہ تھے۔ یہ ایک
بے ضرر اور سادہ سا خیال تھا۔ گو عبداللہ بن ابی اور اس کے دوستوں نے بڑی دیر تک
کا مذاق اڑایا لیکن اس کے باوجود یہ نشان جلدی ہی رومن عقاب سے کچھ زیادہ ہی عظیم
کا حامل بن گیا۔

۱۔ آنحضرتؐ نے مندرجہ ذیل سفر باہر بھیجے۔

- (۱) حضرت وحیہ کلبیؓ - قیصر روم کے دربار میں
 - (۲) حضرت عبداللہ بن حذافہ - خسرو پرویز (ایران)
 - (۳) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ - عزیز مصر (مقوقس)
 - (۴) حضرت عمرو بن امیہ - نجاشی (شاہ حبش)
 - (۵) حضرت سبط بن عمرو - روم کا حکمران
 - (۶) حضرت شجاع بن وہب - رئیس حدود شام (حارث غسانی)
- سیرت النبی - حصہ اول

۲۔ ڈاکٹر محمد حسین بیگل نے حیاۃ محمدؐ میں ایک چاندی کی انگشتری کا ذکر کیا ہے جو
یہ ہر کندہ تھی۔

۳۔ عقاب EAGLE رومن سلطنت کا سرکاری نشان تھا۔

پہلی سفارت ایک مرتبہ پھر قیصر ہرقل کی طرف بھیجی گئی۔ سفارت کو گورنر نے بھڑی رشام) کے مقام پر ہی روک لیا اور پیغام ان سے لے کر شہنشاہ ہرقل کو بھیج دیا گیا۔ چاندی کی مہر کو ہرقل نے بڑی دلچسپی سے دیکھا اور خط کا اس نے ترجمہ کرایا۔ یہ سن کر حیران ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی پرستش چھوڑ کر ایک نئے دین۔ ایک خدا کا دین۔ اختیار کر لینے کی دعوت ایک ایسے رب کی جانب سے موصول ہوئی تھی جس کا اس نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا۔ ہرقل نے وہ مہر اور خط بنظر استعجاب محفوظ کر لیا لیکن اس سے آگے کوئی کارروائی نہ کی۔

دوسری سفارت ایران کے شہنشاہ کی طرف بھیجی گئی۔ شہنشاہ خسرو کو اس کے لڑکے سیروز نے عربی کتب میں اس کا نام شیروہ لکھا ہے) نے حال ہی میں قتل کر دیا تھا اور یہ عجیب و غریب خریطہ اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ سیروز یا شیروہ کو پیغام کا مضمون پڑھ کر ایک اچنبھا سا ہوا کیونکہ

لے قیصر ہرقل HERACLIUS اس وقت کا بازنطینی رومن شہنشاہ۔ قیصر نے اس سفارت کیلئے بیت المقدس کے مقام پر دربار منعقد کیا اس نے یہ بھی حکم دیا کہ عرب کا کوئی اور شخص مل سکے تو اسے بھی لاؤ۔ اتفاق سے ابوسفیان اس وقت تجارتی کاروان لے کر غزہ کے راستے شام جا رہا تھا۔ غزہ پہنچا ہی تھا کہ ہرقل کے سپاہی اس کے چند ساتھیوں کو پکڑ کر لے گئے اور ہرقل کے سامنے پیش کر دیا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے رسول کریمؐ کے نام و نسب خاندان، اخلاق و کردار اور تعلیمات کے متعلق چند سوالات کئے اور یہ بھی کہ آپؐ کے پیرو کیسے لوگ ہیں اور اللہ ان میں کتنے مقبول ہیں جوابات سے ہرقل متاثر ہوا لیکن چونکہ اہل دربار اور بطریق اس سفارت اور مبارک نامہ سے سخت برہم نظر آ رہے تھے اس لئے سفارت اور ابوسفیان وغیرہ کو رخصت کر دیا اور کوئی کارروائی نہ کی۔ سیروز انہی کے صحیح بات یہ ہے آپؐ کا خریطہ حقیقت میں خسرو پر دیز کے سامنے ہی پیش کیا گیا تھا جو اس وقت زندہ تھا اور اس نے ناراض ہو کر اپنے گورنر میں رباذان کو حکم بھیجا کہ آپؐ کو گرفتار کر کے یا آپؐ کا سرا سے بھیجا جائے اور جب رباذان نے دونوں کے اس مقصد سے آپؐ کے پاس بھیجے تو آپؐ نے بصیرت سنجیری سے انہیں بتایا کہ ان کا شہنشاہ تو قتل ہو چکا ہے۔ اور جب یہ لوگ میں پہنچے تو کچھ دیر بعد کسریٰ کے قتل کی تصدیق ہو گئی (سیرۃ النبی)۔ واقعہ کے مطابق شیروہ نے اپنے آپؐ جلدی الاقل، ہجری کی تیرھویں شب میں چھ گھنٹہ رات گئے قتل کیا تھا۔

(سیرۃ النبی)

حضرت محمدؐ نے اس کو اس طرح مخاطب کیا تھا: "محمد بن عبد اللہ رسول اللہ کی طرف سے خسر
اس کو زندہ سمجھے ہوئے تھے، بادشاہ ایران کے نام۔"

مصر کے ایک عرب کی اس کے نام سے پہلے اپنا نام لکھ دینے کی گستاخی سے سیروز بھر کر
خط کے پرزے پرزے کر دیئے اور اپنے یمن کے گورنر کو ہدایت کی: "مدینہ میں قبیلہ قریش کا
نعموذ باللہ! اپنے آپ کو پیغمبر خدا کہتا ہے۔ اس کا دماغ درست کر دیا پھر اس کا سر مجھے بچ
جب آپ نے یہ بات سنی تو اپنے شانوں کو جنبش دی اور بڑی بے اعتنائی سے صرف
کہا: "جس طرح اس نے خط کے پرزے کٹے ہیں۔ اسی طرح اللہ اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے
کر دے گا۔" آپ کی پیشین گوئی جلد ہی پوری ہو گئی۔ بیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ ایران ملک
اسلامیہ کی ایک باجگزار ریاست بن چکا تھا اور اس کا حاکم ایک ایسا شخص بنا جو نعموذ باللہ قریش کے
کائناتیت یافتہ تھا۔

وسطی عرب کے عیسائی قبیلے بنو حنیفہ کے سردار نے مسلمانوں کے سفیروں کی آؤ بھگت
انہیں تحائف بھی دیئے۔ البتہ یہ شرط لگا دی کہ دین اسلام وہ صرف اس صورت میں قبول کرے
اسے حکومت میں شریک کیا جائے۔ حضرت محمدؐ نے جواب دیا کہ اگر وہ ایک کچی کھجور کا بھی حصہ
تو آپ اسے ہرگز نہ دیتے اور اس کے بعد آپ نے اس کے لئے ایک برے انجام کی واضح پیشین گوئی
کی جو غالباً پوری ہو گئی۔ کیونکہ اگلے سال ہی وہ حریص رئیس فوت ہو گیا۔

سفیروں نے جیشہ میں اچھا وقت گزارا۔ آپؐ کی بعثت کے آغاز سے ہی نجاشی (شاہ حبشہ)
نے مسلمانوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کیا اور اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ ان میں سے ساٹھا افراد بھی
اس کے دربار میں تھے۔ جن میں حضرت علیؑ کے سوتیلے بھائی جعفر بن ابی طالب بھی تھے۔ یہ
اس دوستانہ سلوک کے باوجود آپؐ نے نجاشی کو بھی وہی پیغام بھیجا جو رومنوں اور ایرانیوں
بھیجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نجاشی نے حضرت محمدؐ کا نیک مشورہ مان لیا تھا اور اس پر عمل پیرا
گیا تھا لیکن تاریخ سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اہل حبشہ حضرت محمدؐ اور ان کی تعلیم

لے طبری نے عبد الرحمن بن عوف سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا تھا کہ
جس طرح خسر نے ہمارے خط کے پرزے کٹے ہیں، اسی طرح اس کی حکومت
پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (طبری)

یہ حدیث و تکریم کرتے تھے۔ کیونکہ نسٹوری عیسائی ہونے کے سبب ان کے اور اسلام کے
 زمین کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ لیکن اہل حبش آج بھی اسی طرح عیسائی ہیں۔ بہر حال جو
 نامہ و پیام عربوں اور حبشہ والوں میں ہوئے بہت ہی خوش آئند اور پر محبت تھے۔
 حبشہ میں سفارت کو حضرت محمدؐ کی جانب مذہب سے بہت ایک اور قسم کا کام بھی
 دنیا تھا۔ اویس اباباہ میں چند مسلم خواتین رہ رہی تھیں۔ ان میں ایک ام حبیبہ بنت ابوسفیان
 ہیں۔ یہ حبیبہ بن حبش کی بیوہ تھیں جو ابتدائی اسلام قبول کرنے والوں اور مکہ سے پہلی ہجرت کرنے والوں میں سے ایک
 عبید اللہ کی والدہ حضرت عبدالمطلب کی ایک لڑکی تھیں اور اس طرح وہ حضرت محمدؐ
 ابن عم بھی تھے۔ یہ عبید اللہ حضرت عبد اللہ بن حبش اور ان حضرت زینبؓ کے بھائی بھی
 جن کی حضرت زید بن حارث کے طلاق دینے پر آنحضرتؐ سے شادی ہونے پر بڑی لے
 ہوئی تھی۔ ان پیچ در پیچ رشتوں کے باوجود حضرت محمدؐ اپنی اس عزیز بیوہ رام حبیبہ سے
 دی کر کے اور مزید الجھنیں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ آپؐ یہ شادی کر کے ابوسفیان
 بچا دکھانے کے ساتھ ساتھ مکے میں اپنا مقام بھی مستحکم کرنا چاہتے ہوں۔ خیال یہ تھا کہ
 سفیان اس رشتہ کو کتنا ہی برا کیوں نہ کہے اسے یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ (نعوذ باللہ) یہ
 نفرت مبلغ اب اس کا داماد بھی بن گیا ہے۔ درحقیقت جو کچھ ابوسفیان نے اس شادی
 جبر سے نہ پر کہا وہ یہ تھا۔ ”یہ اونٹ اتنا بے ہمار ہو گیا ہے کہ کوئی نیکی اسے نہیں روک سکتی“
 البتہ حضرت ام حبیبہؓ آپؐ سے شادی کر کے بہت خوش تھیں۔ نجاشیؓ نے

نسٹوری عیسائیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے دو الگ الگ پہلو تھے یعنی روحانی اور مادی۔
 یہ کہ حضرت مریمؑ صرف آپؐ کی والدہ تھیں اور انہیں تثلیث میں شامل کرنا یا خدا کا شریک ٹھہرانا غلط ہے۔
 یہ مصنف کا ذاتی خیال ہے۔

نہ طبری نے بھی اپنی تاریخ میں اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔

نجاشیؓ نے آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت ام حبیبہؓ کا ہر ادا کیا جو چار سواشر فی تھا اس کے بعد ان کو اور تمام مسلمانوں
 اور کشتیوں میں سوار کرا کے مدینہ روانہ کر دیا۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اس جماعت کے قافلہ سالار تھے یہ لوگ جب
 مدینہ پہنچے تو رسول کریمؐ غزوہ خیبر میں مصروف تھے۔ واپسی پر ملاقات ہوئی۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشیؓ نے ۹ ہجری میں انتقال
 کیا۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

آپ کی طرف سے وکیل بن کر خود اس شادی کی رسومات سرانجام دیں۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت جعفرؓ اور دوسرے مہاجر واپس کو لے کر مدینہ واپس جانے کے لئے روانہ ہو گئے ایک اور سفارت مصر بھیجی گئی۔ وہاں کے رومن گورنر متقیس نے حضرت محمدؐ کے نامہ کی قدر و منزلت کی اور سفیروں سے بڑے اخلاق سے پیش آیا لیکن وہ قبول اسلام کرنے کوئی وعدہ نہ کر سکا۔ اس سے پیشتر کہ ایچیوں کی یہ جماعت واپس ہو اس نے ان کے معزز آقا کے لئے بہت سے تحائف دیئے جو جو ابہرات، مصری کتان، شہد، مکھن، ایک گدھی اور سفید خچار ایک اچھے نسل دار گھوڑے پر مشتمل تھے۔ ان روایتی تحائف کے علاوہ دو حسین قبطی لڑکے بھی، جو حقیقی بہنیں بھی تھیں اور جن کے نام مریم (ماریہ) اور شیریں تھے، آپ کی خدمت روانہ کر دیں۔

کسی سبب سے حضرت محمدؐ نے حضرت مریم (ماریہ) سے شادی نہیں کی بلکہ حرم میں کی حیثیت سے رکھا۔ ان کے حرم میں داخلے کے خلاف آواز اٹھانے میں سب شریک تھے حضرت عائشہؓ سے نہ کہ حضرت زینبؓ تک سب نے اسے اپنی توہین گردانا۔ ایک مضمحل محاذ بنا کر آپؐ کی تمام بیویاں حضرت ماریہؓ کے خلاف ہو گئیں۔ درحقیقت حضرت ماریہؓ کے وہاں رہنا اتنا دو بھر ہو گیا تھا کہ حضرت محمدؐ نے ان کو بالائی مدینہ (قباء) کے ایک مکان میں منتقل کر دیا لیکن اس پر بھی اطمینان نہ ہوا۔ آپؐ کے حرم نے حضرت ماریہؓ سے نفرت کرنے کا فیصلہ لیا تھا اور نفرت کا اظہار بھی اس حد تک کیا گیا کہ قریب تھا کہ آپؐ بیویوں کو طلاق دے دیں۔ غالباً حضرت ماریہؓ قبطیہ بذات خود اس جھگڑے کا اصل سبب نہ تھیں لیکن وہ حرم

لے حضرت ماریہ (MARY) اور شیریں دونوں قبطی نسل کی بہت خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ متوقس (گورنر) نے لکھا تھا کہ دونوں ایک مصری معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے انہیں لونڈی یا کنیز کہنا زیادہ ہو گی۔ حضرت ماریہؓ رسول اللہ کے حرم میں داخل ہوئیں اور شیریں حضرت حسان بن ثابتؓ رضی اللہ عنہما سے ملا۔ دے دی گئیں۔ یہ دونوں مدینے پہنچنے سے پہلے ہی اسلام لاپچی تھیں۔ اس لئے خیال غالب ہے کہ رسول اللہ نے ان سے نکاح کیا ہو گا نہ کہ کنیز کی حیثیت سے رکھا ہو گا۔ سفید خچر کا نام دلدل تھا۔ (سیرۃ النبی ج ۱)

ایسے وقت تھیں جب ازواج رسول میں آپس میں رشک و حسد کی آگ بھڑکنے کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ امن و آشتی کی خاطر حضرت محمدؐ ہر بیوی کے گھر باری باری سے ایک رات گزارتے، اور حب مدینہ سے باہر جاتے تو ساتھ جانے کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بیویاں آپس میں قرعہ اندازی کرتیں۔

آپؐ کے حرم میں اب دو سیاسی جماعتیں تھیں حضرت عائشہؓ، حفصہؓ اور سوڈا ایک طرف باقی ازواج دوسری طرف تھیں۔ حضرت سوڈا نے غالباً اپنے بچاؤ کے لئے دو زیادہ مقبول بیویوں سے اتحاد کر لیا تھا۔ وہ اب بوڑھی ہو رہی تھیں اور ویسے بھی کوئی قبول صورت نہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی پشت پناہی کے سبب وہ طلاق کے ڈر سے محفوظ تھیں اور اس بچاؤ کو یقینی بنانے کے لئے آپؐ اپنی باری جواں سال اور چمپتی بیوی عائشہؓ کو دے دیتی تھیں۔

اس طرح حضرت عائشہؓ کی حیثیت اور ان کے مقام میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے موضوع کے علاوہ شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر آنحضرتؐ ان سے مشورہ نہ کرتے ہوں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو ان لڑکیوں کے مقابلے میں ہمیشہ ایک بلند درجہ دیا۔

آپؐ حضرت خدیجہؓ کے عزیزوں میں اب بھی اسی طرح دلچسپی لیتے تھے اور بعض اوقات یہ کہہ کر کہ حضرت خدیجہؓ عورتوں میں سب سے اچھی تھیں، حضرت عائشہؓ کو برہم کر دیتے تھے۔ ایک دن حضرت خدیجہؓ کی بہن حالہ ملنے کے لئے مدینہ آئیں۔ ان کی آواز اور لب و لہجہ بالکل حضرت خدیجہؓ کا سا تھا جب حضرت محمدؐ نے ان کو حرم کے صحن میں بولتے سنا تو آپؐ کو غش آنے لگا۔ جوں ہی وہ چلی گئیں تو حضرت عائشہؓ نے خفگی کے انداز میں کہا: ”آپؐ کیوں ہمیشہ ان ادا اس صورت قریشیوں کے لئے پریشان ہوتے ہیں۔ آپؐ کیوں ہر وقت اس پوہلی بڑھیا کے خیال میں کھوسے رہتے ہیں۔ جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایک بہتر اور جہان بیوی دے دی ہے۔“

یہ سن کر آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپؐ نے غصہ سے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ دیا۔

لے یہ مصنف کا ذاتی خیال ہے۔

”نہیں ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بدل نہیں دیا۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب سر نے انکار کر دیا تھا۔ جب سب لوگ مجھے جھوٹا کہہ رہے تھے تو انہوں نے میرے پکے ہونے کی تصدیق کی۔ جب میں تلاش تھا تو انہوں نے مجھے اپنی دولت میں شریک کیا۔ خدیجہؓ جیسا تو کوئی دوسرا ہی نہیں سکتا۔“

جب حضرت عائشہؓ کو یہ امر مجبوراً ایک قبیطیہ کنیز کو جس کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ عرب عورتوں سے زیادہ خوبصورت تھیں، اپنا ہم پلہ اور رقیب تسلیم کرنا پڑا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گئیں۔ دوسری بیویاں جو حضرت ماریہؓ پر اسی طرح معترض تھیں، حضرت عائشہؓ کی طرح بے باک تو نہ تھیں لیکن اس معاملے کو خاموشی سے برداشت کرنے والی بھی نہ تھیں۔ حرم کا ماحول آتشگیر ہو گیا تھا اور جس روز حضرت حفصہؓ نے حضرت ماریہؓ کو حضرت محمدؐ کے ساتھ اپنے ہی گھر میں دیکھ لیا تو یہ بادہ پھٹ پڑا۔ اور اس خبر کے پھیلنے کے پندرہ منٹ کے اندر اندر حرم میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ان غصہ میں بھری ہوئی ازواج کو وعدے و وعید اور تنبیہ سے خاموش کرنے کی کوشش لا حاصل ثابت ہوئی۔ وہ سب کی سب ایک جنونیوں کا گروہ معلوم ہو رہی تھیں۔ بالآخر آپؐ کو بھی غصہ آگیا اور آپؐ نے کہا: ”زیادہ تر عورتیں ہی جہنم میں جائیں گی اور مزید فرمایا: ”تم سب عورتیں مجھ سے زیادہ اللہ کی نافرمان ہو۔ جاؤ میں تم لوگوں کے پاس ایک عینہ تک نہیں آؤں گا۔“ یہ کہہ کر آپؐ مسجد قریب ایک برج یا بالاخانے میں چلے گئے اور اسے اندر سے بند کر لیا۔ حضرت محمدؐ جیسے حلیم الطبع شخص کے اس طرح غضب ناک ہو جانے سے حرم پر اس سی پڑ گئی۔ ایک نے دوسری کو بے یقینی سے یقین دلایا کہ جو نہی آپؐ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے خود بخود واپس آجائیں گے اور اپنے اپنے کمروں میں واپس چلی گئیں۔ یہاں وہ بڑی تشویش سے آپؐ کا انتظار کرتی رہیں لیکن حضرت محمدؐ واپس نہ آئے۔ آپؐ نہ اس رات واپس آئے نہ دوسرے دن اور دوسری رات۔ پھر یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ آپؐ نے تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس سے

لے آپؐ کی اکثر ازواج عرب کے بڑے اونچے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے وہ ایک کنیز (حضرت ماریہ قبیطیہ) کو برابر کا درجہ دینے پر معترض تھیں۔ آنحضرتؐ کے سمجھانے پر بھی جب مطمئن نہ ہوئے

میں ایک ہیجان پھیل گیا۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں قہقہے کے بعد سے اتنی سرگرمی اور اتنی افواہ در و دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے باری باری اپنی لڑکیوں کو بہت سخت ہست کہا اور یہ ہو کر اپنے گھروں میں جا بیٹھے۔ اپنے آقا کے ناراض ہو جانے کے علاوہ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ عائشہؓ اور حفصہؓ کو طلاق ہو گئی تو خود ان کے اپنے مستقبل پر کبھی اثر پڑے گا۔

آخر کار جب حضرت محمدؐ نے تین ہفتے سے زیادہ تک کسی سے کوئی بات چیت نہ کی تو حضرت رضیؓ اس تعطل کو مزید برداشت نہ کر سکے۔ آپؐ برج کے اندر چلے گئے اور دریافت کیا کہ کیا

آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ پہلے تو آپؐ خاموش رہے لیکن کچھ دیر بعد جب حضرت عمرؓ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگے۔ تو آپؐ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس سے کچھ اطمینان ہوا تو باہر آئے اور مسجد کے قریب احوال دریافت کرنے والے مجمع کو بتایا کہ رسول اللہؐ کی حرم سے مفارقت عارضی ہے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس کا یقین دلایا۔

اس غیر حاضری کے چوتھے ہفتے کے اختتام کے قریب حضرت محمدؐ حرم میں تشریف لائے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے ہاں چلے گئے اور ان کی چٹائی پر بیٹھ گئے۔ آپؐ بالکل نہ مسکرائے۔ ان کی طرف شکایت آمیز نظروں سے دیکھا لیکن آپؐ کے اس رویہ سے متاثر ہونے کی بجائے حضرت عائشہؓ ہنسیں اور کہا۔

”جہاں تک میرا خیال ہے۔ آپؐ نے کہا تھا کہ ایک ماہ تک نہیں آئیں گے۔“
 آپؐ بھی جواب میں منہس دیئے اور فرمایا۔ ”یہ مہینہ کل اٹھائیس دن ہی کا تو ہے۔“
 لیکن یہ مصالحت آپؐ کو حضرت مارثہؓ قبلیہ کے پاس جانے سے نہ روک سکی۔ انہیں آپؐ نے شہر میں منتقل کر دیا تھا اور آپؐ وہاں پر پابندی کے ساتھ جاتے رہے۔ ان کے حرم میں آنے

تو آپؐ کچھ عرصہ کے لئے کنارہ کش ہو گئے۔ یہ کوئی غیر فطری بات نہ تھی۔ لیکن منافقین نے اس میں بہت سے کلی پھرنے لگا دیئے اور اس کے ساتھ بہت سی افواہیں اور غیر مسدقہ باتیں شامل ہو گئیں جیسا کہ مصنف نے بھی لکھا ہے۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں صحیح واقعات تفصیل سے لکھے ہیں (ترجمہ) لے کو ذقری مہینہ اٹھائیس دن کا نہیں ہوتا۔ غالباً اتنیسا مہینہ تھا۔

کے ایک سال بعد حضرت ماریہ قبطیہ سے آپ کے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا جن کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ لیکن اس اداسی کو محسوس نہ کر سکے جو اس خبر نے حرم میں پیدا کر دی تھی۔ بہر حال بچہ پاؤں چلنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا اور حضرت محمدؐ کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ بایں ہمہ حضرت ماریہ مستقل طور پر آپ کے ساتھ رہیں اور آپ کی وفات کے پانچ سال بعد تک زندہ رہیں۔ یہ قیاس کر لیا ہرگز درست نہیں کہ چونکہ حضرت محمدؐ کا فرصت کا زیادہ وقت اپنی ازواج کے پاس گزرتا تھا تو آپ زن مرید قسم کے شوہر ہوں گے۔ وقت اور موقعہ کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ اپنی بیویوں سے بڑے احسن طریقے اور حسن تدبیر سے عہدہ براہوتے تھے۔ درحقیقت آپ عورتوں کے متعلق بہت کچھ جانتے تھے۔ اس پیچیدہ مسئلہ پر جس نے ہر زمانے کے مردوں کو پریشان رکھا ہے۔ آپ کی ایک نصیحت انتہائی دانشمندانہ تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عورتوں کی فطرت کو کتنی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ درحقیقت یہ اس قدر دانشمندانہ تھی کہ اگر اس پر کسی قوم کسی ملک اور کسی زمانے میں عمل پیرا ہوا جائے تو یہ عورتوں اور مردوں میں ہزار بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کا موجب ثابت ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

”اپنی عورتوں سے جو تمہاری ہی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ نرمی سے پیش آؤ

اے حضرت ابراہیم ۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور سولہ یا سترہ ماہ کی عمر میں ہی وفات پا گئے یہ غالباً ۶۳۰ء کا واقعہ ہے جب آپؐ غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر واپس آچکے تھے آپ کو ان صاحبزادے کی وفات پر بھی صدمہ ہوا اور تعاضات بشریت کے سبب شدت غم سے آپ پر سکوت طاری ہو گیا اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے آپ نے فرمایا ”اے ابراہیم! اگر موت ایک امر حق اور سچا وعدہ نہ ہوتا اور پیچھے رہ جانے والے آگے جانے والوں سے نہ جا ملتا کرتے تو ہم تجھ پر اس سے بھی زیادہ غم کا اظہار کرتے ”مزید فرمایا ”آنکھ روتی ہے اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم اس بات کے سوا جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی ہو کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے۔

اے ابراہیم ہم غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ”(حیات محمدؐ) حضرت ابراہیم کی قبر جنت البقیع میں حضرت ماریہ قبطیہ اور دیگر ازواج مطہرات کی قبور کے نزدیک ہی تاحال موجود ہے (مترجم) حضرت ابراہیم ذی الحجہ ۸ میں پیدا ہوئے جب آنحضرتؐ کی عمر ۶ سال تھی (تاریخ طبری) وفات ۱۰ ربیع الاول ۱۰ھ طبقاً ابن سعد

اور اچھا سلوک کرو۔ اگر تم پہلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اس لئے وہ جیسی بھی ہیں انہیں ان کی تمام کمزوریوں کے ساتھ قبول کر لو۔“ آپ اپنے قدیم دوست حضرت ابو بکرؓ کی طرح نہیں تھے جو چار مرتبہ شادی کرنے کے باوجود بکا کرتے تھے:

”عورتیں ایک فتنہ ہیں لیکن بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کے بغیر گزارہ بھی نہیں“ یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ہمہ گیر خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ اپنے ذہن اور صلاحیتوں کو بیک وقت کئی طرف لگا سکتے تھے۔ اگر ایک طرف مہذب دنیا کے حکمرانوں کی طرف سفارتیں بھیج رہے ہیں تو دوسری طرف آپ ایک گھونگر یا لے بالوں والی کنیز کی طرف متوجہ ہیں اور حاسد بیویوں کے ہاتھوں اپنے لئے مصیبت کھڑی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ آپ ایک لشکر تیار کرنے میں مصروف ہیں جو تیزی سے نقل و حرکت کر کے کاری ضرب لگا سکے۔ ماتحت انصران کو تربیت دی جا رہی ہے۔ سپاہ کو منظم کیا جا رہا ہے۔ ہتھیاروں کو نئی ضرورت کے مطابق ڈھالا جا رہا ہے اور بدوی حملہ آوروں کے فرسودہ جنگی طریقوں کو چھوڑ کر نئے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں۔ اگست ۶۲۸ء میں حضرت محمدؐ نے اپنی نئی فوج کی آزمائش کی اور اس کو خیبر کی یہودی لہجے سے لڑانے کے لئے گئے جو شام کی شاہراہ کے پہلو میں واقع تھی۔

یہودی بھی، جن پر حملہ ہونا تھا ایک جنگجو قوم کے افراد تھے اور اس زمانے کے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح وہ بھی مانے ہوئے لڑاکا تھے۔ جو آب اور ابنیر کے نبرد آزما یہودیوں کی اولاد ہونے کے سبب وہ بھی اسی طرح جنگ کر سکتے تھے جیسے عرب۔

اس لشکر کشی کی تین بڑی وجوہات یہ تھیں:-

۱) حضرت محمدؐ اپنے قرب میں یہودیوں کی موجودگی کو پسند نہ کرتے تھے۔ بار بار کی تنبیہ کے باوجود غالباً انہوں نے کوئی سبق نہ سیکھا تھا۔ جب بھی موقع ملتا وہ مسلمانوں کے لئے کوئی

لے خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا اور کئی مضبوط قلعوں پر مشتمل تھا۔ علاقہ نخلستانی اور زرخیز تھا۔

نہ کوئی مصیبت کھڑی کر دیتے تھے۔ اور بنی نصر کے یہودی تو اکثر ایسا کرتے تھے۔ مدینہ سے صحیح و سالم نکل جانے کی اجازت ملنے پر ان لوگوں کو اس سے بہتر اور کوئی بات نہ سوچھی کہ قریش سے جا ملے ان میں سے کچھ خیبر کے نخلستان میں جا بسے تھے۔

(۲) آپ اس مایوسی اور دل شکستگی کی تلافی کرنا چاہتے تھے جو مسلمانوں کو ان کے نظریے کے مطابق حدیبیہ میں ہوئی تھی۔

(۳) اور غالباً ایک تیسرا سبب بھی تھا اور وہ یہ کہ آپ اپنی نئی فوج کو آزمانا چاہتے تھے۔ خیبر ایک ایسا علاقہ تھا جس میں باغات، بھینتی باڑی اور کھجوروں کے ذخیروں کے علاوہ کئی قلعے بھی تھے۔ درمیان میں ایک بڑا قلعہ بھی تھا جو بہت سے محاصروں کا مقابلہ کر چکا تھا یہ ایک ایسی مہم تھی جو یہ بتا سکتی تھی کہ آپ کی فوج آپ کی توقع کے مطابق تربیت حاصل کر چکی ہے؟

مسلمانوں کے لشکر میں سولہ سو پوری طرح مسلح جنگجو تھے جن میں سے دوسو بہت

لے خیبر پر لشکر کشی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے سردار ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے تمام یہودی قبائل اور غطفانیوں کو ملا کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں لیکن وقت پر پتہ لگ گیا اور سلام کو ایک خنزرجی مدنی مسلمان نے اس کے قلعہ میں پہنچ کر رات کو سوتے ہوئے قتل کر دیا۔ اس کے جانشین اسیر بن رزام نے طوفانی دورہ کر کے دوبارہ لشکر اکٹھا کیا۔ بنو غطفان کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مدینہ پر فوج کشی کی نو دشواری سے تیاری کی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تین آدمی دے کر صورتحال کا عینی جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے خیبر کی حکومت مستقل طور پر دلانے کا لالچ دے کر اسیر کو اتنے ہی آدمی لے کر مدینہ چلنے پر آمادہ کیا لیکن جب راستہ میں اس کی نیت خراب دیکھی تو اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح خیبر پر فوج کشی ناگزیر ہو گئی اگر مسلمان غفلت کرتے تو مدینہ پر حملہ ہو جانا یقینی تھا۔ اب تک لڑائیاں دفاعی تھیں لیکن یہ اپنے دفاع میں پہلی فوج کشی تھی۔ یہ حرم، ہجری کا واقعہ ہے۔ (سیرۃ النبی حصہ اول)

لے خیبر میں چھ قلعے تھے۔ سالم۔ قنوص۔ نطا۔ قصارہ۔ شق اور مریط۔ قنوص سب سے زیادہ بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ مرحب اس قلعہ کا سردار تھا۔ ایک قلعہ ناعم بھی تھا۔ یعقوبی کے بیان کے مطابق ان قلعوں میں فوج کی مجموعی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی۔ (سیرۃ النبی حصہ اول)

کر چکی ہے۔

مسلمانوں کے لشکر میں سولہ سو پوری طرح مسلح جنگجو تھے جن میں سے دو سو بہت اچھے گھوڑوں پر سوار رسالے کے جوان تھے۔ باقی کے پاس تیز رفتار سانڈ نیاں تھیں۔ حضرت محمدؐ کا مستقل عملہ معمول کے مطابق آپؐ کے ساتھ تھا۔ یعنی حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور زیدؓ۔ خوش قسمتی سے ہمرکابی کا قرعہ حضرت ام سلمہؓ کے نام نکلا تھا اور اس طرح وہ ایک مرتبہ پھر لشکر کے ساتھ تھیں۔ کچھ اور عورتیں بھی ساتھ تھیں۔

جنگی تاریخ میں یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ حضرت محمدؐ اپنے ساتھ مجاہدین کی بیویوں کو زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے لے جا رہے تھے۔ اب تک عورتیں فوجوں کے ساتھ جنگی مہموں میں کنیزوں اور لونڈیوں کی حیثیت سے جاتی تھیں یا پھر سپاہیوں کو بہادری پر اکسانے کے لئے۔ جیسے ہند (ابوسفیان کی بیوی) اور اس کی بھجولیاں اُحد کی لڑائی میں شریک ہوئی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے عورتوں کو میدان جنگ میں ان سے ان کا صحیح اور فطری کام لینے کے لئے لے جانے کا کسی کو خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔

اور یہ بھی پہلا موقع تھا کہ اسلامی لشکر اپنے ساتھ مشہور سیاہ علم، جسے عقاب یا سیاہ عقاب کہتے تھے، لے ہوئے تھا۔ یہ حضرت عائشہؓ کی ایک چادر سے بنایا گیا تھا۔ بعد کے سالوں میں یہ علم حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کے طوفانی رسالے کا نشان ہونے کے سبب عساکر اسلام کے مشہور ترین نشانوں میں سے ایک نشان بن گیا تھا۔

اے یہ پہلا موقع تھا کہ بڑے جھنڈے (رایت) ساتھ لئے گئے۔ ورنہ پہلے غزوات میں صرف "لوا" یا چھوٹے پرچم ہوتے تھے۔ اس لشکر کے ساتھ دو رایت یا بڑے جھنڈے تھے ایک رایت سیاہ تھا۔ (جو حضرت عائشہؓ کی چادر سے بنایا گیا تھا) جس کا نام "العقاب" تھا جو حضرت علیؓ کو دیا گیا تھا۔ دو اور جھنڈے سعد بن عبادہ اور حباب بن منذر کو دیئے گئے۔ آپؐ کا اپنا "لوا" یا پرچم سفید تھا۔

(طبقات ابن سعد - جزو ثانی)

جن قبیلوں یا لوگوں نے مکہ کی مہم میں ساتھ جانے سے احتراز کیا تھا ان میں سے بعض نے اب اپنی خدشات پیش کیں لیکن حضرت محمدؐ نے انہیں ساتھ لے جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر وہ غیر منفعتی مہموں میں جانے کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتے تو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اس منفعتی مہم میں شریک ہوں۔

مدینہ اور خیبر کا درمیانی فاصلہ ایک سو میل سے کچھ زیادہ ہے۔ معمول کے مطابق ایک فور کو وہاں تک پہنچنے میں پانچ دن لگتے ہیں۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ اس قدر مسلح اور قلعہ دار دشمن کو زیر کرنے کے لئے صرف ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ ان پر اچانک حملہ کیا جائے۔ آپؐ نے یہ فاصلہ لمبی منزلیں مار کر تین روز میں طے کر لیا اور چوتھی صبح کو منہ اندھیرے آپؐ دشمن کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ اس ہونے والے حملہ کا کسی کو شبہ تک نہ تھا۔ یہودیوں کو پہلے ہی اس بات کا علم اس وقت ہوا جب ابھرتے سورج کی کرنیں مسلمانوں کے خود اور چار آئینوں پر

لے طبقات ابن سعد کے مطابق آپؐ نے یہ اعلان کیا تھا: "لا یرحبن معنا الا راغب فی الجہاد" یعنی ہم ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔

ڈاکٹر ہیکل: اپنی کتاب حیات محمدؐ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس مہم میں صرف ان لوگوں کو شرکت اجازت دی جو حدیبیہ میں حاضر تھے اور سورہ فتح کی یہ آیت "سَیَقُولُ الْمَخَلْفُونَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلَیْہِمْ... لَا یَفْقَهُوْنَ الْاَقْلِلَیْلَ" آپؐ کے پیش نظر تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیبیہ میں شریک نہ ہونے والے لوگ جب تم مال غنیمت حاصل کر لے جاؤ گے تو کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے چلو... اے پیغمبران سے دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ آؤ۔" ("حیاء محمدؐ" مترجمہ مولانا دامت کاظمی)

لے یہودیوں نے بنو غطفان کو بھی ساتھ لایا تھا۔ آنحضرتؐ کو اس کا علم تھا کہ یہ قبیلہ ضرور یہودیوں کی طرف کو آئے گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے رجب کے مقام پر فوجیں اناریں جو غطفان اور خیبر کے درمیان تھیں تاکہ یہود اور غطفان یکجا نہ ہو سکیں۔ خیبر پر لشکر کشی کی خبر سن کر غطفان نے خیبر کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن یہ دیکھ کر کہ اسلامی لشکر درمیان میں حائل ہے اور خود اپنا گھر خطرے میں ہے فوراً واپس چلے گئے۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

پڑ کر چکا چونہ پیدا کرنے لگیں چنانچہ فوراً ہی ایک آواز یا منادی بلند ہو کر ایک باغ سے دوسرے باغ، ایک کھیت سے دوسرے کھیت اور ایک قلعہ سے دوسرے قلعہ تک گونجتی چلی گئی اور وہ آواز تھی ”محمدؐ۔ واللہ محمدؐ۔ ان کا لشکر آگیا۔ ہوشیار“

یہ سنتے ہی سب بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعوں اور آبادیوں میں پناہ لے لی۔ حضرت محمدؐ جانتے تھے کہ اس مرتبہ کسی شاندار فتح یا دشمن کو محصور کر کے کھانا مار دینے کا امکان نہ تھا اور یہی کہ آپؐ کی یہ لڑائی منتخب اور چھوٹے ہوئے یودیوں سے تھی اور ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے آپؐ کو فوج کو لڑانے کی تمام صلاحیتیں اور اپنی سپاہ کی تمام تر بہادری بروئے کار لانا ہوگی۔ آپؐ نے اپنی مہم کا آغاز چھوٹے قلعوں کو ایک ایک کر کے سر کرنے سے کیا۔ جب ان چھوٹے قلعوں اور گڑھیوں سے فارغ ہو گئے تو خیر کے سب سے بڑے قلعہ القاموص پر چڑھائی کی۔ یہ ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا جس کی حوصلہ شکن فصیلیں کھڑی چٹانوں کو تراش کر بنائی گئی تھیں۔ تمام راستوں اور دروازوں کو بہت مستحکم طریقہ پر مورچہ بند کر دیا گیا تھا اور قلعہ کے اندر ایک پوری طرح مسلح فوج رسد اور خوراک کے بھرپور ذخیروں کے ساتھ موجود تھی۔ حملہ کرنے سے پہلے حضرت محمدؐ نے سارے لشکر کو اپنے سامنے جمع کیا اور یہ دعا مانگی۔

”اے اللہ۔ اے ساتوں آسمانوں کے مالک اور جو کچھ چیزیں ان میں

ہیں اور اے ساتوں زمینوں کے مالک اور جو کچھ ان میں ہے اور اے بری ارجح پر قدرت رکھنے والے اور ان کے بھی جن کو وہ بہکاتی ہیں۔ اے ہواؤں کے مالک اور جن کو وہ بکھیرتی اور اڑاتی ہیں، ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ اس شہر کو اور اس کی زمینوں کی تمام قیمتی چیزیں اور کوہمارے قبضہ میں دے دے۔ ہم ان لوگوں کے خلاف اور ان تمام مشکلات کے دور کرنے کے

لئے طبقات ابن سعد۔ جزو ثانی۔ ابن سعد نے یہ روایت حضرت انسؓ سے کی ہے۔

لئے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر قبضہ ہوا۔ اس کے بعد صعیب بن معاذ کا قلعہ ہاتھ آیا۔ جس میں رسد اور خوراک کا ذخیرہ تھا۔ اور اس طرح اسلامی سپاہ کی رسد کی شدید قلت دور ہو گئی۔

لئے جو ہمیں گھیرے ہوئے ہیں تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

تمام پیدل اور سوار دستوں سے آئین آئین کی صدا بلند ہوئی۔

ایک لمحہ اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کے بعد ہر شخص لڑائی کے کمٹن کام میں مصروف ہوا۔
حضرت محمدؐ نے اس وقت محسوس کیا کہ جس مہم کو سر کرنے کا بیڑا آپؐ نے اٹھایا تھا وہ آپؐ
توقع سے کہیں زیادہ مشکل تھی اور آپؐ کی سپاہ کے لئے رسد کی قلت نے صورت حال کو
زیادہ سنگین بنا دیا تھا۔

عرب کبھی زیادہ خوراک ساتھ لے کر نہیں چلتے۔ وہ اس کے لئے زیادہ تر دو ستر
کی مہمان نوازی یا دشمن سے لوٹ مار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس عرصہ میں کہ بیرونی قلعے مسخر
یہودیوں کو اپنی کھیتیاں جلانے اور مال مویشی شہر کے اندر ہانک لانے کا موقع مل گیا۔
دوسرے یہ کہ یہ خانہ بدوش لوگ جو صحراؤں میں گھوڑے دوڑانے کے عادی تھے محاصرہ
کی لڑائی سے ناواقف تھے اور مدینہ میں خندق کے دفاع نے ان کو قلعوں پر حملہ کرنے
کوئی سبق نہیں سکھایا تھا۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمدؐ کو وحی یا الہام کے ذریعہ
جنگ کے ان نئے طریقوں کا علم ہو گیا تھا، جن کے متعلق بادی النظر میں آپؐ بھی اتنے ہی
اور نا تجربہ کار تھے جتنے آپؐ کے لوگ چنانچہ آپؐ نے محاصرہ کی کچھ کلیں وہاں موقع پر ہی بنوائیں
ان میں سب سے زیادہ موثر کھجوروں کے تنوں سے بنائی ہوئی منجھنٹیں تھیں جن سے پتھر
برسا کر آخر کار فصیل میں ایک چھوٹا شکاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس شکاف پر حضرت ابو بکرؓ نے ایک دستے کے ساتھ بڑی بہادری سے حملہ کیا لیکن
انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کوشش کی کہ وہ شکاف تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں
لیکن انہیں بھی اپنے بہت سے جوان ضائع کر کے واپس آنا پڑا۔ آخر کار حضرت علیؓ کی سپاہ
لے کر فصیل پر حملہ آور ہوئے۔

اے علامہ شبلیؒ نے "سیرۃ النبی" میں ابن ہشام کے حوالے سے یہ مختصر دعا نقل کی ہے: اِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هَذَا الْقَرْيَةِ وَ
خَيْرِ اَهْلِهَا وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا

اے رسد کی قلت کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے فقہ ناظم یا صاحب بن معاذ کے قلعہ کے فتح ہو جانے سے یہ قلت دور ہو گئی۔

آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے حملہ کے لئے بڑھے۔

■ میں علی شیر بہر ہوں۔ ایسا شیر جو جنگل میں ڈکارتا ہے اور میں اپنے

دشمنوں کے لئے مہیب دیو ہوں۔

علیؑ کوئی دیونہ تھے لیکن آپ کے قد کی کمی ایک چوڑے چکے سینے اور بے انتہا طاقت نے پوری کر دی تھی۔ آج آپ ایک سرخ قبا پہنے اور سینے اور کمر پر چمکتا چار آئینہ لگائے بڑے عظمت نظر آ رہے تھے۔ آپ کے سر پر ایک نوکدار چاندی سے مڑھا ہوا خود چمک رہا تھا۔ اور آپ اپنے دائیں ہاتھ میں حضرت محمدؐ کی ذاتی تلوار ذوالفقار لئے لہرا رہے تھے جو آپ کو سیاہ علم کے ساتھ ہی دی گئی تھی۔

یہودیوں کے نامور جنگجو بار بار حضرت علیؑ پر یلغار کر رہے تھے اور ہر بار وہ اپنا سر یا کوئی عضو قلم کر کے لڑکھڑاتے پیچھے ہٹتے تھے۔ آخر کار یہودیوں کا نامی گرامی سپہ سالار اور نبرد آزما مرحب، جو قد میں تمام جنگ آزمائہ لوگوں سے نکلتا ہوا تھا، خنم ٹھونک کر حضرت علیؑ کے سامنے

لے یہ علم 'علم نبوی' تھا اور حضرت عائشہؓ کی سیاہ چادر سے تیار کیا گیا تھا۔ (سیرۃ ابنی جہاود)

لے مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا تھا۔

خیر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں

قد غلمت خیرانی مرحب

دیر نبرد آزما اور سلاح پوش ہوں

شاکی السلاح بطل مجرب

حضرت علیؑ مرتضیٰ نے جواباً یہ رجز پڑھا۔

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا ہے

ان الذی سمیتنی امی حیدرہ

میں شیرنستان کی طرح مہیب اور خوفناک ہوں

کلئت غابات کربہ المنظر

(سیرۃ ابنی جہاود)

طبری نے بریدہ کے حوالے سے رجز اس طرح لکھا ہے۔

ان الذی سمیتنی امی حیدرہ

ان الذی سمیتنی امی حیدرہ

کلئت بغابات شدید قسورہ

ترجمہ۔ میں۔ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر شیر رکھا ہے، میں تلوار سے تمہیں اس طرح کاٹ دوں گا

جیسے آگ کا پودا۔ میں نہایت تند خو شیرنستان ہوں۔

آیا۔ وہ دوسری نبرہ بکترینے ہوئے تھا۔ خود کے گرد ایک بہت بڑا عمامہ باندھا ہوا تھا جسے ایک بڑا ہیرا اپنی جگہ قائم رکھے ہوئے تھا۔ کمر کے گرد ایک طلائی پیٹی بندھی ہوئی تھی جس سے دو تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ البتہ وہ انہیں استعمال نہیں کر رہا تھا اور ایک لمبے تین پھلوں والے نیزے سے رسول سے اپنے دائیں اور بائیں لوگوں کو مار رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے لڑائی رک گئی اور اپنے ہتھیاروں پر ٹیک لگا کر مقابلہ دیکھنے لگے۔

گو لیاتھ کی طرح مرحب نے بھی کبھی کسی سے شکست نہیں کھائی تھی۔ اس کا قد وہی ہی اتنا بڑا تھا کہ مقابل اس کے قریب آنے سے پہلے ہی خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ اور اس ترسولی نیزہ اچھے اچھے شمشیرزوں کے چھکے چھڑا دیتا تھا۔

مرحب نے حملہ میں پہل کی اور اپنے ترسولی نیزے سے حضرت علیؑ پر وار کیا۔ ایک لمحہ کے لئے تو حضرت علیؑ، جو اس ہتھیار کی لڑائی سے ناواقف تھے، کچھ کمزور پڑے لیکن پھر سنبھل گئے اور یہودی پرتلوار سے حملہ کیا۔ ایک دو دواؤں میں ہی آپؐ نے اس کا نیزہ ہوا میں اچھا لے دیا اور اس سے پہلے کہ مرحب اپنی کوئی تلوار نکالے حضرت علیؑ کی ذوالفقار نے خود اور عمامہ کاٹ کر اس کا سر اس طرح دو ٹکڑے کر دیا کہ آدھا سر ایک شانے پر اور آدھا دوسرے شانے پر گرے۔

یہ دیکھ کر کہ ان کا نامور جنگجو مارا گیا یہودی شہر میں واپس چلے گئے حضرت محمدؐ نے عام حملے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے یورش کی اور حضرت علیؑ نے حملے کی قیادت کی۔ مقابلے میں آپؐ کی ڈھال ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تو آپؐ نے اس کی بجائے فوراً "غالب" فصیل کے

لے کر لیا تھا یا جالوت۔ فلسطینیوں کا نامور پہلوان جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے مار کر شہرت حاصل کی تھی۔ مرحب کو خیبر کا جالوت قرار دیا ہے۔

۲ لے ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے مارا تھا۔ لیکن صحیح مسلم اور حاکم میں حضرت علی مرتضیٰ کو ہی مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے۔ اور یہی صحیح ترین روایت ہے۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

دروازے کا ایک کواڑ مع چولوں کے اکھاڑ لیا۔ اور اسے ڈھال کے طور پر آگے لئے بڑھے لیکن اب آپ کو اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جو نبی مسلمانوں نے اس شگاف میں سے ایک سیل رٹاں کی طرح اندر یلغار کی۔ شہر کے لوگ گھروں میں گھس گئے۔ جنہوں نے ہتھیار نہ ڈالے وہ مارے گئے۔ پھر شہر کو لوٹا گیا۔ جب مسلمانوں کو وہاں کوئی خزانہ نہ ملا، جس کی وہاں ہونے کی توقع تھی، تو انہوں نے خیبر کے سردار کواذیتیں دے کر مار ڈالا۔ اور سردار کی جوان بیوی صفیہؓ کے علاوہ سارے یہودی شہر بدر کر دیئے گئے۔

حضرت صفیہؓ بنی قریظہ کے اس یہودی حاکم کی لڑکی تھیں، جو غزوہ خندق کے بعد مدینہ میں

لے طبری نے ابورافع ہونی رسول اللہ سے روایت کی ہے کہ لڑائی کے دوران ایک یہودی نے حضرت علیؓ پر تلوار مار دی جس سے ان کی ڈھال گر پڑی تو آپؐ نے قلعہ کے پاس سے ایک دروازہ اٹھالیا اور اس سے ڈھال کا کام لینے لگے وہ اسے اوپر اٹھائے برابر رٹتے رہے۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ کواڑ پتھر کا ہونے کے سبب بہت ذہنی تھا۔ ابورافع یہ بھی کہتے ہیں کہ بعد میں ہم آٹھ آدمیوں نے مل کر اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکے۔ صاحب حیات محمدؐ نے لکھا ہے کہ یہ دروازہ مضبوط اور بڑا تھا کہ اسے بعض جگہ آپؐ نے پل کے طور پر استعمال کیا اور مسلمان اس پر سے گزر کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ علامہ شبلی نے علامہ ذہبی کے حوالے سے اس روایت کو مبالغہ آمیز قرار دیا ہے۔

لے خیبر کے یہودیوں کے اس سردار کا نام کانانہ بن ربیع تھا جو حضرت صفیہؓ کا شوہر بھی تھا۔ یہ روایت غلط ہے کہ چھ خزانہ کا پتہ نہ بتانے کے سبب اسے اذیتیں دے کر قتل کر دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے محمدؐ بن مسلمہ کو جنہوں نے قلعہ ناظم پر یلغار کی تھی، قلعہ پر سے ایک ذہنی پتھر گرا کر شہید کر دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن مسلمہ نے اسے قصاص کے طور پر قتل کر دیا۔ رسیرۃ النبی جلد اول

لے حضرت صفیہؓ محیٰ اخطب بنی نضیر کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں جنہ مدینہ میں بنی قریظہ کی لڑائی میں خیبر سے آکر ان کا ساتھ دیا اور ان کے ساتھ ہی جنگ خندق کے بعد قتل کر دیا گیا تھا۔ خیبر میں آکر حضرت صفیہؓ کی وہاں کے سردار کانانہ بن ربیع سے شادی ہو گئی مکنانہ بھی جنگ خیبر میں قتل ہو گیا اور حضرت صفیہؓ مع دوسری یہودی عورتوں کے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی گئیں۔ اس سلسلہ میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ پہلے آپؐ نے انہیں وحیہ کلبی کو دے دیا تھا پھر خود لے لیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے کہا کہ صفیہؓ ایک بہت معززہ سردار کی بیٹی و بیوی

بنو قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ وہ ایک بیحد خوبصورت موقع شناس اور زیرک خاتون تھیں۔ جو نہی وہ قید کر کے حضرت محمدؐ کے سامنے لائی گئیں۔ انہوں نے اپنی اطاعت اور وفاء کا یقین دلایا آپؐ ان کی خوبصورتی سے بھی متاثر ہوئے اور ان پر اپنی عبا ڈال دی جو اس بات کی نشانی تھی کہ اسے آپؐ نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور جب تھوڑی دیر بعد آپؐ نے انہیں شہر سے علیحدہ کر لیا تو لوگ سمجھ گئے کہ حرم میں ایک اور یہودی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ شادی کی خوشیاں بھی خیر کی فتح کے جشن کی ضیافت میں شامل کر دی گئیں۔ یہودیوں نے کھانے پینے کی بہت سی اچھی اشیاء کا محاصرے کے سبب شہر میں ذخیرہ کیا تھا۔ وہ تمام کی تمام مسلمان سپاہیوں کو پیٹ بکھانے کو ملیں کیونکہ کچھ دنوں سے وہ نصف خوراک پر گزارہ کر رہے تھے۔

ضیافت ختم ہونے پر حضرت محمدؐ نے اپنا اونٹ حضرت صفیہؓ کے خیمے کے سامنے بٹھایا اور اپنا زانو جھکا کر انہیں خود سوار کرایا۔ پھر آپؐ انہیں اپنے خیمہ میں لے گئے۔

حضرت صفیہؓ کے حرم میں داخل ہونے پر ایک مرتبہ پھر ایک طوفان اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔ لیکن حضرت صفیہؓ جتنی حسین تھیں اتنی ہی زیرک اور سمجھ دار بھی تھیں۔ اس لئے حالات پر بڑی ہوشیاری اور عزم سے قابو پا لیا۔ انہوں نے بہت جلد حرم کی اندرونی سیاست کا اچھا طرح جائزہ لے لیا اور حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے ساتھ شامل ہو گئیں گو آپؐ مسلمان ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود حرم میں اپنی جگہ بنانا اتنا آسان نہ تھا اور آپؐ کو اپنی اصل نسل کے متعلق بہت سے طعنے تشنّے سننے پڑے۔ بہر حال جب آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے ایک بہنوئی سے یہی چھتے ہوئے طعنے کا یہ جواب دیا۔ "میں کس بات میں تم سے کم ہوں جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے بھائی حضرت موسیٰؑ میرے چچا اور حضرت محمدؐ میرے شوہر ہیں" تو حضرت عائشہؓ سے جواب نہ بن پڑا اور پھر کبھی کچھ نہ کہا۔ بعد میں حضرت صفیہؓ نے مدینے کی اور اسلامی سیاست

ہے وہ آپؐ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ پھر بھی آپؐ نے ان کو پیشکش کی کہ اگر چاہیں تو آزاد ہو کر اپنے لوگوں میں چلی جائیں لیکن حضرت صفیہؓ نے آپؐ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی اور آپؐ کے نکاح میں آ گئیں اور بڑی وفادار یہودی ثابت ہوئیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے چالیس سال بعد تک زندہ رہیں اور اسلام کی خدمت میں عملی حصہ لیا۔ (سیرۃ النبیؐ)

کافی اہم کردار ادا کیا۔ آپ حضرت محمدؐ کے بعد چالیس سال تک زندہ ہیں۔
 بہ حال جس وقت آپؐ خیمہ کے باہر اپنے لشکر میں فتح و فتادی کا جشن منا رہے تھے ایک ناگہانی
 فتنہ آئے آئے ملی ہو کر اسلام ختم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

نوسویں نیزہ بردار مرحب جسے حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا، کی ایک بہن تھی جس کا نام
 زینب تھا۔ وہ مسلمانوں کو برا سمجھتی تھی اور حضرت محمدؐ سے بیحد متنفر تھی۔ چنانچہ اس نے مدینہ
 کے فوجی افسران بالا کے لئے ایک سالم بکر اچھونا اور پیش کرنے سے پہلے اسے خوب زہر پاش
 کیا۔ حضرت محمدؐ مسلم بکر پسند کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے بڑی رغبت سے طشت میں ہاتھ
 ڈالا لیکن جونہی پہلا لقمہ منہ میں رکھا آپؐ نے ایک پیچ ماری اور یہ کہتے ہوئے فوراً لقمہ
 فوک دیا کہ اس میں زہر ہے۔

ابھی تک صرف ایک سالار نے کھانا شروع کیا تھا اور وہ گوشت کے کئی ٹکڑے حلق
 سے اتار چکے تھے چند لمحوں میں وہ فرش پر تڑپ رہے تھے اور ایک گھنٹے بعد وہ جان بحق
 ہو گئے۔ حضرت محمدؐ کو بھی بہت تکلیف ہوئی اور اس تکلیف نے آپؐ کو کافی عرصہ تک
 پریشان رکھا لیکن آپؐ معذور یا بیکار نہ ہوئے۔

جب زینب کو آپؐ کے سامنے لایا گیا تو آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے ایسا
 کیوں کیا۔ اس نے جو جواب دیا وہ اگر مبنی پر خلوص نہ تھا تاہم بھی اس کی حاضر و ماضی پر دلالت کرتا
 ہے۔ اس نے کہا۔

”آپؐ نے میری قوم پر بہت ظلم توڑے ہیں۔ آپؐ نے میرے باپ اور
 چچا اور میرے بھائی اور خاوند کو قتل کیا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے دل میں
 یہ طے کر لیا تھا کہ اگر آپؐ واقعی نبی ہوئے تو آپؐ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس

لئے یہ زینب سردار یہود حارث کی بیٹی اور رئیس خیبر سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ تاریخ طبری،

سیرۃ النبی میں مرحب کی بہن کی بجائے اسے اس کی بھاد بتایا ہے۔

لئے یہ سردار بشر بن برار المعروف تھے۔

میں نہ رہے اور آپ نہیں کھائیں گے۔ لیکن اگر آپ بناوٹی ٹہنی ہوئے تو آپ مر جائیں گے اور یہ ساری دنیا کے لئے اچھا ہوگا۔“

بعض سمجھوروں کا کہنا ہے کہ زینب کو قتل کر دیا لیکن کچھ کہتے ہیں کہ آپ اس کے جو سے خوش ہوئے اور اسے چھوڑ دیا۔

خیبر کے یہودیوں کے ہاتھ سے نکل جانے اور بے شمار مال غنیمت، جن میں جانور، زینہ، قالین اور اسلحہ شامل تھا، حاصل کر لینے کے بعد اب حضرت محمدؐ کے پاس وہاں پر اس کے سوا کوئی کام نہیں رہ گیا تھا کہ مدینہ واپس آجائیں۔ یہودیوں کی زرخیز زمینیں تقسیم کر دی گئیں۔ میں سے نصف کو خالصہ قرار دے دیا گیا جس کا انتظام خود حضرت محمدؐ کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ باقی نصف کو ان لشکریوں میں تقسیم کر دیا گیا جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ سرکاری خزانہ بیت المال، طلائی سکوں سے لیا ب بھر گیا تھا۔ اور یہ ہی حال ذاتی دولت کا تھا چنانچہ جو آپؐ آہستہ آہستہ مدینہ کی طرف واپس آ رہے تھے تو آپؐ نے اپنی کامیابیوں کا جائزہ لیا۔ طرح سے آپؐ فائدے میں ہی تھے۔ اگر یہود کا دیا ہوا یہ زہر آپؐ کی عمر کم نہ کر دیتا تو غالباً آپؐ بیشتر دلی خواہشیں آپؐ کی زندگی میں ہی پوری ہو جاتیں۔

جب اہل نذک نے جو خیبر کے قریب ہی یہودیوں کی ایک اور بستی تھی، اہل خیبر کا یہ حبشہ دیکھا تو از خود اطاعت قبول کر لی اور ان ہی شرائط پر ان کی اراضی ان کے پاس رہنے دی گئی۔ چونکہ نذک، بغیر کسی جنگ کے ملا تھا۔ اس لئے نذک کے اموال رسول اللہؐ کا خالصہ قرار دے دیے گئے۔ نصف بیت المال اور دیگر ملکی اخراجات کے لئے اور نصف مجاہدین کو دے دی گئی۔ سوا

اے صحیح واقعہ یہ ہے کہ زینب کا جواب سن کر پیچہ آپؐ نے درگزر کی لیکن جب بشر بن ہراؤ اسی زہر سے انتقال کر گئے تو اسے قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

۳۔ سیرۃ النبی کے مطابق فتح کے بعد خیبر کی زمین دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی۔ نصف بیت المال اور دیگر اخراجات کے لئے اور نصف مجاہدین کو دیدی گئی۔ لیکن یہود نے درخواست کی کہ اراضی ان ہی کے قبضہ رہے دی جائے وہ پیداوار کا نصف ادا کریں گے۔ چنانچہ زمین یہودیوں کے پاس ہی رہنے دی گئی اور ان سے پیداوار کا نصف وصول کیا جاتا رہا۔ ایسی ہی شرائط پر نذک کے یہودیوں نے اطاعت قبول کر لی۔

دو حصے ہوتے تھے۔ اس میں رسول اللہ کا خمس بھی تھا۔

جب آپ مدینہ کے قریب پہنچے اور ہوا میں جھومنے والے کھجور کے درخت نظر آنے لگے تو آپ کو ایک اور غیر متوقع خوشی ہوئی۔ آپ کی غیر حاضری میں آپ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب مع آپ کی زوجہ ام حبیبہؓ اور دیگر مہاجرین حبشہ سے مدینہ پہنچ گئے تھے۔ جو نہی مسلمانوں کا لشکر دکھائی دیا تو وہ ملنے کے لئے تیزی سے دوڑے اور ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

آخری مرتبہ جب حضرت محمدؐ ان لوگوں سے ملے تھے تو یہ ملاقات مکہ کی تاریک گلیوں میں ہوئی تھی کیونکہ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں ہجرت کر رہے تھے اور وہ وقت ایسا تھا کہ زور سے الوداع کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا۔ کسی کو یہ امید نہ تھی کہ وہ کبھی پھر بھی ملیں گے۔ اب وقت کتابدل گیا تھا۔ ایک دوسرے کو بہت بھینچ بھینچ کر اور قہقہے لگا لگا کر خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ حضرت ام حبیبہؓ آپ کا حرم میں انتظار کر رہی تھیں۔ وہ حضرت ماریہؓ اور صفیہؓ کی طرح نہ تو بہت جوان تھیں اور نہ ہی اتنی خوبصورت، چنانچہ ان کی طرف سے دوسری ازواج کو فی الفور کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہر ایک کو معلوم تھا کہ ان میں حضرت محمدؐ کی دلچسپی جنسی سے زیادہ سیاسی تھی۔ بہر حال حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے لئے دانستہ طور پر حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینبؓ، اور حضرت فاطمہؓ کا ساتھ دینا زیادہ مناسب جانتا۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد جو سیاسی فتنے اٹھے۔ ان میں حضرت ام حبیبہؓ حضرت عائشہؓ کی سخت اور بعض اوقات خطرناک حریف ثابت ہوئیں۔ بہر حال اس وقت حرم میں بھی فوج کا سا ضبط اور مسجد کا سا سکون تھا یہ جان کر کہ ام حبیبہؓ اور حضرت صفیہؓ نے اپنے لئے حرم میں جگہ پیدا کر لی۔ آپ کو نہر کی تکلیف کے باوجود کافی سکون محسوس ہوا۔ اب آپ کو صرف اس عظیم دن کا انتظار تھا کہ آپ اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے وطن مکہ معظمہ واپس جائیں۔

ایمانے معاہدہ رعرہ قضا جنگ موتہ

۶۲۹ مطابق ۸-۷ ہجری

کامیابیوں نے حضرت محمدؐ کو مغرور نہیں کیا البتہ آپؐ کی خود اعتمادی میں ضرور اضافہ تھا۔ اس تمام عرصہ میں آپؐ مسلسل مکہ واپس جانے کے متعلق سوچتے رہے کبھی کبھی آپؐ نے اپنی تصویر ایک فاتح بیرو کی سی دیکھتے، جو کامیابیوں کا سرا سر پر باندھے مکہ والوں پر یہ ثابت کر کے لئے آ رہا ہو کہ وہ لوگ غلطی پر تھے اور آپؐ ہی حق پر تھے۔ آپؐ کو یقین تھا کہ ایک روز آپؐ کا خواب ضرور پورا ہوگا لیکن ہجرت کے بعد ساتویں سال اور ۶۲۹ء تک ایسا نہ ہو سکا۔

۶۲۸ء کا موسم سرما حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ کی سرکردگی میں کئی چھوٹی مہموں سے گزرا۔ نئے سال کے شروع میں آپؐ نے اعلان کیا کہ آپؐ معاہدہ حدیبیہ میں دیئے ہوئے حق کے مطابق عمرے کی ادائیگی کے لئے مکہ جائیں گے۔

چنانچہ فروری ۶۲۹ء میں حج کا سفید لباس پہنے مسلمانوں کا ایک مرتبہ پھر مدینہ کے بارے اجتماع ہوا۔ پچھلے سال کے اجتماع میں شریک ہونے والوں میں سے وہ تمام لوگ جو غیبر کی جنگ میں زندہ بچ رہے تھے موجود تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے نئے لوگ بھی شہدا اور زخمیوں کی خانہ جگہ پر کرنے اور تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے شامل ہو گئے تھے جب حضرت علیؓ نے گنتی کی تو دو ہزار سے زائد عرب موجود تھے جن کا واحد مقصد مقدس شہر میں عبادت کرنا تھا۔ ان میں سے ہر شخص

۱۔ یہ ذی قعدہ کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن سعد جزو ثانی)

کے پاس سواری کے لئے ایک اونٹ تھا اور اجتماع کے بازو میں قربانی کے اونٹ گردنوں میں قلاوڑا لے کھڑے تھے۔

معادے کے مطابق ان زائرین کے پاس نیام کی ہوئی تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ ابوسفیان نے یہ سارا کھیل دھوکا دینے کے لئے نہ کھیلا ہوا احتیاطی تدابیر بھی کی گئی تھیں محمد ابن مسلمہ کی سرکردگی میں جواب تک کی تمام اسلامی جنگوں میں لڑ چکے تھے، ایک سو سواروں کا رسالہ مرکزی دستے کے آگے آگے حالات کا جائزہ لیتا چل رہا تھا اور اسی طرح عقب میں تیروں، کمائوں اور زریہوں کا ایک بڑا ذخیرہ ساتھ ساتھ تھا۔

غالباً اس مرتبہ ابوسفیان اپنے وعدے پر قائم رہنا چاہتا تھا چنانچہ جو نہی اعلان ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر دکھائی دینے لگا ہے اس نے مکہ خالی کر دیا۔ قالینوں چٹائیوں اور کھانے پینے کے ساز و سامان کے ساتھ اہل مکہ پہاڑیوں کی اونچی بلندیوں پر چڑھ گئے جو مقدس شہر کو گھیرے ہوئے تھیں اور وہاں اپنے غیمے لگائے۔ ابتر جو لوگ حضرت محمدؐ سے شدید مخالفت رکھتے تھے وہ شہر سے کافی دور چلے گئے تاکہ مقدس مقامات کی بے حرمتی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں لیکن شہر کے دوسرے بیشتر لوگ اونچی چٹانوں پر بیٹھ کر دیکھنے لگے کہ مسلمان کیا کرتے ہیں۔

آہستہ آہستہ مسلمانوں کے دستے شمال کی طرف کی گھائی سے مکہ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ سب سے آگے آپؐ کی اونٹنی القصور آہستہ آہستہ چل رہی تھی حضرت محمدؐ نے جو اس راستے سے شام کے کاروانوں کے ساتھ اکثر گزرے تھے۔ دائیں بائیں کسی طرف نظر نہ کی آپؐ کے ارد گرد آپؐ کے اصحاب کیا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور زیدؓ اور ان سے ذرا پیچھے بلالؓ

ان مکہ کے قریب پہنچے تو قریش کی جانب سے اسلحہ لانے پر اعتراض ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسلحہ تو حفظاً مقدم کے طور پر لے آئے ہیں جو مکہ کے باہر ہی رہے گا اور یہ کہ آپؐ معادے کے مطابق صرف نیام شدہ تلواروں کے ساتھ ہی شہر میں داخل ہوں گے چنانچہ تمام اسلحہ ایک دستے کی نگرانی میں بطن باجج مکہ سے آٹھ میل ادھر سی چھوڑ دیا (طبری سیرۃ النبی) مکہ سیرۃ النبی وحوالہ کے مطابق صرف روسائے مکہ نے ایسا کیا۔ غالباً بیشتر لوگ وہاں ہی رہے لیکن کعبہ کے گرد پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور چٹانوں پر بیٹھ کر تماشا دیکھتے رہے۔

تھے۔ ان کے پیچھے گھائی میں سے باقی زائرین اپنے اونٹوں پر سوار آتے دکھائی دے رہے تھے جو نہ کعبہ پر نظر پڑی ایک آواز بلند ہوئی۔

لَبَّيْكَ۔ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ۔ ہم حاضر ہیں۔

سواروں کا یہ اجتماع بیت اللہ کے احاطے کے باہر ٹھہر گیا اور جب سب پہنچ گئے تو ایک جلوس ترتیب دیا گیا جو خراماں خراماں حرم میں داخل ہوا۔ حضرت محمدؐ سب سے پہلے سوار پر ہی کعبہ کے کونے کی طرف تشریف لے گئے اور اپنے عصا سے حجر اسود کو چھوا۔ اس کے بعد آپؐ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کیا۔ یہ ایک ایسی رسم تھی صرف مکہ سے ہی مخصوص نہ تھی بلکہ بڑے قدیم زمانے سے مختلف مذاہب میں مروج تھی۔ اس پر مقدس آگ۔ یا جیر کیم کی دیوار کے گرد چکر کاٹنے کی اصل بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اس رسم کے آغاز کا

لے یہ اس تلبیہ کے شروع کے الفاظ ہیں جو حاجی صاحبان یا عمرہ کرنے والے میقات سے حرم شریف کی طرف آتے ہوئے زور زور سے پڑھتے ہیں۔ پوری تلبیہ یہ ہے۔ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَاسْتَرْيِكَ لَكَ

لے مے پول MAYPOLE مغرب کے سردماںک میں مٹی کے مینے میں بہا راتی ہے۔ درختوں میں کونپلیں پھرتے ہیں اور پھول کھلنا شروع ہوتے ہیں۔ اناج کی بالیں سر نکالتی ہیں تو لوگ خوشی میں ایک بتی یا بانس کے گرد لکڑی کرتے ہیں۔ اسے مے پول کہتے ہیں۔ سنہی ہی لوگ حمد کے گیت گاتے ہیں۔ رچمیر زانسا ٹیکلو پیڈیا

لے مقدس آگ SCARED FIRE۔ اس خیال کے تحت کہ آگ اور سورج کی گرمی سے اس دنیا میں زندگی قائم ہے آگ کو ازمنہ قدیم سے ہی مقدس مانا جاتا رہا ہے۔ زرتشتی مذہب میں تو اس کی پرستش ہوتی ہے اور کبھی کبھی

نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح ہندو مذہب میں بھی آگ کو دیوتا مانا جاتا ہے۔ انگلستان اور سکاٹ لینڈ میں بھی آگ کا تقدس مذہبی اور موسمی تیوہاروں کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یکم مئی MAYPOLE اور ۳ اکتوبر ALL

HALLOWS EVE کو آگ کے الاؤ جلائے جاتے ہیں۔ لوگ ان کے گرد رقص کرتے ہیں اس کے اوپر سے

پھلانگتے ہیں۔ عقیدہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے ان کے پھیلے گناہ بھڑتے ہیں اور آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کو تزکیہ نفس کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ رچمیر زانسا ٹیکلو پیڈیا۔ جلد ۵

سلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام سے پہلے بھی رائج تھی۔ زائرین چلتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

”اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ ہی ہے جس نے اپنے بندے کو سچا ثابت کیا اور ایمان لانے والوں کو عزت دی اور وہ ہی ہے جس نے دشمن کی فوجوں کو تنہا مار بھگایا۔“

اس سے فارغ ہو کر حضرت محمد صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر گئے اور یہاں بھی سوا دی پر ہی ایک سے دوسری کی طرف سات مرتبہ سعی کی۔ حج اور عمرے کا یہ رکن حضرت ہاجرہ کے اس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جب وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان اپنے بچے حضرت اسماعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں اضطراب کی حالت میں دوڑی تھیں۔

اس کے بعد قربانی کے اونٹ ایک قطار میں کھڑے کئے گئے اور ان کی قربانی ہوئی اور اس سے فراغت کے بعد تمام زائرین نے اپنے سروں کے بال اتروائے۔

زائرین کا بڑا حصہ اب عمرے کے تمام مناسک ادا کر چکا تھا لیکن ابھی کچھ لوگ باقی تھے جو نگہبانی کر رہے تھے مبادا اہل قریش کوئی دھوکا کر جائیں۔ چنانچہ حضرت محمدؐ نے دوسروں

کے دیوار ہائے حیریکو۔ بیت المقدس کے قریب وادی اردن کا ایک قدیم شہر جو تین ہزار قبل مسیح سے کئی دہائیوں سے آباد رہا۔ موجودہ قریہ الریجا کہلاتا ہے۔ قدیم حیریکو کے آثار اب صرف ایک بڑے ٹیلے یا ٹیکری کی صورت میں موجود ہیں جسے ظل السلطان کہتے ہیں۔ کھدائی سے قدیم شہر اور دیواروں کے کچھ آثار بھی نکلے ہیں۔ اب ٹیلے کے ایک طرف ایک برگزیدہ ہستی الیشا کی کرامات سے نکلا ہوا ایک بہت بڑا چشمہ موجود ہے جس کے پانی سے وہ بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا مرکز بھی رہا ہے اور اب بھی لوگ عقیدتاً چھٹے پر جاتے ہیں اور دیوار کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ (جیمس انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۸)

۱۔ اصل میں یہ الفاظ آنحضرتؐ کے فتح مکہ کے خطبہ کے شروع کے الفاظ ہیں جو اس طرح ہیں ”لا الہ الا اللہ وعدہ لا شریک لہ۔ صدق وعدہ ونصر عبدة وحزم الاحزاب وعدہ“۔ (سیرۃ النبی جلد اول)

۲۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے نگہبانی کے لئے ایک سولج سواروں کا دستہ محمدؐ بن مسلم کی سرکردگی میں تھا اور بشیر بن سعد دوسو سواروں کے ساتھ اسلحہ کی حفاظت پر تھے جو مکہ سے باہر کچھ فاصلے پر تھا۔

کوان کی جگہ بھیج کر انہیں فارغ کر دیا اور انہوں نے بھی دوسروں کی طرح عمرے کے ارکان ادا کئے۔ رات کو تمام زائرین نے مکہ میں ہی پڑاؤ کیا۔ انہوں نے زیادہ باتیں نہ کیں اور ایک دوسرے کے قریب ہی رہے لیکن طویل مدت کے بعد وطن واپس آنے پر جو توقعات تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہ آتی تھیں

مشرقی شہروں کی رونق زیادہ تر وہاں پر آباد لوگوں کے دم سے ہوتی ہے۔ بازار کھلی پھتوں پر بیٹھ کر ادھر ادھر کی گپ شپ۔ قہوہ خانے۔ موسیقی۔ مردوں۔ عورتوں۔ گدھوں اور اونٹوں کی آمد و رفت ایک مشرقی شہر کے لئے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ نسبت اس کے کہ کوئی امریکن یا انگریز اپنی بستیوں میں روز کے معمول کا کوئی چکر لگائے۔ دونوں میں بڑا فرق یہ ہے کہ ایک مغربی ملک کا باشندہ اگر کسی شہر کے بڑے اور اہم بازار سونے دیکھے، چائے خانوں میں چائے پینے والے موجود نہ ہوں اور مکانوں کی کھڑکیوں سے کسی کو جھانکنا نہ دیکھے تو اسے کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔ لیکن ایک مشرق کے رہنے والے کی نظر میں ایسی بے رونقی اور اداسی کسی مہلک ویبیا قومی تباہی کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔

پھر اس سنان اور ڈراؤنے ماحول اور مکمل خاموشی کے علاوہ کچھ ذاتی جذبات بھی تھے۔ ان میں سے بہت سے عرب سات سال کے بعد گھر آئے تھے۔ مذہبی اختلاف کے سبب عزیزوں اور دوستوں سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ ان سے لڑ کر چلے گئے تھے لیکن پھر بھی ان کو توقع تھی کہ عمرہ ان لوگوں سے ضرور کچھ نہ کچھ مصالحت کر دے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ ابوسفیان نے اس بات کو خاص خیال رکھا تھا۔ اس نے اپنے لوگوں کو مسلمانوں کا راستہ روکنے اور ان سے لڑنے کے لئے نہیں کہا بلکہ مکہ خالی کر دینے کے سبب ان کو جنگ سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ زائرین مکہ میں اپنے گھروں میں بھی نہ جاسکے۔ ہر دروازے اور کھڑکی میں تالیا کنڈی لگادی گئی تھی۔ صرف چند عورتیں اور بوڑھے مرد پیچھے رہ گئے تھے لیکن وہ باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکے۔ چنانچہ زائرین کعبہ

لے حقیقت یہ ہے کہ صرف ردسا کہ نے شہر خالی کیا تھا۔ بیشتر آبادی مکہ میں ہی رہی۔ لیکن مکان چھوڑ کر ہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے۔

کر رہا تھا۔

زائرین کا حوصلہ بڑھا۔ دل سے خوف جاتا رہا اور مسلمانوں میں، جو رات بھر اس اور غلگین بیٹھے رہے تھے، بجلی کی سی ایک رودور گئی۔ وہ خوشی خوشی آگے بڑھے اور کعبہ کے گرد جمع ہو گئے اور جب دو ہزار کے دو ہزار صفوں میں کھڑے ہو گئے تو حضرت محمدؐ نے نماز پڑھائی اور ہزاروں آوازوں نے ایک ساتھ وہ الفاظ بڑے لحن سے ادا کئے جو ان کے پیشوا نے اسلام کے ابتدائی ایام سے ہی انہیں سکھائے تھے۔ بڑے وقوف سے انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور گرائے اور رکوع اور سجود کئے۔ یہاں تک کہ نماز ختم ہو گئی۔ چند منٹ وہ خاموشی سے بیٹھے اللہ سے لو لگا رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اٹھے اور منتشر ہو گئے۔ ان کے دل مسرت سے لبریز تھے۔ گزشتہ شام کی مایوسی اور ادا سی یہ جان کر غائب ہو چکی تھی کہ گھر، دوست اور رشتہ دار ایک سچے دین کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

گو کچھ کمی کے ساتھ لیکن اہل مکہ نے بھی یہ ہی تاثر لیا۔ بہت سوں نے تو کھل کر اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ابوسفیان پریشان ہو کر رہ گیا۔ اسے اسی بات کا تو ڈر تھا چنانچہ وہ بڑی بے چینی سے وقت کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ چوتھی صبح ہوتے ہی اس نے سیل اور حویطب کو جنہوں نے صلح نامے پر دستخط کئے تھے حضرت محمدؐ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اب انہیں چلا جانا چاہیے۔ حضرت محمدؐ نے جو اس وقت بڑا سکون محسوس کر رہے تھے خواہش ظاہر کی کہ اگر وہ کچھ دیر اور ٹھہر سکیں تو اس میں کوئی حرج نہ ہو گا لیکن دونوں نمائندوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ معاہدہ صرف تین روز کے قیام کا تھا۔ وہ مدت ختم ہو گئی اور انہیں اب بلاناخیر چلا جانا چاہیے۔ حضرت محمدؐ اس پر خاموش ہو کر رہ گئے اور مکہ سے کوچ کا حکم دے دیا لیکن آپؐ کو ناگوار ضرور گزرا۔ آپؐ کی خفگی کا سبب یہ تھا کہ آپؐ کو بڑی توقع تھی کہ اہل قریش سے کسی نہ کسی طرح کا سمجھوتہ ضرور ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک ذاتی سبب بھی تھا۔ آپؐ کو ایک آخری شادی

۱۔ یہ بات صحیح نہیں۔ نبی کریمؐ نے کبھی کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ چنانچہ سیرۃ النبی کے بیان کے مطابق مرسائے مکہ کے یہ کہنے پر کہ تین روز کی مدت ختم ہو گئی آنحضرتؐ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

رکرنی تھی۔

آپ کی گیارھویں اور آخری بیوی حضرت میمونہ بنت حارث تھیں۔ وہ آپ کے عجیب و غریب شخصیت کے مالک۔ چچا العباسؓ کی سالی تھیں اور اہل قریش کے ڈی آرٹسٹ یا مشہور عالم فوجی سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کی خالہ بھی تھیں۔ اس وقت وہ چھبیس سال کی تھیں اور بیوہ تھیں۔ شادی کی بات چیت حضرت عباسؓ کی وساطت سے ہوئی جو تاحال مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن اپنی موقع شناس طبیعت اور رشتہ کے سبب حضرت محمدؐ سے پہلے کی طرح ہی تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے۔ حضرت میمونہ بڑی قبول صورت بھی تھیں اور مکہ کے اکابر کی قرابتیں اور تعلقات بھی ساتھ لائے ہی تھیں جن کی حضرت محمدؐ کو بڑی ضرورت تھی۔

حضرت محمدؐ چاہتے تھے کہ اس رشتہ کی تحریک اہل قریش کی طرف سے ہو لیکن غالباً آپؐ نے ان کی افنا و طبع کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔ وہ تو صرف ایک ہی بات چاہتے تھے اور وہ یہ کہ آپؐ مکہ سے چلے جائیں۔ پچانچہ آپؐ مکہ سے دس میل کے فاصلے پر سارف کے مقام پر رک گئے اور یہاں ہی یہ شادی انجام پائی۔

اسے حضرت میمونہ حضرت عباسؓ کی بیوی ام فضل کی بہن تھیں جو ان کی سرپرست بھی تھیں۔ عمرہ قضا کے موقعہ حضرت میمونہؓ مکہ میں اسلام سے متاثر ہوئیں اور مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عباسؓ نے آپؐ کی یہ خواہش رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچادی اور ساتھ ہی یہ تجویز بھی کردی کہ مناسب ہوگا کہ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں۔ آپؐ نے منظور کر لیا اور عقد ہو گیا۔ سارف کے مقام پر وہ آپؐ کے ساتھ ہو گئیں۔ حضرت میمونہؓ حضرت رسول کریمؐ کی وفات کے پچاس سال بعد تک زندہ رہیں اور اپنی وصیت کے مطابق سارف میں ہی دفن ہوئیں۔ جہاں انہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ (حیات محمدؐ)

لکھ ڈی آرٹسٹ ARTAGNON ایک روایتی جنگجو اور بہادر۔ ایکلزیٹر ڈونا ALEXANDRE

DUNAS کے ناول تین بہادر THREE MUSKETEERS کا مرکزی کردار کئی ناول نویسوں نے

بھی اسے اپنے ناول کا کردار بنایا ہے۔

مکہ سے حضرت میمونہ کے ساتھ آنے والوں میں حضرت حمزہؓ کی بیوہ سلمہ اور ان کی ناکتہ لڑکی ہمارہ بھی تھیں جو مکہ میں ہی رہتی تھیں۔ مارہ جوان اور خوبصورت تھیں اور آپ کے کسی افسران کی نگاہیں ان پر پڑیں۔ حضرت علیؓ ان خصوصیت سے انہیں اپنی زوجیت میں لینا چاہتے تھے لیکن آپ نے ان کی شادی ان کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ سے کر دی۔

گو حضرت میمونہ آپ کی دوسری آٹھارواں کی طرح حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد زندہ رہیں لیکن آپ نے تہہ تو اپنے شوہر کی حیات میں کوئی خاص مقام پایا اور نہ اسلام کی ترقی اور اشاعت میں ہی کوئی خاص کردار ادا کیا۔ آپ کی شہرت بس اتنی ہے کہ آپ اپنی خواہش کے مطابق وہیں دفن ہوئیں جہاں آپ کی رسول اللہؐ سے شادی ہوئی تھی۔ آپ کا مزار مبارک آج بھی سارن کے باہر وادی فاطمہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

دو ہزار زائین اس کے بعد مدینہ کے سفر پر روانہ ہو گئے لیکن نماز کے بعد کے روحانی اطمینان کے باوجود وہ لوگ محسوس کر رہے تھے کہ عمرے کی یہ مہم کامیاب نہیں ہوگی اور ان کا خیال تھا کہ حضرت محمدؐ کا رویہ اس مرتبہ بھی قریش کے ساتھ ضرورت کے مطابق سخت نہ تھا لیکن حضرت محمدؐ کا خیال اس کے بالکل برعکس تھا اور ایک مرتبہ پھر آپ ہی کا خیال صحیح نکلا۔۔۔۔۔

یہ موسم گریما کا درمیان تھا اور اہل مدینہ دن کی سخت دھوپ سے بچنے کے لئے علی الصبح ہی کام پر چلے جاتے تھے۔ ایک دن جنوب (مکہ) کی طرف سے دو سوار مع چند خستہ ام کے آئے۔ اول تو وہ یوری طرح مسلح تھے۔ پھر اس بات نے کاشتکاروں کو اور زیادہ پریشان کر دیا کہ وہ قریش کے جنگی لباس اور ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ اور پھر جب ایک کسان نے پہلے سوار کو خالد بن ولید اور دوسرے کو عمرو بن العاص بتایا تو پریشانی اور بڑھ گئی۔ مسلمانوں کے دشمنوں کی آمد سے حضرت محمدؐ کو خبردار کرنے کے لئے فوراً قاصد دوڑائے گئے۔ حضرت محمدؐ نے خبر سنی لیکن کسی خاص تشویش کا اظہار نہ کیا اور جب خالد اور عمرو اور ان کے عملے کے لوگ شہر میں آئے تو آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے آپ کو سلام کیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ ان دونوں کے بعد جلد ہی عثمان بن طلحہ مدینے پہنچے۔

حضرت محمدؐ کے چہرے پر پشیمانی گئی۔ یہ دونوں جنرل جو ہر جنگ اور ہر جھڑپ میں آپ کے

خلاف لڑے تھے اور جن کی جنگی چالوں کے سبب ایک مرتبہ آپ کو شکست بھی ہو گئی تھی آج آپ کی فوج کے افسر تھے اور عثمان بن طلحہ کعبہ کے ایک متولی ہونے کی حیثیت سے اہل مکہ کے مذہبی اور سیاسی گروہوں میں پہلے اہم باغی تھے۔

ان اکابر کے بعد اہل قریش کے دوسرے ان سے چھوٹے مرتبے کے لوگ جلدی جلدی آکر اسلام قبول کرتے رہے۔ حضرت محمدؐ نے ایک مرتبہ پھر محسوس کیا کہ وہ وقت بہت نزدیک آ رہا ہے جب معاہدہ صلح حدیبیہ کا عدم ہو جائے گا۔ اور شاید ابوسفیان یا دو چار کٹر قدامت پسند لوگوں کے سوا ہر شخص آپ پر ایمان لے آئے گا۔

لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ آپ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ ابھی آپ کو چند غیر متوقع ناکامیوں کا سامنا کرنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو آخری وقت تک آزما رہا ہے گا۔

ان قبائل میں سے جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا بعض کے خلاف مہمیں ناکام رہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ جہاں وہ اپنی جگہ صرف پریشان کرنے والی چھوٹی موٹی جھڑپیں تھیں وہاں حضرت محمدؐ کی عام حکمت عملی کی نظر میں بھی کوئی بڑی اہمیت نہ رکھتی تھیں لیکن جب فلسطین میں موتہ کے امیر کے لڑکے نے، جو شہنشاہ ہرقل کے نام پر وہاں حکومت کرتا تھا۔ آپ کے ایک سفیر کو قتل کر دیا تو آپ نے اسے سزا دینے کی ٹھان لی۔ موتہ بیت المقدس سے تقریباً ایک سو میل جنوب میں بحیرہ مردار کے کنارے واقع تھا۔

عثمان بن طلحہ کعبہ کے بڑے متولی اور کنجی بردار تھے۔ اس لئے بہت زیادہ عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ اور قریش میں ان کا بڑا مقام تھا۔

مکہ عارف بن عمیرؓ آنحضرتؐ کا ایک خط ہرقل کے نام لے کر فلسطین میں بلقاع کے علاقہ میں پہنچے۔ اس علاقے کا صدر مقام بصری تھا اور وہاں پر غسانی قبیلہ (عیسائی) کا شرجیل بن عمرو نامی ایک عرب رئیس حکمران تھا اور ہرقل کا باجگزار تھا۔ موتہ کے اس امیر نے اس سفیر کو قتل کر دیا۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول) (نقشہ ۳)

مکہ بحیرہ مردار یا DEAD SEA۔ بیت المقدس کے جنوب میں شمال جنوباً واقع ہے اور موتہ اس کے جنوبی کنارے پر تھا۔

یہ حضرت محمدؐ کی قلمرو بلکہ عربوں کی تمام حکومتوں سے کافی دور تھا۔ یہ علاقہ رومنوں کے ماتحت تھا اور رومن حکام مقامی سپاہ کے ساتھ اس علاقے کی حفاظت و امن کے ضامن تھے یہ رومن فوج ایک بڑی جنگ آزمودہ سپاہ تھی جو اس وقت کے جدید جنگی طریقوں سے واقف اور ان کی ضرورت کے مطابق ساز و سامان سے لیس تھی۔ لیکن حضرت محمدؐ کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی آپؐ کو اپنی سپاہ پر کامل اعتماد تھا۔ اور چونکہ آپؐ نے صحرائی علاقوں کی جنگوں کے سوا اور کچھ نہ دیکھا تھا اس لئے آپؐ کو اور کسی طریقہ جنگ کا خیال بھی نہ آ سکتا تھا۔

چنانچہ آپؐ نے اس سے زیادہ تیاری کو ضروری نہ سمجھا جتنا کہ آپؐ نے یہودیوں سے نمٹنے کے لئے پیغمبر کی اور اہل قریش سے نبرد آزما ہونے کے لئے بدر کی جنگوں میں کی تھیں اور تین ہزار شتر سواروں کے لشکر اور ایک مختصر حمالے کا ہی بندوبست کیا۔ زید کو سپہ سالار اور جعفرؓ کو ان کا نائب مقرر کیا۔ ان دونوں کی شہادت یا زخمی ہو جانے کی صورت میں اسلام کے ایک قیدی جان نثار عبداللہ بن رواحہ کو ان کی جگہ لینی تھی۔ خالد بن ولید پہلی مرتبہ اسلامی لشکر میں شریک ہو رہے تھے لیکن ان کا نام متبادل سالار کے طور پر تجویز نہیں کیا گیا تھا۔

حضرت محمدؐ کی موقع اور محل کے مطابق کام کرنے کی سمجھ بوجھ اور عملی ذہنیت کے پیش نظر یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس جنگ کے لئے معقول تیاری نہ کرنے کا سبب آپؐ کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی صحیح حالات سے لاعلمی یا سادہ دلی تھی۔ آپؐ یہ ہم اس وقت کی دنیا کی

۱۔ جنگ موتہ جمادی الاول ۸ ہجری میں ہوئی۔ (سیرۃ ابنی۔ طبقات ابن سعد جز ثانی)

۲۔ جب یہ لشکر روانہ ہوا تو حضرت خالد بن ولید بھی رضا کارانہ طور پر شامل ہو گئے تاکہ اسلام سے اپنی عقیدت اور اپنی مردانگی کا ثبوت پیش کر سکیں۔ پہلے سے ایسی کوئی تجویز نہ تھی۔ رسول کریمؐ اس لشکر کو باہر تک چھوڑنے آئے اور مسلمانوں کو ہدایات دیں کہ عورتوں، بچوں اور اندھوں کو قتل نہ کریں۔ عمارتوں کو نہ گرائیں، اور درختوں کو نہ کاٹیں۔ (حیات محمد)

ایک وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ حضرت خالدؓ کو اسلام لائے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے اور ان کی عقیدت اور خلوص کی آزمائش درکار تھی اس لئے فوری طور پر ان کی سالاری کو پرانے جان نثار پینہ کرنے (مترجم)

مشہور ترین سپاہ کے خلاف بھیج رہے تھے اور اس کی قیادت علی کرم اور ثیا ابو بکرؓ کی بجائے اپنے ایک سابق غلام کو دے رہے تھے جو بہادر ضرور تھے لیکن کبھی اتنی بڑی ذمہ داری نہیں سنبھالی تھی۔

رومن حکومت نے اپنے علاقوں پر اس مجوزہ حملہ کی خبر سنی تو انہوں نے طے کیا کہ مدینے کے اس دیوانے (نعوذ باللہ) پر یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ ایسی کم عقلی کی مہیں عرب کے صحرائوں تک ہی محدود رکھے۔ مقامی لشکر کے علاوہ ادھر ادھر سے افواج اکٹھی کر لی گئیں اور چند دنوں کے اندر اندر دو لاکھ جدید ہتھیاروں سے لیس ایک بڑی سپاہ شہنشاہ کے بھائی تھیوڈورس کی زیرِ کمان مقابلے کے لئے تیار ہو گئی۔

اس اثناء میں حضرت زیدؓ ان کی صحرائی اونٹوں پر سوار تین ہزار سپاہ اور دو سو سواروں کا سالہ خوشی خوشی تیزی سے شام کی طرف بڑھ رہے تھے تاکہ دشمن کو اچانک جالیں۔ اس کا صفایا کر دیں اور مال غنیمت کے ساتھ لوٹیں۔ اس لئے جب معان پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ دشمن نے ان کو ملک سے نکالنے کے لئے اپنی بہترین جنگ آزمودہ اور تربیت یافتہ بڑی دل افواج جمع کی ہیں۔ تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ چنانچہ لشکر بٹھرا دیا اور آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ اب کیا قدم اٹھانا مناسب ہوگا۔

حضرت زیدؓ اور جعفرؓ نے واضح کیا کہ ان کے آنے کا مقصد مقامی حاکم سے باز پرس کرنا تھا اور رومن افواج سے رونا نہیں تھا لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے اس نظریہ سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ حضرت محمدؐ نے انہیں کافروں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اگر واقعی اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ دشمن کی فوجیں ہم سے کتنی زیادہ ہیں۔ مزید برآں یہ

۱۔ بعض کے نزدیک دشمن کی افواج کی تعداد بالعموم کم ہے مولانا شبلی نے سیرت النبیؐ میں ایک لاکھ لکھا ہے اگر اس سے بھی کچھ کم کر لیا جائے تو پھر بھی یہ تعداد مسلمانوں کے تین ہزار کے مقابلے میں پچیس تیس گنا ضرور تھی۔ (مترجم)

۲۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ایک بہادر سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نغز گوشہ اور مقرر بھی تھے انہوں نے اپنی تقریر میں کہا "و دوستوہ جس چیز سے تم بچ رہے ہو بخدا یہ ہی تو ہے جس کی تلاش تمہیں یہاں تک کھینچ لائی ہے یعنی شہادت۔"

ہم دشمنوں سے سامان جنگ یا طاقت یا کثرت تعداد کی بنا پر جنگ آنا نہیں ہوتے بلکہ ہم تو صرف اس دین کے اعتماد پر جنگ کرتے ہیں جو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے اس لئے بہتر ہے کہ دشمن سے ٹوٹ کر مقابلہ کریں کیونکہ دونوںوں میں سے ایک فائدہ تو ضرور ہوگا۔ غلبہ یا شہادت؟ (حیات محمدؐ)

سراسر بیوقوفی ہوگی کہ سینکڑوں میل کی مسافت طے کرنے کے بعد کچھ کئے بغیر مدینے لوٹ جائیں غالباً حضرت عبداللہ کے مشورہ کی یہ دوسری دلیل دوسرے زیادہ محتاط لوگوں کی رائے پر فوقیت حاصل کر گئی۔

چنانچہ لشکر کو آگے بڑھتے رہنے کا حکم دے دیا گیا اور عربوں کی یہ مختصر سی فوج بے لکھ پہنچ گئی جہاں دشمن کے مورچہ بند ہونے کی خبر ملی تھی۔ پھر سردار کساندھیرے کناروں پر موسم گرما کے آفتاب کی پہلی کرنیں پڑتے ہی رومن فوج دکھائی دی۔ عرب لشکر فوراً وہاں ہی ٹھہر گیا۔ کسی مسلمان نے تاحال اتنی بڑی سپاہ اکٹھی نہ دیکھی تھی۔ نہ ایسا ساز و سامان، نہ ایسے زرہ بکتر اور ہتھیار اور نہ ہی ایسی منظم ترتیب و آراستگی۔ جیسے جیسے خودوں پر پہچلے، سینہ پر چار آئینہ لگائے رومن سپاہی نقل و حرکت کرتے تو یہ حیران ہو کر دیکھتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ساری سپاہ کا ایک ہی ذہن ہے اور سب ایک ہی بات سوچتے ہیں۔

اب کوئی نئی چال چلنے یا لڑائی سے گریز کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ اب تو مسلمانوں کو لڑنا تھا۔ اور اللہ پر بھروسہ کرنا تھا کہ وہ ان کا ساتھ نہ چھوڑے۔ اب اگر کوئی بات ان کی موافقت میں جاسکتی تھی تو وہ لڑنے کے لئے جگہ کا انتخاب تھا چنانچہ اسلامی لشکر کو پیچھے ہٹا کر موضع موتہ کے قریب ایک زیادہ موزوں جگہ پر لے آیا گیا۔

اسی وقت رومن فوج کے بازوؤں کو حرکت ہوئی اور انہوں نے بڑھنا شروع کر دیا۔ آہن پوش ہونے کے سبب وہ ٹینکوں کی سی گڑ گڑاہٹ کے ساتھ ہلکے اسلحہ والے عربوں پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ اس نسبتاً دقت سے نقل و حرکت کرنے والی فوج کو دیکھ کر زید ضبط نہ کر سکے اور اپنی جگہ کی موزونیت کو بھلا کر حملہ کا حکم دے دیا۔ اگر مسلمانوں کی تعداد کچھ زیادہ ہوتی تو یقیناً جنگ کا نتیجہ کچھ مختلف ہوتا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے بڑھے اور ان کی پیدل اور سوار فوج نے رومنوں کی زیادہ تعداد والی اور گتھی ہوئی صفوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ لیکن اپنے سے بہت زیادہ بڑی فوج کے مقابلے میں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔

حضرت زیدؓ شدید طور پر زخمی ہو گئے ————— حضرت جعفرؓ

جھپٹ کر ان کے سپوں میں پیچے اور علم سنبھال لیا۔ جس ہاتھ میں آپ نے علم پکڑا ہوا تھا وہ کاٹ ڈالا گیا تو آپ نے فوراً علم دوسرے ہاتھ میں سنبھال لیا لیکن جب بھی کٹ گیا تو آپ نے علم دونوں کٹے ہوئے بازوؤں میں بھینچ لیا جن سے خون بہہ رہا تھا۔ تلوار کے ایک وار سے آپ گر گئے اور ایک دوسرے وار نے آپ کو شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فوراً حضرت جعفرؓ کی جگہ لے لی اور لڑائی مکمل تیز اور کبھی ہلکی ان کے گرد ہوتی رہی۔ پھر وہ بھی شہید ہو گئے۔ جب مقرر کردہ تمام سالار ایک ایک کر کے کام آگئے تو ایک نوجوان سردار نے علم سنبھال لیا۔ اور پکار کر کہا: ”مسلمانو! دھڑ آؤ، مجتمع ہو جاؤ۔“

لڑائی ایک مرتبہ پھر علم کے گرد شدت اختیار کر گئی۔ جسے قدرت نے کسی نہ کسی طرح اب تک بچائے رکھا تھا۔ لیکن میدان ہاراجا چکا تھا اور صفوں میں انتشار پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک اعلیٰ ترین سپہ سالار ہونے کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اپنی آواز اور اپنی مثال سے حوصلہ ہارے مسلمانوں کو پھر سے منظم کیا۔ وہ نہ تو پسپائی کو روک سکتے تھے اور نہ ہی ہماری لڑائی کو جیت سکتے تھے لیکن پھر بھی بڑی چابکدستی اور ماہرانہ فوجی نقل و حرکت سے انہوں نے اپنی فوج کو تباہی سے بچا لیا اور خوف و ہراس ختم کر دیا۔ چنانچہ قدم قدم پر رک رک کر لڑتے

لے جب حضرت جعفرؓ نے علم لیا تو اپنے گھوڑے سے کود پڑے اور تلوار سے اس کی ٹوئیں کاٹ دیں اور بے جگری سے لڑے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کا بیان ہے کہ انہوں نے آپؐ کی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برہمیوں کے نوٹے زخم تھے اور سب سامنے کی طرف تھے پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ ہتھ تلواریں آپ کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں۔ دشمن کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ رسیۃ النبیؐ

۳۷ مصنف کا یہ اشارہ حضرت خالدؓ ابن ولیدؓ کی طرف معلوم ہوتا ہے اور صحیح ہو سکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں مختلف روایات ہیں۔ طبقات ابن سعد میں ابو عامر سے مروی ہے کہ وہ جھنڈا ایک انصاری نے اٹھا لیا وہ اسے لے کر دوڑے اور اسے ایک جگہ گاڑ دیا اور آواز دی: ”اے لوگو! میرے پاس آؤ۔“ لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے تو وہ جھنڈا انہوں نے خالدؓ بن ولیدؓ کو پیش کر دیا انہوں نے کہا کہ میں اسے نہ لوں گا اس کے تم ہی زیادہ مستحق ہو۔ انصاری نے کہا کہ واللہ یہ جھنڈا تمہارے لئے ہی لیا ہے چنانچہ حضرت خالدؓ نے جھنڈا لے لیا اور مسلمانوں کی قیادت سنبھال لی۔

زمین کے نشیبوں سے فائدہ اٹھاتے اور چھوٹے سے چھوٹے اہم مقام کا دفاع کرتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ اپنی سپاہ کو میدان جنگ سے باہر نکال لائے۔ جب رات ہوئی تو ان کی کمان میں ایک بڑی طرح زخم خوردہ فوج تھی لیکن اب بھی حوصلہ مندی اور تنظیم کے لحاظ سے وہ ایک فوج تھی۔

صبح تازہ دم ہونے پر حضرت خالدؓ نے ایک مرتبہ پھر دشمن کی طرف حملہ کی غرض سے بڑھنے کی جرات کی۔ اس چال سے رومن سمجھے کہ مسلمانوں کو کمکٹ پہنچ گئی ہے۔ اور وہ عربوں کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے پیچھے ہٹ کر زیادہ مناسب مقام پر چلے گئے۔ لیکن جتنی سپاہ کو صرف خوش قسمتی یا ان کی جرات مندانہ قیادت نے مکمل تباہی سے بچا لیا تھا حضرت خالدؓ پھر حملہ کر کے اسے مٹانے کے لئے خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ شام ہونے تک آپ نے دشمن کے بازوؤں کو الجھائے رکھا اور ان کے ارد گرد ہی لگے رہے اور پھر اندھیرا ہوتے ہی جتنی جلدی ہو سکتا تھا مدینہ کی طرف تیزی سے روانہ ہو گئے۔ گو وہ حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ کی لاشیں تلاش نہ کر سکے لیکن حضرت جعفرؓ کی لاش انہیں مل گئی اور وہ اسے مدینہ ساتھ لے آئے۔

شکست کی خبر لشکر کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی مدینہ پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ لوگ باہر ہی ملے۔ وہ ان کے بار جانے پر فقرے کس رہے تھے۔ یہ اس بات کی ایک اور مثال تھی کہ یہ عرب لوگ باہر کی دنیا کے حالات سے کتنے بے خبر تھے اور حضرت محمدؐ کی بتائی ہوئی باتوں پر کتنا اعتقاد رکھتے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ رومن کوئی لوگ ہیں اور نہ انہیں یقین آتا تھا کہ مسلم فوج کسی اور فوج سے شکست کھا سکتی ہے۔ اور یہی جذبات ان کی بعد کی عظیم فتوحات کا بڑا سبب بنا۔ ان کے نزدیک ایک مسلمان دنیا کے ہر آدمی سے بہتر اور بہتر تھا۔ وہ ایک واحد خدا کی پرستش کرتا تھا اور

اے رات کے پچھلے حصہ میں حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک چال چلی۔ اپنی ہی فوج کے ایک حصہ کو جدا کر کے شکر سے فاصلے پر مدینہ کی جانب ایک لمبی صف میں کھڑا کر دیا۔ صبح ہوتے ہی اس دستے نے شکر کی طرف بڑھنا شروع کیا تو شکر سے نعرے بلند ہونے شروع ہوئے۔ رومن یہ سمجھے کہ مسلمانوں کو کمکٹ پہنچ گئی۔ وہ تعداد کا صحیح اندازہ نہ کر سکے۔ اس لئے زیادہ محفوظ مقام پر پیچھے ہٹ گئے اور مسلمانوں پر حملے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس طرح باقی ماندہ اسلامی لشکر مکمل تباہی سے محفوظ رہا اور مدینہ آگئے۔ یہ حضرت خالدؓ کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ (حیات محمدؐ)

وہ اللہ کے خاص رسول کا حکم دار تھا اور اس کا جنت میں جانا یقینی تھا۔ اس جذبے نے مسلمانوں کی نظر میں دشمن کی ہر قسم کی برتری کو بالکل غیر اہم بنا دیا تھا اور وہ میدان جنگ میں مرنے کو قسمتی کی بجائے اپنی خوش قسمتی اور منافع کا سودا تصور کرنے لگے تھے۔

لوگوں کی فقرے بازی اور آواز سے سن کر حضرت محمدؐ باہر نکل آئے اور مجاہدین کو تسلی اور دلاسا دیا آپؐ نے اس شور و غل کو بند کیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی تعریف کی۔ پھر آپؐ نے تمام لشکروں اور لشکریوں کو یقین دلایا کہ موتہ میں اسلام کے وقار کو جو تھوڑی بہت ٹھٹھیس لگی ہے اسے دوبارہ بلند کرنے کے لئے انہیں بہت جلد دوسرے مواقع ملیں گے۔

البتہ جس بات پر حضرت محمدؐ کا دل بھر آیا وہ حضرت زیدؓ اور جعفرؓ کی شہادت تھی۔ خصوصاً حضرت زیدؓ کی وفات سے آپؐ کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ زیدؓ تیس سال سے زیادہ مدت سے آپؐ کے دوست بھی تھے اور ساتھ ہی وہ پہلے پانچ ایمان لانے والوں میں سے ایک تھے۔ وہ مکہ کے ابتلا کے دور میں بھی اور مدینے کے شروع کے ایام میں بھی ہر وقت آپؐ کے ساتھ موجود رہتے تھے۔ وہ ہر لڑائی میں آپؐ کے شانہ بشانہ لڑے تھے اور اپنے دوست اور آقا کی خاطر یہاں تک ایشیا کیا تھا کہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر ان کی زوجیت میں دے دیا تھا۔ اب وہ ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت محمدؐ بغیر کوئی شرم محسوس کئے خوب روئے۔ حضرت جعفرؓ کی تافین پورے فوجی اعزاز سے ہوئی۔ پوری فوج صف بستہ حاضر تھی۔

۱۔ اصل بات یہ تھی کہ حضرت زینبؓ نے رسول اللہ کے حکم کے تحت حضرت زیدؓ بن حارثہ سے شادی تو کر لی تھی لیکن اپنے ذہن سے کبھی اس خیال کو نہ نکال سکیں کہ وہ قریش کی ایک عالی مرتبہ خاتون تھیں اور حضرت زیدؓ رسول اللہ کے غلام تھے۔ خود حضرت زیدؓ بھی غالباً ایسا ہی محسوس کرتے ہوں گے۔ بہر حال دونوں میں یگانگت نہ ہو سکی اور ان میں علیحدگی ہو گئی۔ بعد ازاں ان کی تالیف قلب کے لئے آنحضرتؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا۔

۲۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ سے رسول اللہ کو بہت محبت تھی ان کی شہادت سے آپؐ کو بھی صدمہ ہوا اور آپؐ نے اشک فشانی کی۔ آپؐ کو روتے دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوا تو آپؐ نے کہا: اس میں حیرت کی کون سی بات ہے یہ تو صرف ایک دوست کے آنسو ہیں جو ایک دوست کی جدائی میں بہائے جا رہے ہیں۔ (حیات محمد)

حضرت محمدؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور دعائے مغفرت کی۔ آپؐ نے سب کو یقین دلایا کہ جعفرؓ جنت میں ہیں۔ آپؐ نے اپنا خطبہ حضرت خالدؓ کی تعریف پر ختم کیا اور انہیں سیف اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اس وقت سے لوگ آپؐ کو اس خطاب سے جاننے اور خوف کھانے لگے۔ گو حضرت خالدؓ نے بعد میں اپنے طوفانی رسالہ فوج کے ساتھ بہت سی نمایاں اور عظیم فتوحات حاصل کیں لیکن غالباً اس موقع (جنگ موتہ) سے زیادہ بڑی کامیابی انہیں کبھی نہیں ہوئی جو انہوں نے کھوٹے سے غیر تربت یافتہ بدوقوں سے اس مشہور زمانہ رومن فوج کے خلاف حاصل کی تھی جس نے اس وقت کی تمام معلوم دنیا کو فتح کر لیا تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی اس شکست کے متعلق رائے زنی یا قیاس آرائی کرے حضرت محمدؐ پھر ایک مہم کا آغاز کر چکے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے اُحد کی شکست کے بعد آپؐ نے اہل مکہ کا نفاذ کیا تھا۔ اب کی دفعہ اہل شام پر حملہ کرنے کے لئے موتہ کی طرف سپاہ روانہ کر دی۔ عمرو بن عاص کو ایک شتر سوار مہماتی فوج کا کماندار بنا کر شام کی سرحد پر بھیج دیا گیا۔ ان کی یہ مہم ان خانہ بدوش عرب قبائل کے خلاف تھی جن کے متعلق خبر ملی تھی کہ موتہ کی شکست سے فائدہ اٹھا کر وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ عمرو بن العاص نے تیزی سے فاصلہ طے کیا اور دس روز میں شام کی سرحد پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خانہ بدوش قبائل کی جارحانہ کارروائیوں کے متعلق خبریں بالکل صحیح تھیں اور ان کی ایک بڑی جمعیت عرب کے اندر داخل ہونے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ وہ ساری صورت حال کو جلدی ہی سمجھ گئے اور اپنے نائبین کے جوشیلے مشوروں کو نظر انداز کر کے انہوں نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں ایک قاصد یہ کہلا کر بھیجا کہ

لے آپؐ نے فرمایا کہ جعفرؓ جنت میں ہیں اور ان کے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کی جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو پر عطا کر دیئے ہیں اور وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اسی سبب سے اس وقت سے حضرت جعفرؓ کو طیار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۲) اس مہم کو سر یہ عمرو بن عاص یا ذات السلاسل کہتے ہیں۔ موتہ سے لشکر کی واپسی کے چند ہفتے بعد ہی یعنی جمادی الآخر ۶۲۷ء میں تین سو مجاہدین کے ساتھ یہ مہم عمرو بن العاص کی سالاری میں روانہ کی گئی۔ یہ جگہ مدینہ سے دس روز کے فاصلے پر ہے۔

اگر ان کو کچھ کمک بھیج دی جائے تو وہ جنگ کے نتیجے کی ذمہ داری لے سکتے ہیں لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو وہ خود اور ان کے سپاہی جان توڑ کر لڑیں گے لیکن نتیجہ شاید موتہ جیسا ہی ہو۔

حضرت محمدؐ نے فوری طور پر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی قیادت میں ایک دستہ بھیجا اور حضرات ابو بکرؓ اور عمرؓ ان کے نائبین کی حیثیت سے ساتھ گئے۔ ان بڑے بڑے ناموں سے بعض لوگ یہ خیال کریں گے کہ شاید حضرت محمدؐ کو عمرو بن العاص پر اعتماد نہ تھا لیکن اس سے پہلے کہ ان نئے کمانداروں میں سے کوئی اس موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرتا عمرو بن العاص نے ان اصحاب کبار سے کہلا بھیجا کہ وہ اس مہم کے سالار مقرر ہوئے ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں سالار اعلیٰ وہ ہی رہیں گے۔ پھر اس وقت کے مسلمانوں کا جمہوری جذبہ بھی کچھ ایسا تھا کہ اس نو مسلم قریشی کے اس قسم کے موقف اختیار کرنے پر کسی نے برا نہ منایا۔

دوسری صبح عمرو بن العاص نے حملہ کر دیا۔ دشمن کو یہ علم نہ تھا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے چنانچہ ان کا توازن بگڑ گیا اور وہ ہار گئے۔ آپؐ نے فتح کی خبر لے کر ایک قاصد حضرت محمدؐ کی خدمت میں بھیج دیا لیکن خود فوری طور پر واپس نہ آئے اور شام کی سرحدوں پر چھوٹے موٹے حملے کرتے رہے تاکہ دشمن پر یہ واضح کر سکیں کہ اگر موتہ پر مسلمانوں کو شکست ہو گئی تھی تو اس سے اسلامی افواج کا صرف ایک معمولی سا حصہ متاثر ہوا تھا۔ اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سمجھ گیا ہے تو حضرت عمرو بن العاص نے مدینے کی طرف مراجعت کی۔

اس کے بعد سارے ملک سے قبائل آ کر اطاعت کرنے لگے۔ خانہ بدوش قبیلوں کے

اے رسول اللہؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کی قیادت میں دو سو انصار و مہاجرین کا امدادی دستہ بھیجا اور حضرات ابی بکرؓ اور عمرؓ سے ہوتے ہوئے انہیں اس کا سالار بنایا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ کو تاکید کر دی کہ اگر عمرو بن العاص جو حال ہی میں ایمان لائے تھے کوئی اختلاف کریں تو جھگڑانہ کرنا چنانچہ جب حضرت عمرو بن العاص نے اصرار کیا کہ سالار وہ خود ہی رہیں گے تو ان اصحاب کبار نے ان کی قیادت تسلیم کر لی۔ ناز بھی ان کے پیچھے پڑھی اور جنگ بھی ان کی قیادت میں لڑی۔ یہ تھی اسلامی جمہوریت کی روح اور خدمت اسلام کا جذبہ۔ (حیات محمد)

وہ سردار جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ **مر جائیں گے** لیکن حضرت محمدؐ کی اطاعت نہ کریں گے مدینہ آئے اور حلف و فاداری اٹھایا۔ ان کا استقبال ہمیشہ گرمجوشی سے کیا جاتا تھا اور ان کی شکایات اور مشکلات بڑھی تو جہ اور ہمدردی سے سنی جاتی تھیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ۲۹ کے آخر تک آپؐ کو یقین ہو گیا تھا کہ اب یمن اور شام کی سرحدوں کے درمیان بسنے والے بیشتر قبیلے آپؐ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ آپؐ نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ابوسفیا کو اس کی گستاخیوں کی سزا دی جائے۔ آپؐ سولہ سال تک انہیں سہتے رہے اور اب سترھ سال انہیں برداشت کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اب تو آپؐ کو صلح کا معاہدہ منسوخ کرنے کے کسی جائز وجہ کی ضرورت تھی اور غیر متوقع طور پر یہ سبب خود قریشیوں نے پیدا کر دیا۔

ابوسفیان کی دستبرداری اور فتح مکہ

رمضان المبارک ۶۳۰ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

جنوری ۶۲۹ء میں قبیلہ بنی بکر نے جواہل قریش کے حلیف تھے، ایک اور قبیلہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا، جس نے حضرت محمدؐ کی اطاعت کا حلف و فاداری اٹھایا ہوا تھا۔ لوٹ مار کرنے والوں میں کچھ اہل قریش بھی تھے جو بھیس بدلے ہوئے تھے۔ حملہ سے بچ جانے والے فوراً حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امداد کے ملتی ہوئے آپؐ نے مسکراتے ہوئے انہیں یقین دلایا کہ

لے طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری کے مطابق بنی بکر اور قریش نے بنو خزاعہ پر حملہ شعیان ۶۳۰ھ میں کیا۔ فتح مکہ رمضان ۶۳۰ھ (جنوری ۶۳۰ء) میں ہوئی۔ اس طرح تقویم عیسوی کے مطابق یہ واقعہ آخر نومبر یا دسمبر ۶۲۹ء میں پیش آیا کہ جنوری ۶۲۹ء میں جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے۔ غالباً دسمبر کی بجائے جنوری غلطی سے لکھا گیا کیونکہ آگے چل کر مصنف خود کہتا ہے کہ مکہ کے لئے اسلامی لشکر یکم جنوری ۶۳۰ء کو حرکت میں آیا۔ لے یہ قبیلہ بنو خزاعہ کا قبیلہ تھا۔ جو صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بن گیا تھا اور آپؐ کی پناہ میں تھا۔ ادھر بنی بکر قریش کے حلیف تھے۔ اس حملہ میں قریش نے بنی بکر کو اسلحہ سے مدد دی اور خفیہ طور پر کچھ قریش حملے میں شریک بھی ہوئے۔ (طبری) واقعی کے مطابق صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو بھیس بدل کر بنی بکر کے ساتھ اس شب خون میں شریک ہوئے۔

وہ ان پر بھروسہ رکھیں۔

یہ خبر مکہ بھی پہنچ گئی۔ اطلاع ملنے کے چند منٹ بعد شہر کی کونسل کا اجلاس بلا یا گیا۔ یہ تشویش اور خطرے کا اجلاس تھا۔ اس میں اشتعال دلانے کے لئے نہ تو کوئی طویل اور جوشیلی تقریریں تھیں اور نہ ہی حضرت محمدؐ کے خلاف دھمکیاں تھیں۔ اہل مکہ جان گئے تھے کہ اگر اس وقت کسی کو فوری طور پر کوئی بہت ہی معقول تدبیر نہ سوچ لی تو شہر مکہ بہت جلد اپنی خود مختاری کھو بیٹھے گا۔ کوئی بھی ایسی معقول تجویز پیش نہ کر سکا۔ کسی کی سمجھ میں کوئی ایسی بات نہ آئی جو حضرت محمدؐ کو مکہ پر حملہ کرنے سے روک سکے سوائے اس کے کہ ان سے حسن سلوک اور درگزر کی درخواست کی جائے۔ ایسا کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ تھا لیکن اس کے سوا کوئی اور چارہ کار بھی نہ تھا۔ عمرو بن العاص اور خالد بن ولید کے اس طرف چلے جانے اور سینکڑوں قبائل کے مسلمان ہو جانے کے سبب اب بہت اور عیاری سے ہی بچا جاسکتا تھا۔

مسئلہ کو حل کرنے کی تجویز پر متفق ہو جانے کے بعد دوسرا سوال یہ تھا کہ حضرت محمدؐ کے پاس کس کو بھیجا جائے۔ بلا تخصیص کونسل کا ہر فرد حضرت محمدؐ سے سخت نفرت کرتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک آپؐ نے گزشتہ بیس سال سے ان کا امن و امان تباہ کیا ہوا تھا۔ آپؐ کو ختم کرنے کے لئے بھی ہر قسم کی کوششیں کر لی گئی تھیں لیکن سب ناکام رہیں۔ اب آپؐ کے پاس جا کر یہ تسلیم کرنا کہ آپؐ ہی حق پر تھے، آپؐ سے معافی مانگنا اور رحم کی درخواست کرنا ایک ایسی کڑوی گولی تھی جو زبان پر بھی نہ رکھی جاسکتی تھی چہ جائیکہ نگلی جائے لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا اور یہ کام کسی ایسے شخص کو کرنا تھا جو حضرت محمدؐ کو تجدید عہد کے لئے خلوص نیت کا یقین دلا سکے۔

صلح بنو خزاعہ کے فریادوں کے چلے جانے کے بعد رسول اللہؐ نے ایک قاصد قریش کے پاس مندرجہ ذیل تین شرائط کے ساتھ بھیجا کہ ان میں سے کوئی سی ایک منظور کر لی جائے۔

(۱) مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔ (۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں (۳) معاہدہ حدیبیہ ختم سمجھا جائے

قریش نے جواب دیا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش بچپٹائے اور تجدید

معاہدہ کے لئے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا۔ (سیرۃ النبی - حصہ اول)

شہری کونسل کے ممبران کی نظریں ابوسفیان کی طرف اٹھیں۔ ابوسفیان نے احتجاج کیا کہ اس نے نبی (نعمو باللہ) اور اس عجیب و غریب تجارتی گماشتے کا جانی دشمن ہوتے ہوئے کس طرح ان پاس جا کر اپنی بے عزتی کر سکتا تھا لیکن جتنا ابوسفیان نے اس سے بچنے کے لئے جیلے بہانے کئے قریش کو اتنا ہی یقین ہوتا گیا کہ وہ ہی مدینہ جانے کے لئے موزوں ترین آدمی تھا مزید براں سرت ام حبیبہ بھی تو وہاں تھیں۔ ابوسفیان نے اپنی صاحبزادی کو کافی عرصہ سے دیکھا بھی نہیں تھا۔ حضرت محمدؐ سے یہ ناموزوں اور بے جوڑ شادی کر لینے کے باوجود ان کے دل میں اپنے باپ کی کچھ بھجبت تو ضرور ہوگی۔

آخر کار ابوسفیان اس سہک آمیز مشن کے لئے تیار ہو گیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا وہاں چا تو مزید لٹیں اس کی منتظر تھیں۔ حضرت محمدؐ نے یہ جانتے ہوئے کہ قریش بہت ہی مجبور ہوں گے جو انہوں نے اپنے اس قائد کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ابوسفیان سے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابوسفیان جو پہلے ہی کافی ضبط سے کام لے چکا تھا، مشتعل ہو گیا لیکن کسی نے اس سے رخ لے کر بات نہ کی۔ وہ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ کے پاس گیا لیکن ہر ایک نے اس کے ساتھ ہی بے توجہی کا سلوک کیا۔ پھر وہ حضرت فاطمہؓ سے ملا لیکن انہوں نے بھی اس کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی صاحبزادی (حضرت ام حبیبہؓ) کے پاس گیا۔ تو انہوں نے بھی اس کے ساتھ جو سلوک کیا۔ یہ تھا کہ رسول کریمؐ کی چٹائی اور بستر لیٹ دیا مبادا ایک مشرک پر بیٹھ جائے۔

یہ دیکھ کر کہ کوئی بھی اس سے کسی قسم کی بات چیت کرنے کا روادار نہیں وہ مسجد کے صحن

لے حضرت ام حبیبہؓ۔ ابوسفیان کی صاحبزادی۔ یہ مسلمان ہو کر اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش سے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئی تھیں۔ وہاں ان کے شوہر وفات پا گئے۔

بعد ازاں وہاں پر ہی نجاشی (شاہ حبش) کی وساطت سے آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آ گئیں۔ اور پھر مدینہ تشریف لے آئیں۔

میں چلا گیا اور اعلان کیا۔

”لوگو! میری بات سنو۔ میں سب لوگوں کو امن اور پناہ کی ضمانت دیتا ہوں۔“

حضرت محمدؐ نے اپنی آواز بلند کئے بغیر جواب دیا۔

”اے ابوسفیان! یہ ضمانت تم دے رہے ہو۔ ہم ایسی کوئی بات نہیں کہہ رہے ہیں

جب ابوسفیان نے مکہ پہنچ کر حالات سے آگاہ کیا تو لوگوں میں مایوسی کی ایک لہر دوڑ

لیکن پھر بھی وہ یہ خیال نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت محمدؐ ان کو اتنی تھوڑی مہلت دیں گے۔

اب آپؐ کے پاس اتنی جمعیت ہو گئی تھی کہ اسے حقیقی معنوں میں ایک فوج کہا جاسکتا

اس کی قیادت ان لوگوں کے پاس تھی جو چھ سال سے جنگوں اور غزوات میں آپؐ کے ماتحت

رہے تھے۔ وہ آپؐ کے طریقوں کو جان گئے تھے۔ انہیں آپؐ پر پورا پورا بھروسہ تھا اور خود

۱۔ (۱) ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور رسول اللہؐ سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ آپؐ نے مجبوری

لیکن ابوسفیان مصر ہوا اور کہا اچھا مجھے مشورہ دو میں کیا کروں۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ بذلہ سنج بھی تھے اور

کا مذاق بھی رکھتے تھے چنانچہ جب ابوسفیان نے بہت مجبور کیا تو کہا صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے کہ مسجد

جا کر مجمع عام میں خود کو سب مسلمانوں کی حفاظت میں دے دو۔ چنانچہ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا اور پھر

ادنٹ پر سوار ہو کر مکہ واپس چلا گیا۔ جب مکہ والوں نے پوچھا کہ آیا اس کی اس درخواست کو حضرت محمدؐ کی

تسلیم کیا اور اجازت دی تو اس نے کہا نہیں۔ اس پر قریش نے کہا۔ بخدا علیؑ نے تمہیں بیوقوف بنایا ہے۔

(طبری، جلد اول، حصہ سوم)

(۲) ابوسفیان نے حضرت علیؑ کے مشورہ پر مسجد میں اعلان کیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی ہے۔ (یہ بات

(۳) حضرت علیؑ کے مشورہ پر ابوسفیان نے یہ اعلان کیا کہ وہ اپنی طرف سے سب کو امان دیتا ہے اور خود بھی امان کا

ہے جب مکہ جا کر یہ بات بتائی تو لوگوں نے کہا کہ حضرت علیؑ نے تم سے مذاق کیا۔ (حیات محمدؐ)

صحیح ترین بات یہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ ابوسفیان نے مسجد میں جا کر ایک طرفہ معاہدے کی

تجدید کر دی ہوگی اور سب کو امان دینے کے بعد خود بھی امان کا طالب ہوا ہوگا۔ لیکن رسول

کی منظوری کے بغیر یہ سب کچھ ایک مذاق سے زیادہ نہ تھا۔ (مترجم)

اعتماد تھا۔ آپ کی فوج خانہ بدوش شتر سواروں۔ گھوڑ سواروں اور ان جھاکش صحرائوں پر مشتمل تھی جن کے لئے جنگ کرنا ایک قسم کا کھیل تھا۔ شراب کے مکمل امتناع اور لوٹ مار پر پابندی لگانے سے ان میں نظم و ضبط پیدا ہو گیا تھا۔ ان فطری صلاحیتوں کے علاوہ اب وہ اچھے ساز و سامان سے لیس اور اچھے ہتھیاروں سے مسلح بھی ہو گئے تھے۔ مکہ پر اس حملہ کے لئے حضرت محمدؐ نے دس ہزار تربیت یافتہ جوان اور اتنے ہی سواری کے جانور فراہم کر لئے تھے۔

لیکن اس کے باوجود کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا لشکر تھا، جواب تک میدان میں لایا گیا تھا حضرت محمدؐ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھے اور پوری احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ مکہ کی روانگی کو بڑے راز میں رکھا گیا۔ مکہ کے تمام راستے مسدود کر دیئے گئے۔ خانہ بدوشوں کی تمام نقل و حرکت روک دی گئی۔ دشمن کے جاسوسوں کی سرگرمیوں کو ناکام بنانے کے لئے جوانی جاسوسی کا طریقہ اختیار کیا گیا اور ہر ایک کی نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی گئی۔ اس طرح دشمن کو خبریں پہنچانے کا یہ واحد ذریعہ بھی ختم کر دیا گیا۔

حضرت حاطبؓ کو جو شروع میں مسلمان ہونے والوں میں سے ایک تھے مکہ میں اپنے گھر والوں کے متعلق فکر پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ایک لونڈی کے ہاتھ ایک خط بھیجا جس میں انہیں خبردار کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر اپنے محکمہ جاسوسی کے ذریعے مل گئی۔ لونڈی کو گرفتار کر کے واپس لے آیا گیا۔ اور خط پکڑا گیا۔ حضرت حاطبؓ کو اس خود غرضی کے سبب قریب قریب اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور صرف اس وقت جان بخشی ہوئی جب انہوں نے جنگ بدر میں اپنی خدمات کا واسطہ دیا۔

یکم جنوری ۶۳۰ء کو یہ لشکر حرکت میں آیا اور مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام دوسو سواروں کے ساتھ مقدمۃ الجیش تھے کے سالار تھے۔ خود حضرت محمدؐ قلب کی کان

۱۔ حاطب بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی اور اہل بدر میں سے تھے۔ (سیرۃ النبی)

۲۔ مطابق ۱۰ رمضان المبارک ۶۳۰ء (سیرۃ النبی)

۳۔ لشکر سے آگے چلنے والا ہرادل دستہ۔

کر رہے تھے۔ عقب میں چند عورتیں ہمراہ تھیں جن میں راہبات المومنین حضرت زینبؓ اور حضرت ام سلمہؓ بھی تھیں۔

حضرت عمرؓ مرکزی لشکر کی نقل و حرکت اور مقدمتہ الجیش کے درمیان رابطہ قائم رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ بڑی مہارت سے آپ فوج کو چٹانی پہاڑیوں کے غیر مستعمل دروں میں سے نکال کر لے گئے۔ راستے میں نہ کوئی بگل بجا سکتا تھا اور نہ ہی تالی نجانے یا زور سے پکارنے کی اجازت تھی۔ جب مکہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو مخبروں نے خبر دی کہ چند مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ کی جانب سے صحرائیں چلی آ رہی ہے۔ کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ اس جماعت کے سربراہ کسی سے نہ دہنے والے آپ کے چچا العباسؓ تھے۔ حضرت عباسؓ نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو ان سب باتوں کا کیسے پتہ چلا کہ کیا ہونے والا ہے۔ بس وہ آئے اور حضرت محمدؐ کو اس طرح سلام کیا گویا آپ کا دس ہزار فوج کے ساتھ صحرائیں سفر کرنا ایک معمول کی سی بات تھی۔ ان کے ساتھ ان کے تمام اہل خانہ بھی تھے۔ دن کا وقت گزر جانے پر انہوں نے اپنے بھتیجے کو بتایا کہ اُن سب نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اس طرح کوئی شرم محسوس کئے بغیر انہوں نے اور ان کے اہل خانہ نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ آپ کے چچا ہمیشہ کے ابن الوقت تھے آپ ہمیشہ ان سے ملاطفت اور خوش دلی سے پیش آئے۔ آپ نے فرمایا: ”چچا جان جس طرح میں آنکھیں نبی ہوں اسی طرح آپ بھی آنکھیں ہا جریں“

جواب نہ بن پڑنے پر حضرت عباسؓ اپنے کندھے اچکا کر رہ گئے۔ اپنے اہل خانہ کو مدینہ کی طرف روانہ کر کے آپ مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

۱۔ حضرت عباسؓ کو کسی نہ کسی ذریعہ سے لشکر اسلام کی آمد کا علم ہو گیا تھا چنانچہ وہ قریش کو پھوڑ کر حنفہ کے مقام پر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے ساتھ اہل خانہ کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (آپ کے ابن علم) اور عبد اللہ بن امیہ بن مغیرہ (آپ کے پھوپھی زاد) بھی تھے۔ رسول اکرمؐ نے ان دونوں صاحبان سے ملنے سے انکار کیا لیکن پھر حضرت عباسؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی سفارش پر انہیں اندر بلا لیا اور یہ مسلمان ہو گئے اور لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ (حیات محمدؐ)

روز بروز لشکر قریب آتا گیا۔ یہاں تک کہ مرا نظر ان کے مقام پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا جہاں سے مکہ نظر آتا تھا۔ صرف یہاں پہنچ کر حضرت عمرؓ نے پڑاؤ میں آگ جلانے کی اجازت دی چنانچہ اہل قریش، جنہیں خیال بھی نہ تھا کہ حضرت محمدؐ کیا کرنے والے ہیں، اچانک شمال کی طرف پہاڑیوں پر آگ کے ہزاروں سرخ شعلوں کی لپک دیکھ کر حیران رہ گئے۔ البتہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ اتنی بڑی تعداد سب لشکریوں کی تھی۔ ان کے خیال میں غالباً یہ صرف دھوکا یا دکھاوا تھا تاکہ لشکر اصل تعداد سے زیادہ بڑا نظر آئے۔ چنانچہ اس بات کی تحقیق کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے ابوسفیانؓ خود حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے حکیم بن حزام اور مقامی قبیلے کا سردار بدیل بن ورقہؓ جو اب تک قریش کا حلیف تھا مکہ سے باہر نکلے۔

اس سے پہلے کہ پڑاؤ تک پہنچیں انہوں نے ایک سفید بڑی ڈیل ڈول والی مخلوق کو اندھیرے میں منڈلاتے دیکھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ کوئی دفاعی قدم اٹھائیں، وہ مخلوق ان کے برابر آ کر بٹھ کر گئی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ العباسؓ تھے۔ اس خیال سے کہ اہل قریش کوئی قدم غلط اٹھا کر اپنے مظالم کے سبب اپنا قتل عام نہ کرالیں، آپؐ نے حضرت محمدؐ کا سفید خچر مانگ لیا اور اس پر سوار ہو کر پڑاؤ سے باہر نکل آئے تھے تاکہ جو کوئی بھی مل جائے اسے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد سے خبردار کر دیں۔ ابوسفیانؓ سے بڑھ کر جو جانے پر آپؐ نے اسے مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ چلے اور دن نکلنے سے پہلے خود کو حضرت محمدؐ کے حوالے کر دے کیونکہ علی الصبح ہی حملہ شروع ہو جانا تھا۔

ابوسفیانؓ جس کا غرور و تکبر اب خاک میں مل چکا تھا، رخصتا مند ہو گیا اور حضرت عباسؓ کے پیچھے ان کے خچر پر سوار ہو گیا۔ باقی دو ساتھی واپس چلے گئے تاکہ شہر والوں کو بھی یہ حال بتا دیں۔

جونہی رسول اللہؐ کا خچر پڑاؤ میں داخل ہوا ہر طرف کے سپاہیوں نے ہوشیار ہو کر سلامی

۱۔ مرا نظر ان۔ مکہ سے باہر حیدمیل کے فاصلے پر ہے۔

۲۔ مسلمانوں نے پھیل کر اپنے لشکر میں دس ہزار جبکہ آگ روشن کہیں۔ (تاکہ اہل مکہ مرعوب ہو جائیں۔)
(طبقات ابن سعد)

دی۔ رات کا وقت ہونے کے سبب یہ کسی نے نہ دیکھا کہ نچر پر کون تھا اور ان دونوں سواروں کو کسی نے نہ روکا۔ یہاں تک کہ وہ حضرت عمرؓ سے ملاقی ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے جوش و مسرت سے بھری ہوں، کہی اور فوراً ابوسفیان کا سر قلم کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ فوراً مداخلت کی اور اپنے ساتھی سوار کو اپنی پناہ میں لینے کا اعلان کر دیا۔ عمرؓ بادل ناخواستہ پچھو ہٹ گئے اور نچر رسول اللہ کے خیمے تک پہنچ گیا۔

جب آپؐ کے چچا نے حاضر خدمت ہو کر سلام کیا اور بتایا کہ باہر آپؐ سے ملاقات کا منتظر تھا۔ تو حضرت محمد صلعم نے کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہ کیا اس خبر پر جو دلی مسرت آپؐ کو ہوئی ہوگی اس کا اظہار آپؐ کیسے کر سکتے تھے۔ نہ صرف یہ کہ آپؐ ان تمام بے عزتیوں کا منافع کے ساتھ لے رہے تھے جو ابوسفیان نے آپؐ پر روا رکھی تھیں بلکہ آپؐ کو خونریزی کے بغیر ہی شہر مکہ واپس لینے کا ذریعہ مل رہا تھا۔ حالانکہ آپؐ نے اتنا بڑا الشکر فراہم کر لیا تھا لیکن حضرت محمدؐ ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ واقعی طور پر انتقام لیں اور نہ ہی آپؐ ان کو سزا دینا چاہتے تھے جنہوں نے آپؐ کو ستایا تھا۔ آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ بھائی بھائی مرید ایک دوسرے کے خون سے رنگیں۔ البتہ جو کچھ آپؐ نے حضرت عباسؓ کو جواب دیا۔ وہ یہ تھا۔

”اسے اپنے خیمہ میں لے جائیں اور صبح کو میرے پاس لائیں۔“

حضرت عباسؓ نے ان احکام کی تعمیل کی اور رات کا بیشتر حصہ ابوسفیان کو یہ سمجھانے گزارا کہ اب مکہ کی آزادی اور خود مختاری کے دن ختم ہو چکے اور اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے۔ چنانچہ صبح کی نماز کے بعد آپؐ اپنے قیدی کو لے کر حضرت محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چند لمحے تک حضرت محمدؐ نے اپنے سامنے کھڑے ابوسفیان کو دیکھا جس کے چہرے کچھ عاجزی، کچھ غصہ لیکن زیادہ تر نفرت اور نخوت کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر آپؐ نے کہا۔

”ابوسفیان کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ اللہ ایک ہے۔ اور وہ

لے جنگ بدر۔ جنگ احد اور جنگ خندق میں ایسا ہی ہوا تھا۔ اور باپ بیٹے کے اور بھائی بھائی

خلاف لڑا تھا۔ ایسی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

لاشربک ہے)

ابوسفیان نے اثبات میں سر ہلایا اور بڑبڑاتے ہوئے کہا: ”اگر ایسا نہ ہوتا یعنی کوئی

دوسرا خدا بھی ہوتا تو میں اس حال میں نہ ہوتا جواب ہے“

”اور کیا میں اللہ کا رسول نہیں ہوں؟“ حضرت محمدؐ نے مزید دریافت کیا۔

ابوسفیان نے کچھ مل کیا اور تذبذب میں اپنے چاروں طرف دیکھا۔ یہ بات تسلیم کر لینا

اس کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ حضرت عباسؓ نے فوراً مداخلت کی۔

”ابوسفیان یہ تذبذب کا وقت نہیں ہے۔ ایمان لاؤ اور کلمہ شہادت پڑھو ورنہ پھر“

”ورنہ پھر“ یہ کہتے ہوئے حضرت عمرؓ نے، جو خیمہ کے دروازے پر کھڑے ابوسفیان کو

غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، فقرے کو پورا کر دیا۔ ”ورنہ پھر تمہارا سر تمہارے جسم سے

علیحدہ کر دیا جائے گا“

ابوسفیان نے اب مزید تامل نہ کیا اور اسلام قبول کر لیا۔

حضرت محمدؐ چند منٹ تک خاموش رہے۔ آپؐ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ مسلمانوں کے اس

سب سے بڑے اذیت دہندہ نے آپؐ کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ

اس نے فی الوقت خوف کے سبب ایسا کیا تھا لیکن اس بوڑھے مشرے کے دل میں جس نے

کئی بار آپؐ کو جان سے مار دینے کی کوششیں کی تھیں صحیح معنوں میں خوف پیدا کرنا قریب

قریب ناقابل یقین معلوم ہوتا تھا چنانچہ کچھ توقف کے بعد آپؐ نے فرمایا۔

”ابوسفیان! اب جلدی سے مکہ جاؤ اور لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے گھروں

لے تاریخ طبری۔ حیات محمدؐ (محمد حسین بیگل) اور کئی دوسری کتب میں ابوسفیان کا اسلام لانا اسی طرح

بیان کیا گیا ہے۔ سیرۃ النبیؐ میں بھی طبری وغیرہ کے حوالے سے ایسا ہی لکھا ہے۔

۲۔ ابوسفیان کے ایمان لے آنے کے بعد حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ صلعم سے مخاطب ہو کر عرض کی کہ

سرمداری اور جاہ پرستی ابوسفیان کی کمزوری ہے ذرا اس کا خیال رکھیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ”جو شخص

ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان دی جائے گی۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا اسے بھی امان ہو

گی اور جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مومن ہوگا“ ”حیاء محمدؐ“

کے اندر رہیں۔ جو بھی ایسا کرے گا وہ محفوظ رہے گا۔“

ابوسفیان خیمے سے باہر نکل آیا۔ باہر آکر اس نے سارے کیمپ میں سرگرمی اور تیاری دیکھی کپنیاں اور دستے پلٹیں اور رسالے صف بستہ ہو رہے تھے۔ سورج کی کرنیں خود اور چار آئینوں پر پڑ کر چمک اور چمکا چوند پیدا کر رہی تھیں۔ قبیلوں کے پرچم جو تعداد میں سینکڑوں تک پہنچتے تھے۔ ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اونٹ بلبلا رہے تھے اور گھوڑے ہنہا ہنہا کر زمین پر ٹاپا مار رہے تھے۔ ابوسفیان نے مسلمانوں کی اتنی فوج۔ اتنی سواریاں اور اتنے اچھے ہتھیار کبھی دیکھے تھے۔ ایک گھوڑ سوار دستے کو دیکھا۔ جو سیاہ رنگ کی زرہ بکتر پہنے، ہاتھوں میں لمبے نیزے لئے اپنے گھوڑوں پر اس طرح جے بیٹھے تھے جیسے محسوس ہوں اور پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا: یہ حضرت محمدؐ کا ذاتی حفاظتی دستہ ہے جو مکے اور مدینے کے درمیان جنگجوؤں اور مجاہدین میں سے چنا گیا ہے۔“

ابوسفیان مزید کچھ سننے کے لئے نہ ٹھہرا۔ پتھر ملی گھاٹی کی ڈھلوان سے وہ واپس مکہ کی طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔ شہری کونسل طلب کی اور جو کچھ دیکھا تھا انہیں بتایا۔ اس نے ہر ایک کو آگاہ کر دیا کہ کسی قسم کا مقابلہ بے سود ہوگا۔ کسی نے اس پر احتجاج نہ کیا۔ مکہ کے بیشتر لوگ مقابلہ کرنا بھی نہ چاہتے تھے۔ وہ پچھلے سال عمرہ قضا کے موقع پر مسلمانوں کے رویہ سے بہت متاثر ہوئے تھے اور لڑائیوں سے اکتائے ہوئے بھی تھے۔ بہت سوں نے تو یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ

۱۔ طبری نے حضرت عباسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوسفیان کو دانستہ پہاڑ کی ایک گھاٹی کے کنارے چوڑے پر بٹھیر لیا۔ افواج کے تمام دستے اس کے سامنے سے گزرتے رہے۔ وہ ہر ایک کے متعلق پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں وہ بڑا متاثر ہوا آخر میں مہاجر و انصار پر مشتمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص دستہ گزرا جو فولاد میں غرق تھا اور صرف آنکھیں اتنی تھیں جب ابوسفیان کو اس دستے کے متعلق بتایا گیا تو کہنے لگا کہ اب تو تمہارے بھتیجے کی طاقت اور شوہر و عظمت بہت بڑھ گئی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ یہ دنیاوی حکومت نہیں بلکہ نبوت کا اثر ہے۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر ابوسفیان نے اسلامی لشکر کی طاقت اور تعداد سے لوگوں کو آگاہ کیا اور کہا ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر حفاظت و امن کے متعلق رسول اللہ کے احکام سنائے۔ (تاریخ طبری)

ہی سے حضرت محمدؐ کے متعلق ان کا رویہ غلط تھا۔ چنانچہ مرد، عورتیں اور بچے گھروں کے اندر چلے گئے اور دروازے بند کر کے مسلمانوں کے فاتحانہ داخلے کا انتظار کرنے لگے۔

اس اثناء میں حضرت محمدؐ بھی اور جنگی مواقع کی طرح جنگی لباس پہن کر اور ہتھیار لگا کر تیار ہو گئے۔ آپؐ نے سرخ قباز زیب تن کی جس پر آپؐ کا چار آئینہ چمک رہا تھا۔ سر پر ایک نوکدار خود تھا جس کے گرد آپؐ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ تلوار کے علاوہ آپؐ کے پاس کوئی اور ہتھیار نہ تھا۔ خیمے کے سامنے بیٹھی ہوئی القصور پر سوار ہو کر آپؐ نے صفوں میں گشت کیا۔ اس سے پہلے کہ لشکر روانہ ہو آپؐ نے حضرت علیؓ کو وہی مشہور علم عطا کیا جسے وہ خیبر کی جنگ میں لے جا کر بے مثل بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے۔

اسلام قبول کر لینے کے باوجود حضرت محمدؐ کو ابوسفیانؓ پر اس سے زیادہ بھروسہ نہ تھا جتنا کہ احد کے موقع پر تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ وہ اہل مکہ کے کسی اچانک حملے کا نشانہ بن کر نقصان نہ اٹھائے۔ آپؐ کی فوجوں نے مکہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ چار مختلف مقامات سے شہر میں داخل ہوئیں۔

جنوب کی سمت سے حضرت خالدؓ بدویوں کے رسالوں کے ساتھ زبیرؓ (حصہ سے) داخل ہوئے شمال کی جانب ربلائی حصہ سے بدوی شتر سواروں کی ایک اور جماعت الزبیرؓ زبیرؓ عوام کی سالاری میں، مغرب کی طرف سے مدنی دستے سعد بن عبادہؓ کی سرکردگی میں اور مشرق

لے احد کی جنگ کے بعد شام کو ابوسفیانؓ اپنا لشکر لے کر مکہ کی جانب روانہ ہو گیا لیکن آپؐ کو اعتبار نہ تھا چنانچہ آپؐ نے اس کا تعاقب کیا۔ آپؐ کا اندازہ صحیح نکلا وہ مدینہ سے تھوڑے فاصلے پر جا کر پھٹ گیا تھا اور مدینہ پر دوبارہ حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ آپؐ کے تعاقب نے اس کا یہ منصوبہ پورا نہ ہونے دیا۔

لے رسول اللہؐ نے مکہ میں داخلے کے وقت مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ کسی کو قتل نہ کریں گے۔ مسجد حرام میں پناہ لینے والے بھی مامون تھے لیکن جب سعد بن عبادہؓ شہر میں داخل ہوئے وقت یہ رجز پڑھتے گزرے کہ آج جنگ کا دن ہے اور حرم میں خونریزی حلال ہوگی۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ کے حکم سے فوراً پرچم سعدؓ سے لے کر ان کے صاحبزادے قیسؓ کو دے دیا گیا۔ آپؓ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ مکہ یا حرم میں خونریزی ہو۔ (تاریخ طبری۔ حیات محمدؐ)

سے ابو عبیدہ بن الجراح ہاجرا کا برین کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس دستے کے پیچھے خود حضرت محمد صلعم اپنے
عکد کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت علیؓ کی قیادت میں سیاہ بکتر پہنے وہ رسالہ تھا
جس کو دیکھ کر ابوسفیان متاثر ہوا تھا۔

تر بیت یافتہ فوج بڑے قاعدے اور قرینے کے مطابق پلٹنوں اور رسالوں کی شکل میں پڑا
سے روانہ ہوئی۔ فوجی دستے آہستہ آہستہ ان قدیم راستوں سے روانہ ہوئے جو شہر میں آتے تھے
کہیں بھی کوئی مخالفت نہیں ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت محمدؐ کی خواہش کے مطابق شہر
کسی خونریزی کے بغیر ہی فتح ہو جائے گا۔ کہ اچانک حضرت خالدؓ کے دستوں پر حملہ کیا گیا۔
صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل یہ برداشت نہ کر سکے کہ وہ گھروں
میں بیٹھے رہیں اور رنحوذ باللہ! یہ صلح شکن دشمن (حضرت محمد صلعم) شہر پر قبضہ کر لے اور ان
کی آزادی سلب ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی لشکر کی بڑی تعداد کی بھی پروانہ کی۔ وہ
ہمیشہ کے جنگجو تھے اور لڑائی لڑنا ان کی فطرت تھی۔

البتہ یہ ان کی بد قسمتی تھی کہ انہوں نے خالدؓ کے دستوں کو حملے کے لئے چنا۔ ان کی بجائے
کوئی اور سالار ہوتا تو شاید انہیں کوئی عارضی کامیابی ہوتی لیکن اس شعلہ جوالہ کے سامنے وہ
کہاں ٹھہر سکتے تھے۔ ابھی مشکل سے اہل مکہ کے تیروں کی پہلی بوچھاڑ حضرت خالدؓ اور ان کے ایک
ہزار سواروں کے قریب پڑی ہی تھی کہ ان کے رسالے نے حملہ کر دیا اور اس سے پیشتر کہ حضرت
اس لڑائی کو روکنے کا پیغام بھیجیں، جس سے بچنے کے لئے آپؐ نے اتنا اہتمام کیا تھا وہ مسلمان
اور اٹھائیس اہل مکہ کھیت رہے تھے۔

اے حضرت خالدؓ مکہ میں جنوب یا شہر کے زیریں حصہ سے داخل ہوئے اور وہاں پر کچھ قریش ان سے نبرد آزما ہوئے
تھوڑی دیر تلوار بھی چلی۔ رسول کریمؐ اونچی جگہ پر تھے اور بالائی حصہ سے آپؐ نے نیچے کی طرف حضرت خالدؓ کو روتے دیکھا تو
نے فوراً تلوار رک لینے کا حکم بھیجا لیکن اتنی دیر میں قریش کے کچھ آدمی مارے جا چکے تھے اور عکرمہ وغیرہ راہ فرار اختیار
کر چکے تھے جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ لڑائی قریش نے شروع کی اور خالدؓ نے صرف جوابی کارروائی کی ہے تو آپؐ نے فرمایا
”جو کچھ خدا کو منظور ہے اسی میں ہنری ہے۔“ (حیاء محمد)

اس غلط قسم کے واقعہ کے وقت حضرت محمدؐ اس قبرستان کے ذرائع، جہاں حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ مدفون ہیں، ایک چوتھرے کی سی بلندی سے شہر مکہ پر قبضہ کی کارروائی کی نگہبانی کر رہے تھے۔ یہاں پر آپؐ نے اپنا خیمہ نصب کر لیا تھا اور مکہ پر مکمل قبضہ ہو جانے تک آپؐ یہاں ہی مقیم رہے۔

اب بھی آپؐ کو ہر بات ناقابل یقین معلوم ہو رہی تھی۔ جہاں اس وقت آپؐ تشریف رکھتے تھے وہاں سے آپؐ کو اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کا مکان نظر آ رہا تھا جہاں آپؐ بچپن میں کھیلتے رہے تھے۔ آپؐ حضرت ابوطالب کا مکان بھی دیکھ سکتے تھے جہاں آپؐ نے پرورش پائی اور حضرت خدیجہؓ کا بھی جہاں آپؐ نے خوشی و مسرت کے دن گزارے تھے۔ گلیاں بھی آپؐ کو نظر آ رہی تھیں جن سے آپؐ جوانی کے ایام میں گزرا کرتے تھے اور وہ جگہ بھی جہاں آپؐ پہلے کارروائی میں شامل ہوئے تھے۔ آپؐ کو اب صحیح طور پر یاد بھی نہ رہا تھا، کہ آپؐ دور دراز کے سفر سے واپسی پر کتنی بار اس سڑک سے گزرے تھے اور ریاضت اور خاموش عبادت کے لئے کتنی دفعہ اس جگہ سے ہو کر غار حرا گئے تھے اور اب یہ سب کچھ آپؐ کا تھابوڑھے ہاشم کا ایک خلف، جس کا خاندان اتنا زوال پذیر ہو گیا تھا کہ اب اس میں کوئی قابل ذکر فرد باقی نہ رہا تھا، اس کے نام کی عظمت کو دوبارہ زندہ کر رہا تھا۔ آج آپؐ محمدؐ الرسول اللہ ابن عبد اللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم مکہ کے آقا و مالک تھے۔ سب کچھ آپؐ کے قبضہ و تصرف میں تھا۔

لے یہ مشہور قبرستان قدیم مکہ کے باہر پہاڑی ڈھلوان پر ہے۔ شمالاً مارباغ کی طرح اس کے تین طبقے ہیں۔ حضرات عبدالمناں عبدالمطلب اور ابوطالب کی قبریں پہاڑی پر ہیں۔ حضرت خدیجہؓ اور آپؐ کے صاحبزادے حضرت قاسم کی درمیانی طبقہ میں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت اسماء وغیرہ کی قبریں سب سے نچلے میدانی طبقہ میں ہیں۔ اس قبرستان کو حنظلہ المعلقہ کہتے ہیں (مترجم) لے آنحضرتؐ ایک بلند جگہ پر تشریف رکھتے تھے وہاں سے کعبہ نظر آتا تھا۔ اور اس کے بازو میں پہاڑی پر شعب بنی ہاشم اور آپؐ کے آبائی مکانات تھے۔ اسی طرح حضرت خدیجہؓ کا مکان بھی اور زیادہ قریب بلندی پر تھا۔ جہاں آپؐ تشریف رکھتے تھے، وہاں سے اس وقت یہ مکانات وغیرہ نظر آ سکتے تھے۔ جبل حرا اور دوسری پہاڑیاں بھی آپؐ کے سامنے تھیں۔

جو نبی آپ کو یہ تصدیق ہو گئی کہ مسلمان فوج کا شہر پر مکمل قبضہ ہو گیا ہے آپ نے اپنا فوجی لباس اتارا اور احرام باندھ لیا۔ القصورہ پر سوار ہو کر آپ کعبہ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے پچھلے سال کی طرح تمام مناسک ادا کئے۔ یعنی حجر اسود کو بوسہ دیا اور کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کیا۔ کچھ توقف کے بعد آپ نے ان چند تاحال موجود لوگوں کو بلایا جو ہجرت سے پہلے اسلام لے آئے تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے اسی جگہ آپ کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا اور اسلام کے نسب العین کی خاطر اپنی جانیں خطرے میں ڈالی تھیں۔ اب آپ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے والے تھے جو اسلام کے آغاز سے ہی آپ کے ذہن میں تھا۔ یعنی آپ کعبہ کے بتوں کو توڑنے لگے تھے۔ پتھر کے تراشیدہ تین سو ساٹھ بت، بشمول بڑے بت ہبل اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت

لے فتح مکہ کی تاریخ کے متعلق مختلف روایتیں ہیں اکثر مورخین نے کوئی حتمی تاریخ نہیں لکھی لیکن طبقات ابن سعد میں واضح طور پر لکھا ہے کہ رسول اللہؐ رمضان المبارک کو بدھ کو ذی قعدہ صمدیہ سے روانہ ہوئے اور ۲۰ رمضان یوم جمعہ ۸ھ کو مکہ معظمہ فتح کیا۔ پندرہ رات مکہ میں گزاریں پھر جنین کی طرف روانہ ہوئے۔ ابن سعد نے اس سلسلہ میں دوسری کی بیان کردہ اور تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن یہ تاریخ ہی حتمی اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مدینہ سے روانگی کی تاریخ علامہ شبلی نے بھی ۸ رمضان ۸ھ ہی لکھی ہے۔ (مترجم)

۳۔ اس بات کی کہیں تصدیق نہیں ملتی کہ فتح مکہ میں آپ احرام میں کعبہ تشریف لے گئے بلکہ اس کے خلاف طبقات ابن سعد میں ایسی کئی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ احرام میں نہیں تھے بلکہ خود پہن رکھا تھا اور عمامہ باندھا ہوا تھا اور اسی لباس میں آپ نے حجر اسود کو اپنے عصا سے بوسہ دیا اور طواف کئے۔ ۳۔ کعبہ کے اندر اس کے گرد صحن میں ۶۰ یا اس سے بھی زیادہ بت اور شبیہیں تھیں۔ ہبل کا بت بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا اور یا قوت احمر سے بنا ہوا تھا اور انسان کی شکل کا تھا۔ اس کے سامنے فال کے سات بت سر رکھے تھے۔ جن پر نیم (ہاں) یا لا (نہیں) لکھا ہوا تھا۔ لوگ اس سے فال نکالتے تھے۔ یہ بت کعبہ کے اندر تھا۔

بعض روایات کے مطابق کعبہ کے سامنے تھا۔ اسی طرح حضرات ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، عیسیٰ السلامؑ کی مورتیاں تھیں اس کے علاوہ فرشتوں کی تصاویر تھیں۔ یہ کعبہ کے اندر تھیں۔ کعبہ کے اندر کے بتوں اور شبیہوں کو آپ نے خود بھی توڑا اور دوسروں کو توڑنے کا حکم دیا۔ کعبہ کی دیواروں پر سے تصاویر کھرچ کر مٹا دی گئیں۔ اس طرح حرم کعبہ سے بت پرستی کا خاتمہ ہوا۔ یہ سب کچھ آپ کے مکہ میں داخلے کے دن ہی ہو گیا۔ جب لوگوں نے دیکھ لیا کہ بڑے بڑے

اسماعیل علیہم السلام کے مجسموں کے ایک ایک کر کے کعبہ سے باہر لاکر پاش پاش کر دیئے گئے۔ ہر بت کے ٹوٹنے پر آپ سترھویں سورۃ کی یہ آیت بلند آواز سے پڑھتے۔

"وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا"

کہہ دو حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل مٹنے والا ہی تھا۔ (سورہ بنی اسرائیل - رکوع ۹)

کچھ اہل مکہ جو اپنے گھروں سے یہ دیکھنے نکل آئے تھے کہ کیا ہو رہا ہے بتوں کی یہ بے حرمتی دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ لیکن جب قدیم ترین زمانے کی بت پرستی کا آخری نشان بھی توڑ کر پاؤں تلے روند ڈالا گیا اور کوئی بلا یا آفت نہ آئی تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ وہ جلدی سے اپنے گھروں کو گئے اور اپنے ان پڑوسیوں کو جو تاحال اپنے گھروں میں ہی تھے، یہ حیران کن خبر سنائی اور جب تک اس بات کا یقین نہ کرنے والوں کو کعبہ کے محن میں لائے تاکہ وہ خود دیکھ لیں کہ وہاں کیا ہو رہا تھا حضرت محمدؐ نے کعبہ کی دیواروں سے صدا یہ مٹا کر مزید بے حرمتی کر ڈالی تھی۔

اس سے فارغ ہو کر ایک منادی کرنے والا شہر میں بھیجا گیا تاکہ وہ سب کو بتا دے کہ جو لوگ اسلام کی مراعات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے گھروں کے ذاتی بت توڑ ڈالیں۔ کعبہ کے ہر پتھر کے بتوں کی درگت بننے اور کوئی آفت نہ آنے کے بعد اہل مکہ نے بلا پس و پیش اپنے

بتوں کی آنکھوں کے سامنے توڑ ڈالے گئے اور کوئی آفت نہ آئی اور واقعی یہ پتھر کے بت کچھ نہیں کر سکتے تو ہوں اللہ کے حکم کے تحت مکہ والوں نے اپنے اپنے گھروں میں رکھے ہوئے خانگی بت بھی توڑ ڈالے۔ ہبل اہل مکہ کا بت تھا۔ قریش کا ہی ایک اور بڑا بت عزی تھا جو مکہ سے کچھ فاصلے پر نخلہ میں تھا۔ عزی اور ہبل کے علاوہ طائف میں لات نامی دہاں کے لوگوں کا بت تھا۔ مناء مہینے کے اوس و خراج کا بت مثل میں تھا۔ جو مہینے سے سات میل دور تھا۔ سواع قبیلہ ہذیل کا بت جو یثیب کے نواح میں تھا۔ (سیرۃ النبی - حیات محمدؐ)

اے آپؐ نے اہل مکہ کی طرف دیکھا جنہوں نے آپؐ کو اور مسلمانوں کو اذیتیں دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور پوچھا: اے اہل قریش تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ لیکن یہ لوگ مزاج شناس تھے بولے "آج" کہیم وابن آخ کہیم یعنی آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں اور آپؐ سے اچھے سلوک کی امید ہے۔ آپؐ نے عذو عام کا حکم دے دیا اور فرمایا "جاؤ۔ تم آزاد ہو۔" (حیات محمدؐ - طبری - سیرۃ النبی)

بتوں کو اکٹھا کر کھڑکیوں سے باہر پھینک دیا۔

اس کے بعد حضرت محمدؐ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا اور کعبہ کی کنجیاں انہیں واپس کر دیں اور ان کے موروثی متولی کعبہ کے عہدے پر بحال کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ آپؐ نے اپنے چچا العباسؓ کو چاہ زمزم کی تولیت (سقاہ) واپس دے دی۔

حضرت عباسؓ نے اس عہدے کو کچھ کہے سننے بغیر قبول کر لیا اور ایسا رویہ اختیار کیا گو اسلام کے آغاز سے ہی وہ اور اسلام لازم و ملزوم تھے۔ آپؐ کے ان متذنب اور مصلحت انداز چچا نے زندگی بھر کوئی کار نمایاں نہ کیا سوائے اس کے کہ انہوں نے دونوں فریقوں رقریش اور مسلمانوں سے ایک طویل مدت تک بنا کر رکھی لیکن ان کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ زندہ رہا۔ وہ عباسی خلفاء کے مورث اعلیٰ تھے جن کی حکومت کے دور میں عرب تہذیب اور ثقافت اپنی ترقی کی آخری بلندی تک جا پہنچی تھی۔ انہی عباسیوں نے جن کا دور حکومت حضرت محمدؐ کی وفات کے ایک سو سال بعد شروع ہو کر تیرھویں صدی عیسوی تک رہا، بغداد کو اس کا سنہرا زمانہ بنایا۔ خلیفہ ہارون الرشید حضرت عباسؓ کے بہت سے مشہور اخلاف ہیں سے ایک تھا۔ ان دو معزز عہدوں کی تقسیم اور توثیق کے بعد حضرت بلالؓ کعبہ کی چھت پر دوسری مرتبہ نماز کے لئے اذان دی۔ اور ایک مرتبہ پھر ان کی آواز شمال اور جنوب اور مشرق اور مغرب میں کے مکانات پر واضح طور پر گونجی۔ حضرت محمدؐ نے اپنا رخ بتوں کی آلودگی سے پاک بیت اللہؐ کیا اور نماز شروع کی۔ جو مجاہدین قریب کھڑے تھے انہوں نے بھی اپنا رخ اسی طرف کر لیا اور اسی طرح گلیوں اور بازاروں اور پہاڑیوں پر کھڑے سپاہیوں نے بھی جو تعداد میں دس ہزار تھے اپنا رخ پھیر لیا اور ایک اللہ اور اس کے رسول پر اپنے ایمان کی شہادت دی۔

۱۔ کعبہ کی تولیت کے لئے تین چار معزز عہدے تھے جو خاندانی تھے۔ سلیم اسلام سے پہلے بھی عثمان بن طلحہ کعبہ کے کنجی ہوتے تھے۔ (۲) سقاہ چاہ زم زم اور دوسری جگہ سے لاکر حاجیوں کو پانی مہیا کرنے کا عہدہ حضرت عباسؓ کے پاس تھا۔ (۳) رفاہ۔ منیٰ و عرفات میں غریب حاجیوں کو کھانا مہیا کرنے کا شکیں اور اس کا انتظام حضرت ابوطالبؓ سے متعلق تھا۔ (۴) لواہ۔ یعنی پرچم بردار سی۔ یہ بنو عبد شمس یا ابوسفیان کے خاندان سے منسلک تھی۔ وہ قریش کے لشکر کے پرچم بردار یا قائد ہوتے تھے۔ اسی لئے ابوسفیان لشکر قریش کا سالار تھا۔

کچھ دیر ہی گزری تھی کہ حضرت محمدؐ سوار ہو کر ایک چھوٹی سی پہاڑی کی طرف آئے۔ جو کعبہ سے زیادہ دور نہ تھی اور مکہ کے مرد اور عورتوں کو اسلام قبول کرنے کا شرف بخشا۔

سب سے پہلے مسلمان ہونے والے حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ تھے جو اپنے بیٹے کے بازو کا سہارا لے کر حضرت محمدؐ تک پہنچے۔ آپؐ نے اپنے صحابی (حضرت ابی بکرؓ) سے کہا کہ ان بزرگ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی بلکہ مناسب یہ تھا کہ آپؐ کو ان کے پاس لے جایا جاتا۔ اس ساری رسم کے دوران حضرت محمدؐ اس امر کی بار بار وضاحت کر رہے تھے کہ آپؐ ان لوگوں کی طرح ہی کے ایک انسان تھے جو اس وقت ان کے سامنے کھڑے تھے اور ایک قریشی والدین کے بیٹے تھے۔

حضرت محمدؐ کو اذیتیں دینے والوں میں سے معدودے چند ہی کو سزا دی گئی اور صرف چار آدمیوں کی جو قتل کے مرتکب ہوئے تھے، گردنیں ماری گئیں۔ واجب القتل قرار دیئے جانے والوں میں ایک وحشی بھی تھا جس نے جنگ اُحہ میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا لیکن وہ بھاگ گیا اور جب دوسری مرتبہ آپؐ کے سامنے پیش ہوا تو مسلمان ہو چکا تھا اور اس طرح اس کی جان بچ گئی۔

سب سے زیادہ حیران کن واقعہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا مسلمان ہونا تھا۔ مکہ سے بھاگ کر نہ جاسکی تھی اور بڑی دلیری سے حضرت محمدؐ کے سامنے حاضر ہو گئی جب حضرت محمدؐ نے اسے خوبصورت آنکھوں سے اپنی طرف دیکھتے دیکھا تو آپؐ اس پر نفرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

لے کوہ صفا کا ایک مقام (سیرۃ النبی)

کے عام روایات کی رو سے دس آدمی واجب القتل قرار دیئے گئے تھے لیکن صرف وہ چار قتل کئے گئے جو قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان میں تین مرد اور ایک عورت قریبہ ابن حنظل کی لونڈی اور مغینہ تھی جو آنحضرتؐ کی بھوکے گیت گاتی تھی مردوں کے قتل کا سبب قصاص تھا۔ اور جو مسلمان ہو گئے اور جن کو معاف کر دیا گیا ان میں عکرمہ بن ابوجہل عبداللہ بن ابی سرح (حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی) صفوان بن امیہ عبداللہ بن زبیری (مشہور شاعر) آپؐ کی بھوکے تھے اور قرآن پر نکتہ چیں کرتے تھے) اور وحشی (قاتل امیر حمزہؓ) عورتوں میں ہندہ زوجہ ابوسفیان) اور ام سارہ (ایک کینیز جو حاملہ کا خفیہ خط لے کر مکہ والوں کو خبردار کرنے چلی تھی) (سیرۃ النبی۔ طبقات ابن سعد۔ تاریخ طبری)

اب ہند کا غرور خاک میں مل چکا تھا۔ وہ حضرت محمدؐ کے پاؤں پر گر گئی اور معافی چاہی۔ ایک ایسی عورت جس نے حضرت محمدؐ کو بدنام کرنے میں سب سے زیادہ کام کیا تھا کے اس طرح برسرِ عام عاجزی کرنے سے حضرت محمدؐ مطمئن ہو گئے۔ آپؐ نے حمزہؓ کی قاتلہ کو معاف کر دیا اور اس کی بیعت قبول کر لی لیکن درحقیقت ہند کبھی دل سے اسلام نہیں لائی اور مرتے دم تک آپؐ کی مخالفت اور آپؐ سے نفرت ہی کرتی رہی۔

عکرمہ بن ابوجہل بھی مکہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے لیکن جب انہوں نے سنا کہ حضرت محمدؐ اسلام لے آنے والوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کر رہے تھے تو وہ واپس آ گئے اور اپنے جانی دشمن سے فراخ دلانہ سلوک پایا۔

ایسا کرنے کی وجوہات بھی تھیں۔ ابوجہل کے لڑکے کا آپؐ کو پیغمبر تسلیم کر لینا بذاتِ خود ایک ایسی کامیابی تھی جس کے سبب یہ فراخ دلی اور نرمی روا تھی۔ اس کے علاوہ اسلامی سپاہ کے لئے اعلیٰ اہلیت رکھنے والے افسران اور قائدین کی بھی ضرورت تھی۔ عکرمہؓ عرب کے بہترین سالاروں میں سے ایک تھے۔ چنانچہ مسلمان ہو جانے کے بعد جلدی ہی انہیں اسلامی فوج کی ایک کمان دے دی گئی۔ انہوں نے بھی اپنی اہلیت سے حضرت محمدؐ کے فیصلے کو صحیح کر دکھایا اور ایک پر جوش اور دلیر سالار ثابت ہوئے اور آخر کار اسلام کی خاطر لڑتے

۱۔ ہند جب بیعت کے لئے حاضر ہوئی تو چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا۔ اس نے اس حال میں بھی آنکھوں سے بڑی حاضر جوابی اور گستاخانہ دلیری سے بات کی۔ (سیرۃ النبی - جلد اول)

۲۔ خالدؓ سے شکست کھانے کے بعد قتل کے خوف سے عکرمہؓ میں چلے گئے لیکن ان کی بیوی ام حکیم ایمان لے آئیں اور بعد میں اپنے شوہر کو مین سے واپس لے آئیں۔ عکرمہؓ مسلمان ہو گئے اور بعد میں اسلام کے ایک سچے جانثار سپاہی اور سپہ سالار ثابت ہوئے اور اسلام کی خاطر لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

(سیرۃ النبی - جلد اول)

۳۔ یہ ثانوی وجوہات یا نتائج ہو سکتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت یہ آپؐ کا حسن سلوک اور عفو و درگزر ہی تھا۔ جو ابوسفیان اور عکرمہ جیسے لوگوں کو دائرہ اسلام میں لے آیا۔

ہوئے ہی میدان جنگ میں شہید ہوئے۔

درحقیقت یہ تمام نو مسلم مجاہدین اپنے ان بھائیوں سے زیادہ پر جوش اور سرگرم مسلمان ثابت ہوئے جو مصائب کے اس دور میں مسلمان ہو گئے تھے جب اپنے بچاؤ کے سوا باہر جا کر کوئی لڑائیاں نہیں لڑنا پڑتی تھیں۔

شہر مکہ فتح ہو جانے اور وہاں کے لوگوں کے اسلام قبول کر لینے کی رسم کے فوراً بعد خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کو قریبی مواضع اور نخلستانوں میں شبیہوں اور بتوں کو ختم کرنے اور توڑنے کے لئے بھیجا گیا۔ انہوں نے اس کی تعمیل کی لیکن جہاں کہیں ان کو ایسا آدمی ملا جس نے اسلام قبول کرنے میں کچھ پس و پیش کیا تو وہ اور خصوصاً خالد اس کو فوراً قتل کر دیتے تھے۔ یہ حضرت محمدؐ کے تمام اصولوں کے خلاف تھا۔ آپؐ نے مکہ میں بڑے تحمل اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ آپؐ نے ان کی تمام لغزشوں اور زیادتیوں کو معاف کر دیا تھا اور ان اذیتوں کو دل سے بھلا دیا تھا۔ جو ان لوگوں نے مصائب کے دور میں آپؐ پر روا رکھی تھیں۔ آپؐ نے ان سے ایسا ہی سلوک کیا جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے مصر میں کیا تھا جب آپؐ نے سنا کہ حضرت خالدؓ کس طرح اسلام کی اشاعت کر رہے ہیں تو آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے کہا۔

”یا اللہ جو کچھ خالدؓ نے کیا میں اس سے بری الذمہ ہوں“

اے حضرت خالدؓ نے مکہ کے قریب نخلہ میں قریش کا دوسرا بڑا بت عزیٰ توڑا۔ اور عمرو بن العاص نے ہذیل کا بت ”سواع“ ختم کیا جو منبوع کے قریب رباط میں تھا۔ اسی طرح ”منات“ کو توڑا گیا جس کا استھان مثل (مدینہ کے قریب) تھا اور بنو ادس و خذرج اس کی پرستش کرتے تھے۔ بعد میں طائف کی فتح پر وہاں کے لوگوں کی دیوی لات کو بھی توڑ دیا گیا۔

مکہ طبری نے ایک روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ الفاظ آپؐ نے اس وقت کہے جب حضرت علیؓ ان سب لوگوں کا خون بہا اور آئے جنہیں خالدؓ بن ولید نے قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ آپؐ نے حضرت خالدؓ کو صرف بت توڑنے اور داعی کی حیثیت سے بھیجا تھا۔

آپؐ نے اپنی بے گناہی کی تصدیق خالدؓ کو سرزنش کر کے کر دی اور مقتولین کے ورثا کو خون بہا کے طور پر روپیہ بھیجا۔

جب تمام رسومات ختم ہو گئیں تو حضرت محمدؐ نے شہر پر ایک نظر ڈالی جو اس وقت شام کی سنہری دھوپ میں نہایا ہوا تھا۔ آپؐ کے گرد آپؐ کے چند جاں نثار کھڑے تھے جو شروع سے ہی آپؐ کے ساتھ تھے۔ ان میں بھی کچھ تبدیلی نظر آرہی تھی۔ وہ بے فکر سے نظر آرہے تھے اور ان لوگوں کی سی خبر داری سے بے نیاز ہو کر آپؐ میں باتیں کر رہے تھے، جو چوکنے رہ کر ہر وقت اس بات کا بڑا خیال رکھتے ہیں کہ موقعہ پڑنے پر ان کی تلواریں نیام میں اٹک کر نہ رہ جائیں۔ شام کی دھوپ میں شہر کی چمکتی چھتوں کی طرف بازوؤں کو پھیلا کر حضرت محمدؐ نے کہا۔

”اے شہر مکہ، تو اللہ کی زمین پر میرے لئے سب سے پسندیدہ جگہ ہے۔

اور اگر تیرے لوگ مجھے یہاں سے نہ نکال دیتے تو میں چھوڑ کر نہ جاتا۔“

اہل مکہؓ نے اس پر بڑے شکر کا اظہار کیا۔ زبان سے بھی اور آنسوؤں سے بھی۔ مدینہ

والوں نے البتہ یابوسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا: ”وائے

افسوس! حضرت محمدؐ اب اپنے آبائی شہر کے فاتح اور مالک ہیں۔ وہ بلاشبہ اب یہاں ہی

مستقل رہائش اختیار کر لیں گے۔ اور مدینہ چھوڑ دیں گے۔“

یہ باتیں حضرت محمدؐ کے کانوں تک بھی پہنچیں۔ چنانچہ آپؐ نے اسی وقت ان لوگوں

یقین دلایا جنہوں نے آپؐ کا ایسے وقت میں ساتھ دیا تھا جب آپؐ بے یار و مددگار تھے

آپؐ نے فرمایا: ”ہرگز نہیں جب آپؐ لوگوں نے مجھے قول دیا اور میری بیعت کر لی تھی تو

میں نے بھی آپؐ لوگوں کے ساتھ جینے اور مرنے کی قسم کھائی تھی اور اب اگر میں آپؐ کو چھوڑ دوں

تو میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول نہ ہوں گا۔ میرا جینا اور مرنا اب آپؐ لوگوں کے ساتھ ہی ہوگا۔

آپؐ نے اپنا یہ قول پورا کر دکھایا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد اپنی وفات تک حضرت

محمدؐ صرف دو مرتبہ مکہ آئے۔

لے آپؐ نے یہ الفاظ کعبہ کو خطاب کر کے کہے تھے۔ (طبقات ابن سعد، جزو ثانی)

اب آپ تھک چکے تھے اور آرام کی ضرورت تھی۔ ان چند روز میں آپ عرب کے طاقت ور ترین حکمران بن گئے تھے۔ آپ دینی پیشوا بھی تھے اور دنیوی حکمران بھی اور یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ سال ختم ہونے سے پہلے پہلے آپ اکیلے ہی سارے عرب کے حکمران ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ ایک قوم، ایک سلطنت اور ایک دین کے بانی بھی لیکن آپ کے نزدیک یہ سب کچھ اتنی قابلِ فخر بات نہ تھی جتنی یہ کہ یہ اب کعبہ، جو زمین کا مرکز تھا۔ سوائے زمانہ بتوں سے پاک ہو چکا تھا۔ اگر آپ اس رات ہی فوت ہو جاتے تب بھی آپ کو یہ اطمینان رہتا کہ آپ اپنے مشن کا اہم ترین حصہ کامیابی سے پورا کر چکے تھے۔

لیکن حضرت محمدؐ نے اس رات انتقال نہ کیا۔ ابھی آپ کو کچھ عرصہ اور اس دنیا میں رہنا تھا۔ لیکن آپ کی زندگی کا نقطہ عروج وہ سنہری شام ہی تھی جب آپ کو وہ شے مل گئی جس کے لئے آپ ساری زندگی کوشاں رہے یعنی مکہ کو دوبارہ حاصل کرنا اور کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا۔

ایسے لوگ شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتے ہیں جن کی تمام خواہشات ان کی زندگی میں ہی پوری ہو جائیں اور ان گنے چنے افراد کا ملنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے جو خواہشات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار کو بھی ہاتھ سے نہیں کھوٹے۔ جنوری ۶۳ء اور ہجرت کے آٹھویں سال کی اس شام کو حضرت محمدؐ اپنی چٹائی پر اسی اطمینان سے سوئے جس طرح آپ اس وقت سوتے تھے جب آپ حضرت خدیجہؓ کے تجارتی گامشتے کی حیثیت سے سفر پر جایا کرتے تھے۔

فوج کی تشکیل۔ عزوات حنین طائف اور نبوک

۶۳۰ تا ۶۳۱

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد اس سے بڑی اور کوئی مہم آپ کو درپیش نہیں آتی ہوگی۔ لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے خلاف حضرت محمدؐ کی پہلے ہی ضرورت سے زیادہ ہنگاموں بھری زندگی میں ایک سخت آزمائش کے بعد اس سے بڑی مہم بڑے تسلسل سے آتی چلی گئی۔ حالانکہ مکہ کے بیشتر لوگ اسلام لے آئے تھے لیکن چند قدیم خاندانوں نے ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے حضرت محمدؐ کو اپنا حاکم تو تسلیم کر لیا تھا لیکن آپؐ کا دین اختیار کرنا ضروری نہ سمجھا۔ یہ بات مقدس شہر اور عرب کے دوسرے قبائل کے متعلق آنحضرتؐ کی حکمت عملی اور نشانہ کے خلاف تھی۔ اب آپؐ کو اپنی ثبوت اور رسالت کو مزید سچا ثابت کرنے کی توجہاں ضرورت نہ تھی لیکن جب تک آپؐ کے تابع فرماں لوگ اللہ کا دین و اسلام اختیار نہ کر لیتے آپؐ خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے احکام کی تکمیل میں پوری طرح کامیاب نہ سمجھتے تھے چنانچہ آپؐ باہر جا کر دوبارہ تبلیغ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک غیر متوقع خبر نے آپؐ کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

مکہ فتح ہو جانے سے آپؐ کے جنرل یہ سمجھنے لگے تھے کہ اس کے بعد عرب کا باقی ملک غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دے گا۔ لیکن ہوا اس کے خلاف۔

ہوازن کے مشہور قبیلے نے جس کی چراگاہیں طائف کے ارد گرد تھیں اور جہاں آپؐ ہجرت سے دو سال قبل اذیتوں سے بچنے کے لئے پناہ لینے کی کوشش کی تھی، آپؐ کو

نبوت کا جھوٹا دعویٰ سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا۔ اس قبیلے کے لوگ بڑے خود سر اور مغرور تھے اور اپنی محفوظ پہاڑی پناہ گاہ کے سبب ہمیشہ سے اپنی خود مختاری کو قائم رکھے ہوئے تھے۔ مگر میں آپ کی کامیابی پر ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ آپ سارے عرب پر غلبہ حاصل کر لیں اور ان کی اپنی آزادی بھی ختم ہو کر رہ جائے، آپ پر پوری قوت سے حملہ کر دیں چنانچہ انہوں نے اپنے تمام حلیف قبائل کو جو انہی پہاڑوں میں رہتے تھے، اپنے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی اور انہیں جمع کر لیا۔ ان میں بنو سعد بھی تھے جن کے درمیان آپ نے اپنا بچپن گزارا تھا۔

جو نبی حضرت محمدؐ نے اس معاندانہ اقدام کے متعلق سنا، آپ نے فوراً یہ فیصلہ کر لیا کہ دشمن کے آگے بڑھنے سے پہلے ہی اس پر اپنی پوری قوت سے حملہ کر دیا جائے۔ آپ کے پاس ایسا کرنے کے لئے ہر قسم کے ذرائع بھی موجود تھے اور مکہ لے لینے کے بعد آپ کی فوج میں ابوسفیان کے لشکر کا اضافہ ہو گیا تھا اور اب اس کی تعداد دس ہزار سے بڑھ کر بارہ ہزار ہو گئی تھی۔ اس کو ساتھ لے کر آپ قبیلوں کی متحدہ جمیعت سے مقابلے کے لئے طائف کی جانب روانہ ہو گئے۔ ان قبائل نے اپنے آپ کو بہت تیزی سے جنگ کے لئے تیار کر لیا اور بڑی جمیعت اکٹھی کر لی۔ مسلمانوں کے رسالے اور ان کی بہتر کارکردگی کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنے سخت ناہموار پہاڑی علاقے سے فائدہ اٹھایا۔

اوطاس کے پہاڑوں کے اس پار زرخیز وادی میں پہنچنے کے لئے جہاں یہ قبیلے اپنے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چراتے تھے ایک تنگ گھاٹی کو عبور کرنا پڑتا تھا۔ یہ گھاٹی یاد رہے حنین کے نام سے موسوم تھا۔ یہ ایک تنگ اور سنسان گھاٹی تھی جس کے دونوں طرف عمودی

لے طائف میں آنحضورؐ پناہ لینے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کا پیغام پہنچانے اور اسلام کی تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔
۴۷ سوال ۳۷ مطابق جنوری۔ فردری ۳۷۳ میں بارہ ہزار اسلامی فوج مکہ سے طائف کی جانب روانہ ہوئی
(سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۷۱ آنحضورؐ ۴ سوال کو مکہ سے روانہ ہو کر ۱۰ سوال کو منگل کی شام کو حنین پہنچے۔

(طبقات ابن سعد۔ جز ثانی)

چٹانیں تھیں اور اس کے سوا کہ اسے چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں طے کریں ایک بڑی فوج کا اس میں سے گزرنا مشکل تھا۔ اگر ایک دفعہ اس تنگ درے میں روک کر لڑائی شروع کر دی جائے تو رسالے کے سواروں کے لئے اس میں نقل و حرکت کرنے اور گھوڑوں کو موڑنے اور پلٹنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اونٹوں کے لئے بھی ایسا کرنا مشکل تھا۔ مسلمانوں کا ہراول دستہ جس میں زیادہ تر تاحال نا آزمودہ بد سوار تھے، خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھا۔ اس کے پیچھے گھوڑ سواروں اور شتر سواروں کے رسالوں اور پیادہ دستوں کی اصل فوج تھی حضرت محمدؐ اپنے سفید خچر پر سوار اپنے مشہور جنگ آزمودہ لوگوں کے ہمراہ سب سے پیچھے آرہے تھے حضرت محمدؐ عقب میں اس لئے نہیں چل رہے تھے کہ آپؐ کو اپنی حفاظت کا کچھ زیادہ خیال تھا بلکہ اس لئے کہ آپؐ کو کسی ایسے ناگہانی حادثے کا گمان نہ تھا۔ اس کے برعکس آپؐ آج اسی پر اعتماد تھے جتنے چند ہفتے پہلے محتاط تھے۔ آج آپؐ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ آپؐ کی فوج ہر دشمن کو شکست دے سکتی تھی۔ آپؐ اس ساری مہم کو ایک بڑی چھاپہ مار مہم سے زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے ہو آپؐ کے نئے زنگر وٹوں کو تجربہ اور کار آزمودہ لوگوں کو غنیمت مہیا کرتی تھی۔ آپؐ کے افسران اور مشیروں کا بھی یہی خیال تھا۔ چنانچہ جب ہوازن کے لوگوں نے اس گھاٹی میں چٹانوں کی آڑ لے کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر چٹانیں لڑھکائیں۔ پھرتیروں کی بوچھاڑ کی اور پھر نعرے لگاتے شمنغیرزوں نے حملہ کر دیا تو اس تنگ و تاریک گھاٹی میں

اے خالد کی سالاری میں فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے۔ غیر تربیت یافتہ تھے اور تاحال کسی نظم و ضبط کے پابند نہ تھے۔ اسلام بھی تاحال دلوں میں راسخ نہ تھا۔ اس لئے سختی کے وقت جان بچا کر بھاگ کھڑا ہونا تاحال ان کا شعار تھا۔ (سیرت النبی۔ طبقات ابن سعد)

۱۷ حقیقت یہ ہے کہ یہ سر و سامان دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے" لیکن بارگاہِ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ آئی اور بعد میں یہ

نا پسندیدگی ایک آیت کی شکل میں نازل ہوئی۔ "وَلْيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

ثَمَرٌ وَلْيَسْتَمَّ" (سورۃ توبہ) (سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۷۱)

ایک افراط فیزی مچ گئی۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ ایک نہیں بہت سے مواقع پر ایسے جنگی طریقوں نے بہترین سے بہترین فوج کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ اس سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ ترین افواج کو بہت دفعہ ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ رولینڈ ROLAND کو اسی طرح رونکیس ولا RONCES VLIAS کے مقام پر شکست ہوئی تھی اور یہی صورت حال وارن (VARUS) کو ٹیوٹو برجر کے جنگل میں پیش آئی تھی۔ لارنس آف عربیہ LAWRENCE OF ARABIA نے بھی یہی جنگی چال پہلی جنگ عظیم

لے ابھی صبح ہونے میں کچھ دیر تھی۔ اس لئے اندھیرا تھا دوسرے گھاٹی تنگ اور عمودی تھی۔

اور اس کے دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں ہونے کے سبب اس میں اور زیادہ اندھیرا تھا۔ ایسی حالت میں کہ جہاں تنگی کے باعث گھوڑا پھرنے کو جگہ نہ ہو وہاں اوپر سے بڑی بڑی چٹانیں سرور پر گرنے، اکینگا ہوں سے تیروں کی بارش اور دونوں سمت سے چھپے ہوئے قبائلیوں کا نکل کر تلواروں سے حملہ کرنے سے مسلمانوں کا مقدمہ الجھیش ہو کھلا گیا اور پیچھے کی طرف ایسے بھاگے کہ کسی کو گولی ہوش نہ رہا۔ جب وہ مرکزی فوج میں سے گزرے انہوں نے بھی دشمن کی بھاری جمیعت کین گاہوں سے نکل کر چاروں طرف سے حملہ کرتی دیکھی تو ساری مسلم سپاہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور جھگڑ مچ گئی۔ اتنا شور و غل تھا کہ لوگوں نے رسول اللہ کی آوازیں بھی نہ سنیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاں نثاروں کی بہت گھوڑی جمیعت آنکھوں کے پاس رہ گئی لیکن رسول اللہ کی ثابت قدمی نے بھاگتی فوج کو روٹایا اور باری لڑائی جیت لی گئی۔

لے روینڈ شاہ فرانس رشار لیان کے بارہ بہادر امرا میں سے ایک تھا۔ اس کی روایتی بہادری کی داستانیں مشہور ہیں۔ شام میں سپانیہ کی مسلم افواج کے خلاف جو فرانس میں داخل ہو کر بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ رونکیس ولا کے درے میں پھنس کر لڑتے ہوئے مارا گیا اور اس کی ساری فوج تباہ ہو گئی۔ (سنچری انسائیکلو پیڈیا آف نینر)

لے ایک رومن جنرل جس کا پورا نام VARUS PUBLIUS QUINTILLUS ہے۔ شام ق۔ م میں شام کا گورنر اور بعد میں جرمنی کے علاقے میں رومن فوجوں کا کمانڈر تھا۔ اس کی سخت گیری اور نظام کے خلاف جرمن اور دوسری اقوام نے متحد ہو کر اس کا مقابلہ کیا اور آرمینس ARMENIUS نے شام میں اس کو ٹیوٹو برجر کے جنگل میں شکست فاش دی۔ شکست کھانے

پر اپنی ہی تلوار سے خودکشی کر لی CENTURY ENCYCLOPEDIA OF NAMES

کہ لارنس آف عربیہ۔ برطانوی ایجنٹ اور فوجی کرنل جو جنگ عظیم اول (۱۸-۱۹۱۴ء) میں عربوں کا دوست بنا رہا اور آزادی دلانے کے ہانے ان کو ترکوں سے باغی کر کے انہیں ترک جرمن افواج سے لڑا تا رہا۔ اس نے بھی ترک فوجوں کو اسی طرح ایک درے میں روک کر شکست دی تھی۔

میں جہنم ترک افواج کے خلاف اس لڑائی میں کامیابی سے چلی جو اس مقام سے زیادہ دور نہیں لڑی گئی جہاں اب حضرت محمدؐ کے مشہور مقدمۃ الجیش کے سپاہی خوفزدہ جانوروں کی طرح اذرا تفری میں دوڑے آپؐ کی طرف چلے آرہے تھے۔ چند ہی منٹ کے اندر اندر یہ قابل فخر فوج، جو تھوڑی دیر پہلے گھائی میں بڑے تنک و احتشام سے چڑھ رہی تھی ایک بے ترتیب انبوہ کی شکل میں بدل گئی جن کو پیچھے سے چھتے چلاتے قبائلی مارتے کاٹتے چلے آرہے تھے۔ اور جن کی تعداد چٹانوں کے پیچھے سے نکل نکل کر ہجوم بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ حضرت محمدؐ کا اس وقت ان کو کوئی حکم دینا یا آپؐ کے ارد گرد جمع ہو جانے کی اپیل کرنا بے سر رہا۔ خوف و ہراس، جس نے اکثر اوقات بہترین فوجوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، ان پر پوری طرح مسلط ہو گیا تھا اور ان بھاگتے ہوئے لوگوں کو اس وقت روکنا ایسا ہی تھا جیسے سمندر میں طوفان کے آگے بند باندھنا۔

حضرت محمدؐ یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ آپؐ نے اپنے تھوڑے سے جاں نثاروں کو جو ابھی تک قدم چلائے کھڑے تھے اپنے پیچھے آنے اور آخری دم تک لڑنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے تلوار کھینچ لی۔ خچر کو ہمیشہ کیا اور دشمن کی بڑھتی ہوئی صفوں کی جانب یلغار کی جو اس وقت

اے عبد اللہ بن مسعودؓ: یہی اور ابو نعیم کی روایات کے مطابق آنحضورؐ کے پاس صرف اسی یا ایک سو جاں نثار باقی رہ گئے تھے جن میں ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عباسؓ، ابوسفیانؓ بن حارث۔ ان کے رہے حضرت فضل بن عباسؓ، ربیعہ بن حارث۔ اسامہؓ بن زید اور چند گھروالے شامل تھے۔

جب آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے آواز دینے کے باوجود لوگ بھاگے چلے جا رہے ہیں اور دشمن بڑھتا آ رہا ہے تو آپؐ کو جلال آگیا۔ تلوار کھینچ لی اور مرنے مارنے کا فیصلہ کر کے دشمن کی طرف بڑھے۔ آپؐ یہ جہز پڑھ رہے تھے

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا ابن عبد المطلب

لیکن حضرت عباسؓ (بعض کے نزدیک سفیان بن حارث) نے آپؐ کی باگ تھام لی۔ آپؐ کے اس نعرے سے اور حضرت عباسؓ کی للکار سے بھاگتی فوج پلٹی۔ لوگ پردانوں کی طرح آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں دشمن بھاگ نکلا۔ (سیرۃ النبی)

ابوسفیان اس موقع پر یہ طعنہ دیتے بغیر نہ رہ نہ سکا کہ اب یہ مسلمان سمندر سے ادھر نہ رکھیں گے اسی طرح ان الحنبلی ایک مشرک زور سے چلایا اور کہا "کیا آج رسول اللہؐ کا جادو ختم نہیں ہو گیا۔ شیبہ بن عثمان بن طلحہ نے کہا کہ آج (نحوذ باللہ) حضرت محمدؐ کو قتل کر کے باپ کا بدلہ لوں گا۔" (طبری ج ۱ حصہ سوم)

وہ بھی تنگ گھائی میں پھنسے ہونے کے سبب کھل کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ العباس بھی اپنے ہتھیار کے پیچھے لپکے۔ حجر کی باگ تھام لی اور اپنی پوری قوت سے مسلمانوں کو لٹکارا کہ وہ ذرا یہ سوچیں کہ وہ کون ہیں اور اس دنیا میں کیا نصب العین لے کر آئے ہیں حضرت عباسؓ کی نواز اس قدر بلند رہتی جیسے نکل بجادیتے گئے ہوں۔ اونچی پٹانوں سے گھری وادی میں یہ نواز بڑے زور سے گونجی اور بازگشت کے سبب گونجتی ہی چلی گئی۔ بھاگتے مسلمان یہ سن کر کے حضرت عباسؓ اور زور سے لٹکارے مسلمان پلٹے اور دوبارہ گھائی کی طرف رخ کیا جن لوگوں نے خیبر اور موتہ کی جنگیں لڑی تھیں وہ بڑے شرمندہ ہوئے۔ اور جس طرح وہ اپنی جانیں جانے کے لئے بھاگے تھے۔ اسی جوش اور جذبے کے ساتھ اب وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ وہ ایک۔ ایک (ہم حاضر ہیں) کے نعرے لگاتے ہوئے پلٹے اور اب گھائی پر چڑھے چلے جا رہے تھے۔

(حملہ آور مسلمانوں کا، خصوصاً جب وہ اسلام کی خاطر کٹ مرنے کے لئے یلغار کرتے ہیں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ فروری ۶۳۰ء کی اس صبح کو بھی ان کا جوش و جذبہ کسی طرح کم نہ تھا جو مقابلہ بے ترتیبی اور خوف و ہراس میں شروع ہوا تھا جلد ہی ایک خونریز معرکے میں بدل گیا۔ ہارٹی قبائلیوں نے مقابلہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن ان جو شیلے مجاہدین کے سامنے کھڑے جو ان سے زیادہ بہتر طور پر مسلح تھے اور اب ان میں نظم و ضبط بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ جلد ہی ہی ہوازن میدان ہار گئے۔ اور اسی تیزی سے جانیں بچا کر بھاگنے لگے جس طرح تھوڑی دیر پہلے مسلمان بھاگے تھے۔)

ان کی یہ شکست مکمل تھی۔ اپنی فوج کا پورا دباؤ ڈال کر حضرت محمدؐ نے ان کو گھائی سے نکال کر دوسری طرف کھلی وادی میں دھکیل دیا۔ یہاں انہوں نے پاؤں جانے کی کوشش کی لیکن اب

لے رسول کریمؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے ہاجرین و انصار کو یہ کہہ کر لٹکارا: یا مشعرا الانصار! (آج کون انصار کا حق ادا کرے گا) یا اصحاب الشجرہ (آج بیعت رضوان کرنے والوں کا کون حق ادا کرے گا) (تیسرا نبی) ابن سعد اور طبری نے آپ کے نعروں میں یا اصحاب السمرہ اور یا اصحاب سورۃ البقرۃ بھی لکھا ہے۔

وہ حضرت خالد کے رسالے کے رحم و کرم پر تھے۔ شکست نے اب ایک قتل عام کی شکل اختیار کر لی تھی چنانچہ جلدی ہی بچے کھچے لوگ جان بچا کر بھاگ رہے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اتنے پیچھے ہٹ گئے کہ ان کے خمیہ و خرگاہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ قتل ہو جانے والوں کے علاوہ جو کچھ حضرت محمدؐ کی سپاہ کے ہاتھ لگا وہ چھ ہزار بوڑھے مرد، عورتیں اور بچے قیدی چار ہزار چاندی کے سکے، چالیس ہزار بھیڑ بکریاں اور چوبیس ہزار اونٹ تھے، یہ عظیم ترین فتح تھی جو حضرت محمدؐ کو تا حال حاصل ہوئی تھی۔

آپؐ نے ابھی فتح کی مبارک باد قبول نہ کی کیونکہ آپؐ کے احساسات اس وقت ایسے تھے جیسے غزوہ احاد کے بعد۔ آپؐ جانتے تھے کہ اگر آپؐ کے چچا العباسؓ اپنی گرجدار آذانہ کے ساتھ آپؐ کی امداد نہ کرتے تو آپؐ خود اور آپؐ کے بہادر ساتھی اس گھاٹی کی بھینٹ چڑھ چکے ہوتے۔ آپؐ نے اپنی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کی ناقابل معافی کمزوری کو تسلیم کیا۔

کی انیسویں سورۃ میں اس کا ذکر اس طرح ہے :-

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ
وَلَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يُدْرِكُونَ
يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ جَعَلْتُمْ كُرْسًى
تَغْنُ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ
وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ

اب تک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سی
لڑائیوں میں فتح عطا کی لیکن حنین کی جنگ
میں اپنی بڑی تعداد پر تمہارا غرور کچھ کام نہ
زمین اپنی وسعت کے ساتھ تم پر تنگ
گئی اور پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے
ہوئے۔۔۔۔۔

(سورۃ توبہ - رکوع ۴)

قیدیوں میں ایک کمزور بڑھیا عورت ایسی بھی تھی جس نے حضرت محمدؐ کے سامنے پیش
ہونے کی اجازت چاہی۔ جب اس نے حضرت محمدؐ کو دیکھا تو بڑے جانے پہچانے انداز میں
آپؐ کو محمدؐ کہہ کر مخاطب کیا۔ حضرت محمدؐ نہ پہچان سکے۔ یہاں تک کہ بڑھیا نے شیما کے نام

لے یہ آیات نویں سورۃ (سورۃ توبہ) کی ہیں۔ انیسویں کی نہیں۔ (مترجم)

THE GREAT ARAB CONQUEST BY J. B. GLUBB

نقشه - ۱۲

واقعات ۶۲۳ تا ۶۳۲

مملکت اسلامیہ
۶۳۲ - ۱۰ م

شمال

شرق

صحرائے شام

دوستہ الجذلی
۶۳۰ م

بنو انس

بنو عطفان

نجد

بنو سلیم

۶۲۸ م
۶۲۵ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

۶۲۳ م
۶۲۳ م

عمان ربع الخالی

نجران

بحر

حضرموت

بحر ہند

اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ وہ آپ کی اس وقت کی رضاعی بہن تھی جب آپ نے بنو سعد کے خانہ بدوشوں میں اپنا بچپن گزارا تھا۔ حضرت محمدؐ نے بلا تامل شیماکو بلا کر اپنے پاس اسی طرح چٹائی پر بٹھایا جیسے وہ دونوں بچپن میں صحرائینوں کے خیموں میں بیٹھا کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تلاش کرتی ہوئی سپہ سالار کے خیمے میں آگئیں۔ بڑھاپے کے سبب ان کا چہرہ جھریوں سے مرجھا گیا تھا اور کمر جھک گئی تھی لیکن انہوں نے اپنے اس نامور بیٹے کو اسی طرح مخاطب کیا جیسے وہ پچاس سال پہلے کرتی تھیں۔ حضرت محمدؐ نے ان کی بھی اسی طرح عزت و توقیر کی جس طرح شیماک کی تھی اور تینوں ایک چٹائی پر بیٹھے بچپن کے واقعات پر، جو دانی حلیمہ کو یاد تھے، دیر تک ہنستے رہے۔

بہر حال ماضی کی یادوں کی یہ کڑیاں حضرت محمدؐ کو ان قبائل کو سخت سزا دینے میں حائل نہ ہو سکیں۔ جنہوں نے آپؐ کے خلاف سرکشی کی تھی۔ آپؐ طائف والوں کو تو خاص طور پر ایک سبق دینا چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے دس سال پہلے آپؐ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ آپؐ کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ اگر کسی صورت سے رسوائے زمانہ بت اللات کو توڑ ڈالا جائے تو سارا عرب آخر کار اس بات کا قائل ہو جائے گا کہ بت پرستی بالکل بے سود شے ہے۔

لے جب آپؐ نے شیماء سے بہن ہونے کی نشانی دریافت کی تو اس نے اپنی پیٹھ کھول کر ایک نشان دکھایا اور کہا کہ بچپن میں ایک مرتبہ وہ آپؐ کو کمر پر چڑھاٹے ہوئے تھیں تو آپؐ نے زور سے کاٹ لیا تھا۔ یہ اس کا نشان ہے۔ آپؐ نے فوراً پہچان لیا اور ان کو اپنی چادر بچھا کر عزت سے بٹھایا۔ تاریخ طبری جلد اول صفحہ سوم لے حضرت حلیمہ سعدیہ آپؐ کی دایہ اور حضرت شیماء کی والدہ تھیں۔ بنو سعد سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپؐ نے بچپن میں صحرائیں لے جا کر آپؐ کو دودھ پلایا اور کئی سال تک پرورش کیا۔ اس کے بعد یہ آپؐ سے جدا نہ ہوئیں اور مدینہ میں انتقال کیا۔ آپؐ کی قبر جنت البقیع (مدینہ) میں تاحال موجود ہے اور ہر زائر فاطمہ پڑھ کر جانتا ہے ترجمہ لے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ طائف کے محاصرے میں جب بھی آپؐ سے کہا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بددعا کریں تو آپؐ نے ہمیشہ ان کے لئے راہ ہدایت کی دعا کی۔

لیکن طائف کے لوگ بڑے جی دار جنگجو تھے۔ انہوں نے رسد کے ایک بڑے ذخیرے کے ساتھ اچھی طرح مسلح ہو کر اپنے آپ کو شہر بند کر لیا۔ حضرت محمدؐ نے جو اسی طرح اچھے ہتھیاروں سے لیس تھے ہر طرح کے حملے کر دیکھے۔ آپؐ نے محاصرے کے جدید ہتھیار (منجنیق وغیرہ) بھی استعمال کئے اور اجتماعی حملے بھی کئے لیکن ہر کوشش ناکام رہی۔ آپؐ کا نقصان تشویش ناک حد تک بڑھتا گیا اور آپؐ کے چند بہت اچھے سالار شہید ہو گئے۔ ابوسفیان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ آخر کار کھجوروں اور انگوروں کے باغات تباہ کرنے کے بعد آپؐ نے یہی مناسب سمجھا کہ (فی الحال) محاصرہ اٹھالیں چنانچہ آپؐ نے اپنی سپاہ طائف سے ہٹالی اور البحرانہ چلے آئے جہاں پہنچ کر آپؐ نے اس مہم کا مال غنیمت تقسیم کیا۔ اس تقسیم میں آپؐ نے لشکر میں نئے شامل ہونے والوں کو بھی پرانے مسلمانوں کے برابر حصہ دیا خصوصاً ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ زیادہ فراخ دلی کا برتاؤ کیا۔

لے مالک بن عوف حنین۔ ادطاس کی لڑائیوں میں ہوازن کا سردار تھا۔ وہاں سے شکست کھا کر طائف چلا گیا اور بنی ثقیف کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ طائف کا محاصرہ پندرہ روز جاری رہا لیکن شہر والوں نے ہتھیار نہ ڈالے کیونکہ ان کا قلعہ مضبوط اور ان کے پاس تقریباً ایک سال لڑائی جاری رکھنے کا پورا انتظام تھا دوسرے آپؐ کو عمرہ کر کے جلد مدینہ واپس پہنچنا تھا اس لئے محاصرہ اٹھالیا اور اس مہم کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا۔ بعد میں مالک نے آنحضرتؐ کی پیشکش قبول کر لی۔ وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی جائیداد اسے واکزار کر دی گئی۔ (تاریخ طبری) اُسے مکہ میں اسلام لانے والوں کے ساتھ آنحضرتؐ نے ان کی تالیف قلوب کے لئے ترجیحی سلوک کیا چند لوگوں کے حصے یہ تھے۔ ابوسفیان مع اولاد تین سواروں ایک سو میں اوقیے چاندی حکیم بن جزام کو دو سواروں مثقفان بن امیہ ایک سواروں قیس بن عدی ایک سواروں سہیل بن عمرو ایک سواروں غنیمت اتنی تھی کہ اس قیاضانہ اور پیش کے باوجود اتنا بچا کہ لشکر میں سے ہر ایک کے حصے میں نہ کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ سواروں کو تین حصہ ملتا تھا ایک خود کا اور دو سواری کے۔ اس طرح ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔ (سیرۃ النبی۔ حصہ اقل)

اہل مکہ کو جو ناضل غنیمت آنحضرتؐ نے دی وہ خمس میں سے ہی دی تھی۔ یہی ہمارے نزدیک سب سے زیادہ ثابت ہے۔ اس لئے بحیثیت مجموعی لشکر کے حصہ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ (طبقات ابن سعد۔ جزو ثانی)

آپ نے ایک پیغام طائف کے قبائل کے سپہ سالار مالک بن عوف کو بھی بھیجا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دے اور مسلمان ہو جائے تو آپ اس کو اس کی ذاتی جائیداد و اگزار کر دیں گے۔ مالک نے یہ پیشکش قبول کر لی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ زور و دیا دیر سے ہتھیار ڈالنے ہی پڑیں گے جو وہ اپنے لوگوں کو اپنے اس اقدام کی دانشمندی کے متعلق مطمئن نہ کر سکا لیکن انہیں چھوڑ کر اس کا اکیلا چلا آنا ہی سہر دست آپ کے لئے بڑے اطمینان کی بات تھی۔

لیکن قدیم جاں نثاروں کو ان میں سے کوئی بات بھی نہیں بھائی۔ انہوں نے کہا: ”دیکھو آپ کس طرح نئے لوگوں پر داد و دہش کی بارش کر رہے ہیں اور ہمیں مشکل سے ہمارا حصہ ملتا ہے۔“

حضرت محمدؐ نے جب اس کے متعلق سنا تو معمول کے مطابق آپ نے پہل کر کے اس فتنے کو سر اٹھانے سے پہلے ہی ختم کر دیا۔ آپ نے تمام انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور انہیں اس طرح خطاب کیا۔

آپ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ”میں جب آپ لوگوں کے درمیان آیا تھا تو مجھے جھوٹا کہا جاتا تھا لیکن آپ نے میرا یقین کیا۔ مجھے اذیتیں دی گئیں لیکن آپ نے بچایا۔ میں بے یار و مددگار تھا۔ آپ نے میری امداد کی۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ مجھے اس کا احساس نہیں؟ کیا میں اتنا ناشکرا ہو سکتا ہوں؟ آپ کو شکایت ہے کہ میں ان لوگوں کو تو عطیات سے نواز رہا ہوں اور آپ کو کچھ نہیں دے رہا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے ان کو دنیاوی دولت دی ہے لیکن ایسا میں نے ان کے دنیا دار دلوں کو جیتنے کے لئے کیا ہے۔ تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن آپ لوگوں کے لئے

لے تاریخ طبری۔

لے حقیقت یہ ہے کہ یہ شکایت انصار مدینہ کو ہوئی۔ سعد بن عبادہ (سرور انصار) آنحضرتؐ کے پاس آیا اور اہل مکہ پر نوازشات کرنے کا گلہ کیا تو آپ نے ان کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا۔ یہ پر خلوص باتیں سن کر لوگ اس کے روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ (طبری)

جو ہمیشہ کے وفا شعار ہیں میں خود کو پیش کرتا ہوں۔ اہل مکہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو بھٹیڑوں اور اونٹوں کو ساتھ لے جائیں گے۔ لیکن آپ کے ساتھ اللہ کا نبی ہوگا۔ کیونکہ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے اگر ساری دنیا ایک طرف چلی جائے اور آپ دوسری طرف تو ہیں آپ کے ساتھ رہوں گا۔

اب آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ میں نے کس پر زیادہ نوازشات کی ہیں؟
 آپ کے یہ خلوص بھرے الفاظ قدیم جاں نثاروں کے دلوں میں اتر گئے۔ بلا قابل انہوں نے دیکھ کر زبان ہو کر جواب دیا۔ ”یا رسول اللہ! ہم بالکل مطمئن ہیں“
 حضرت محمدؐ واقعی مسیح کہہ رہے تھے۔ یہ نو مسلم قبائل کیا جانیں کہ اسلام کیا تھا۔ وہ تو صرف طاقت اور تنجنا مال غنیمت سے متاثر ہونے والے تھے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ اس دین میں دونوں عناصر موجود ہیں تو وہ حضرت محمدؐ کے طرفدار بن گئے۔ ان میں دین کی سمجھ تو بعد میں پیدا ہوئی۔

جب یہ سارے معاملات طے ہو گئے تو حضرت محمدؐ مکہ واپس آئے تاکہ عمرہ کے مناسک پورے کر سکیں جو اس ہم کے سبب ادھورے چھوڑ گئے تھے۔ اس سے فارغ ہو کر آپ اپنی سپاہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔
 جو راستہ آپ نے اختیار کیا وہ اب اسے ہو کر گزرتا تھا جہاں آپ کی والدہ مدفون تھیں

۱۔ آپ طائف سے محاصرہ اٹھا کر حجاز آئے۔ وہاں تیرہ روز قیام کیا۔ مال غنیمت بھی یہاں ہی تقسیم کیا یہاں ہی بنو ہوازن کا وفد اپنے قیدی چھڑانے آیا۔ اور آپ نے چھ ہزار جنگی قیدی بغیر کسی فدیے کے رہا کر کے ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ اس کے بعد آپ شب چار شنبہ (بدھ) ۱ ذی قعدہ ۶ کو عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہو گئے اور وہاں ہی سے احرام باندھ کر یکتے میں داخل ہوئے۔ عمرہ کرتے ہی آپ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مکہ میں عتاب بن اسید کو اپنا نائب مقرر کیا۔ (طبقات ابن سعد - جزو ثانی)

۲۔ ذی قعدہ کے آخر یا ذوالحجہ ۶ کے شروع میں آپ مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ (تاریخ طبری) لکھ ملاحظہ ہو نقشہ ۳۱

آپ نے سپاہ کو روک لیا اور کچھ دیر تک حضرت آمنہ کے مزار پر بیٹھے رہے چون سال پہلے اسی جگہ آپ اپنی حبشہ داہرہ برکہ رام امین کا ہاتھ پکڑے کھڑے تھے اور گاؤں کے لوگ آپ کی والدہ کی کفن میں لپٹی میت پر بیچوں سے ریت اور پتھر ڈال رہے تھے۔ وہ واقعہ آپ کو اچھی طرح یاد تھا۔ آپ کی کینز داہرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن اس وقت یقین کے ساتھ آپ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ کیوں رو رہی تھیں۔ موت اس وقت آپ کے لئے اتنی ہی انجانی تھی جیسی اب جانی پہچانی۔ آج آپ کی خواہش تھی کہ کاش وہ زندہ ہوتیں اور نیا دین اختیار کر کے نجات آخر دی حاصل کرتیں۔

مکیشہ میں آپ کی واپسی فائناتہ تھی صرف یہ ہی نہیں کہ مکہ شہر نے مسلم سپاہ کے آگے پیش قدمیے دیئے تھے۔ بلکہ حنین کی جنگ بھی لڑی اور جیتی جا چکی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو اپنے شوہر کے بھناٹے گھر واپس آ جانے پر گونہ اطمینان ہوا۔ وہ دونوں حضرت زینبؓ اور ام سلمہؓ کو رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں جو اس ہم میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھیں لیکن ان کے اشتیاق نے مجبور کر دیا کہ ان دونوں ہمراہ کی زبانوں کی عظمت داستانیں سنیں۔ حضرت محمدؐ بھی حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اپنی آمد کے چند گھنٹے کے اندر اندر ہی آپ نے پہلے کی طرح اپنا معمول شروع کر دیا۔ پچھلے چند مہینوں میں پیش آنے والے واقعات نے آپ کے رہن سہن کے طریقوں اور معیار زندگی میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ اب آپ کے پاس دولت کی افراط تھی اور شاہانہ طریقوں سے جشن منائے جاسکتے تھے لیکن اس سے آپ کے معمول میں کوئی فرق نہ پڑا۔ دولت غریبوں میں تقسیم کر دی گئی اور فتح کا جشن مسجد کے قریب انہی آرائش سے عاری جھونپڑیوں میں وہی سادے کھانے کھا کر منایا گیا۔ اس بے تاج بادشاہ اور اس کی رعایا و سپاہ کے درمیان جمہوری رشتہ اب بھی وہی تھا جو شروع کے مصائب اور تکالیف کے ایام میں ہوتا تھا۔ یعنی ہر مسلمان اب بھی آپ سے آزادی کے بات کر سکتا تھا۔

۶۳ء کے موسم بہار کے باقی ماندہ ایام اور شروع گرمیاں آپ نے قوانین و ضوابط کے

اجراء، ان پر عملدرآمد کرانے، قبیلوں کے وفود کی آمد اور ان سے بیعت لینے میں گزارا۔ پھر

اپنی ساکھوں ساگرہ کے موقع پر گرمیوں کے وسط میں حضرت محمدؐ نے ایک ایسی مہم کا منصوبہ بنایا جو غالباً آپؐ کی زندگی کی سخت ترین مہم تھی۔ آپؐ نے سپاہیوں، گھوڑوں اور اونٹوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور عرب کے پتے ہوئے صحرا کو طے کرنے کے لئے کوچ کر دیا تاکہ رومن شہنشاہ کو یہ یاد رکھایا جاسکے کہ رومن خاموش بیٹھے بھی فتوحات حاصل کرتا ہے۔ "والا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ اس طرح ہوا۔"

حضرت محمدؐ کی پے در پے فتوحات اور اب سارے عرب پر آپؐ کی حکومت قائم ہو جانے کے سبب شہنشاہ ہرقل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ موتہ کے معرکہ کے فوراً بعد ہی اسے مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہئے تھا اور یہ کہ اب بھی ایسا کرنے کا وقت تھا۔ چنانچہ اس نے شام کے قبائل کو رومنوں کے عقابی پرچم تلے جمع ہونے اور عرب کے اس آمر کو ختم کرنے میں امداد دینے کی دعوت دی۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لئے آپؐ کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ رومنوں کو اپنے صحرائی علاقوں میں آنے دیں اور مناسب جگہ پر اس کا مقابلہ کریں۔ دوسرا یہ کہ خود ان پر چڑھائی کریں۔ پہلا طریقہ زیادہ آسان تھا لیکن خدشہ یہ تھا کہ نئے حلیف قبائل میں سے کچھ ان کے ساتھ نہ جا ملیں۔ اس لئے آپؐ نے دوسرا راستہ اختیار کیا گو اس تجویز کی عام مخالفت ہوئی۔

ان دنوں آب و گیاہ علاقوں میں ساری زندگی گزارنے کے باوجود گرمی عرب لوگوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ جو عرب اپنے ریوڑوں کو موسم گرما میں پہاڑی علاقوں میں لے جاسکتے ہیں وہ تو ٹھیک رہتے ہیں لیکن جو ایسا نہیں کرتے وہ دن کے وقت کسی نہ کسی سایہ میں جو وہاں موجود ہو پناہ لے لیتے ہیں اور جہاں تک ہو سکتا ہے جانوروں کو دھوپ چڑھنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے کے بعد ہی چراتے ہیں۔ چنانچہ ان بے آب جھلکتے ہوئے ویرانوں میں زرہ بکتر پہن کر

لے یہ مہم تبوک کی مہم تھی جو عرب کے صحرائوں کے پار اردن کی سرحد کے قریب ایک جگہ تھی۔

لے انگریزوں کے ماعنی قریب کے دعوے کی طرح کہ سلطنت برطانیہ پر کبھی سورج غریب نہیں ہوتا۔ کبھی رومنوں کا یہ قول بھی صحیح تھا کہ رومن لوگ خاموش بیٹھے بھی فتوحات کرتے ہیں۔ تبوک کہ وہ سلطنت کی جزئی شہر حد پر واقع تھا۔ آج کل یہ مقام مملکت سعودیہ کا حصہ ہے۔

ایک بڑے طاقتور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے شام کی حدود تک سفر کرنے کی تجویز میں کسی کے لئے کوئی ترغیب نہ تھی اور مسلمان سپاہ کے علم افسر اور لشکری کی نظروں میں اس میں کوئی معقولیت نہ تھی۔ اسی لئے فوج کے بہت سے لوگوں نے اس سودا کی مہم میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن ابی نے جو حضرت محمد کی پے در پے فتوحات سے اندر ہی اندر جلا جارا ہوا تھا ایک مرتبہ پھر اہمیت اختیار کر لی۔ غیر مطمئن لوگوں کے دلوں میں اس نے مزید بے اطمینانی کے تیر پھینکے اور شرارت کی۔ اس نے گریہوں میں صحرا کی ایک بے حد مبالغہ آمیز تصویر پیش کی اور کہا کہ اس پر مشقت اور اوجھڑا کر دینے والے سفر کے اختتام پر شکست یقینی تھی۔ اس کے خیال میں ایک بڑی شخصیت بن جانے کے ضبط میں (نعوذ باللہ) حضرت محمد اپنی عقل کھو بیٹھے تھے۔ کوئی صحیح الدماغ عرب ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت محمد نے بھی اصرار نہ کیا۔ جہاد کے شروع ایام سے ہی آپ نے کسی ایسے شخص کو کبھی اپنا ساتھ دینے کی ترغیب نہ دی جو خود اسی کام کے لئے جوش و جذبہ نہ رکھتا ہو جن لوگوں نے جیلے بہانے تراشے ان پر آپ نے طنز یہ انداز میں تبصرے کئے چنانچہ جب کسی نے یہ کہا کہ یہ فصل اٹھانے کا وقت ہے تو آپ نے اسے جواب دیا۔

”تمہاری یہ فصل تو ایک دن کی ہے۔ آخرت کی کھیتی کا کیا کر دگے جو ہمیشہ چلے گی“

اسے یہ لوگ بیشتر منافقین تھے جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن جو خود بھی گرمی سے جی چراتے تھے اور دوسروں بھی شدید گرمی میں نہ نکلنے کی تلقین کرتے تھے خصوصاً جب کہ کھجوروں کی فصل کی کٹری تھی۔ سب سے اتفاق یہ تھا کہ شام کے قطبی سوداگر مدینہ آئے تو خبر دی کہ رومیوں نے بہت بڑی فوج اکٹھی کر لی ہے اور ان کا ہر اول بلد (اردن کی سرحد) تک پہنچ گیا ہے۔ ادھر عرب عیسائیوں نے ہر قل کو یہ غلط اطلاع پہنچائی کہ نعوذ باللہ رسول کا انتقال ہو چکا ہے اور عرب قحط کے سبب بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اس وجہ سے اس مہم میں شرکت نہ کر سکے کہ ان کے پاس سواہی اور زاد راہ نہ تھی۔ البتہ صرف چند صحابہ نے جن میں کعب بن مالک شامل تھے مصلحت اندیشی سے کام لیا اور نہ گئے لیکن آپ کی واپسی پر اپنے تصور کا کھلے دل سے اعتراف اور معافی چاہی لیکن آپ نے خود معاف نہ کیا یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیت نازل کر کے کی توبہ قبول کی۔ (سیرت النبی)

عرب کے صحرا کی گرمی کی عام شکایت پر آپ نے یہ دندان شکن جواب دیا: "دوڑو! اس سے بھی زیادہ گرم ہوگی۔"

بہر حال قدیم جاں نثاروں نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی اسی وفاداری اور بھروسے کا ثبوت دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تمام بچیت کی پونجی حضرت محمدؐ کے سامنے لارکھی۔ حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار لائے اور حضرت ابی بکرؓ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے۔ حضرت خذرجانے تھے کہ ان کے دوست کا کل اثاثہ یہ ہی تھا لیکن آپؐ نے وہ سب کا سب قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ حضرت عباسؓ نے بھی دل کھول کر مالی امداد کی۔

آخر کار تیاری مکمل ہو گئی اور جونہی دوپہر ڈھل گئی اور کھجوروں کے سائے لمبے ہونے شروع ہوئے حضرت محمدؐ نے اپنی سپاہ کو صف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ حالانکہ بہت سے قبائل اس میں شامل نہیں ہوئے پھر بھی اتنی کافی فوج جمع ہو گئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ مدینہ کے باہر لمبی لمبی صفیں ختم ہوتی نظر نہ آتی تھیں۔ تیس ہزار شتر سوار۔ دس ہزار رسالہ اور ایک بہت لمبی قطار بار برداری کے جانوروں کی تھی۔ یہ سب مل کر چالیس ہزار سے کچھ اوپر ہی تھے۔ اتنے اجتماع پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

بدر کے موقع پر صرف تین سو مجاہد تھے جن کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں تھے۔ اُحد میں سات سو اور صرف دو سال پہلے خیبر میں سولہ سو مجاہدین نے آپؐ کے پرچم تلے کوچ کیا تھا۔

یہ سورہ توبہ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: "وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ" (وہ بولے نہ کوچ کرو اس گرمی میں۔ آپؐ کہہ دیں کہ دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے اگر سمجھ رہے ہوتے۔ رومع - ۱۱)

لے آنحضرتؐ جب ۹ شعبہ کو تبوک کے لئے روانہ ہوئے اور رمضان کے مہینہ میں اس غزوہ سے واپس آئے۔ (طبری) مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ تیس ہزار جوان اور دس ہزار گھوڑوں کے ہمراہ آپؐ تبوک آئے اور وہاں بینا شب قیام کیا۔ (طبقات ابن سعد۔ سیرت ابنی۔ نقشہ ۱۳)

سیرت ابنی میں اس غزوہ کے لئے روانگی کی تاریخ رجب ۹ شعبہ مطابق نومبر ۶۳۰ء لکھی ہے لیکن جنرل کلب

اپنے اسی معاندانہ رویہ کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر پر بیڑہ پر موجود تھا۔ اور معمول کے مطابق خود اس نے اور اس کے دستے نے فوج کے ساتھ کوچ کیا اور معمول کے مطابق ہی جو نہی فوج مدینہ کی حدود سے باہر آئی وہ ساتھ چھوڑ کر چلا گیا۔ اس مرتبہ اس نے دغا بازی کے ساتھ شرارت بھی کی۔

حضرت محمدؐ نے اپنی غیر حاضری کے دوران حضرت علیؑ کو مدینہ میں متعین فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ مدینہ واپس پہنچنے پر عبداللہ نے یہ افواہ پھیلا دی کہ اس دفعہ آپؐ حضرت علیؑ کو اس لئے ساتھ نہیں لے گئے کہ حضرت محمدؐ کو آپؐ سے شکایت تھی۔ جب حضرت علیؑ نے سنا تو آپؐ فوراً اپنی تیز رفتار ساٹنی پر سوار ہو کر شکر کے تعاقب میں لپکے۔ حضرت محمدؐ کو اپنے نائب کو مطمئن کرنے اور یہ یقین دلانے میں بڑے تدبیر سے کام لینا پڑا کہ آپؐ نے ان کو یہ غیر جنگی خدمت اس لئے سونپی تھی کہ ایک تجربہ کار اور بھروسے کا افسر مدینہ میں موجود رہے اور آپؐ کی غیر حاضری میں اگر کوئی قبائلی

نے اپنی کتاب THE GREAT ARAB CONQUESTS میں یہ تاریخ ستمبر ۳۳ء بتائی ہے۔ یہ تاریخ

مصنف کے بیان سے مطابقت کرتی ہے کیونکہ ستمبر بھی محرم میں سمیت گرمی کا مہینہ ہوتا ہے۔ ماہ رمضان میں آپؐ کی واپسی ہوئی اس پر سب متفق ہیں۔ مصنف نے واپسی دسمبر ۳۳ء میں بتائی ہے۔

لے عبداللہ بن ابی نے اپنے لوگوں کے ساتھ اپنا کیمپ شنیۃ الوداع (مدینہ کے باہر) قائم کیا لیکن جب اسلامی لشکر روانہ ہوا تو وہ اور اس کے ہمراہی پیچھے رہ گئے۔ چند صحابی بھی جن میں کعب بن مالک اور ابوذر غفاریؓ بھی شامل تھے لشکر

کے ساتھ نہ گئے۔ طبقات ابن سعدؒ عبداللہ بن ابی اپنے قبیلہ کے کچھ آدمیوں کو لے کر فوج میں شامل ہونے آئے

لیکن آپؐ نے اسے اور اس کے آدمیوں کو شریک نہ کیا کیونکہ اس پر اعتقاد نہ تھا۔ (حیات محمدؐ)

لے عز وہ تبرک کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنی غیر حاضری میں محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور حضرت

کو ازواج مطہرات اور گھریلو معاملات کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑا۔

(تاریخ طبری۔ حیات محمدؐ۔ سیرت النبی۔ طبقات ابن سعدؒ)

۳ مصنف کی دی ہوئی وجہ معقول نظر آتی ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے جناب امیرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ابراہیمؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی؟

(سیرۃ النبی ص ۱۱۱)

بغادت ہو تو اسے سنبھال سکے۔ حضرت علیؓ مدینہ واپس آئے اور عبداللہ کو گھر سے باہر نکال لائے۔ اس کو صاف صاف بتا دیا کہ اگرچہ حضرت محمدؐ اس کی تمام شرارتوں اور سازشوں سے درگزر کرتے رہے ہیں لیکن آپؐ ایسا نہیں کریں گے اور جب تک آپؐ یہاں کے حاکم ہیں اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو وہ جان لے گا کہ اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے صحر کو عبور کرنا ایک نہایت کھٹن اور جانگسل آزمائش تھی۔ سورج غروب ہونے کے بعد ہی وہ سفر کرتے تھے لیکن اس میں بھی کوئی آرام کی صورت نہ تھی۔ شام ہونے پر سورج کی کرنیں خودوں اور زرہوں پر سیدھی تو نہ پڑتی تھیں لیکن رات اتنی مختصر ہوتی تھی کہ زمین پوری طرح ٹھنڈی بھی نہ ہو پاتی تھی۔ دن میں اگر کوئی سایہ میسر آ سکتا تھا تو وہ صرف چٹانوں کا ہوتا تھا جو اتنی گرم ہوتی تھیں کہ ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ اسی طرح زمین کی تپش جلنے انگاروں کی طرح پاؤں میں آبلے ڈال دیتی تھی۔ پانی کی قلت نے اس مصیبت میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ نو اور سخت گرم ہوا سے زندگی اجیرن ہوتی جاتی تھی۔ کسی شخص نے بھی یہاں تک کہ بوڑھے سے بوڑھے صحرائیہ نے بھی اس سے پہلے کبھی اتنی سخت گرمی اور تکالیف میں سفر نہیں کیا تھا۔

حضرت محمدؐ نے اس موقع پر بڑی بلند ہمتی کا مظاہرہ کیا۔ آپؐ کا طرز عمل مثالی تھا۔ حالانکہ آپؐ نہ تو خانہ بدوش تھے اور نہ ہی جوان یا ادھیڑ جسمانی محنت اور جفاکشی کے علاوہ آپؐ کو اور ہزاروں ذمہ داریوں سے عہدہ براہوڑا پڑتا تھا لیکن اس کے باوجود آپؐ نے کہیں بھی کمزوری نہیں دکھائی۔ ایک ہفتہ سے کچھ ہی اوپر ہوا ہو گا کہ آپؐ اپنے سارے لاؤ لشکر کے ساتھ ترک پہنچ گئے جو رومن سلطنت کی سرحد پر تھا۔ اگر آپؐ صرف گلہ بان یا شتر بان ہوتے جو اپنے ریوڑ کے ساتھ یہ صحرا عبور کر لیتا تب بھی یہ ایک بڑا کارنامہ ہوتا۔ لیکن چالیس ہزار فوج اور جانوروں کو لے کر صحرا کو عبور کرنا سائرسؑ کے ہم پلہ کہا جاسکتا ہے۔ جس نے اس کے ق م میں دس ہزار

لے سائرس۔ یہ تاریخ میں CYRUS THE YOUNGER کے نام سے مشہور ہے۔ فارس کے بادشاہ

دارائے ثانی کا دوسرا لڑکا تھا۔ ۶۰۶ ق م میں تخت بڑے بھائی کو مل گیا اور اس کو ایشائے کوچک (ترکی) کا

یونانی فوج کو لے کر بابل سے بحیرہ اسود تک کا سفر کیا تھا۔

تبوک ایک زرخیز اور سرسبز نخلستان تھا۔ وہاں کے باغات، کھجور اور پانی کی بہتات دیکھ کر مسلمانوں کو جنت کا گمان ہونے لگا۔ اس وقت وہاں کوئی رومن فوج نہ تھی جو گڑبڑ پیدا کرتی۔ وہاں کے باشندوں کا رویہ دوستانہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی فوج نے وہاں پر نہانے دھونے اور زخمی پیروں کو منہل کرنے میں پرست وقت گزارا۔ چونکہ وہاں پر لڑنے والا کوئی نہ تھا حضرت محمدؐ نے فوج کے طوفانی دستے قریب کے اضلاع میں بھیجے تاکہ وہاں کے مقامی قبیلوں سے اطاعت تسلیم کرائیں۔ چنانچہ یہودی، نصرانی اور بت پرست لوگ بلا پس و پیش مسلمانوں کے کیمپ میں حاضر ہونے لگے۔ صرف ایک دستہ ایسا واپس آیا جس کے نیزوں کی اینٹیاں خون آلود تھیں اور جیسا کہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ وہ خالدؓ کا دستہ تھا۔

حضرت خالدؓ کی کمان میں مسلمانوں کے رسالے کے نئے دستے تھے۔ جن کی تعداد

گورنر بنا دیا گیا۔ لیکن اس نے یونانیوں کی فوج بھرتی کر کے ایک بڑا لشکر اکٹھا کیا اور بڑے بھائی سے مقابلہ کرنے کے لئے ایشائے کوچک سے چل کر عراق آیا اور بابل پر ۴۰ ق. م میں حملہ کیا۔ شکست کھائی اور مارا گیا۔ بچی کھچی فوج جس طرح آرمینیا کے برقانی پہاڑوں سے ہو کر بحر اسود تک پہنچی وہ ایک شاندار کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ یہ سفر انہوں نے اپنے سپہ سالار زینیوفون XENOPHON کی سرکردگی میں کیا۔ جس نے اپنی کتاب میں یہ حالات قلم بند کئے ہیں۔

(چیمبرز انسائیکلو پیڈیا - جلد چہارم)

لے تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ رومی فوج کے بڑے اجتماع اور مہینہ بچلے کی خبریں بے بنیاد تھیں۔ مدیترانہی لے یوحنا الیہ (خلیج عقبہ) کا ایک عیسائی سردار تھا۔ اس نے خبریہ کی ادائیگی پر اطاعت قبول کر لی۔ اسی طرح آپؐ نے فلسطین کے شہروں جرباد و رادرج (جو عمان کے مضافات میں تھے) کے سرداروں سے بھی جریمہ کی شرط پر صلح کر لی۔ آپؐ نے ان سرداروں کو صلح نامے اور امان نامے لکھ کر دیئے۔ ان معاہدوں کے بڑے دور رس نتائج تھے اور آپؐ کی شمال مغربی حدیں محفوظ ہو گئیں اور ادھر سے حملوں کا خطرہ نہ رہا۔

نقشہ ۱۴

پانچ ہزار تھی۔ حضرت خالدؓ نے اتنی تیزی سے سفر کیا کہ انہوں نے ایک عیسائی سردار مسمی اکیدر کو شہر کے باہر شکار کھیلتے جالیا۔ انہوں نے اپنے اصول کے مطابق اکیدر کے سوا عیسائی سردار کے سارے دستہ کو تہ تیغ کر دیا۔ اکیدر کی جان بخشی صرف اس شرط پر کی کہ وہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور وہ اس کو دو ہزار اونٹ اور آٹھ سو بھیر بکریاں اور اسلحہ کے ایک بڑے ذخیرے کے ساتھ حضرت محمدؐ کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت محمدؐ نے اکیدر کا استقبال ایسی گرمجوشی اور حضرت خالدؓ کے رویے سے پیدا شدہ توقعات کے انبار عکس کیا کہ وہ از خود عیسائیت ترک کر کے مسلمان ہو گیا۔

حضرت محمدؐ نے تبوک میں چند ماہ قیام کیا جس کے دوران تمام ملک سے قبائل آکر آپؐ کی اطاعت

لے یہ ہم دومتہ الجندل کی ہم کھاتی ہے اور حضرت خالدؓ کی سرداری میں رجب ۱ ہجری میں ہوئی۔ یہ قصبہ دمشق سے سات منزل ادھر واقع تھا اور شام کے علاقہ میں تھا۔

”حیات محمدؐ“ میں خالدؓ کے دستے کی تعداد پانچ سو لکھی ہے۔ یہ ہم اس شہر کی جانب اس لئے بھی گئی تھی کہ وہاں پر رومیوں کی فوج کے اجتماع کی خبر ملی تھی۔ حضرت خالدؓ عیسائی سردار اکیدر کو گرفتار کر کے اس کے شہر لے آئے اور اس کے کہنے پر شہر نے دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ غزوہ تبوک کے سلسلہ میں یہ ایک بڑی سیاسی کامیابی تھی۔ ”حیات محمدؐ“ طبقات ابن سعد سیرت النبیؐ میں مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ اکیدر کی جان بخشی اس شرط پر کی تھی کہ وہ مدینہ میں آنکھنور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کرے۔ وہ مدینہ آکر اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔

نقشہ ۱۳

۲ لے آنکھنور نے تبوک میں بہت زیادہ قیام نہیں کیا۔ ابن سعد نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کی ہے کہ آپؐ بینا شب وہاں مقیم رہے۔ سیرۃ النبیؐ میں بھی یہی مدت لکھی ہے اور طبری نے بارہ تیرہ دن لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ رجب ۹ھ میں تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے اور رمضان (مطابق سنہ ۶ھ) میں واپس تشریف لے آئے۔ گویا سفر کی مدت ملا کر آپؐ کو تقریباً ڈیڑھ درماہ کا عرصہ لگا۔ (مترجم)

قبول کرتے رہے۔ لیکن جب رومن نہ آئے تو آخر تنگ آ کر آپؐ نے اپنے جرنیلوں کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ وہ خود آگے بڑھ کر ان کی تلاش کریں لیکن حضرت عمرؓ نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ اس مہم کا اصل مقصد رومنوں کے حملے کا سدباب کرنا تھا وہ پورا ہو گیا۔ علاوہ انہیں بحیرہ قلزم سے لے کر فرات کی وادی تک کے تمام قبائل بھی آپؐ کی اطاعت میں آ گئے ہیں۔ اس لئے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ اس اچھی صورت حال کو اسی طرح قائم رہنے دیا جائے۔ حضرت محمدؐ نے اس تجویز کو مان لیا۔ چنانچہ مدینہ کو واپسی کا سفر دسمبر کے نسبتاً سرد مہینہ میں کیا گیا۔

لمدینہ والوں نے واپسی پر فوج کا استقبال بڑے جوش و خروش سے کیا۔ جو نہی آنے والے لشکر کی طویل صفوں سے اٹھنے والی گرد دکھائی دی شہر کے لوگ مدینہ سے باہر نکل آئے وہ تالیاں بجا بجا کر گانے گا کر اور تحسین و آفریں کر کے خوشی کا اظہار کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود حضرت محمدؐ نے ایک فاتح ہیر و جیسا رویہ اختیار نہ کیا۔ جیسے ہی لوگ آپؐ کے خچر کے گرد جمع ہوئے آپؐ نے لوگوں سے ان کے نام لے لے کر خیریت پوچھی۔ بچے آپؐ کی رکابوں میں کھڑے ہو گئے اور آپؐ کے آگے اور پیچھے بیٹھ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ ایک بڑے خاندان کے سربراہ ہیں جو کسی شکاری مہم سے واپس آئے ہوں۔

صرف وہی لوگ ان خوشیوں میں شریک نہ ہوئے جنہوں نے اتنی سخت گرمی میں سفر کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ شرمندہ تھے بلکہ وہ سخت مایوس بھی ہوئے۔ فوج میں اموات اور زخمیوں کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مال غنیمت بھی بہت لائے تھے۔

حضرت محمدؐ نے ان لوگوں کے خلاف سخت رویہ اختیار کر لیا جو کسی معقول وجہ کی بجائے صرف تن آسانی کے سبب گھروں سے نہ نکلے تھے۔ آپؐ نے ان پر قدغن لگا دیا اور قدیم جاں نثاروں کو ان سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے منع کر دیا۔ یہ ایک قسم کا برادری سے خارج کر دینا تھا جس کے سبب نہ وہ مسجد میں آ سکتے تھے اور نہ ہی لوگوں سے میل ملاپ رکھ سکتے تھے۔ نہ صرف انہیں بزدل کہا گیا بلکہ ان کو تمام مذہبی مراعات سے محروم کر دیا گیا۔ ان جی

چرانے والوں کے خلاف یکے بعد دیگرے کئی آیات رسول اللہ پر نازل ہوئیں جن کو باقاعدہ طور پر قرآن میں محفوظ کر لیا گیا۔ ایک جگہ ارشاد باری ہوتا ہے :-

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (مکہ ع ۷ - سورہ توبہ)

”اگر مال غنیمت کہیں نزدیک ہوتا اور سفر بھی آسان ہوتا تو وہ ضرور تیرے ساتھ جاتے لیکن انہیں راہ بہت طویل نظر آئی۔ وہ تیرے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر وہ سفر کے قابل ہوتے تو یقینی طور پر تیرے ساتھ جاتے انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا ہے کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں“ اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

ایک ماہ تک حضرت محمدؐ ان لوگوں سے ناراض رہے۔ پھر پابندیاں نرم کر دیں اور خطا کاروں کو معافی مل گئی۔ آپؐ جانتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد آپؐ کو اس کا نزدیک نہیں رہے گا کہ آئندہ کوئی شخص جنگ سے غیر حاضر ہوگا۔ اس کے بعد آپؐ کی مزید تسکین اور اطمینان کا ایک اور واقعہ ہوا۔

معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بس اب عبداللہ بن ابی حضرت محمدؐ کو کافی سناچکا ہے کیونکہ متبغی شخص آپؐ کے عزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد جلد ہی بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔ حضرت محمدؐ کئی دفعہ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے دفن ہونے سے پہلے اس کے لئے دعا کی۔ جب حضرت عمرؓ نے اس پر احتجاج کیا تو حضرت محمدؐ نے فرمایا۔

لے اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن مالک اور دوسرے ان صحابیوں کی توبہ قبول کر لی جو عزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے لیکن اپنے کئے پر پشیمان تھے اور دن رات روتے تھے۔ اس سلسلہ میں سورہ توبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں :- لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ :- اور ان سب کی توبہ قبول کر لی۔ آنحضرتؐ نے اور تمام مسلمانوں نے ان سے پھر برادرانہ سلوک شروع کر دیا۔

”ایک ریاکار شخص کے لئے دعا کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر تم دن رات کسی کے لئے دعا کرو اور وہ ریاکار ہو تو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اور وہ اس کی بخشش نہیں کرے گا۔“

حضرت محمد عبداللہ کے ساتھ فراخ دلی کا سلوک کر سکتے تھے کیونکہ اس کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد آپ کا کوئی حریف نہ رہا۔ اور یہ بات صحیح بھی تھی کیونکہ عبداللہ کے مرنے کے چند روز کے اندر اندر ہی مدینہ کے مخالف لوگوں نے آپ کو اپنا سردار مطلق تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد آپ کو مزید اطمینان اور سکون نصیب ہوا۔ گوطائف کا محاصرہ اٹھالیا گیا تھا ان کا سردار مالک بن عوف (مسلمان ہو گیا تھا اور مسلمانوں کے مسلح دستے قریبی علاقوں میں چھاپے مارتے رہتے تھے لیکن شہر والوں نے تاحال ہتھیار نہیں ڈالے تھے، باوجود اس کے کہ ان کے باغ اور کھجوروں کے ذخیرے تباہ کر دیئے گئے تھے اور جب بھی وہ فصیل سے ذرا زیادہ دور چلے جاتے تو ان کے ریوڑ چھین لئے جاتے تھے لیکن وہاں کے باشندے تاحال مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے آخر ان کا ایک وفد مدینہ پہنچا جس نے اس شرط پر شہر حوالے کرنے کی پیش کش کی کہ اپنے بتالات کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت دے دی جائے حضرت محمدؐ نے انکار کر دیا۔ ایلمچیوں نے پھر دربار کیا کہ کیا وہ اسے تین سال، دو سال یا کم از کم ایک سال کے واسطے بھی نہ رہنے دیں گے؟ حضرت محمدؐ نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا: ”ایک ہفتہ کے لئے بھی نہیں۔“

لے یہ مصنف کا ذاتی خیال ہے۔ اصل وجہ غالباً یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے عبداللہ اتنے ہی مخلص مسلمان اور جاں نثار تھے جتنا ان کا باپ آنحضورؐ کا دشمن اور منافق تھا۔ غالباً اسی لئے نہ آپ نے عبداللہ بن ابی کو قتل کرایا اور نہ کوئی سزا دی۔ حالانکہ حضرت عبداللہ نے کئی دفعہ آنحضورؐ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں وہ اپنے باپ کو قتل کرے اس کا سر خدمت اقدس میں پیش کر دیں۔ لیکن رسول اللہؐ نے ایسا کرنے سے منع کیا۔

۹؎ اہل طائف کا یہ وفد آنحضورؐ کی غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ماہ رمضان ۹؎ ھ میں مدینہ پہنچا۔ گویا ان لوگوں نے پورے ایک سال کے بعد غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالے۔ واضح رہے کہ آپ نے شوال ۹؎ ھ میں طائف کا محاصرہ کیا تھا۔

طائف کے لوگ کچھ ہی کیوں نہ کہتے حضرت محمدؐ کا یہ فیصلہ اٹل تھا۔ چنانچہ جلدی ہی انہوں نے عاجز کر
 بحث مباحثہ بند کر دیا۔ مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے وہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پر رضامند
 ہو گئے۔ جہاں تک "الآت" کو توڑنے کا معاملہ تھا حضرت محمدؐ نے ان کا اعتبار نہ کیا۔ چنانچہ آپؐ نے ابوسفیان
 اور مغیرہ بن شعبہ کو جو سابقین الاولون میں سے تھے، ساتھ بھیجا تا کہ معاہدے کے اس حصہ کی تعمیل
 میں کوئی فروگزاشت نہ ہو۔

بت شکنی کی اس مہم پر اس قریشی سردار ابوسفیان کو بھیجا بڑی زیر کی اور دانائی پر مبنی تھا۔
 اس اقدام سے بغیر کسی اعلان کے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوئی شخص کسی وقت میں اسلام کا کتنا ہی
 بڑا مخالف کیوں نہ رہا ہو اللہ تعالیٰ جب چاہے اس سے اپنی مرضی کا کام لے سکتا ہے۔ یہ اس ہمہ
 جس وقت ابوسفیان نے کدال اٹھا کر پتھر کے اس عظیم بت (الآت) پر ضرب لگانا چاہی تو وہ
 خود لڑکھڑا گیا۔ اس کا سبب خواہ یہ خوف ہو کہ نہ معلوم آلات کی دیوی اس کا کیا حشر کرے یا پھر
 طائف کے بت پرست تماشائیوں کے تحقیر آمیز قہقہوں کے درمیان منہ کے بل گر پڑا۔ یہ ایک بڑا
 نازک لمحہ تھا اور نبوہوان بن کے خیالات کو یکسر تبدیل کر سکتا تھا لیکن مغیرہؓ ایک جہانگیر مسلمان تھے
 انہوں نے فوراً کدال پکڑ لی اور "الآت" کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے
 ساتھیوں کو اکٹھا کیا، اونٹوں پر سوار ہوئے اور طائف کی عورتوں کو اپنی محافظ و نگہبان دیوی کی
 میت پر روتے دھوتے چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

سال کے اختتام پر پھر حج کا وقت آگیا۔ اس مرتبہ حضرت محمدؐ خود نہیں گئے بلکہ اپنی جگہ

لے بنی ثقیف (اہل طائف) نے آخر میں یہ درخواست کی کہ انہیں اپنے اصنام خود توڑنے پر مجبور
 نہ کیا جائے۔ اور نماز سے بھی معاف کر دیا جائے۔ آپؐ نے پہلی شرط مان لی اور ابوسفیان اور
 مغیرہؓ کو آلات کو توڑنے کے لئے بھیج دیا لیکن نماز کی معافی سے صاف انکار کر دیا۔

(تاریخ طبری)

لے ابوسفیان کے "الآت" کے خوف سے لڑکھڑا کر گرنے کا واقعہ تواریخ میں نہیں ملتا۔ مصنف
 نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔

حضرات ابو بکرؓ و علیؓ کو بھیجا۔ آپؐ نے دانستہ طور پر ایسا کیا۔ اگرچہ مکہ کے بیشتر لوگ اور عرب کے قبائل مسلمان ہو چکے تھے لیکن پھر بھی کچھ ایسے بت پرست لوگ باقی تھے جو عاداتِ مکہ جاکر جج کرتے تھے۔ گواہ کعبہ میں بت نہ تھے لیکن وہ تاحال وہاں جا کر انہما قدیم ملحدانہ رسومات ادا کرتے تھے کیونکہ یہ خیال رہے کہ گو عربوں کا مذہب تبدیل ہو گیا تھا لیکن اکثر قدیم رسوم یا تو ویسی ہی رہنے دی گئی تھیں یا کچھ تبدیلیاں کر کے نئے نظریات کے مطابق ڈھال لی گئی تھیں۔ حضرت محمدؐ نے کعبہ کی ان قدیم رسومات کو برائیاں کہا تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے اللہ تعالیٰ کے نام پر ادا کی جاتی رہی تھیں۔ لیکن یہ اس ہمہ آپؐ یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ لوگ اس کو غلط معنی پہنائیں۔ چنانچہ آپؐ نے فیصلہ کر لیا کہ یا تو تمام کافر اور مشرک آپؐ کی تعلیمات کی پیروی کر کے مسلمان ہو جائیں یا پھر ان کو مکہ سے دور رکھا جائے۔ لیکن ان احکام کو لوگوں تک خود پہنچانا اب آپؐ کے مقام کے پیش نظر اتنا زیادہ اہم نہ تھا کہ آپؐ اس کے لئے خود جاتے چنانچہ آپؐ خود نہ گئے اور ان احکام کے اعلان اور ان امور کی تعمیل اپنے نائبین پر چھوڑ دی۔

جب حج کی رسومات ختم پر آئیں تو حضرت علیؓ نے سب کو اکٹھا کیا اور حضرت محمدؐ کا تازہ فرمان سب کو سنا دیا جو ایک طرح سے عرب سے کفر و الحاد کے خاتمے کا اعلان تھا۔ مسلمان ہونے سے انکار کرنے والے کافر قتل کے مستوجب قرار دے دیئے گئے یہودیوں اور عیسائیوں کو قتل نہیں کرنا تھا البتہ ان سے جنگ کرنا تھی اور مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال

لے دی تھیں۔ رسول اکرمؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ اور قربانیاں حج کے لئے مدینہ سے روانہ کیں حضرت ابی بکرؓ امیر حج بنائے گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت علیؓ کو نقیب اسلام اور حضرت سعد بن وقاص اور ابو ہریرہؓ کو معلم حج کی حیثیت سے بھیجا۔ یوم النحر میں حضرت ابی بکرؓ نے خطبہ دیا جس میں حج کے مسائل بیان کئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے سورہ بارات کی چالیس آیات سنائیں اور اعلان کیا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک یا غیر مسلم خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ ہی حج کر سکے گا۔ نہ کوئی بہمنہ حج کر پائے گا اور مشرکین کے تمام معاہدے نقص عہد کے سبب آج سے چار ماہ بعد ٹوٹ جائیں گے (سیرت النبی) لے حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں باہر سے اتنے وفود اطاعت اور بیعت کے لئے آ رہے تھے کہ آپؐ مدینہ سے باہر نہیں جا سکتے تھے چنانچہ آپؐ نے حضرت ابی بکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ (حیات محمدؐ)

دینے اور اطاعت کر لینے پر وہ جزیرہ دے کر اپنے مذہب پر قائم رہ سکتے تھے۔ فرمان ان الفاظ پر ختم ہوتا تھا۔

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم کو تباہیوں کے کوئی کافر جنت میں نہیں جائے گا اور کوئی غیر مسلم اس سال کے بعد حج نہیں کرے گا۔ البتہ جس کسی قبیلے کا رسول اللہ سے معاہدہ ہے۔ اس مدت کے ختم ہونے تک صلح کا احترام کیا جائے گا۔ قبیلوں کو چار ماہ کی مدت دی جاتی ہے تاکہ وہ بحفاظت اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ اس کے بعد اللہ کے رسول کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔“

حضرت علیؓ نے تقریر ختم کی تو حاجیوں کا اجتماع منتشر ہو گیا۔ گروہ گروہ یا تنہا اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ وہ چلتے جاتے تھے اور اس خبر کا اعلان کرتے جاتے تھے کہ آئندہ سے تمام عرب کا مذہب صرف اسلام ہوگا۔ ہجرت کے اس نویں سال کے اختتام اور چھ سو اکتیس (۶۳۱) سن عیسوی کے بعد کسی غیر مسلم کو مکہ کی مقدس حدود (حرم) میں قدم رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس فرمان کو جاری ہوئے تیرہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن اس پر آج بھی اسی طرح عمل جاری ہے۔

۱۔ سورہ توبہ کے شروع کے پانچ رکوع سورہ برات کہلاتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿بِرَاقَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ..... وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ یہ چالیس آیات حضرت علیؓ نے مجاہد کے سامنے پڑھ کر سنائیں اور ان پر عمل کا حکم دیا۔ ان ہی آیات میں مشرکین کے مستقبل کے متعلق بھی احکام ہیں۔

(حیات محمدؐ)

اکیسواں باب

حجۃ الوداع

(۶۳۲ عیسوی)

جہاں تک عیسائیوں سے مسلمانوں کے سلوک کا تعلق ہے حضرت محمدؐ کے اس فرمان پر استثناء کے ساتھ تا حال عمل ہوتا ہے لیکن ان احکام کی حقیقت اس سے بہت مختلف ہے جیسا کہ مغرب کے لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں۔

ایک عام امر سچی یا یورپین فرد کے نزدیک جو عیسائی مذہب میں اعتقاد رکھتا ہے عیسائیت کے علاوہ تمام مذاہب غلط ہیں۔ یہاں تک کہ خود عیسائیت میں مختلف اعتقادات کے لوگ ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ مختلف عقیدوں کے لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے رواداری نہ ہونے کے برابر ہے اور عیسائیت اور اسلام میں تو اس کا سوال ہی نہیں ہوتا لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

جہاں اسلام بت پرستی کے سخت خلاف ہے وہاں واضح طور پر عیسائیت کو تسلیم کرتا ہے۔ قرآن کی دوسری سورۃ (البقرہ) اور پھر پانچویں سورۃ (المائدہ) میں لکھا ہے
 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادَوْا وَالتَّصٰوِیِّیْنَ وَالصَّبِیِّیْنَ مِّنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
 وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلْ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا

اے مصنف نے چریح، چیل اور کیتھڈرل کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو عیسائیت میں مختلف عقیدوں کے فرقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

خوفٌ علیہم ولا هم یَحْزَنُونَ (سورہ بقرہ - رکوع ۸)

”بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نیک عمل کئے تو ان کو اجر ملے گا ان کے رب کی طرف سے۔ اور نہ ان کو ڈر ہوگا اور نہ کوئی غم۔“
وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةَ لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ

(سورہ مائدہ - رکوع ۱۱)

اور (اے محمدؐ) تجھے معلوم ہو جائے گا کہ جو لوگ مودت اور محبت میں مسلمانوں سے سب سے زیادہ قریب ہیں وہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔“
ان شرائط کا ذکر کرتے ہوئے جن کے تحت یہودی اور عیسائی مسلمانوں کی سرزمین پر رہ سکتے ہیں اور قوم کا ایک حصہ بن سکتے ہیں حضرت محمدؐ نے فرمایا۔
”جو شخص بھی یہودیوں یا عیسائیوں کو تکلیف پہنچائے گا اس کا مدعی میں ہوں گا“
بار بار آپؐ نے اس مذہب والوں سے رواداری کے سلوک پر زور دیا جو آپؐ کے اپنے دین سے بہت ملتا جلتا تھا۔ عیسائیوں سے کئے گئے تمام معاہدوں میں آپؐ نے ان کو ہمیشہ اپنے طریقہ پر عبادت کرنے کی آزادی کی ضمانت دی۔

جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے اور بیت المقدس فتح ہوا تو آپؐ نے سختی سے حکم دیا کہ نہ تو عیسائیوں کو خود اور نہ ہی ان کے گرجاؤں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے۔

جب مسلمانوں نے آٹھویں صدی میں اسپین پر حملہ کیا تو عیسائیت سے متعلق ہر چیز کا احترام کیا گیا اور پندرہویں صدی میں یورپ میں عربوں کی حکومت کے زوال اور انتشار تک اس پر عمل ہوتا رہا لیکن عیسائیوں کے دوبارہ غالب آنے پر رواداری کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ مسلمانوں کے نرم رویے اور فراخ دلی کی جگہ بحیرہ عیسائی بنانے کی رسم نے لے لی۔

اب وہ کھلا تعصب تو ختم ہو گیا ہے لیکن اس کی جڑیں اب بھی باقی ہیں۔ اس کے باقی رہنے کی بھی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ عیسائیت اور اسلام کی جنگ اصل میں ایک ہی کنبے کے دو قریبی بھائیوں کا جھگڑا ہے اور اسی طرح کے اور بہت سے جھگڑوں کی

طرح اس کی بنیاد بھی زیادہ تر غلط فہمی ہی ہے۔ حضرت محمدؐ کو بدنام کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی قرآن کو رنحوذ باللہ اخراجات کا پلندہ کہہ کر نظر انداز کرنے سے کوئی فائدہ ہوگا۔ البتہ اسلام کا غیر جانبداری سے مطالعہ کرنے سے بہت کچھ ملے گا۔ جیسا کہ شاہ جاسج پنجم رانگلستان کی پریوی کونسل کے ایک بیدار مغز رکن سید امیر علیؒ نے چند سال پہلے لکھا تھا۔

ایک سچا مسلمان اصل میں ایک سچا عیسائی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کا قائل ہے اور ان کی تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک سچا عیسائی بھی اس رسولؐ کا احترام کیوں نہ کرے جس نے پہلے برگزیدہ نبیوں کے لائے ہوئے دین کی تکمیل کر کے اسے آخری شکل دی۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ آخر مغربی ممالک کے لوگ اپنے اعتقادات کو دوسرے مذاہب والوں سے کیوں زیادہ موثق سمجھتے ہیں؟ یہ صحیح ہے کہ اس وقت دنیا میں تیس کروڑ مسلمانوں کے مقابلے میں اٹھاون کروڑ پچاس لاکھ عیسائی ہیں۔ لیکن ان اٹھاون کروڑ پچاس لاکھ میں سے زیادہ سے زیادہ ستر فیصد عیسائی ایسے ہیں جو اپنے مذہب کے کسی نہ کسی حد تک پابند کہے جاسکتے ہیں لیکن مسلمانوں میں تقریباً پچانوے فی صد لوگ ایسے ہیں جو اب بھی دین اسلام کی پیروی اسی طریقے پر کرتے ہیں جیسا کہ حضرت محمدؐ نے نیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ پہلے بتایا تھا جب آپؐ آخری حج پر مکہ جانے والے تھے۔ حج کے لئے روانہ ہونے سے پہلے آپؐ کو ان حکمرانوں کے وفد سے بھی ملنا تھا جو اگرچہ سب مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن آپؐ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ ان میں سے ایک شہنشاہ ہرقل کے شام کے گورنر ولس میں سے تھا اور ایک اومان رخلیج فارس کی ایک ریاست کا بادشاہ تھا بہت

اے جسٹس سید امیر علی (۱۸۴۹ تا ۱۹۲۸ء) ایک ماہر قانون دان۔ کلکتہ ہائی کورٹ کے جج اور پریوی کونسل کے پہلے ہندوستانی ممبر۔ مسلمانان پاک و ہند کے ایک بیدار مغز لیڈر تحریک خلافت کے علمبردار اور کئی قابل قدر کتابوں کے مصنف HISTORY OF SPIRIT OF ISLAM اور SARACENS ان کی مایہ ناز کتابیں ہیں۔

لے یہ اعداد و شمار ۱۹۴۷ء سے بھی پہلے کے ہیں جب یہ کتاب پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔

سے دوسرے لوگوں کی طرح انہوں نے بھی نوشتہ دیوار پڑھ لیا تھا اور اس کا صحیح مطلب بھی سمجھ لیا تھا کہ اب عرب میں محفوظ دامن رہنے کے لئے حضرت محمدؐ کی خوشنودی حاصل کرنا لازمی امر تھا۔ عرب کے جنوبی کنارے پر واقع یمن کے علاقہ میں حضرت علیؑ کو بھیجا گیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ وہ حضرت محمدؐ کو اور ان کے لوگوں کو محض تاجر سمجھنا چھوڑ دیں۔ حضرت علیؑ کو اس سے پہلے کبھی اس قسم کے فرائض نہیں سوچنے گئے تھے۔ آپ کو یہ کام بالکل پسند نہ آیا۔ آپ ایک قریش سے لے کر رومن تک ہر ایک سے لڑ سکتے تھے لیکن تبلیغ کرنے سے آپ کو خوف آتا تھا۔ حضرت محمدؐ نے اپنے علم زاد کو یقین دلایا کہ قدرت ان کا سینہ کھول دے گی اور آپؑ نے ایک ہاتھ ان کے منہ پر اور دوسرا پسینے پر رکھ کر دعا کی۔

”یا اللہ ان کی زبان کو روانی عطا کر اور ان کی رہبری کر۔“

حضرت علیؑ کو مزید تقویت دلانے کے لئے آپؑ نے تین سو مسلح سواروں کا ایک رسالہ بھی ساتھ کر دیا تھا۔ یہ اچھا ہی ہوا۔ حضرت علیؑ جتنے اچھے سپاہی تھے۔ اتنے ہی ناکام مبلغ ثابت ہوئے۔ یمن کے لوگوں نے آپؑ کی ہر بات کا مذاق اڑایا اور بعض نے تو آپؑ پر پتھر بھی پھینکے، لیکن جب انہوں نے تیر برس سانس شروع کر دیئے تو آپؑ کو فیصلہ کرنا پڑا کہ گو وعظ و نصیحت میں تلوار سے زیادہ طاقت ہے لیکن ان طریقوں سے لوگوں کو مسلمان بنانا آپؑ کی افتاد طبع کے خلاف تھا۔

لے یہ ہم سر یہ علیؑ ابن ابی طالب کہلاتی ہے۔ یمن کا ایک قبیلہ نخع تھا حال اسلام سے برگشتہ تھا۔ انہیں ہر تھا کہ ابھی تک تو یمن والے ہی حجاز پر چڑھائی کرتے رہے ہیں۔ وہ حجاز کی اطاعت کیوں کریں چنانچہ حضرت علیؑ کو رمضان ۳ھ میں تین سو سواروں کے ساتھ یمن کے اس علاقہ میں بھیجا گیا لیکن واضح ہدایات کر دی گئیں کہ جب تک وہ خود حملہ نہ کریں ان سے لڑائی نہ کی جائے۔ ان لوگوں نے آپؑ کی دعوت کا مذاق اڑایا پتھر پھینکے، تیر پلائے اور دو مرتبہ حملہ کیا لیکن حضرت علیؑ کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور اطاعت کر کے اسلام لے آئے یمن کے اہل قبائل از خود اسلام لے آئے اور صدقات پیش کئے۔ بعد ازاں قبیلہ نخع کا ایک دند رسول اکرمؐ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا یہ آخری دند تھا جو آنحضرتؐ کی خدمت میں مدینہ باریاب ہوا۔ حضرت علیؑ کو یمن سے واپسی پر سیدھے مکہ شریف لے گئے اور آنحضرتؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی۔ (حیات محمدؐ) سیرۃ النبیؐ میں اس قبیلہ کا نام مذکور ہے۔

چنانچہ چند ہی لمحوں میں سواروں کے نیزوں اور بھالوں نے وعظ و نصیحت کی جگہ لے لی۔ شام سے پہلے پہلے ان لوگوں کو متاسف ہونا پڑا کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو کیوں نہ وعظ و نصیحت کرتے رہنے دیا۔ چنانچہ جب آپ واپس لوٹے تو آپ کے آگے آگے قیدی اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں اور ساتھ ہی آپ نے حضرت محمدؐ کو یہ یقین بھی دلا دیا کہ میں اب اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا۔ ایک اور جنوبی ریاست حضرموت سے امراء اور سرداروں کی ایک سفارت دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے آئی۔ اس سفارت کے آنے سے آپ کو اومان سے معاہدہ ہونے سے بھی زیادہ خوشی ہوئی۔ حضرموت کے لوگ ایک خوشحال اور مہذب قوم سے تعلق رکھتے تھے جو خلیج عدن کے پر عظمت ساحلی شہروں میں رہتی تھی۔ ان کے کئی کئی منزله اونچے مکانات غالباً موجودہ دور کی آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتوں کے اب وجد یا پیشرو تھے اُس وقت کی طرح آج بھی اور اس سے صدیوں پہلے بھی ان شہروں کے مکانات کا طرز تعمیر عری ہونے کی بجائے مستقبل کے نیویارک کی طرح کا تھا۔

حضرموت کے لوگ سیاحت و تجارت کے لئے مشہور تھے۔ حضرت محمدؐ کی توقع کے مطابق ان کے مسلمان ہو جانے کے سبب اسلام کو باہر کے ممالک میں پھیلنے کا موقع ملا۔ اور یہ ان بلند مقامات کے رہنے والے ہی تھے جو اسلام کو اپنے ساتھ ملا یا جاوا۔ اور فلپائن کے جزائر میں لے گئے اور غالباً یہ بھی نادانستہ طور پر ان ہی کے سبب تھا کہ منڈاناؤ کے باشندے "مور" کہلائے۔ اُسے حضرموت کے علاقے کا ایک سردار اٹل بن حجر کندی بھی اس فہم تھا۔ اسلام لے آیا اور آنکھوں نے اسے بدستور اس کی امارت پر سرفراز رکھا لیکن نخوت کا یہ عالم تھا کہ کسی کم درجہ آدمی سے بات کرنا گوارا نہ تھا۔ آنکھوں نے عزت افزائی کے لئے معاویہ بن ابوسفیان کو جو اس وقت کاتب وحی تھے، مشائعت کے لئے ساتھ کر دیا۔ معاویہ اس وقت برہنہ پا تھے۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ کندی نے نہ تو ان کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھایا اور نہ ہی انہیں جلتے ریت کی تیش سے بچنے کے لئے اپنی جوتیاں دینے کو تیار ہوا۔ زیادہ سے زیادہ یہ رعایت کی کہ وہ اس کے اونٹ کے سایہ میں چل سکتے تھے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی مشائعت میں پیادہ پا چلنے والا شخص کچھ عرصے بعد سارے عرب کا حکمران ہوگا۔

ہسپانوی لوگ جنہوں نے جزائر فلپائن کو سب سے پہلے دنیا کے نقشہ پر متعارف کیا، ہر مسلمان کو موریا مورڈ کہتے تھے۔ مورولا طینی لفظ مورس NAURUS سے مشتق ہے یعنی شمالی افریقہ کی مملکت موریطانیہ کا باشندہ۔ چنانچہ جب ہسپانیہ والوں نے دیکھا کہ یہاں کے لوگوں کا مذہب بھی بحیرہ روم کے ممالک کے مسلمانوں جیسا ہے تو یہ خیال کر کے یہ لوگ بھی ضرور اسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ انہیں "مورڈ" کہنا شروع کر دیا۔

اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ شمال جنوب اور مشرق و مغرب سے قبیلے حکومتیں اور چھوٹی امارتیں اپنے نمائندے بھیجتی رہیں تاکہ صحرا کے اس گنہگار شخص کے سامنے وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ کسی کو اس امر میں کوئی تعجب نہ تھا کہ یہ شخص جو تجارت میں ایک سفری گماشتے کی حیثیت سے آگے نہ بڑھا، جو ذہنی طور پر بھی کسی غیر معمولی صلاحیت کا مالک نہ تھا اور جو آسمانوں میں کسی نمایاں کارکردگی کے سبب کسی اختیار و اقتدار کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا تھا، اتنا بلند مرتبہ حاصل کر لے گا۔ اس وقت بھی آج کی طرح اسے معمول کے مطابق ایک بات سمجھی گئی اور بلاشبہ رہتی دنیا تک اس کو ایسا ہی سمجھا جاتا رہے گا۔ بلکہ بتدریج اور زیادہ جذبے اور عقیدت کے ساتھ۔ کسی یہودی، بدھ یا عیسائی نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے مذہب کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہی اس معجزانہ تیزی کے ساتھ بڑھتے اور پھیلتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی دینی پیشوا کو اپنی زندگی میں کبھی اتنی بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ پر زور طریقہ پر یہ جتنا چاہتا تھا کہ حضرت محمدؐ اس کے نبیوں میں آخری نبی تھے اور اسلام اس کے آثار سے ہوئے ادیان میں آخری دین تھا۔ اس کے بعد سے اب تک بریگم بنگ BRIGHSM YOUNGM کے علاوہ کسی اور شخص نے کوئی نیا مذہب پھیلانے کی کوشش نہیں کی۔ چند بھوٹے ہی عرب میں ضرور پیدا ہوئے لیکن ان کے پیروکاروں کی تعداد کوئی زیادہ نہ تھی اور ان کی حکومت

■ بریگم بنگ (۱۸۰۱ء تا ۱۸۶۸ء) ریاست یوٹاہ (امریکہ) کے ایک مذہبی فرقے LATTE DAY

SAINTS کا پیشوا جس میں تعدد و ازدواج عام تھی۔ بنگ کی وفات پر اس کی سترہ بیویاں تھیں۔

(پیرزانا ٹیکلو پیڈیا ۱۹۶۳ء)

اور ان کا اقتدار تھوڑی دیر ہی رہا۔

ان جھوٹے نبیوں میں سے مسلمانہ کو خطابت میں یہ طوطی حاصل تھا۔ اس کے پر اثر خطبوں اور تقاریر نے، جنہیں وہ الہامی کہتا تھا، اس کے مقلد پیدا کر دیئے اور جب اس نے شعبہ دے دکھا لوگوں کو اپنے نبی ہونے کا فریب دیا تو پیر و کاروں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس نے اپنا ایک علیحدہ قرآن بھی لکھا جس میں کوئی کام کی بات نہ تھی لیکن لوگوں کو بیوقوف بنانے اور حیرت کر دینے کا ملکہ ضرور رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک دن ترنگ میں آکر اس نے حضرت محمدؐ کے پاس اپنے ایک سفیر کو ایک خط دے کر بھیجا جس میں لکھا تھا۔

”مسلمانہ، اللہ کے نبی کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے نام۔

”آئیے کیوں نہ ہم عرب کی دنیا کو آپس میں تقسیم کر لیں نصف

آپ کی اور نصف میری“

حضرت محمدؐ کا جواب مختصر اور واضح تھا۔

محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسلمانہ کذاب کے نام۔

”زمین خدا کی ہے۔ وہ اسے اپنے ایسے بندوں کو بخشا ہے جن کو

دینا چاہتا ہے“

اس جواب کے ساتھ ہی آپؐ نے اس معاملے کو اپنی طرف سے ختم کر دیا۔ البتہ مسلمانہ اب

لے مسلمانہ کذاب رسول اللہ کے آخری زمانے میں بنو حنیفہ کے اس سردار نے نبوت کا دعویٰ کیا لیکن ساتھ ہی انھیں حضورؐ کو بھی نبی ماننا تھا۔ آپؐ کی وفات کے بعد طائف حاصل کر لی۔ اس نے اپنا ایک قرآن لکھا اپنے پیروں کو ناز معاف کر دی۔ شراب حلال کر دی اور اسی قسم کی اور فسق و فجور کی باتیں پھیلائیں۔ (طبری) حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک خونریز لڑائی کے بعد اس کو شکست دی اور مسلمانہ اسی وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ جس نے اُحد میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

مسلمانہ کا اصل نام مسلمہ بن حبیب تھا۔ لیکن جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مسلمانوں نے تحقیر کے طور پر اس کو مسلمانہ کذاب کہنا شروع کر دیا۔ عربی میں نام کے درمیان میں ”ی“ کے اضافے سے تحقیر پیدا ہو ہے۔ چنانچہ اسی طرح سے طلحہ بن خویلد ایک اور مدعی نبوت کو طلحہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(مترجم)

۳۲۔ خط کا مضمون اور اس کا جواب حیات محمدؐ مترجمہ محمد وارث کامل، میں اسی طرح دیا گیا ہے۔

بھی ناامید نہ ہوا۔ اپنی دعوت جاری رکھی اور مقلدین میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر کار وہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے لئے مصیبت بن گیا اور انہیں خالد بن ولید کی سرکردگی میں اس کے خلاف ایک فوج بھیجا پڑی۔ ایک سخت معرکے کے بعد سلیمہ کو شکست ہو گئی اور وہ خود وحشی کے ہاتھوں، جو اب پکا مسلمان بن چکا تھا، اسی نیزے سے مارا گیا جس سے اس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ کے جسم کو چھید کر انہیں شہید کر دیا تھا۔

جہاں تک رقابت اور نبی ہونے کے دعوے کا تعلق تھا یہ ناقابل ذکر واقعہ ہی سب سے زیادہ اہم تھا۔ آنے والی سات صدیوں میں مسلمانوں ہی کو فاتح اور غالب ہونا تھا اور اسلام کو ایسے ممالک میں لے جانا تھا جن کا نام تک بھی اس کے بانی حضرت محمد صلعمؐ نے نہیں سنا تھا۔

اب تقاضائے عمری کے سبب حضرت محمدؐ نے تھکاوٹ محسوس کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنی وفات کے قرب کا تو شاید آپؐ کو صحیح طور پر کوئی اندازہ نہ ہو لیکن آپؐ یہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ موت آپؐ کو اچانک آ لے۔ چنانچہ آپؐ نے بڑے تزک و احتشام سے حج کے لئے مکہ جانے کی تیاری کی۔ یہ حج اکبر اور حج مفصل ہونا تھا۔ اتنا بڑا کہ ہجرت کے بعد ایسا حج کبھی نہیں ادا کیا گیا تھا۔

مارچ ۶۳۲ء کے شروع میں آپؐ نے سفید بے سلاخ کالباس (احرام) پہنا اور لوگوں کو حج میں ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ چالیس ہزار افراد جمع ہو گئے۔ آپؐ کی نوازداج

لے وحشی - ہند کا غلام جس نے جنگ اُحد میں چھپ کر حضرت حمزہؓ کو برچھے سے شہید کر دیا تھا۔

لے آنحضرتؐ ۲۵ ذی قعدہ کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔ بعض نے آپؐ کے ہمراہ حجاج کی تعداد ۹ ہزار اور بعض نے ایک لاکھ چوبیس ہزار لکھی ہے۔ رسول اللہؐ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر رات قیام کیا۔ اور دوسری صبح وہاں سے احرام باندھا اور حج کی نیت کر کے آگے روانہ ہوئے۔ ۳ ذی الحجہ کو یہ قافلہ مکہ جا پہنچا۔ (حیات محمد)

مطہرات بھی جوتا حال موجود تھیں اونٹوں پر کسے ہو دیوں میں سوار ہمراہ تھیں۔ حضرت علیؓ کے سوا، جو اس وقت ایک مشن پر مین گئے ہوئے تھے۔ قدیم جاں نثاروں کا ہر فرد ہر کام تھا اور خود حضرت علیؓ بھی حج میں شرکت کے لئے وقت پر مکہ پہنچ گئے۔

اس بڑے قافلے نے صحرا کو چھوٹی چھوٹی منزلیں کر کے طے کیا۔ اب ہر ازل دستے آگے بھینچنے یا اسلحہ لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ چاروں طرف سینکڑوں میل تک کا علاقہ خالصتاً اسلامی تھا۔ جہاں پر کبھی خانہ بدوش لوگ پڑاؤ کرتے تھے وہاں اب مسجدیں تعمیر ہو گئی تھیں۔ قافلے کے قریب سے جو چند چرواہے گزرتے وہ مسلمان ہی ہو سکتے تھے۔ کامیابی کی یہ معراج محنت اور بڑی ہمت سے ہی حاصل ہوئی تھی۔ ضعیفی کا اس وقت آپؐ پر کوئی اثر نہ تھا اور القصوہ بھی جو نو سال پہلے آپؐ کو ہجرت کے وقت مدینہ لائی تھی، خواہاں خراباں چلی جا رہی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جو کردار اس نے اس صحرا کے ڈرامے میں ادا کیا تھا وہ اسے خوب سمجھتی تھی۔

دسویں روز آپؐ سرف پہنچ گئے جو مکہ سے باہر چند میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں حاجرانے غسل اور آرام کیا۔ دوسری صبح یہ جلوس ان خشک پہاڑیوں کی چٹانی ڈھلوانوں کے درمیان سے چکر کاٹتا ہوا روانہ ہوا، جو مقدس شہر کو احاطہ کئے ہوئے ہیں اور جب سورج کی پہلی کرنیں کعبہ پر پڑیں تو حضرت محمدؐ باب نبی شیبہ سے گزرے، جس سے ہو کر آپؐ فاتح کی حیثیت سے پچھلی مرتبہ شہر میں داخل ہوئے تھے جو نہی کعبہ نظر کے سامنے آیا۔ آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور بلند آواز سے کہا۔

اے اللہ! اس مقدس گھر کے مرتبے، شرف اور عظمت و بزرگی میں

اے یہ وہی ہم ہے جو حضرت علیؓ مرتضیٰ کی سرگردگی میں قیدہ شخص کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے مین بھیجی گئی تھی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر جناب امیر سیدھے مکہ پہنچے اور آنحضرتؐ کے ساتھ حج میں شریک ہو گئے۔

۱۰ فتح مکہ کے وقت آپؐ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مساجد بنائی تھیں (سیرۃ النبی - جلد دوم)

۱۱ زداھا اللہ شرفاً و تعظیماً ۵ (طبقات ابن سعد - جزو ثانی)

اور زیادہ اضافہ کر۔ اور حج و عمرہ کرنے والوں کی عزت، مرتبہ پارسائی اور نیکی میں اضافہ کر۔

پیدل طواف نہ کر سکنے کے سبب آپؐ نے القصوہ پر سوار ہو کر کعبہ کے گرد سات دفعہ طواف کیا۔

بعد کے دنوں میں آپؐ نے حج کے وہ مناسک ادا کئے جو اس وقت سے انہی طریقوں سے ادا کئے جاتے رہتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب بعض مجبوریوں کے سبب جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، حضرت محمدؐ نے بعض ارکان جلدی میں پورے کئے تو یہ تیزی اور عجلت ذہنوں میں محفوظ کر لی گئی اور وہ ارکان آج تک اسی تیزی اور عجلت سے ادا کئے جاتے ہیں۔ حج کی ادائیگی کا طریقہ کہیں لکھا ہوا اور مقرر نہیں ہے۔ بس جو لوگ اس روز وہاں موجود تھے، انہوں نے آپؐ کے طریقہ ادائیگی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور سینہ بہ سینہ دوسروں تک پہنچا دیا۔ چنانچہ جب ۸۵۳ھ میں سرچرچہ ڈبرٹن کمال چالاکی سے غیر مسلموں کی نکتہ جانے پر پابندی کو ختم کرنے اور حج کے ایام میں وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو اس نے کم و بیش وہی مناسک ادا کئے جو حضرت محمدؐ نے ۶۱۳ھ میں ادا کئے تھے۔ بشمول ان تیز رویوں کے۔

لے یہ مصنف کا اپنا خیال ہے۔

لے سرچرچہ ڈبرٹن RICHARD BURTON (۱۸۲۱ تا ۱۸۹۰ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک انگریز افسر جو صوبہ سندھ میں تعینات رہا۔ بعد ازاں ۱۸۵۳ء میں کمپنی کی طرف سے عرب کے مشرقی علاقے ربیع الخالی کے حالات دریافت کرنے کی ہم پر روانہ ہوا۔ ایک عرب حاجی کے ہمراہ میں اور ایک فرضی نام سے اسکندریہ کی بندرگاہ پر اترا۔ مسلمانوں کے عادات و اطوار اور حج کے مناسک دیکھے اور اسی کام سے حاجیوں میں شامل ہو کر مکہ پہنچ کر حج کے مناسک ادا کئے اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ بعد میں مدینہ بھی گیا ان واقعات کو اس نے اپنی ایک کتاب A PILGRIMAGE TO MECCA AND MEDINA میں لکھا ہے۔ بعد میں اس نے وسطی افریقہ کی سیاحت اور الف لیلہ کے انگریزی ترجمے کے سبب مزید شہرت حاصل کی۔ (مترجم)

حج کی ابتدائی رسومات کی ادائیگی کے لئے حاجیوں کو مکہ سے منیٰ جانا پڑا۔ یہاں معمول کے مطابق حجاج نے عبادات کیں۔ اور رات کو وہاں پر ہی خیموں میں قیام کیا۔ دوسری صبح کو یہ جلوس جس میں اب مکہ والوں کا بھی بڑا اضافہ ہو گیا تھا، عرفات گیا۔ جو مکہ سے تقریباً دس میل دور ہے۔

عرفات وہ جگہ ہے جہاں روایت کے مطابق جنت سے نکالے جانے پر اور عرصہ تک جدارہ بننے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا ایک دوسرے سے دوبارہ ملے۔ عرفات کو صحیح معنوں میں پہاڑ نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ دوسری پہاڑیوں کے درمیان کنکریلے فرش پر دو سو فٹ اونچی سنگ خارا کی ایک عظیم الجثہ چٹان ابھرائی ہے لیکن یہ کوئی نمودی چٹان نہیں ہے کیونکہ آپ کی اونٹنی القصوہ آنحضرت کو اس کی چوٹی پر لے گئی۔ اس بلند مقام سے آپ نے لوگوں کے منتظر ہجوم کو آگاہ کیا کہ عرفات اور اس کی وادی حج کے مقدس مقامات میں سے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے رسوماتی دعائیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ختم کیں۔

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“

”آج سے میں نے تمہارے واسطے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔“

حج کے اس مرحلے پر توقع سے زیادہ دیر لگ گئی اور دوسری منزل (مزدلفہ) تک پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی۔ نتیجے کے طور پر حضرت محمدؐ کو عصر اور مغرب کی نمازیں

لے یہ مقام منیٰ کی طرف اشارہ ہے جو مکہ سے چند میل دور پہاڑیوں میں ہے۔ حاجی صاحبان حج کے ایام میں سب سے پہلے یہاں ہی قیام کرتے ہیں۔ پھر عرفات جاتے ہیں۔

لے یہ مشہور آیت حجۃ الوداع کے خطبہ کے دوران نازل ہوئی۔ (سیرۃ النبی بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم) کہ حقیقت یہ ہے کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں یکے بعد دیگرے دو اقامتوں کے ساتھ پڑھتے ہیں مغرب کے وقت عرفات سے روانگی ہوتی ہے، اس لئے مغرب وہاں نہیں پڑھتے بلکہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں یکے بعد دیگرے پڑھی جاتی ہیں۔

جلدی جلدی اکٹھی پڑھنا پڑیں۔ آپ کو یہ بتانے کا خیال نہ رہا کہ حالات کے سبب آپ کو ایسا کرنا پڑا اور نہ کافی وقت ہونے میں ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی حاجیوں نے اس تیزی اور جلدی کو بھی روحانی اشارے پر محمول کیا۔ چنانچہ بارہ سو سال بعد سر چرچہ برٹن کو اس غیر منطقی رسم پر نکتہ چینی کرنے کا موقع مل گیا۔

دوسری صبح کو ہزار ہا حاجیوں نے حضرت محمدؐ کے پیچھے مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھی۔ پھر وہاں سے یہ قافلہ منیٰ کو لوٹا۔ چلتے ہوئے آپؐ بلند آواز سے یہ تبلیہ کہتے جاتے تھے۔

”لَبَّيْكَ - اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ - لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ - إِنَّ الْحَمْدَ وَ

النِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ - لَا شَرِيكَ لَكَ“

منیٰ پہنچ کر حضرت محمدؐ اور ان کے حاجیوں نے ایک ابھری ہوئی چٹان پر کنکریاں ماریں جسے شیطانؑ یا جمرہ کہتے ہیں۔ روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو یہاں پر شیطان نے روک کر بہکایا تھا اور آپؐ نے اسے پتھر مار کر بھگایا تھا۔ کنکریاں مارنے سے فارغ ہو کر قربانی کے لئے لاتے ہوئے اونٹ نھر کئے گئے۔ یہاں تک کہ وادی میں خون بہ نکلا۔ حج کی رسومات سر اور چہرے کا کچھ حصہ منڈانے اور ناخن ترشوانے پر ختم ہو گئیں۔ سر کے اترے ہوئے بال اور ناخنوں کو زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا گیا۔ خیال غالب ہے کہ حضرت محمدؐ کے بال اور ناخن محفوظ کر لئے گئے ہوں گے۔ آج دنیا میں بہت سی ایسی مساجد ہیں جہاں حضرت محمدؐ کی صریح ہدایات کے خلاف ایک دو بال محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ بال وہی ہوں گے جو حج یا عمرے

لے یہ مصنف کا قیاس ہے۔ اللہ کے نبی کا کوئی عمل جلد بازی میں نہیں ہوا۔ ہر اقدام کے پیچھے کوئی حکمت تھی۔

۲۔ جمرے یا شیطان تین ہیں۔ جمرہ عقبی (مکہ کی طرف سب سے بڑا جمرہ) جمرہ وسطیٰ اور منیٰ کی جانب جمرہ صغریٰ۔ جمروں کے درمیان کوئی سو دو سو قدم کا فاصلہ ہے۔ کنکریاں مارنے کی رسم کو رمی جمار کہتے ہیں۔

کے مواقع پر آپ کے سر سے اترے ہوں گے۔

ان تمام مقدس رسوبات کی ادائیگی کے بعد حاجیوں کو احرام اتار کر اپنے عام لباس پہننے کی اجازت دے دی گئی۔ پھر حضرت علیؑ نے اعلان کیا کہ اب لوگ کھانا کھائیں اور آرام کریں۔ قربانی کا گوشت تقسیم کیا گیا۔ دو روز تک کے لئے ہر شخص سب کچھ بھول کر پچھلے دو ہفتوں کی پابندیوں اور امتناعات کے باعث کمی کو پورا کرنے میں مصروف ہو گیا۔ تیسرے روز حضرت محمدؐ اونٹ پر سوار ہوئے اور وادی منیٰ کے وسط میں ایک مناسب مقام پر کھڑے ہو کر الوداعی خطبہ دیا۔

”لوگو! میری بات سنو! کیونکہ میں نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ سال میں تم لوگوں کے درمیان یہاں پر ہوں گا یا نہیں۔“

لے آپ کے صحابی پر دانہ وار آپ کے گرد جمع رہتے تھے اور آپ کی ہر شے کے والادشدا تھے۔ مثلاً آپ کے وضو کا پانی۔ حج اور عمرے کے وقت آپ کے سر سے اترے بالوں کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ ابن سعد نے طبقات میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈایا تو حالت یہ تھی کہ حجام آپ کا سر منڈر رہا تھا اور اصحاب آپ کے گرد اگر دگھوم رہے تھے تو کوئی بال زمین میں نہ گرنے دیتے تھے۔

لے حجۃ الوداع کے خطبہ کے مقام کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ حضرت جابرؓ اور حضرت عباسؓ کی روایت میں یہ خطبہ عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو یا گیا اور حضرت ابی بکرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایتوں میں یوم النحر (منیٰ) ۱۰ ذی الحجہ بتاتے ہیں بعض روایتیں ایام التشریق یعنی ۱۱-۱۲ ذی الحجہ کے خطبہ کی بھی ہیں۔ حال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا یعنی

۹ ذی الحجہ کو عرفات میں، ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر کو منیٰ میں اور تیسرا خطبہ ایام التشریق میں ۱۱ یا ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ میں، ان خطبوں میں بعض باتیں مشترک ہیں اور بعض مختص المقام چونکہ مجمع بہت زیادہ تھا کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے، اور پیغام نہایت اہم تھا۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ آنحضورؐ نے اپنی تقریر کے بعض فقرے بعض خطبوں میں دہرائے ہوں۔ خطبہ کے تمام جملے کسی حدیث میں یکجا نہیں ملتے۔ اصل یہ ہے کہ خطبہ بہت طویل تھا جو شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اس نے اسی کی ہدایت کر دی البتہ ابن اسحقؒ نے ان کو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے۔

”تمہاری جانیں اور تمہارے مال ایک دوسرے پر قیامت تک لئے اسی طرح حرام کر دیئے گئے ہیں جس طرح یہ دن اور یہ مہینہ سب کے لئے محترم ہے۔ اور یاد رکھو کہ تم سب کو ایک دن اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے جو تمہارے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔۔۔۔۔“

”ایفائے عہد کرو اور گناہوں سے بچو!“

”لوگو! تمہارے حقوق تمہاری عورتوں پر ہیں اور اسی طرح تمہاری

عورتوں کو تمہارے اور پر حقوق ہیں۔ اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی اور محبت کا سلوک کرو۔ کیونکہ اللہ کو خا من بنا کر ہی تم نے ان کو اپنی بیوی بنایا ہے اور اسی کے احکام کے ساتھ ہی ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔“

”سود حرام کر دیا گیا ہے۔ قرض دار صرف اصل رقم واپس کرے گا اور اس کا آغاز میرے چچا العباسؓ بن عبدالمطلب کے قرضوں سے ہوگا۔“

”آج کے بعد سے جاہلیت کے زمانے کے تمام خون رینی انتقام، غم کٹے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے عزیز ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔“

”اور تمہارے غلام۔ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ اور وہی کپڑا پہننے کو دو جو خود پہنتے ہو۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایسا قصور کرے جسے تم معاف کرنے کو تیار نہ ہو تو بہتر ہے کہ ان کو علیحدہ کر دو کیونکہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور ان سے سختی کا سلوک روا نہیں۔۔۔۔۔“

”اے لوگو! میری بات سنو اور اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔ جان لو کہ

اے عباد سے مردی ہے کہ جب رسول اللہؐ عرفہ پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے تو ربیعہ بن امیہ بن خلف آپ کے جلوں کو بلند آواز سے دہراتے جاتے تھے۔ آپ ایک جملہ مکمل کر کے ٹھہر جاتے اور جب وہ دہرایا جاتا تو آگے بڑھتے۔ (طبری، حیاة محمدؐ)

تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو جس چیز کا ایک بھائی مالک ہے دوسرے بھائی کا اس پر کوئی حق نہیں جب تک کہ وہ اسے خوشی سے نہ دے۔ نالہ نصافی اور ظلم سے بچو؟
پھر آپ نے اور بلند آواز سے کہا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ یہ کون سی سرزمین ہے؟ اور آج کیا دن ہے؟“

لوگوں نے جواب دیا۔ ”یہ حرمت کا مہینہ ہے۔ یہ ارض پاک ہے اور آج حج اکبر کا دن ہے۔“

ان کے ہر جواب پر آپ نے اضافہ کیا۔

”اللہ تعالیٰ نے بالکل اسی طرح تمہاری جان و مال بھی ایک دوسرے کے لئے قیامت تک کے لئے حرام کر دیئے ہیں۔“

”جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہئے کہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو یہ باتیں بتائی جائیں وہ ان کو ان لوگوں سے زیادہ بہتر طور پر یاد رکھیں جنہوں نے یہاں پر ان کو سنا ہے۔“

یہ کہہ کر آپ نے کچھ توقف کیا۔ اس دور میں لوگ خاموش اور متوجہ رہے۔ پھر آپ نے مہینوں کی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ترتیب کے خلاف تیسرے سال مہینوں میں اول بدل یا اضافہ کر دینے کے طریقے کو ختم کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں

تھے زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب جی چاہتا اپنے مناسب حال طوٹ والے مہینہ کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے۔ مثلاً رجب کا یا کوئی اور حرمت والا مہینہ آگے پیچھے کر لیتے۔ اس طرح کبھی خود کو جنگ کرنے سے بچا لیتے۔ کبھی حرام مہینہ کو بدل کر اس میں جنگ کر ڈالتے اور اس طرح مہینوں کی ترتیب میں ادل بدل کر لیتے جو اللہ کے احکام کے خلاف تھا۔ (حیاء محمد)

کا سال قمری ہوگا۔ اس طریقے کے مطابق مسلمانوں کے تیوہار مختلف موسموں میں آتے رہتے ہیں۔ یہ طے کرنے کے بعد آپ نے اپنا خطبہ ان الفاظ پر ختم کیا۔

”آج کے دن زمانے نے اپنا ایک چکر پورا کر لیا ہے اور پھر پھر کے اسی گھڑی پر واپس آ گیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین بنائے۔ اے لوگو!

شیطان اس زمین میں اپنی پرستش سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہو گیا ہے۔

لیکن تمہارے جو اعمال ہیں جن کو تم معمولی سمجھتے ہو اگر ان کی ادائیگی

میں سستی کرو گے تو وہ تم کو بہکا سکتا ہے۔ اور اس کے لئے یہ عین

خوشی ہوگی۔ اس لئے اس سے خبردار رہو۔“

یقینی طور پر میں نے اللہ کے احکامات تمہیں پہنچا کر اپنا فرض پورا کر دیا

ہے۔ میں تمہارے درمیان بڑے سیدھے اور صاف احکامات یعنی اللہ کی

کتاب (قرآن) اور واضح ہدایات (سنت رسول) چھوڑے جا رہا ہوں۔

اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔“

ایک مرتبہ پھر آپ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور پھر اضطراری طور پر

اور زیادہ جوش کے ساتھ آپ نے بلند آواز سے کہا۔

”اے اللہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور اپنا مشن پورا کر دیا ہے۔“

اس پر ہزار ہا حاجیوں نے بیک آواز جواب دیا۔

”بے شک۔ بے شک۔ آپ نے ایسا کر دیا ہے۔“

حضرت محمدؐ نے پھر ایک مرتبہ بلند آواز سے دہرایا۔ ”یا اللہ تو گواہ رہ کہ میں

نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔“

۱۔ ”اللھم اشہد“ خطبہ کے مندرجہ بالا اقتباسات حیات محمدؐ اور تاریخ طبری (جلد اول حصہ سوم)

میں دی ہوئی تفصیلات سے مطابقت کرتے ہیں۔ یہ صرف چیدہ چیدہ احکامات ہیں۔ سارا خطبہ

بہت طویل ہے۔

اس کے بعد حاجیوں کا مجمع منتشر ہو گیا اور خاموشی سے پتھر لی گھاٹیوں سے ہو کر مکہ کی جانب روانہ ہو گیا جو یہاں پانچ میل تھا۔ حضرت محمدؐ کچھ دیر کے لئے آرام اور عبادت کے لئے ٹھہر گئے۔ پھر اپنے محلے اور ازدواج کے ساتھ آپؐ بھی مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

کعبۃ اللہ پہنچ کر آپؐ سیدھے چاہ زمزم پر گئے اور ایک پیالہ پانی پیا۔ پھر کعبہ کے اندر تشریف لے گئے جہاں آپؐ نے تھوڑی دیر عبادت کی۔ بغیر روشن دان کے اس گھر میں گرمی تھی۔ چنانچہ حضرت محمدؐ پیاس کے سبب باہر آ گئے۔ آپؐ پہلے کھلے دروازے پر آ کر رک گئے اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ کعبہ کے محافظ کے پاس جو کچھ اس وقت موجود تھا، وہ ایسا پانی تھا، جس میں حاجیوں کو تقسیم کرنے کے لئے کشمش اور کھجور دھونی گئی تھیں۔ حضرت عباسؓ کے صاحبزادے الفضلؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ ان کے مکان پر تشریف لے چلیں۔ جہاں کافی تازہ پانی اور دودھ موجود تھا۔ لیکن حضرت محمدؐ پیاس کی شدت کے سبب انتظار نہ کر سکتے تھے اور کھجوروں کے چورے سے گدلایا ہوا پانی پی لیا۔ کچھ حاجی یہ دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ آج تک بہت سے حاجی اس مغربے کا ایک پیالہ پینا حج کے ارکان میں شمار کرتے ہیں۔

مدینے سے آئے ہوئے لوگوں کو واپسی سے پہلے تھکاوٹ دور کرنے کے لئے تین دن دیئے گئے۔ ماحول بہت خوشگوار تھا۔ اور پھلی مرتبہ یہاں آنے کے حالات سے بہت مختلف تھا۔ رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے سے ملے، دوستوں نے دوستوں کو پہچانا۔ اب کسی کو کپڑوں کے نیچے چھپی تلواروں کا خطرہ نہ تھا۔ ضیافتیں ہوئیں اور حضرت محمدؐ کی قائم کی ہوئی اخوت پرمثل کیا گیا۔ گو اس ماحول میں وہ چہل پہل تو نہ تھی جو ابی لہب اور ابو جہل کے زمانے میں ہوتی تھی لیکن اس میں زیادہ خلوص تھا۔

حضرت محمدؐ خوش تھے اور بڑا اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ آپؐ نے حج کی تکمیل کر دی تھی اور ایسی رسومات مقرر فرما دیں جو آپؐ جانتے تھے کہ ہمیشہ جاری رہیں گی۔ آپؐ حج کے تمام مناسک ادا کر چکے تھے لیکن اس سے پہلے کہ آپؐ پوری طرح مطمئن ہو کر مدینہ

واپس جاتیں آپ کو اپنی ایک ذاتی رسم بھی ادا کرنی تھی۔

عشاء کی نماز کے بعد آپ لوگوں کے اُس ہجوم میں سے خاموشی سے علیحدہ ہو گئے جو کعبہ کے چوک کے باہر نکل کر منتشر ہو رہا تھا۔ پھر پر سوار ہو کر مکہ سے باہر شمال کی جانب جانے والی سڑک پر ہوئے چند لمحوں میں آپ مکہ مکرمہ کی ان تنگ گلیوں میں سے گزر کر آگے چلے گئے جہاں قبضے کو بج رہے تھے اور ضیافتیں اڑ رہی تھیں۔ آپ اس ناہموار راستے سے بھی گزر گئے جس سے آپ ایک جوان سفری گماشتے کی حیثیت سے بخاری مہات سے واپسی پر بار بار گزر چکے تھے جلدی ہی آپ کھلے میدان میں آ گئے۔ اب یہاں آپ کو جنگلی جھاڑیوں کے درمیان ہوا کی سائیں سائیں کے سوا اور کچھ سناٹی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ ذریعے بعد آپ نے اپنے خچر کی باگ مغرب کی جانب موڑ لی چند گز چلنے پر آپ دو کھردرے پتھروں کے پاس پہنچ گئے جو ایک قبر کے سر ہانے اور پائنتی کے نشان کے طور پر لگے ہوئے تھے چند لمحوں میں آپ نے توقف کیا اور قبر کی طرف دیکھا۔ پھر آپ اور آگے بڑھ گئے۔ حضرت ابوطالب اسلام قبول کئے بغیر ہی فوت ہو گئے تھے اس لئے اُن کا بھتیجا اُن کے لئے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ ان کو بڑے شکر آمیز خیالات سے یاد کرے۔ اور اُن کے احسانات اور مہربانیوں کو نہ بھلائے۔

اب نہین اور زیادہ پتھر ملی ہوتی جا رہی تھی۔ حقیقت میں یہاں پر کوئی راستہ نہ تھا۔ اندھیرے میں خچر ٹھوکریں کھاتا چل رہا تھا۔ تقریباً دو فرلانگ تک حضرت محمدؐ اسے پتھروں اور جھاڑیوں میں چلانے رہے۔ یہاں تک کہ آپ ایک قبر پر پہنچے جو حضرت ابوطالب کی قبر سے زیادہ بہتر نہ تھی۔ اس پر تین تا تیرا شہ پتھر نشان کے طور پر لگے ہوئے تھے۔ ایک سر ہانے ایک پائنتی اور ایک درمیان میں حضرت محمدؐ خچر سے اتر آئے اور قبر کے بازو میں بیٹھ گئے۔

لے حضرت ابوطالب بعد المطلب اور بعد منافع کی قبریں جنت المعلّٰی کے بالائی حصہ میں ایک دوسرے سے قریب تاحال موجود ہیں۔ ان قبروں سے تقریباً ایک فرلانگ نیچے وسطی حصہ میں دیوار کے ساتھ خاتون جنت اُم المؤمنین خدیجہ الکبریٰؓ کی قبر ہے جو درمیان سے بیٹھی ہوئی ہے۔ سر ہانے نشان کا پتھر ہے۔ درمیان میں کوئی پتھر نہیں۔ قبر کالی قدیم اور اصل معلوم ہوتی ہے۔ سعودی عقائد کی بنا پر ان قبروں کی کوئی مرمت وغیرہ نہیں ہوتی حضرت خدیجہؓ کے بازو میں ساتھ ہی چھوٹی ٹیسی قبر آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم کی ہے۔

اس سخت اور بھری زمین کے نیچے آپ کی محبوب زوجہ حضرت خدیجہ مدفون تھیں۔ آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اور ایسی خاتون جنہیں آپ نے دل سے چاہا تھا۔

خاموشی سے آپ نے دعائیں پڑھیں۔ پھر آپ نے اپنی عجاپنے گرو لپیٹ لی اور بے حس و حرکت ہو کر مراقبے میں چلے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ اپنی زندگی کے مختلف دور اپنے سامنے تیزی سے گزرتے دیکھ رہے تھے۔ آپ کا بچپن جو صحرائ نشینوں میں گزرا۔ آپ کا لڑکپن اور جوانی جو حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب کے سایہ عاطفت میں گزرے۔ آپ کے پہلے دلچسپ سفر جو غیر ممالک میں ہوئے۔ آپ کی پہلی معلومات کہ صحرا کے علاوہ دوسری قسم کی سرزمینیں بھی دنیا میں ہیں اور یہ کہ ان قریش کے علاوہ اور قریب بھی بستی ہیں۔ پھر وہ نہ بھلائے جانے والے دن جب حضرت خدیجہ نے آپ کو بلایا اور پھر اپنے کاروانوں اور پھر اپنے سارے تجارتی ادارے کا مہتمم بنا دیا۔ درحقیقت یہاں آپ کی بے فکری کی زندگی ختم ہو گئی تھی کیونکہ اس کے بعد تو شادی ہو جانے اور فارغ البالی اور فرصت میسر آ جانے کے سبب آپ کو وہ خیالات پریشان کرنے لگے جو تجارتی مہمات کے دوران آپ کے ذہن میں جمع ہوتے رہنے لگے۔ اور پھر آہستہ آہستہ ہر چیز بدل گئی۔

پھر آپ کے سامنے غارِ حرا کی تصویر ابھر آئی اور آپ نے حضرت جبرائیل کے خوف پیدا کرنے والے الفاظ سنے۔ پھر دیکھا کہ حضرت خدیجہ آپ کو تسلی دے رہی ہیں۔ پھر ورقہ کی باتیں سنیں۔ پھر علیؑ، ابوبکرؓ اور زیدؓ آپ پر ایمان لائے۔ پھر مکہ والوں کا تسخر برداشت کیا۔ اور تنہا آمیز باتیں سنیں۔ اس کے بعد آپ کو مار ڈالنے کی دھمکیاں دی گئیں اور آخر کار آپ کو جان بچا کر ہجرت کرنا پڑی۔ پھر مدینے کی تصویریں سامنے آ گئیں اور ایک دوسرے میں گڈٹ ہو گئیں۔ یعنی مدینہ کی پہلی مسجد، آپ کا پہلا گھر، بدر، احد، خندق اور خیبر کی جنگیں، پھر آپ کی جمعیت میں اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ پھر مکہ آپ کے سامنے آ گیا۔

جب تاریکی میں آپ کی اس حیران کن کامیابی کا نقشہ ابھرا تو آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان کیا اور جو کچھ آپ کے لوگوں کے لئے کیا اس پر آپ جذبات

سے مغلوب ہو گئے اور آپ پر لکچپی طاری ہو گئی۔ پھر ایسا معلوم ہوا کہ آپ مستقبل میں دیکھ رہے ہیں اور ہر جگہ کامیابی آپ کے قدم چومتی نظر آئی۔ آپ نے دیکھا کہ روشنی کی زبردست شعاعوں کی طرح مسلمان ہر کاوٹ کو پامال کرتے ہوئے شمال اور جنوب اور مشرق و مغرب کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ ان میں آپ نے بہت سے پرانے چہرے دیکھے اور باؤفا ابو بکرؓ، تند مزاج عمرؓ اور خاموش طبع عثمانؓ یکے بعد دیگرے آپ کی جگہ لیتے رہے۔ ان کے بعد دلیر اور بہادر علیؓ، خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ بھی آئے۔ یہ جہاں بھی گئے آپ کی تعلیمات کو ساتھ لے گئے۔ یہاں تک کہ فارس اور مصر اور عراق میں آپ کا نام روشن ہو گیا۔

پھر ان قدیم ساتھیوں کے چہرے ماند پڑ گئے اور نئے چہروں نے ان کی جگہ لے لی لیکن یہ سب بھی اسی مقصد اور نصب العین کو لے کر آگے بڑھ رہے تھے۔ عساکر اسلامی کے پرچم آگے ہی آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ شمالی افریقہ سے ہو کر بحر اوقیانوس کی طرف۔ پھر اس سے آگے شمال میں، اسپین میں سے ہو کر فرانس کے اندر تک۔ یہ لوگ مشرق کی طرف بھی گئے۔ پھر خلیج فارس کے پار اور مغربی افریقہ کے ممالک میں بھی آپ کی تعلیمات بڑی تیزی سے پھیلی چلی گئیں۔ حضرت محمدؐ نے آنکھیں کھولیں تو آپ کو سانس لینا مشکل ہو گیا۔ آپ کو پوری توقع تھی کہ آپ کے خواب کی یہ تمام افواج آپ کے سامنے خود وزرہ بکتر پہنے آراستہ ہوں گی لیکن آپ نے خود کو اکیلا پایا۔ البتہ چند گز دور آپ کا سفید خچر کھڑا اونگھ رہا تھا۔ آسمان تاریک تھا جس میں چمکتے ہوئے تارے جڑے ہوئے تھے۔ صحرا کی تیز ہوا قبرستان کے پتھروں سے سرسکار رہی تھی پھر آپ کے جسم کا تناؤ کچھ کم ہوا۔ آہستہ سے آپ نے حضرت خدیجہؓ کی قبر کو چھوا۔ یہ جو کچھ ہوا سب انہی کی بدولت تھا اور آئندہ جو کامیا بیاں ہوتی تھیں وہ بھی انہی کی مرہون منت ہوں گی۔ کافی دیر تک آپ ساکت و صامت کھڑے رہے۔ آپ وہاں سے نہ ہلے جب تک کہ آپ کو یہ یقین نہ ہو گیا کہ یہ خاتون جن سے آپ کو محبت تھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ خواہ حالات بظاہر کتنے ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں صرف وہ ہی ایسی عورت تھیں جن سے حضرت محمدؐ سچی محبت کرتے تھے۔

باتیسواں باب

وفات

۸ جون ۶۳۲ء

سرد ممالک کے خلاف گرم آب و ہوا کے علاقوں میں موت زیادہ سکون سے آجاتی ہے۔ شمالی خطوں میں صحرائے عرب کی سی بلا تکلیف نزعی کیفیت تقریباً ناپید ہے۔ عرب لوگ بڑی وضعداری سے اور دوسروں کو کوئی تکلیف دینے بغیر ہی موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ وہ بچوں کی سی جلائی ہوئی آگ کی طرح بہت جلد بجھ جاتے ہیں۔ وہ ضعیفی اور در ماندگی کے مرحلوں پر پہنچ کر اپنے اس دنیا سے سفر کرنے کے پیشگی آثار کا اظہار نہیں کرتے اور نہ ہی مغربی قوموں میں ضعف سے نڈھال اور زمانے کے شاکی بوڑھوں کی طرح عرب لوگ اپنے گھر والوں کو طویل بیماری اور خبر گیری سے پریشان کرتے ہیں۔ وہ خواہ کسی خانہ بدوش قبیلہ کا سردار ہو یا تاجر اسے مرتے وقت تک اپنے اہل خانہ اور دوستوں کا پورا پورا خیال رہتا ہے۔ (اور وہ ان کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بنتا)۔ ایک عرب کی صحیح عمر کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ وہ ساٹھ سال کا ہو یا انتی برس کا اس کے روزانہ کے معمول میں جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کوئی فرق نہیں آتا۔ پھر ایک دن

لے علامہ شبلی نے سیرۃ النبی (جلد دوم) میں مئی ۶۳۲ء لکھا ہے 'تاریخ وفات ۸ جون ۶۳۲ء' بیان کی ہے مصنف نے اس کتاب میں اور جنرل گلب نے اپنی کتاب (THE GREAT ARAB CONQUESTS) میں ماہ جون ۶۳۲ء لکھا ہے لیکن اگر تاریخ وفات علامہ شبلی کے استدلال کے مطابق ۱۲ ربیع الاول کی بجائے یکم ربیع الاول مان لی جائے تو مطابقت میں مئی ۶۳۲ء کا ہی مہینہ آئے گا۔ (مترجم)

اچانک وہ کچھ تکلیف محسوس کرتا ہے۔ دوسرے روز وہ اپنے گھر یا خیمے سے باہر نہیں نکلتا۔ اور ایک ہفتہ بعد وہ خاموشی سے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ مرنے کے چند گھنٹے کے اندر اندر اسے شہر کے قبرستان میں یا صحرا میں پتھروں کے ڈھیر کے نیچے دفن کر دیتے ہیں ہر شخص اسے اچھے الفاظ میں یاد کرتا ہے اور اگلے جہان میں اس کی مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ اس کے ورثا میں سے کوئی بھی اس اطمینان اور خوشی کا اظہار نہیں کرتا جو مغربی قوموں میں ایک پیر فرشتہ کی آخری رسومات سے فارغ ہونے پر بکثرت دیکھنے میں آتا ہے۔

اس معقول رویے اور بلا وجہ کا ہنگامہ نہ ہونے کا بڑا سبب مسلمانوں کا موت سے نہ ڈرنا ہے۔ اس سے خوف کھانے کی بجائے وہ اسے دنیاوی زندگی کی تمام آفات اور تکالیف سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ حضرت محمدؐ کے ان الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں۔

”یہ دنیا مسلمان کے لئے ایک قید خانہ اور تکلیف کی جگہ ہے اور جب وہ اسے چھوڑتا ہے تو گویا قید اور تکلیف دونوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے“

چنانچہ حضرت محمدؐ نے بھی اس دار فانی سے اسی روایت کے مطابق کوچ کیا۔ وفات سے چند گھنٹے پہلے تک آپؐ لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے۔۔۔۔۔

جج سے واپسی کے بعد جلدی ہی آپؐ شام کے رومیوں کے خلاف ایک مہم بھیجنے کی تیاری میں لگ گئے۔ آپؐ موت پر مسلمانوں کی شکست کو نہ بھولے تھے اور اپنے دیرینہ رفیق اور ساتھی زیدؓ کی شہادت کے لئے ابھی تک آپؐ نے رومیوں کو معاف نہیں کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ اب انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔

اس مہم کو اور زیادہ موثر طور پر انتقامی بنانے کے لئے آپؐ نے زیدؓ کے صاحبزادے اسامہؓ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ اسامہؓ آپؐ کی حبشی دایہ برکہ (اتم امین) کے بطن سے تھے جو حضرت زیدؓ کی پہلی بیوی تھیں۔ وہ ایک ہونہار نوجوان تھے اور بعد میں انہوں نے حضرت محمدؐ کے اس انتخاب کو صحیح بھی ثابت کر دیا لیکن آپؐ کی عمر اس وقت صرف بیس سال تھی۔ آپؐ کے اکابر صحابہ

اس کے علاوہ آپؐ کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ رومی پھر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ (طبری)

نے اس تجویز کو پسند نہ کیا کہ باحال طاقتور دونوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک ایسے لڑکے کو ان کا سالار بنایا جائے جسے جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا لیکن حضرت محمدؐ نے ان احتجاجوں کا کوئی اثر نہ لیا۔ آپؐ ایک ایسی نظیر قائم کر رہے تھے جس پر آج تک مسلمان عمل پیرا ہیں اور وہ یہ کہ ایک اچھے جنرل کے لئے عمر اور ذاتی مرتبہ لازمی نہیں۔ آپؐ ان لوگوں میں جمہوریت کا ایک ایسا اصول رائج کر رہے تھے جسے ان کو دنیا کے گوشے گوشے میں لے جانا تھا۔ ان کے تقرر کے متعلق کوئی مشورہ کئے بغیر آپؐ نے اسامہؓ کو مسجد میں بلایا اور انہیں اسلامی پرچم پر کہہ کر عطا کیا کہ اس کے عزت و وقار کو سر بلند کریں۔ حضرت اسامہؓ نے پرچم تھام لیا اور کسی بحث و تمحیص کے بغیر لشکر کی کمان سنبھال لی۔

۲۷ مئی ۶۳۲ء کو تیسرے پر لشکر نے کوچ کیا اور اس رات مدینہ کے قریب ہی 'الجرف' میں پڑاؤ کیا۔ وہ اس شام یہاں تک ہی پہنچ سکے تھے۔ دوسری صبح کوچ کی تیاری سے پہلے ہی یہ اطلاع پہنچ گئی کہ حضرت محمدؐ سخت بیمار ہو گئے ہیں۔

کسی نے بھی صحیح طور پر یہ نہیں بتایا ہے کہ آنحضورؐ کی اس جان لیوا بیماری کا اصل سبب کیا تھا۔ آپؐ کے بعض پیروکار اس کا سبب وہ زہر خورانی بتاتے ہیں جو آپؐ کو خیر میں دیا گیا تھا۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ زہر دینے کی کوشش چار سال پہلے ہوئی تھی۔ دوسری یہ کہ آپؐ نے زہر آلود گوشت حلق سے نیچے نہیں اتارا تھا بلکہ زبان پر رکھتے ہی کھوک دیا تھا۔ تیسرے یہ کہ آپؐ کی صحت اس تمام عرصے میں بہت اچھی رہی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ نے تبوک جیسی پر مشقت اور جسم و دماغ کو تھکا کر چور کر دینے والی مہم کی قیادت بھی کی۔ آپؐ نے اس دوران میں بنو سہازن کے خلاف حنین کی جنگ بھی لڑی اور طائف کا

لے آنحضورؐ نے اسامہؓ کو بلایا اور فرمایا: اپنے باپ کے مقتل کو جاؤ اور کفار کو کچل دو۔ اس لشکر پر تمہیں امیر بنادیا ہے۔ اتنا تیز چلو کہ خبروں سے آگے ہو جاؤ۔ اس مہم میں حضرات ابو بکرؓ صدیق، عمرؓ بن الخطابؓ، ابو عبیدہؓ بن الجراح اور سعدؓ بن وقاص جیسے اصحاب کبار کو بھی اسامہؓ کی سرداری میں شرکت کرنا تھا۔

(طبقات ابن سعد - جزو ثانی)

رڈ سپلن قائم کرنے کی یہ ایک مثال تھی)

محاصرہ بھی کیا اور مکہ بھی فتح کر لیا تھا ایک شخص جس کو زہر ملا ہلکا اثر آہستہ آہستہ کھائے جا رہا ہو ایسی پر مشقت ہمیں سر کرنے کے قابل کبھی نہیں ہو سکتا۔

بعض کا خیال ہے کہ آپ کو سخت قسم کا لیبر یا ہو گیا تھا۔ یا پھر یہ کہ میعاد ہی بخار تھا لیکن مشاہدے کے مطابق جو علامتیں بتائی گئی ہیں۔ وہ یہ تھیں :

بیماری کے دوران آپ کو شدید بخار رہا۔ آپ کی آنٹوں اور کمر میں سخت تکلیف تھی۔ آپ کی بیماری اور وفات دونوں بہت تیزی سے آئیں۔ آپ ان تمام تکالیف اور مرحلوں سے گزرے جن سے لاکھوں مشرقی لوگ آنٹوں کے ٹیکوں کی ایجاد سے پہلے گزرتے تھے۔ پھر یہ بھی کہ آپ کو ایسی بیماری لاحق ہو جانے کے اسباب ہر وقت موجود تھے۔

صحرا میں پانی کی قلت کے سبب عرب لوگ ہر بہم آ جانے والی شے کو پی لیتے ہیں۔ اور اکثر اوقات یہ انہیں نقصان بھی نہیں پہنچاتی۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے مکہ میں اس بالٹی کا پانی پی لیا تھا جس میں گندی کھجوریں دھوئی گئی تھیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مدینے میں مسجد کے نزدیک ایک کھلا حوض تھا جس سے پانی پیا جاتا تھا اور ہمیں اس بات کا بھی اعتراف کرنا ہو گا کہ آپؐ نے اپنی باسٹھ سال کی زندگی میں اپنے جیسے معمول کے مطابق چار صحت مند آدمیوں جتنا کام کیا تھا۔ ایک ایسا جسم جس نے بے شمار اذیتیں سہی ہوں اور جسے کبھی آرام نہ ملا ہو آخر کار رُوبہ انحطاط ہونا شروع ہو گیا۔

بہر حال بیماری خواہ کچھ ہی تھی۔ حضرت محمدؐ اسامہؓ کو علم عطا کرنے کے بعد دوسری صبح اٹھے تو سر میں سخت درد تھا اور پیٹ میں بھی سخت درد تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ لیکن آپؐ نے کسی کو نہ بتایا کہ آپؐ کو اتنی شدید تکلیف تھی اور معمول کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتے رہے اور باری باری اپنی ازواج کے ہاں بھی جاتے رہے۔ بایں ہمہ آپؐ کو احساس ہو گیا تھا کہ شاید یہ ہی آپؐ کا مرض الموت ہو۔ حضرت فاطمہؓ کو رازداری

لے واقعہ کے بیان کے مطابق ماہ صفر ۱۱ھ ختم ہونے میں صرف دو راتیں باقی تھیں کہ آپؐ اس مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ فقہائے حجاز بھی اس پر متفق ہیں کہ آپؐ صغریٰ آخری تاریخوں میں بیمار ہوئے۔ (طبہ ی)

میں لے کر اتنا ضرور کہا کہ اب آپ کی زندگی تھوڑی ہی رہ گئی تھی اور یہ سن کر جب وہ رونے لگیں تو آپ نے ان کو تنبیہ کی اور کہا:-

”میری بیٹی! روتی کیوں ہو۔ اطمینان رکھو میرے خاندان والوں میں سب سے پہلے تم ہی میرے پاس آؤ گی۔“

اور ہوا بھلی یہی۔ حضرت فاطمہؓ آپ سے چھ ماہ بعد ہی انتقال کر گئیں۔

اپنی بیماری کی دوسری رات حضرت محمدؐ حضرت میمونہ کے حجرے سے نکلے، جہاں آپ کو وہ رات گزارنی تھی اور ایک غلام کو ساتھ لے کر جنت البقیع (قبرستان) کی طرف چلے گئے۔ کچھ دیر آپ قبرستان میں ان لوگوں کے سر پرانے مراقبے میں بیٹھ رہے جو مسلمان ہر گھر سے تھے۔ پھر جو لوگ آپ سے پہلے وفات پا گئے تھے ان کے لئے دعا کی:-

”بیشک آپ اور میں ان نعمتوں سے سرفراز ہوئے جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا۔ اے اہل قبور! آپ پر سلامتی ہو اور آپ کو مبارک ہو۔ آپ لوگ ان لوگوں سے بہتر ہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان آفات سے محفوظ کر دیا ہے جو بعد والوں کے لئے خطرہ بنی رہتی ہیں اور جو ایک کے بعد ایک اور پہلی سے زیادہ سخت ہوتی ہیں.....“

اللہ ان لوگوں کی مغفرت کرے جو یہاں مدفون ہیں۔“

پھر غلام سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے پیشکش کی گئی ہے کہ یا تو میں اس دنیا میں

حیاتِ جاودانی لے لوں اور بعد میں جنت میں جاؤں۔ یا اپنے مالک حقیقی کے پاس فوراً

آپ تیرہ دن بیمار رہے۔ شروع کے پانچ روز جب بیماری کم تھی آپ دوسری ازواج کے ہاں رہے۔

آخر کے آٹھ روز جب مرض شدید ہو گیا تو دوسری ازواج کی اجازت سے حضرت عائشہؓ کے ہاں آئے

اور وہیں انتقال کیا۔ سیرت النبی - حصہ دوم

لے ان کا نام ابو موسیٰ تھا اور یہ آنحضورؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

لے تاریخ طبری (جلد اول حصہ سوم) سیرۃ النبی (جلد دوم) کے مطابق آپ نے یہ دعا شہدائے اہل قبروں پر پڑھی جو جنت البقیع میں ہیں۔

ہو جاؤں۔ میں نے اپنے رب سے جلد ملنے والی بات قبول کر لی ہے۔“

ایک مرتبہ آپ پھر اہل قبور سے مخاطب ہوئے۔

”السلام علیکم یا اہل القبور۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو معاف کرے۔“

آپ لوگ ہم سے پہلے چلے گئے ہیں اور ہم بھی آپ کے پیچھے آنے والے ہیں۔“

پھر آپ حضرت میمونہؓ کے حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔ دوسرے روز آپ کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو گئی۔ بخارتیز ہو گیا تھا اور آنتوں کی تکلیف آپ کو کاٹے ڈال رہی تھی۔ حضرت محمدؐ نے تیمارداری کی ضرورت محسوس کی اور یہ بھی طے کر لیا کہ حضرت میمونہؓ اتنی اچھی خبر گیری نہ کر سکیں گی۔ آپ حضرت عائشہؓ کے پاس جانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ماننا چاہا۔ اب یہ بات یقینی معلوم ہوتی تھی کہ آپ کی وفات نزدیک تھی۔ غالباً آپ کے چچا چاہتے تھے کہ آپ کا دم واپس آپ کی سالی (حضرت میمونہؓ) کے بازوؤں میں ہوتا کہ نتائج ان کے حق میں ہوں اور ایسا ہونا ممکن تھا۔ مسلمانوں میں ابھی تک آپ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا اور ایسے حالات میں آپ کی وفات ان کی حضرت عباسؓ ایک عزیزہ کے ہاں ہونے سے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا اور یہی سمجھا جاتا کہ آپ کی مرضی اور منشاء بھی یہی تھی۔ لیکن حضرت محمدؐ کی حالت ابھی اتنی خراب نہیں ہوئی تھی کہ کوئی شخص آپ کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی کام کر سکتا۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچا اور حضرت علیؓ کا سہارا لیا اور حضرت عائشہؓ کی رہائش گاہ تک لے چلنے پر اصرار کیا۔

”اے مویہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دنیا کے خزانوں، حیات جاودانی اور جنت میں سے

کسی ایک کو پسند کروں۔ میں نے حیات جاودانی اور دنیا کے خزانوں کے مقابلے میں اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو پسند کر لیا ہے۔“ (حیات محمدؐ)

اے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا سہارا لیتے ہوئے ان کے حجرے میں آئے (تاریخ طبری) سیرۃ النبی کے مطابق خود حضرت عباسؓ تھے۔

حضرت عائشہؓ ابھی صرف بیس سال کی تھیں۔ آپ نے اس سے پہلے نہ تو کسی بیمار کا تیمارداری کی تھی اور نہ ہی کسی کا دم واپس دیکھا تھا۔ لیکن آپ نے خود کو اس کا اہل ثابت کیا اور اپنے قریب المرگ شوہر کی علالت کے آخری ایام میں ان کی خبر گیری اور تیمارداری میں ہمہ تن مصروف ہو گئیں۔ آپ کی ان جوان سال بیوی کی محبت بھری توجہ سے آپ پر خوشگوار اثر پڑا۔ آپ کچھ سنبھل گئے اور آپ کا ذہن زیادہ صحیح طور پر کام کرنے لگا چنانچہ جب آپ نے سنا کہ اسامہؓ تاحال شام کے لئے روانہ نہیں ہوئے ہیں اور آپ کے اکابر کی جانب سے ان کی تقرری پر اختلافی تبصرے کے سبب ان کو روک لیا گیا ہے تو آپ کا پہلے کا سا جوش خود کر آیا۔ آپ نے پانی منگایا اور غسل کیا تاکہ بخار کی شدت کچھ کم لباس پہنا اور مسجد میں تشریف لے آئے۔ نماز کے لئے لوگ ابھی ابھی جمع ہوئے تھے معمول کے مطابق حضرت محمدؐ نے نماز پڑھاٹی اور لوگوں سے خطاب کیا۔

”اے لوگو! یہ کیا ہے جو میں سن رہا ہوں کہ آپ میں سے کچھ لوگ میرے اسامہؓ کو شام کے لشکر کا امیر مقرر کرنے دینے پر معترض ہیں؟ اگر آپ لوگوں کو اس پر اعتراض ہے (تو کوئی تعجب نہیں) کیونکہ آپ اس سے پہلے اس کے والد زیدؓ کی تقرری پر بھی اعتراض کر چکے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ زیدؓ بھی اس کے اہل تھے اور ان کا بیٹا بھی اس عہدے کا اتنا ہی اہل ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اسامہؓ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنہیں میں بہت زیادہ چاہتا ہوں اور اسی طرح اس کے والد تھے۔ اس لئے آپ کو چاہئے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں کیونکہ

لے ایک روایت کے مطابق آپ نکاح کے وقت تیرہ سال کی تھیں اور رخصتی کے وقت، اس سال کی اس طرح آپ نبی کریم کے وصال کے وقت، ۲ سال کی تھیں۔

لے طبقات ابن سعد جزو ثانی

یہ واقعہ ۱۰ ربیع الاول یوم شنبہ (ہفتہ) کا ہے۔ (طبقات ابن سعد)

وہ آپ کے بہترین لوگوں میں سے ایک ہیں۔“

آپ نے مجمع پر ہر طرف نظریں ڈالیں۔ آپ کی آنکھوں میں ابھی تک اسی طرح تیزی اور چمک تھی اور نگاہوں میں وہی حاکمانہ رعب تھا کہ کسی کو آپ کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ آپ کے منطقی اور واضح دلائل میں ہمیشہ کی طرح وہی زور اور استدلال تھا۔ چنانچہ یہ اطمینان کر کے کہ لوگ اب معقول ہو گئے ہیں، آپ نے مزید فرمایا:-

”بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اس دنیا کی زندگی یا اپنی

قربت میں سے ایک کو چن لینے کا موقع دیا ہے اور بندے نے اپنے مالک حقیقی کی قربت کو ہی ترجیح دی ہے۔“

غالباً اکیلے حضرت ابو بکرؓ ہی مسجد میں ایسے شخص تھے جو حضرت محمدؐ کے اس اشارے کو سمجھ گئے تھے چنانچہ جب انہوں نے اپنی سسکیوں کو غبٹ کیا تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے حضرت محمدؐ اپنے ان قدیم صحابی کی طرف متوجہ ہوئے اور جذبات سے متاثر ہو کر کہا:-

”یقینی طور پر محبت اور وفا شعاری میں ابو بکرؓ تم میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور اگر مجھے ایک دلی دوست اور ساکتی چن لینے کی اجازت ہوتی تو وہ ابو بکرؓ ہی ہوتے لیکن اسلام نے اب ہم سب کو آپس میں اور زیادہ قریب کر دیا ہے یعنی بھائی بنا دیا ہے۔“

حاضرین میں سے اہل مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

”مدینہ کے انصار کی عزت و احترام کرو۔ دوسرے مسلمانوں کی تعداد بڑھ سکتی ہے لیکن انصار اتنے ہی رہیں گے و اب سب میرے عزیز ہیں۔ ان کے درمیان میں میں اپنے گھر کی طرح رہا ہوں۔“

تم ان سے دوستی رکھو۔ جن کے یہ دوست ہیں اور ان کے دشمنوں سے تم بھی قطع تعلق کر لو۔“

چند اور نصیحتیں کرنے اور مشورے دینے کے بعد آپ منبر پر سے اتر آئے اور حضرت عائشہؓ کے پاس واپس چلے گئے۔

مسجد تک جانے آنے نے آپ کو تھکا دیا اور رات بے چینی میں گزری صبح کو طبیعت اتنی خراب تھی کہ آپ نماز نہ پڑھا سکے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی بجائے نماز پڑھائیں۔ جانشینی کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا جو آپ نے کیا۔ بایں ہمہ یہ واضح تھا کہ آپ یہی چاہتے تھے جب آپ موجود ہوتے تو آپ کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں پڑھاتا تھا۔ لیکن آپ کی غیر حاضری میں اول ایمان لانے والوں میں سے جو کوئی بھی موجود ہوتا امامت کرتا۔ آج آپ عمرؓ، عثمانؓ یا علیؓ کسی کو بھی اپنی نیابت کا حکم دے سکتے تھے لیکن اپنے معتمد صحابی کو خاص طور پر نامزد کرنا، حضرت عائشہؓ کو اپنی تیمارداری کے لئے چننا اور ان کے حجرے میں ہی اپنی بیماری کے ایام گزارنے سے صاف ظاہر تھا کہ آپ خلافت اس شخص کو دینا چاہتے تھے جس نے آغاز اسلام سے ہی آپ کے ہر اچھے برے وقت میں آپ کا ساتھ دیا تھا۔

بعد کے چند دنوں میں بخارا تناشدت اختیار کر گیا کہ رسول اللہ اپنے بستر سے نہ اٹھیں اور جب بخارا کی تپش ناقابل برداشت ہو گئی تو آپ بار بار اپنا ہاتھ پاس رکھے ہوئے پانی کے پتوں میں ڈبوئے اور دعا کرتے۔

”بار اللہ! اس جان کنی میں میری امداد فرما۔ یا اللہ میری مدد کر۔“

لے واقدی ابن ابی سہرہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔ عکرمہؓ مروی ہے کہ ابو بکرؓ نے بیس تین دن نماز پڑھائی۔ (تاریخ طبری)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھائی اور حضرت ابو بکرؓ

قائم مقامی کی۔ اس قائم مقامی کا آغاز شب جمعہ کی نماز عشاء سے ہے۔ (سیرۃ النبی - جلد دوم)

بعض اوقات آپ پر ہڈیان کی سی کیفیت طاری ہو جاتی لیکن بحیثیت مجموعی آپ کو وہ تمام باتیں یاد رہتیں جو آپ کے آس پاس ہو رہی تھیں۔ آپ کوئی شکایت نہ کرتے تھے۔ آپ اپنے صحابیوں کو بھی پہچانتے تھے، جو آپ کی عیادت کے لئے آتے تھے۔ بلکہ آپ نے ہدایات بھی دیں کہ جو نقدی آپ کے پاس بھی ہوئی ہے۔ وہ فوراً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی جائے۔ اور پھر بھجوتی آگ کے آخری شعلے کی طرح آپ نے سنبھالا لیا۔ اور اپنے آپ کو کچھ بہتر محسوس کیا۔ ایک مرتبہ پھر وہی ناقابل تسخیر عزم اور حوصلہ جس نے ابھی تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑا تھا، عود کر آیا۔

پانی اور صاف کپڑے طلب کئے اور اچھی طرح غسل کر کے آپ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ آپ اس وقت پہنچے جب حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ خوشی اور حیرت کی دبی دبی آوازوں کو سن کر حضرت ابوبکرؓ پیچھے مٹنے کے لئے مڑے اور نماز پڑھنا بند کر دیا لیکن حضرت محمدؐ نے آپ کو نماز جاری رکھنے کا اشارہ کیا اور جب وہ نماز ختم کر چکے تو آپ منبر کی پہلی سیڑھی پر بیٹھ گئے اور ایک مرتبہ پھر لوگوں سے خطاب کیا۔ میں نے سنا ہے کہ میری موت کی افواہ نے تم لوگوں کو پریشان کر دیا ہے لیکن میں پوچھتا

لے آپ نے ابوبکرؓ کو نماز جاری رکھنے کا حکم دیا۔ خود حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دائیں طرف بیٹھ کر اور ان کی امامت میں ہی نماز ادا کی (حیات محمدؐ) آپ حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ نماز آپ نے ہی پڑھائی حضرت ابوبکرؓ آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی مقتدی حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے۔ یہ ظہر کا وقت تھا اور حضرت جندبؓ کی روایت کے مطابق وفات سے پانچ روز پہلے یعنی جمعرات کا واقعہ ہے۔ (سیرۃ النبی۔ جلد دوم)

۲۔ مصنف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ البتہ تاریخ طبری اور حیات محمدؐ کے بیان کے مطابق آنحضورؐ نے اس خطبہ میں یہ فرمایا تھا۔ "اے لوگو! آگ بھڑک اٹھی ہے اور اندھیری رات کی طرح فتنے اٹھ رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی بات کی ذمہ داری مجھ پر عائد کرو کیونکہ میں نے تمہارے لئے صرف وہی چیزیں حلال کی ہیں جو قرآن نے حلال کی ہیں۔ اور وہی چیزیں حرام کی ہیں جنہیں قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس قوم پر جو اپنے انبیاء کی قبروں کی پرستش کرتی ہے۔" (تاریخ طبری۔ حیات محمدؐ)

ہوں کہ کیا میرے سے پہلے آنے والے پیغمبروں میں سے کوئی ہمیشہ زندہ رہا ہے۔ ہر بات اللہ کی مرضی اور حکم کے مطابق ہوتی ہے اور اس کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ نہ جلدی ہوتی ہے اور نہ دیر۔ مجھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ میری آخری وصیت آپ لوگوں کے لئے یہ ہے کہ سب متحد رہیں اور ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کی عزت و تکریم کریں اور ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔ ایک دوسرے کو دین اور ایمان اور نیکو کاری کی تلقین کرتے رہیں۔ یہی انسانیت کی فلاح ہے۔ اس کے علاوہ باقی باتیں تباہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔“

اب آپ زور لگا کر کھڑے ہو گئے اور قریب قریب اپنی سابق بلند آوازی سے کہا:

”میں آپ لوگوں کے سامنے ہی رخصت ہو جاؤں گا اور میرے بعد جلد

ہی آپ کو بھی آنا ہے۔ موت ہم سب کی منتظر ہے۔ تو پھر میری موت کو ہی آپ کیسے روک سکتے ہیں۔ میں آپ لوگوں کی بھلائی کے لئے جیا اور بھلائی کے لئے

مردوں گا۔“

آپ چند لمحے لمبی لمبی عبا میں پہنے ان لوگوں کو بڑے اشتیاق سے دیکھتے رہے جو مسجد

میں جمع ہو گئے تھے۔ پھر آپ ان کی خاموش صفوں کے درمیان سے حضرت علیؓ کے سہارے

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے حجرے کی طرف لوٹ گئے۔ یہ آپ کی آخری تقریر تھی۔

حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچ جانے پر آپ اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ

نے آپ کا لباس اتارا۔ کچھ دیر آرام کیا حضرت عائشہؓ کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ بخار پھر بہت

تیز ہو گیا تھا لیکن نہ تو آپ کراہے اور نہ ہی کسی تکلیف کی شکایت کی جب حضرت عائشہؓ

نے کپڑا پانی میں بھگو کر آپ کے چہرے پر پھیرا تو آپ مسکرائے اور آہستہ آہستہ لیکن مشکل سے

یہ الفاظ آپ نے ادا کئے۔

”یا اللہ۔ اس جان کنی کو میرے لئے آسان کر دے۔ اے جبرائیل میرے

لے مصنف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔

قریب آجاؤ۔ میرے نزدیک آجاؤ۔“

یہ الفاظ آپ نے کئی مرتبہ دہرائے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد آپ کے چہرے پر پھر کچھ بحالی آگئی۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور واضح الفاظ میں کہا۔

”اے مالک حقیقی۔ میری مغفرت کر اور مجھے اپنے جوار میں بلند جگہ عطا فرما۔“ اپنے برگزیدہ اولیاء اور صالحین کے ساتھ (مع الذین انعم اللہ علیہم)۔

آپ کی زبان پر بل الرفیق الاعلیٰ فی الجنة کے الفاظ جاری تھے۔

پھر آپ کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے۔ آپ کا سر حضرت عائشہ کی گود میں ڈھلک گیا۔

بخار سے جلتے ہاتھ کی گرمی جو حضرت عائشہ نے تھا ما ہوا تھا، کم ہو گئی۔ ایک منٹ تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر حضرت عائشہ نے آہستہ سے اپنے شوہر کا سر تکیے پر رکھ دیا۔ آپ کے کپڑے درست کئے اور آپ کی آنکھیں بند کر دیں۔ وہ بڑے متفکرانہ لیکن پرامید نظروں سے آپ کے پیارے چہرے کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔ اس مکمل خاموشی سے آپ کو اتنا یقین تو ہو گیا تھا کہ یہ کسی وحی یا دورے کی کیفیت نہیں اور جو ملکی سی مسکراہٹ آپ کے شوہر کے چہرے پر کھتی وہ بھی ایک زندہ شخص کی سنی کھتی چنانچہ آنسوؤں کو ضبط کیا اور جلدی سے اس ہستی کی پیشانی کا بوسہ لیا جو آپ کے لئے پہلے اور آخری مرد تھے جو آپ کی زندگی کے شریک تھے۔ آپ واحد شخص تھے جن سے آپ نے محبت کی۔ پھر آپ صحن میں چلی گئیں جہاں دوسری ازواج بڑی فکر مندی اور تشویش سے انتظار کر رہی تھیں۔

لے ۸ جون ۶۳۲ء کو آنحضرت کا وصال ہوا۔ موسم سخت گرم تھا۔ (حیات محمد) مصنف نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے۔ (مترجم)

واقعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ۱۲ ربیع الاول ۶۳۲ء دو شنبہ (پیر) کے روز وفات پائی۔ اور دوسرے روز دن ڈھیلے دفن کئے گئے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ربیع الاول کی دو تاریخ تھی اور دن پیر ہی کا تھا (طبری) سیرۃ النبی (جلد دوم) میں مولانا شبلی نے اجتہاد کیا ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو دو شنبہ (پیر) کا دن نہیں پڑتا۔ اس لئے وفات یکم ربیع الاول ۶۳۲ء دو شنبہ کے روز ہوئی (مترجم)

حرم سے اٹھنے والی آہ و بکا کی آوازیں جلدی ہی مسجد کے پڑوس میں پھیل گئیں۔ خوف اور مایوسی کی ایک لہر ان لوگوں میں آگ کی طرح پھیل گئی، جنہوں نے اپنے پیشوا کو ابھی تھوڑی دیر پہلے زندہ دیکھا تھا۔ حضرت عمرؓ سمیت کوئی بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ رسول اللہؐ اس دنیا سے سفر کر گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ تو واقعی طور پر اس بحوم کے آگے راہ روک کر کھڑے ہو گئے جو رسول اللہؐ کی رہائش کے دروازے پر جمع ہوتا چلا جا رہا تھا اور اعلان کیا کہ حضرت محمدؐ پر صرف غشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ آپ نے اپنا یہ بیان ایک مرتبہ پھر زیادہ بلند آواز سے اور زیادہ یقین کے ساتھ دہرایا۔

یہ ایک غیر معمولی منظر تھا اور بڑی ہی تشویشناک صورت حال تھی۔ حالانکہ حضرت محمدؐ نے نہ کبھی اپنے کسی فعل سے اور نہ ہی کبھی الفاظ میں ایسا کوئی تاثر دیا تھا کہ آپ اپنے پیروکاروں سے اپنی خلقت میں کسی طرح مختلف تھے۔ بلکہ ہمیشہ انہی کی طرح کا ایک فانی انسان ہونے کا دعویٰ اور تکرار کرتے رہے۔ لیکن لوگ اپنے لاشعور میں آپ کو عام انسانوں کے مقابلے میں ایک مافوق البشر مخلوق سمجھتے تھے اور جو کچھ آپ نے چند گھنٹے پہلے اپنے فانی ہونے کے متعلق مسجد میں کہا تھا اسے صرف ایک کلیہ سمجھ کر باور کیا تھا۔ وہ اپنے آقا اور مولیٰ کو ایسی مخلوق سمجھنے سے قاصر تھے جسے موت آ سکتی ہو۔

یہ ایک فطری بات تھی۔ مکہ اور مدینہ کے لوگوں کو مفلسی اور اذیتوں کی زندگی سے نجات حاصل کر کے اب اتنا بلند مقام حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو عرب کی تمام اقوام سے اعلیٰ و ارفع سمجھنے لگے تھے۔ بظاہر ناقابل عبور رکاوٹیں ان کے راستے میں کھڑی تھیں لیکن اپنے پیشوا کی کامیاب رہبری میں وہ ان سب کو عبور کر گئے تھے۔ دراصل ایسا سوچنے میں حق بجانب بھی تھے کیونکہ جب بھی وہ کسی بڑی یا چھوٹی مشکلات سے دوچار ہوتے تو ان کا کام بس اتنا ہوتا تھا کہ وہ حضرت محمدؐ کے پاس چلے جاتے اور آپ ان کی مشکل حل کر دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے لئے یہ قیاس کرنا کہ اب وہ دنیاوی مصائب کے طوفانوں کے خلاف اس برگزیدہ ہستی کی امداد سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں گے ایک ناقابل یقین اور خلاف فطرت بات معلوم ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ خود بھی مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہوئے تھے۔ وہ ایک گھنٹے کے اندر اندر اسلام کے ایک سخت ترین دشمن سے اس کے ایک بڑے پر جوش حامی بن گئے تھے۔ ان کی نظر میں حضرت محمدؐ کا دنیا کے ہر انسان سے بہت زیادہ بلند مرتبہ تھا۔ اسی وجہ سے آپؐ نے حرم کی خواتین کو ڈانٹ دیا تھا اور انہیں رونے دھونے والی مخلوق کہا جو نہیں جانتی تھیں کہ ان کے شوہر کا مرتبہ کیا تھا۔ جب حضرت ابو بکرؓ پہنچے تو صورت حال بگڑتی جا رہی تھی۔ حضرت محمدؐ کے دوبارہ مسجد میں تشریف لے آنے سے حضرت ابو بکرؓ کو آپؐ کے صحت یاب ہو جانے کا اتنا یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ایک بیوی سے ملنے چلے گئے جو موسم گرما گزارنے کے لئے مدینہ کے مضافات میں چلی گئی تھیں جو نہی آنحضرتؐ کی وفات کی خبر انہیں پہنچی وہ فوراً اپنے خچر پر سوار ہوئے اور شہر واپس آ گئے۔ لوگوں کے اس هجوم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو آپؐ کو گھیر کر سینکڑوں سوالات کر رہا تھا حضرت ابو بکرؓ حرم میں داخل ہوئے اور سیدھے اس حجرے میں چلے گئے جہاں آپؐ کا وصال ہوا تھا۔ آپؐ نے اپنی بیٹی عائشہؓ کو آنحضرتؐ کے جد مبارک کے پاس ہی بیٹھا پایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کوئی بات نہ کی۔ البتہ ان سے رسول اللہؐ پر پڑی ہوئی چادر کو اٹھانے کے لئے کہا۔ چند لمحے وہ بڑے رنج و غم میں اپنے دوست و آقا کے خوبصورت خدو خال کو دیکھتے رہے۔ پھر آپؐ کے بازو میں آکر جھکے اور آپؐ کی چوڑی پیشانی پر بوسہ دیا اور آہستہ سے کہا۔

”کیا یہی بابرکت تھی آپؐ کی زندگی اور کتنی پاکیزہ ہے آپؐ کی موت“

پھر انہوں نے آپؐ کے لمبے بال چھوئے جو آپؐ کے بڑے سر کے پیچھے خم کھائے ہوئے تھے۔
 ”واقعی آپؐ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں“ انہوں نے کہا۔ ”اے میرے دوست۔
 میرے محبوب آقا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ افسوس آپؐ کو بھی موت کا ذاتی حق چکھنا پڑا“

۱۔ ان کا نام حبیبہ بنت خاریجہ تھا اور وہ اس وقت مدینہ کے نواح میں موضع سبخ میں اقامت گزین تھیں (حیات محمدؐ)

۲۔ ۳۔ ۴۔ حیات محمدؐ

ایک مرتبہ پھر آپ نے حضرت محمدؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دوبارہ چادر ڈھانپ کر آہستہ آہستہ صحن کی طرف چلے گئے جہاں ازداج مطہرات مسلسل رو رہی تھیں۔

اب آپ کو دیوار کے باہر شور و غل کا احساس ہوا چنانچہ جلدی سے اس طرف بڑھے۔ دیکھا کہ حضرت عمرؓ اپنی گرجدار آواز میں بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ حضرت محمدؐ صرف بیہوش ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خاموش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اتنے جوش میں تھے کہ اس کی پرواہ نہ کی۔ ایک لمحہ تو آپ بھی پریشان ہو کر رہ گئے۔ یہ ایک نازک صورتحال تھی کہ جس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ آخر کار آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا اور بولنا شروع کیا۔ لوگوں نے جب جانی پہچانی آواز سنی تو کچھ خاموش ہوئے۔ آپ بڑے تہدید آمیز لہجے میں مخاطب ہوئے۔ بڑھی سختی سے اور واضح طور پر آپ نے کہا۔

”کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ وحی نازل نہیں کی کہ تمہیں بھی موت آنی ہے اور سب لوگوں کو بھی مرنا ہے“ اور پھر غز وہ احد کے بعد کیا یہ آیت نہیں اتری کہ محمدؐ بھی ایک پیغمبر سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان سے پہلے آنے والے پیغمبر مر چکے ہیں۔ تو کیا اگر انہیں (حضرت محمدؐ) موت آجائے یا وہ قتل ہو جائیں تو تم اپنے قدموں پر لٹے پھر جاؤ گے اور ان کا دین چھوڑ دو گے اس لئے کہ وہ

لہ انک میت وانہم میتون (سورۃ زمر)

مے یہ سورہ آل عمران کی اس آیت کے الفاظ ہیں۔

”وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل ؕ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً و یمجزی اللہ الشاکرین ؕ“

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں پس اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (کفر کی جانب) لوٹ جاؤ گے اور جو اپنے پاؤں پر لوٹ جائے گا وہ اللہ کو ذرا سا بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ دے گا۔

اس دنیا سے جا چکے ہیں۔“

یہ کہہ کر الفاظ کا تاثر دلوں میں بیٹھ جانے دیا۔ پھر پر زور طریقہ پر بات کو یوں ختم کیا۔
”جو لوگ حضرت محمدؐ کے پرستار تھے انہیں جان لینا چاہیے کہ آپؐ یقینی طور پر فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن جو اللہ کو مجبور دانتے ہیں انہیں علم ہونا چاہیے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسے موت نہیں۔“

اس تقریر کے بعد ایک دہشت ناک سناٹا چھا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی باتیں قرآن کے احکام پر مبنی تھیں۔ انہوں نے قرآن کی وہی آیتیں بیان کی تھیں جنہیں ان میں سے ہر ایک نے رسول اللہؐ کی زبانی بھی سنا تھا۔ حضرت محمدؐ کے ان سچے دوست کی صداقت پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ سن کر بعض نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا کہ شاید وہ اس کی تردید کریں لیکن وہ بھی سر جھکائے کھڑے تھے چنانچہ تمام مرد اور عورتیں جو چند لمحے پہلے جمع ہو کر اس خبر پر بڑے زور شور سے ہنگامہ کر رہے تھے، خاموشی سے منتشر ہو گئے اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔
تھوڑی ہی دیر بعد مسجد کے باہر چوک سے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ سب چلے گئے۔ پھر انہوں نے بھی اپنا اپنا راستہ لیا۔ غم و اندوہ کے سبب انہیں الفاظ نہیں مل رہے تھے کہ اس مصیبت کی گھڑی میں وہ ایک دوسرے سے بات بھی کر سکیں۔

بہر حال اپنے ذاتی صدمے کے باوجود حضرت ابو بکرؓ نے اپنے حواس قائم رکھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسلام اس وقت سخت خطرے میں تھا۔ حضرت محمدؐ کی وفات بذات خود ایک بڑا صدمہ تھا لیکن اس کے اثرات و نتائج اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتے تھے اور

اے آپ کی تقریر کے الفاظ یہ تھے۔

ایہا الناس من کان یَعْبُدُ
مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدَمَاتٍ وَمَنْ
کان یَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ
حَتَّى لا یَمُوتَ۔

اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمدؐ کی پرستش کرتا تھا
وہ سن لے کہ محمدؐ فوت ہو گئے۔ لیکن جو اللہ کی
عبادت کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔ اس پر
کبھی موت وار و نہیں ہوگی۔

اگر فوری طور پر کسی کو قیادت کے لئے نہیں چنا گیا تو کئی اختلافی گروہ پیدا ہو جائیں گے۔
آپ اپنے اس خیال میں حق بجانب تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی تقریر کے بعد انصار مدینہ جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر واقعی رسول اللہ کا وصال ہو چکا ہے تو اس کا کوئی جواز نہیں کہ اس کے بعد بھی مکی مہاجرین ان پر حکومت کریں۔ اب وقت اور موقع تھا کہ وہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیں۔ حضرت ابو بکرؓ کو اس تحریک کی سن گئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے گھر سے لیا جہاں وہ اپنے آقا کی جدائی پر رو کر جی ہلکا کرنے چلے گئے تھے اور دونوں اس طرف چل دیئے جہاں اہل مدینہ جمع تھے۔ یہ دونوں حضرات عین اس وقت وہاں پہنچے جب سعد بن عبادہ کو نیا پیشوا منتخب کر لیا گیا تھا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ نے اسی عزم اور خود اعتمادی کا مظاہرہ کیا جو حضرت محمدؐ کا خاصہ تھا۔

حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ اگرچہ وہ خود اہل مدینہ کی بے حد عزت کرتے ہیں لیکن عرب کے دوسرے قبائل ہرگز انہیں اپنا حاکم تسلیم نہیں کریں گے۔ صرف آنحضرتؐ کے اپنے جتیلہ قریش کے لوگ ہی شاید اس قابل ہوں کہ وہ سارے ملک کو متحد رکھ سکیں۔ اگر وہ لوگ چاہتے

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ حیات محمدؐ کے مطابق مہاجرین حضرت ابو بکرؓ کے پاس جمع تھے اور بنی ہاشم، زبیر بن العوام اور طلحہؓ حضرت فاطمہ الزہراءؓ کے گھر جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور انصار مدینہ نے رسول اللہؐ کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے بعد مہاجرین کی حکومت برداشت نہ کریں گے اور عملی طور پر سعد بن عبادہ کو اپنا امیر منتخب کر لیا تھا۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کی زیر کی اور فراست ہی تھی کہ اتنے مختلف گروہوں کو ایک فیصلہ پر متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۔ حیات محمدؐ کے مصنف کے بیان کے مطابق حضرت عمرؓ کو انصار کی اس کارروائی کا پہلے علم ہوا۔ اور وہ حضرت ابو بکرؓ کو لے کر سیفہ بنی ساعدہ گئے جہاں انصار مدینہ کا اجتماع تھا۔ بہر حال دونوں ساتھ تھے۔

۳۔ حضرت ابو بکرؓ نے سعد بن عبادہ کو رسول اللہؐ کے وہ الفاظ یاد دلائے جو ان کی موجودگی میں کہے گئے

ہیں کہ اسلام زندہ رہے تو اس بات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ یہ بات کہہ کر وہ کچھ رُکے اور پھر کہا کہ وہ یہ تجویز اس لئے پیش نہیں کر رہے ہیں کہ وہ خود منتخب ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ کون چنا جائے لیکن یہ ضرور ہے کہ جانشین اہل قریش سے ہونا چاہئے۔

حضرت ابو بکرؓ بڑی روانی سے بول رہے تھے۔ آپ کا مقصد حضرت محمدؐ کی وفات سے ہرگز کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا نہ تھا۔ انہوں نے تو یہ مسئلہ بالکل غیر جذباتی انداز میں اہل مدینہ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ خود فیصلہ کریں چنانچہ کچھ اختلافی بحث و تجویس کے بعد ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کو پیغمبر اسلام کا خلیفہ یا جانشین منتخب کر لیا حضرت عمرؓ نے تائید کی اور دوسرے روز مسجد میں آپ کے تقرر کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اس کی وضاحت کرنے کے بعد کہ آپ کو حضرت محمدؐ کی وفات کے متعلق غلط فہمی ہو گئی تھی اور یہ کہ تمام مسلمانوں کو ہمیشہ قرآن کے احکام ہی کی پیروی کرنی چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

”اور اب اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کے معاملات ایک ایسے شخص کے ہاتھ

میں دے دیئے ہیں جو ہم میں سب سے زیادہ افضل ہیں جو اس کے رسولؐ کے صحابی ہیں اور ایسے صحابی کہ جب رسول اللہؐ غار میں تھے تو آپ کے ساتھ دوسرے شخص وہ ہی تھے۔ انھیں اور ان کی بیعت کریں“

متفقہ طور پر اٹھتی ہوئی موج کی طرح لوگ حضرت ابو بکرؓ کی طرف بڑھے پھر ہر ایک نے باری باری اپنے دونوں ہاتھ اسلام کے پہلے خلیفہ کے ہاتھ میں دیئے اور بیعت کی۔

اس سے فارغ ہو کر حضرت ابو بکرؓ اسی منبر پر بیٹھے جہاں سے حضرت محمدؐ کے سوا کبھی کسی اور نے تقریر نہ کی تھی۔ یہ لمحہ تاریخ اسلام کا ہی اہم ترین اور اثر آفرین لمحہ نہ تھا بلکہ تاریخ عالم

تھے۔ یعنی خلافت کے وارث قریش ہی ہوں گے۔ نیک نیکوں کی اقتدار کریں گے اور بدکار بروں کی پیروی کریں گے۔ پھر انہوں نے کہا کہ انصار کی فضیلت ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن حکومت کا معاملہ ایسا ہے کہ سوائے قریش کے اور کسی کی حکومت کو عرب لوگ ہرگز گوارا نہیں کریں گے۔ سعد بن عبادہ کو حضورؐ کے یہ ارشادات یاد آگئے اور وہ فوراً مان گئے۔ (تاریخ طبری)

میں بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اگر اس وقت حضرت ابو بکرؓ لوگوں کو موثر طور پر مطمئن نہ کر سکتے تو یہ مذہب جو ایک خاص نظریہ اور نصب العین پر قائم کیا گیا تھا، ویسا ہی محدود ہو کر رہ جاتا جیسا کہ ابتدا میں تھا۔ یعنی صرف ایک نظریہ۔

حضرت ابو بکرؓ میں اپنے دوست اور آقاؐ حضرت محمدؐ کی سی شان اور دلربائی نہ تھی۔ وہ خود بوڑھے تھے اور مرنے کے قریب۔ البتہ یہ بزرگی اور عظمت حاصل کر لینے کے لئے ان میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک ان کا اسلام میں غیر متزلزل یقین اور دوسری خوبی ان کا شک و شبہ سے بالاتر خلوص تھا اور ان ہی دو صفات کے سبب آپؐ نے اس یادگار صبح کو نمایاں کامیابی حاصل کی۔ حضرت محمدؐ کا سانچہ بیابانہ انداز نہ رکھتے ہوئے بھی آپؐ نے بڑی متانت سے وہ تمام باتیں کہہ دیں جو آپؐ کہنا چاہتے تھے۔

”اے لوگو! آپؐ نے بڑے خلوص سے کہا: ”اے لوگو! بیشک میں آپؐ کا امیر بن گیا ہوں لیکن میں آپؐ میں سے افضل ترین نہیں ہوں۔ اگر میں صحیح طور پر کام کروں تو میری تائید کرنا لیکن میں اگر غلطی کروں تو مجھے ٹوک دینا اور درستی کا راستہ دکھانا۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ جان بوجھ کر کسی قوم میں نہیں پھلتا پھولتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب نازل کرتا ہے چنانچہ صرف اس وقت تک میری اطاعت کیجئے جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی پیروی کروں اور جب میں اس کی نافرمانی کروں تو آپؐ لوگوں پر میری اطاعت لازم نہ رہے گی۔ اب نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں۔“

اللہ تعالیٰ آپؐ پر اپنا رحم و کرم کرے۔ جس وقت یہاں یہ کچھ ہو رہا تھا۔ اس اثنا میں حضرت محمدؐ کے جسد مبارک کو غسل دے کر مشک و عنبر کی خوشبوؤں میں بسا دیا گیا تھا۔ آپؐ کے جسم کو تین چادروں میں لپیٹ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں زیارت کے لئے رکھ دیا گیا۔ لوگوں کو ٹولیاں بنا کر باری باری

اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔ ایک جماعت آتی اور اپنے پیشوا کا چہرہ مبارک دیکھنے کے لئے کچھ دیر ٹھہرتی۔ پھر یہ چلے جاتے اور دوسرے لوگ آجاتے۔ سارا دن لوگ زیارت کرنے کے لئے آتے رہے۔ مردوں کے بعد عورتیں آئیں اور عورتوں کے بعد بچے اور غلام۔

جب دفن کرنے کا مرحلہ آیا تو معلوم ہوا کہ کسی کو بھی یہ بات معلوم نہیں کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے گا۔ بعض چاہتے تھے کہ آپ کی قبر مسجد میں آپ کے منبر کے نیچے کھودی جائے۔ دوسروں نے خیال ظاہر کیا کہ وہ جگہ زیادہ مناسب رہے گی جہاں آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ بعض نے کہا کہ آپ شاید مسلمانوں کے قبرستان میں اپنے لوگوں کے درمیان دفن ہونا پسند کرتے۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے یہ اعلان کر کے اس مسئلہ کو حل کر دیا کہ رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ایک نبی کو یقینی طور پر اسی جگہ دفن کرنا چاہئے جہاں اس کا دم آخر ہوا ہو۔ چونکہ کوئی اس کی تردید نہ کر سکا اس لئے اسی جگہ (یعنی حجرہ عائشہؓ) میں ہی قبر بنانے پر اتفاق ہو گیا۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ایک گہری قبر تیار کی گئی۔ قبر کے فرش پر پہلے آپ کی سبز چادر بچھا دی گئی۔ پھر کفن میں لپیٹی میت کو حضرت علیؓ، اسامہ بن زیدؓ اور الفضل بن عباسؓ نے بڑی آہستگی سے قبر میں اتارا۔ کچی اینٹوں سے اصل قبر پر ایک قوسی چھت یا ڈاٹ بنا دی گئی اور قبر کے باقی حصہ کو ریت اور بھری سے بھر دیا گیا۔

اس طرح منگل کے دن ۹ جون ۶۳۲ء کو ہجرت کے گیارہویں سال میں حضرت محمدؐ

لے اصل میں یہ بات آنحضرتؐ کی نماز جنازہ کے متعلق ہے۔ کوئی باجماعت نماز نہیں ہوتی۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ لوگ آتے آتے گئے اور نماز پڑھتے گئے۔ پہلے مردوں نے پڑھی۔ پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے اور پھر غلاموں نے۔ ان نمازوں میں کسی نے امامت نہیں کی۔ (تاریخ طبری)

۱۔ کچھ تباہ و برباد بھی تھیں۔ مثلاً آپ کو مکہ لے جا کر آبائی وطن میں دفن کرنا چاہتے۔ یا پھر بیت المقدس میں جہاں اور تمام انبیاء مدفون ہیں۔ (حیاتیہ محمدؐ)

۲۔ ۸ جون ۶۳۲ء کو آنحضرتؐ کا وصال ہوا اور ۹ جون کو مدفون ہوئے (حیات محمدؐ) بعض کا کہنا

کو اپنی باسٹھ سال کی ہنگامہ خیز اور پر مشقت زندگی میں پہلی مرتبہ آرام و سکون کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ آج تک آپ اسی روضہ مبارک میں آرام فرما ہیں۔ اب یہ لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا ہے کیونکہ کسی وقت کے حرم کے معمولی رہائشی حجرے کے چاروں طرف اب

ایک نہایت خوبصورت اور زیب و زینت سے آراستہ مسجد بن گئی ہے۔ اس حجرے پر جس میں آپ کا اصل مزار ہے ایک نہایت شاندار گنبد بنا دیا گیا ہے۔ یہاں پر دنیا کے گوشے گوشے سے مرد اور عورتیں آتے ہیں اور اس جگہ کے بالکل نزدیک نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے ہیں جہاں پر ان کے پیشوا اور ہادی رہتے تھے اور جہاں ان کا وصال ہوا۔ ایسا کرنے میں وہ حضرت محمدؐ کے بار بار دہرائے جانے والے ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں کہ آپؐ کے روضہ کی پرستش نہ کی جائے اور اسی طرح وہ اس عقیدے کو بھی مستحکم کرتے ہیں کہ آپؐ ایک روحانی مخلوق یا فرشتوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسا کہہ کے وہ آپؐ کی عظمت کم کرتے ہیں۔

مذہب کی تاریخ میں حضرت محمدؐ کی منفرد حیثیت کا بڑا سبب یہ ہے کہ آپؐ نے تمام دنیا کو ایک خدا کی بندگی کرنے کے لئے معقول کر دیا حالانکہ نہ تو آپؐ کوئی آسمانی مخلوق تھے اور نہ فرشتہ، اور نہ ہی ایسا کرنے کے لئے آپؐ کے پاس کوئی مافوق البشر صلاحیتیں تھیں۔ سوائے آپؐ کی عظیم شخصیت کے اور آپؐ میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو آپؐ کو دوسرے

ہے کہ وفات کے دوسرے دن (بروز منگل) دن ڈھلے دفن کیا گیا۔ لیکن حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ پیر کو وفات ہوئی اور بدھ کی درمیانی شب کو تدفین ہوئی۔ (تاریخ طبری)

اے مسجد نبویؐ میں لوگ روضہ مبارک کے چاروں طرف نزدیک سے نزدیک کو سلام پڑھتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں اور ان جگہوں پر نفل ادا کرتے ہیں جہاں حضورؐ نے نمازیں پڑھیں یا پڑھنے کا حکم دیا یہ تمام نمازیں اور بندگی اللہ کے لئے ہوتی ہیں اور مسجد میں قبلہ رخ ہوتی ہیں اس لئے یہ نافرمانی ہرگز نہیں۔ ہاں البتہ روضہ مبارک کی جالیوں اور دیواروں کو چومنا ضرور عقیدت کا اظہار ہے اور اس سے وہاں کے خدام ہر وقت منع کرتے رہتے ہیں۔

مسلمانوں سے تمیز کرتی یعنی نہ تو آپ کے پاس خطابات تھے اور نہ ہی دولت اور نہ ہی آپ کی بود و باش دوسروں سے ممتاز تھی۔ دمشق - فیض (مراکش) اور دہلی کی مساجد کی طرح مدینے کی مسجد بھی فن تعمیر کا ایسا ہی پسندیدہ اور اعلیٰ نمونہ ہے جیسے دنیا کی اور مشہور مذہبی عمارات لیکن ان میں ایک بھی ایسی بات نہیں جو حضرت عبداللہ و حضرت آمنہ کے بیٹے حضرت محمد رسول اللہ کے اسوہ حسنہ (سادگی اور حقیقت پسندی) سے مطابقت رکھتی ہو۔

کتابیات

(وہ کتابیں جن سے اس ترجمہ میں استفادہ کیا گیا)

نام کتاب
حیات محمد

کیفیت
مؤلف ڈاکٹر محمد حسین ہیکل۔ حواشی میں اس کتاب
سے حوالے اور اقتباسات مولانا محمد کمال وارث کے
ترجمے "سیرۃ الرسول" سے لئے گئے ہیں۔

تاریخ طبری

(جلد اول، حصہ سوم)

مترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم۔ دکن سررشتہ تالیف و ترجمہ
جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن۔ اشاعت ۱۹۴۶ء
ترجمہ مولانا عبد اللہ العمدی۔ دکن سررشتہ تالیف و
ترجمہ جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن۔
مطبوعہ ۱۹۴۲ء

طبقات ابن سعد

(جسند اول و دوم)

غلام شبلی نعمانی۔ مطبوعہ اعظم گڑھ
طبع ششم۔ ۱۳۶۴ھ

سیرۃ النبی

(حصہ اول و دوم)

مؤلف ابوالعلاشاہ محمد کبیر دانا پوری۔
مطبع نو لکھنؤ۔ لکھنؤ۔ ۱۹۴۰ء

تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے

عرب و اسلام

مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی۔

کتاب مقدس (اردو)

انارکلی۔ لاہور۔ ۱۹۵۱ء

(انجیل۔ عہد نامہ نئے عتیق و جدید)

دریغہ مخالف

ترجمہ قرآن حکیم از شاہ عبدالقادر

موضح القرآن

لیفٹیننٹ جنرل سرجان گلب۔

مطبوعہ لندن ۱۹۶۳ء

THE GREAT ARAB CONQUESTS.

مختلف جلدیں۔ (پندرہواں ایڈیشن)

ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA

مختلف جلدیں (ایڈیشن ۱۹۵۰ء)

CHAMBERS ENCYCLOPAEDIA

جلد اول و دوم۔ مطبوعہ نیویارک۔

ایڈیشن ۱۹۵۴ء

THE NEW CENTURY
ENCYCLOPAD

ENCYCLOPAEDIA OF NAMES

بہترین ایڈیشن۔ مطبوعہ ۱۹۶۳ء

PEAR'S ENCYCLOPAEDIA

BIBLIOGRAPHY

(BOOKS CONSULTED BY THE AUTHOR)

- The spirit of Islam - S. Ameer Ali.
- The Life of Mohammed - Sir William Muir.
- Islam and the Arabian Prophet - Dr. G.I.Kheirallah.
- Mahomet and His Successors - Washington Irving.
- History of the Arabs - Dr. Philip K. Hitti.
- Essays on the Life of Mohammed - Ahmad Khan Bahadur.
- Mohammed - Tor Andrae.
- Mohammed and Mohammedanism - R. Bosworth Smith.
- Mahomet - G.M.Dracycott.
- Mohammed - R.F. Dibble.
- Aisha, Beloved of Mohammad - Nabia Abbott.
- The Pilgrimage to Mecca and Medina - Sir Richard Bur.
- The Crescent and the Rose - S.C. Chew.
- The Arab Heritage - F.K.Hitti, N.A. Faris, G.L.D. Vid.
- J. Oberman, J.L. La Monte.
- The Origins of the Islamic State - Dr. Philip K. Hitti.
- The Mystical Elements of Mohammed - J.C. Archer.
- The Apostle of God - Edward Gibbon.
- Life of Mohammed - George Bush.
- Heroes and Hero Worship - Thomas Carlyle.
- Men of Might - A.C. Benson and H.F.W. Tatham.
- Sayings of Mohammed - Abdallah Al Mamun Al Suhraward.
- Meet the Arab - John Van Ess.

- The World of the Arabs - Edward J. Byng.
- Life of Muhammad, Sufi M.R. Bengali.
- Vie de Mahomet - Emile Dermenghem.
- La Republique Marchande de la Mecque-Henri Lammens.
- La Mecque, Ville Interdite, Jean Barois.
- Mahomet - Etienne Dinet.
- The Koran, translated by J.M. Rodwell.
- The Koran, translated by Marmaduke Pickthall.
- The Koran - Translated by George Sale.

حَكِيمٌ

رَسُولُ اللَّهِ